خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ

مجمع فضل و کمال، سید الانبیاء، خاتم الانبیاء، سید الکونین، اشرف رسل، [illegible]
رحمۃ للعالمین، محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت کے عظیم رخ سے چیدہ چیدہ امتیازی
خصوصیات و کمالات پر جدید اسلوب کی جامع، دلنشین و تقابلی شاہکار مجموعہ

جلد چہارم

تالیف

مولانا محمد ہارون معاویہ

رفیق دارالتصنیف جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
[illegible]

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان [illegible]

جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : [illegible]
ضخامت : 552 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿...... ملنے کے پتے ......﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

AZHAR ACADEMY LTD
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121 HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE, U.K.

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON
TX 77074 U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET
BUFFALO NY 14212 U.S.A.

اجمالی فہرست

خصوصیت نمبر ۷۶ .... ۴۱

رسول اکرم ﷺ کے ذکر کو اللہ نے اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کردیا

خصوصیت نمبر ۷۷ .... ۵۱

رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مکمل محفوظ ہے

خصوصیت نمبر ۷۸ .... ۶۱

رسول اکرم ﷺ کا خاندانی ونسبی فضل وشرف سب سے عظیم ہے

خصوصیت نمبر ۷۹ .... ۶۶

آپ ﷺ کا تعارف خود اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتے ہیں

خصوصیت نمبر ۸۰ .... ۷۸

رسول اکرم ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے

خصوصیت نمبر ۸۱ .... ۱۳۵

رسول اکرم ﷺ اور شق القمر کی عظیم خصوصیت

خصوصیت نمبر ۸۲ .... ۱۵۴

رسول اکرم ﷺ کو قیامت کے دن شفاعت کا حق دیا جائے گا

خصوصیت نمبر ۸۳ .... ۲۱۱

رسول اکرم ﷺ کی نبوت کا کارنامہ سب سے عظیم کارنامہ ہے

خصوصیت نمبر ۸۴ .... ۲۵۵

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کی عظیم جماعت عطا فرمائی

خصوصیت نمبر ۸۵ .... ۳۱۵

رسول اکرم ﷺ کو قیامت کے دن حوضِ کوثر عطا کیا جائے گا

خصوصیت نمبر ۸۶ .... ۳۳۶

رسول اکرم ﷺ تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے

خصوصیت نمبر ۸۷ .... ۳۴۵

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی العلمین بنایا

خصوصیت نمبر ۸۸ .... ۳۵۴

رسول اکرم ﷺ کا امتیاز تمام اخلاقی معلموں میں

خصوصیت نمبر ۸۹ .... ۳۶۲

رسول اکرم ﷺ کو اللہ نے اپنے زمانے میں ساری دنیا کا استاذ بنایا

خصوصیت نمبر ۹۰ .... ۳۶۷

رسول اکرم ﷺ کی امت دوسری امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی

خصوصیت نمبر ۹۱ .... ۳۷۹

رسول اکرم ﷺ کی امت کو قیامت کے دن گواہی کا شرف حاصل ہوگا

خصوصیت نمبر ۹۲ .... ۳۸۴

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے بہترین فصیح و بلیغ انسان بنایا

خصوصیت نمبر ۹۳ .... ۳۹۸

رسول اکرم ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا

خصوصیت نمبر ۹۴ .... ۴۳۵

رسول اکرم ﷺ کی امت کا مقام اخروی لحاظ سے بھی سب سے اونچا ہوگا

خصوصیت نمبر ۹۵ .... ۴۴۳

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا

خصوصیت نمبر ۹۶ .... ۴۴۵

رسول اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے نبیوں والا کام (تبلیغی کام) عطا فرمایا

خصوصیت نمبر ۹۷ .... ۵۱۰

رسول اکرم ﷺ کا نام لیکر خطاب کرنے سے امت کو منع فرمایا گیا جبکہ دیگر امتیں اپنے نبیوں کا نام لیا کرتی تھیں

خصوصیت نمبر ۹۸ .... ۵۱۲

رسول اکرم ﷺ جس راستے سے چلتے وہاں خوشبو آیا کرتی تھی

خصوصیت نمبر ۹۹ .... ۵۱۴

رسول اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر گزشتہ انبیاء کی مسلمہ کتب میں بھی آیا

خصوصیت نمبر ۱۰۰ .... ۵۲۳

رسول اکرم ﷺ کی امت کی تعداد قیامت کے دن سب سے زیادہ ہوگی

* * *

تفصیلی فہرست

انتساب..۲۰
عرضِ مؤلف..۲۱
تقریظ.....از حضرت استاذ العلماء مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی..........۲۷
تقریظ.....از استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی...۳۰
تقریظ.....از حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ العالی..............۳۱
تقریظ.....از محترم مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب مدظلہ العالی..............۳۶
انبیاء کرامؑ کے مراتب میں جزئی تفاوت اور ایک ضروری تطبیق..............۳۸
ایک ضروری وضاحت..۴۰
خصوصیت نمبر ۷۶..۴۱

رسول اکرم ﷺ کے ذکر کو اللہ نے اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کر دیا

چھہترویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..............۴۲
خصوصیت نمبر ۷۷..۵۱

رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مکمل محفوظ ہے

ستترویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..............۵۲
آپ ﷺ کی پوری زندگی محفوظ ہے..۵۲
رسول اکرم ﷺ کی شان میں مائیکل ہارٹ کا خراج تحسین..............۵۷

انگلش رائٹر "گبن" کا اعتراف...۵۹

خصوصیت نمبر ۷۸...۶۱

رسول اکرم ﷺ کا خاندانی ونسبی فضل و شرف سب سے عظیم ہے

اٹھترویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں...۶۱

خصوصیت نمبر ۷۹...۶۶

رسول اکرم ﷺ کا تعارف خود اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتے ہیں

اناسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں...۶۶

خصوصیت نمبر ۸۰...۷۸

رسول اکرم ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے

اسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں...۷۹

رحمۃ العالمین ﷺ کی شان رحمت پر ایک نظر...۷۹

حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا تفصیلی تعارف...۸۶

آپ ﷺ کی شان رحمۃ اللعالمین کی چند جھلکیاں...۱۰۱

حضور ﷺ بحیثیت رحمۃ للعالمین...۱۱۲

آیا نہ کوئی آپ ﷺ جیسا رحمت عالم...۱۲۳

رسول اکرم ﷺ رحمۃ اللعالمین بن کر مبعوث ہوئے...۱۳۰

خصوصیت نمبر ۸۱...۱۳۵

رسول اکرم ﷺ اور شق القمر کی عظیم خصوصیت

اکاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۳۶
معجزہ شق القمر کے متعلق بے دینوں کے اعتراضات کا جواب ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۴۹
شق قمر سے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۱
خصوصیت نمبر ۸۲ ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۴

رسول اکرم ﷺ کو قیامت کے دن شفاعت کا حق دیا جائے گا

بیاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۵
شفاعت کے متعلق احادیث مع تشریح ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۸
شفاعت کے معنی ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۰
شفاعت کی قسمیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۱
شفاعت کی پہلی قسم ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۱
شفاعت کی دوسری قسم ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۱
شفاعت کی تیسری قسم ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۲
شفاعت کی چوتھی قسم ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۲
شفاعت کی پانچویں قسم ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۲
شفاعت کی چھٹی قسم ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۲
شفاعت کی ساتویں قسم ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۲
شفاعت کی آٹھویں قسم ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۳
شفاعت کی نویں قسم ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۳
شفاعت کے مواقع و محل ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۳
قیامت کے دن انبیاء کا شفاعت سے انکار اور آپ ﷺ کی شفاعت کا قبول ہونا ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۴
حدیث کی تشریح ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۷۲

حدیث بالا کی مزید تشریح ۱۸۴
آپ ﷺ کی "شفاعت" سے متعلق ایک اور حدیث ۱۸۵
رسول اکرم ﷺ کی "شفاعت" قبول کرنے کا وعدہ خداوندی ۱۸۹
آپ ﷺ کی "شفاعت سے متعلق ایک اور حدیث ۱۹۳
قیامت کے دن شفاعت وغیرہ سے متعلق کچھ اور باتیں ۱۹۵
آپ ﷺ کی شفاعت کی مزید وضاحت ۱۰۶

خصوصیت نمبر ۸۳ ...... ۲۱۱

رسول اکرم ﷺ کی نبوت کا کارنامہ سب سے عظیم کارنامہ ہے

تراسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۲۱۲
آپ ﷺ نے انسانیت کا سر اونچا کر دیا ۲۲۳
فرائض رسالت میں آنحضرت ﷺ کی کامیابی تمام انبیاء علیہم السلام پر فائق ہے ۲۲۷
آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت کی حیرت انگیز خصوصیات ۲۳۰
آپ ﷺ کا پہلا کارنامہ ۲۳۵
آپ ﷺ کا دوسرا کارنامہ ماحول یا سوسائٹی کی اصلاح ۲۵۴

خصوصیت نمبر ۸۴ ...... ۲۵۵

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ جیسی عظیم جماعت عطا فرمائی

چراسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۲۵۶
قرآن میں آپ ﷺ کے صحابہؓ کا ذکر خیر ۲۵۶
قرآن سے پہلی کتابوں میں آپ ﷺ اور صحابہؓ کا ذکر خیر ۲۵۹
صحابہ کرامؓ حقیقی مومن تھے ۲۶۱

صحابہ کرامؓ کی مظالم و مصائب میں استقامت........۲۶۳
صحابہ کرامؓ میں قربانی کا بے پناہ جذبہ........۲۶۹
رسول اکرم ﷺ کی محبت واطاعت اور صحابہ کرامؓ........۲۷۱
عہد صحابہؓ کی دلکش تصویر........۲۸۱
صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے لئے سب کچھ لٹا دیا........۲۸۵
صحابہ کرامؓ کی خصوصیات کے چند درخشاں پہلو........۲۹۰
(۱) صحابہؓ کے لئے دین کا محبوب چیز بن جانا........۲۹۰
(۲) صحابہؓ نے پیغمبر ﷺ کو آغاز تاریخ میں پہچانا........۲۹۲
(۳) صحابہؓ کا قرآن کو دور نزاع میں اپنانا........۲۹۳
(۴) صحابہؓ کا خوب مال لٹانا........۲۹۵
(۵) صحابہؓ کا اپنا تاج دوسرے کے سر پر رکھنا........۲۹۶
(۶) صحابہؓ کا اپنی محدودیت کو جاننا........۲۹۷
(۷) صحابہؓ کا ذمہ داری کو اپنے اوپر لے لینا........۲۹۹
(۸) صحابہؓ کا شکایات سے اوپر اٹھ کر سوچنا........۳۰۰
(۹) صحابہؓ کا قانونی حد سے آگے بڑھ کر ساتھ دینا........۳۰۱
(۱۰) صحابہؓ کا اختلاف سے بچ کر اصل نشانہ پر لگے رہنا........۳۰۲
(۱۱) صحابہؓ کا پچھلی نشست پر بیٹھنے کے لئے راضی ہونا........۳۰۳
(۱۲) صحابہؓ کا غیر جذباتی فیصلہ کرنے کی طاقت رکھنا........۳۰۵
(۱۳) صحابہؓ کا درخت کی طرح آگے بڑھنا........۳۰۶
(۱۴) آپ ﷺ سے صحابہ کرامؓ کا عشق........۳۰۷
روایت نمبر ۱........۳۰۸
روایت نمبر ۲........۳۰۸

روایت نمبر ۳ ۳۰۸
روایت نمبر ۴ ۳۰۹
روایت نمبر ۵ ۳۰۹
روایت نمبر ۶ ۳۰۹
روایت نمبر ۷ ۳۱۰
روایت نمبر ۸ ۳۱۰
روایت نمبر ۹ ۳۱۰
روایت نمبر ۱۰ ۳۱۰
روایت نمبر ۱۱ ۳۱۱
روایت نمبر ۱۲ ۳۱۱
روایت نمبر ۱۳ ۳۱۱
روایت نمبر ۱۴ ۳۱۱
آپ ﷺ سے صحابہ کے جذبات محبت ۳۱۲
خصوصیت نمبر ۸۵ ۳۱۵

رسول اکرم ﷺ کو قیامت کے دن حوض کوثر عطا کیا جائے گا

پچاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۳۱۶
حوض کوثر کی تفصیل احادیث کی روشنی میں ۳۱۹
حوض کوثر کی فضیلت ۳۲۱
حوض کوثر کی درازی اور اس کی خصوصیت ۳۲۲
حوض کوثر کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے موتیوں کے قبے ہوں گے ۳۲۵
حوض کوثر کی وسعت ۳۲۷

حوض کوثر پر سب سے پہلے آنے والے فقراء مہاجرین ہوں گے ۳۲۸
حوض کوثر پر آنے والے لوگوں کا کوئی شمار نہیں ہوگا ۳۳۰
ہر نبی ﷺ کو ایک حوض عطا ہوگا ۳۳۱
قیامت کے دن رسول اکرم ﷺ کہاں کہاں ملیں گے ۳۳۱
مرتدین کو حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا ۳۳۳
خصوصیت نمبر ۸۶ ...... ۳۳۶

رسول اکرم ﷺ تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے

چھیاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں ۳۳۶
خصوصیت نمبر ۸۷ ...... ۳۴۵

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی العٰلمین بنایا

ستاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں ۳۴۶
خصوصیت نمبر ۸۸ ...... ۳۵۳

رسول اکرم ﷺ کا امتیاز تمام اخلاقی معلموں میں

اٹھاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں ۳۵۳
خصوصیت نمبر ۸۹ ...... ۳۶۲

رسول اکرم ﷺ کو اللہ نے اپنے زمانے میں ساری دنیا کا استاذ بنایا

نواسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں ۳۶۳

خصوصیت نمبر ۹۰...۳۶۷

رسول اکرم ﷺ کی امت دوسری امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی

نوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..........۳۶۷
سب سے پہلے جنت میں جانے والے..۳۶۷
انبیاء کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے جنت میں جائیں گے.............۳۶۸
سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والے................................۳۷۰
امت محمدیہ میں سے سب سے پہلے جنت میں جانے والے....................۳۷۱
خصوصیت نمبر ۹۱...۳۷۹

رسول اکرم ﷺ کی امت کو قیامت کے دن گواہی کا شرف حاصل ہوگا

اکانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..........۳۸۰
امت محمدیہ ﷺ آپس میں گواہی پر بخشش کے فیصلے..........................۳۸۲
خصوصیت نمبر ۹۲...۳۸۳

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے بہترین فصیح و بلیغ

انسان بنایا

بانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..........۳۸۴
خصوصیت نمبر ۹۳...۳۹۸

رسول اکرم ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا

ترانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..........۳۹۹
قرآن آپ ﷺ کا عظیم معجزہ ہے..۴۰۰

قرآن ایک زندہ اور قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۰۶
اعجاز قرآنی کی تشریح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۰۸
وجوہ اعجاز قرآنی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۰۸
اعجاز قرآن کی دوسری وجہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۱۱
اعجاز قرآن کی تیسری وجہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۱۹
اعجاز قرآن کی چوتھی وجہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۰
اعجاز قرآن کی پانچویں وجہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۰
اعجاز قرآن کی چھٹی وجہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۰
اعجاز قرآن کی ساتویں وجہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۱
اعجاز قرآن کی آٹھویں وجہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۲
اعجاز قرآن کی نویں وجہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۲
اعجاز قرآن کی دسویں وجہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۳
قرآن کریم سے متعلق چند شبہات اور ان کے جوابات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۸

خصوصیت نمبر ۹۴ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۵

رسول اکرم ﷺ کی امت کا مقام آخرت کے لحاظ سے بھی سب سے اونچا ہوگا

چورانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۶

خصوصیت نمبر ۹۵ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۴۳

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا

پچانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۴۳

خصوصیت نمبر ۹۶...... ۴۳۵

رسول اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے نبیوں والا کام (تبلیغی کام) عطا فرمایا

چھیانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں...... ۴۳۶
دعوت وتبلیغ کی ترغیب قرآن کریم کی روشنی میں...... ۴۳۹
دعوت وتبلیغ کی ترغیب احادیث کی روشنی میں...... ۴۴۷
ایمان کا آخری درجہ...... ۴۴۷
تبلیغ نہ کرنے کا انجام...... ۴۴۸
امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے رہیں...... ۴۴۸
کلمہ توحید کے حقوق...... ۴۴۹
دنیا میں ہی عذاب...... ۴۴۹
تبلیغ والوں کے لئے انعام...... ۴۴۹
اسلام کی دعوت کو پھیلانا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے...... ۴۵۰
دین کی تبلیغ ودعوت کو لیکر اٹھیے...... ۴۵۱
تبلیغ ودعوت حق اور مشکلات...... ۴۵۳
دعوت وتبلیغ کا عظیم شرف حاصل کیجئے...... ۴۵۵
ہر فرد کے تبلیغی فرائض وذمہ داریاں...... ۴۶۳
دعوت وتبلیغ والوں کے لئے حضور ﷺ کی دعا...... ۴۶۷
دعوت وتبلیغ کی سعادت ملنے پر شکر ادا کیجئے...... ۴۷۰
بے شک دعوت وتبلیغ کرنے والوں کے لئے بھلائی ہے...... ۴۷۹
سب سے زیادہ محبوب عمل...... ۴۸۰
ترک تبلیغ کا نتیجہ...... ۴۸۴

دعوت و تبلیغ سے دین کی برتری اور اللہ کی رضا مقصود ہو ۴۸۳
دعوت و تبلیغ کیلئے پانچ چیزوں کی ضرورت ہے ۴۸۵
دعوت و تبلیغ و داعی کے آداب ۴۸۹
دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے کچھ اہم اصول ۴۹۷
۱۔ اپنے منصب کا حقیقی شعور پیدا کیجئے ۴۹۷
۲۔ اپنے نصب العین کا حقیقی فہم حاصل کیجئے ۴۹۸
۳۔ دعوت و تبلیغ کے لئے ہر وقت تیار رہیے ۴۹۹
۴۔ اپنے اندر مثالی تڑپ پیدا کیجئے ۵۰۰
۵۔ اپنے مقصد کی عظمت کو سامنے رکھیے ۵۰۲
۶۔ خود اپنے گھر کی اصلاح کو بھی سامنے رکھیے ۵۰۳
۷۔ اپنے پڑوسیوں کی بھی فکر کرتے رہیے ۵۰۴
۸۔ اپنے قول و فعل میں یکسانی پیدا کیجئے ۵۰۶
۹۔ حق کے سچے سپاہی بنئے ۵۰۷
۱۰۔ اپنے اندر قربانی دینے کا جذبہ پیدا کیجئے ۵۰۸
خصوصیت نمبر ۹۷ ...... ۵۱۰

رسول اکرم ﷺ کا نام لیکر خطاب کرنے سے امت کو منع فرمایا گیا جبکہ
دیگر امتیں اپنے نبیوں کا نام لیا کرتی تھیں

ستانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن کریم کی روشنی میں ۵۱۰
خصوصیت نمبر ۹۸ ...... ۵۱۲

رسول اکرم ﷺ جس راستے سے چلتے وہاں خوشبو آیا کرتی تھی

اٹھانویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں ۵۱۲

خصوصیت نمبر ۹۹ .... ۵۱۴

رسول اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر گزشتہ انبیاءؑ کی مسلمہ کتب میں بھی آیا

ننانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۵۱۵

تورات میں رسول اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر ۵۱۵

تورات میں رسول اکرم ﷺ اور امت محمدی ﷺ کے اوصاف کا ذکر ۵۱۷

خصوصیت نمبر ۱۰۰ .... ۵۳۳

رسول اکرم ﷺ کی امت کی تعداد قیامت کے دن سب سے زیادہ ہوگی

آخری خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۵۳۳

ماخذ ومراجع ۵۳۶

مؤلف کی چند دیگر کتب ۵۵۲

* * *

انتساب

حضور سرورِ کائنات، فخرِ مجسم، شافعِ محشر، ساقیِ کوثر حضرت محمد عربی مصطفیٰ ﷺ کے نام، جو باعثِ تخلیقِ کائنات بن کر دنیا میں تشریف لائے اور اپنی ضوفشانیوں سے دنیا کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اجالوں سے روشن کر گئے۔

رخِ مصطفیٰ کو دیکھا تو دیوں نے جلنا سیکھا
یہ کرم ہے مصطفیٰ کا کہ شبِ غم نے ڈھلنا سیکھا
یہ زمیں رکی ہوئی تھی یہ فلک تھما ہوا تھا
چلے جب مرے محمد تو دنیا نے چلنا سیکھا

محمد ہارون سعادیہ

عرضِ مؤلف

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب و خلیل حضرت محمد ﷺ کے بے شمار فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں اور انہیں رحمت ہی رحمت سے مزین فرمایا ہے گویا کہ آپ ﷺ سراسر رحمت ہیں، آپ ﷺ کی جملہ صفات و فضائل تمام مخلوقات کے لئے باعث رحمت ہیں، آپ ﷺ کی زندگی عین رحمت اور آپ ﷺ کا رفیق اعلیٰ سے ملنا عین رحمت ہے۔ الغرض آپ ﷺ جن و انس کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا شہرہ بلند فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے ورفعنا لک ذکرک "اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔"

اللہ کی قسم! بالکل ایسا ہی ہوا دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا خوب چرچا فرمایا، دنیا میں کوئی خطیب، واعظ اور نمازی ایسا نہیں ہے جو اللہ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام نہ لیتا ہو اور اشهد ان لا اله الا الله کے ساتھ اشهد ان محمدا الرسول اللہ نہ پڑھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنیٰ میں سے دو مبارک نام رؤف اور رحیم اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رءوف رحیم "دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو ایسی دل رُبا شکل و صورت سے نوازا جو رعنائی و زیبائی میں بے مثل اور انتہائی حسین و جمیل ہے اور ان سے پہلے یا بعد میں کوئی بھی اس حسن و جمال میں آپ ﷺ کا شریک و سہیم نہیں۔ چنانچہ خوبصورتی کی تمام صفات میں سے وافر حصہ آپ ﷺ کو عطا کیا گیا اور جمال و زیبائی کی جملہ اداؤں میں آپ ﷺ کو شریک کیا گیا حتیٰ کہ مختلف قسموں کا ذوق جمالیات رکھنے والے اگر آپ ﷺ کے رخ انور کو دیکھیں تو آپ ﷺ کی ہر ادا اور ہر پہلو میں اپنے لئے سامان لطافت پائیں اور کوئی بھی زاویہ ان کے ذوق پر گرانی کا باعث نہ ہو۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک بے شمار انبیاءؑ بھیجے، ان میں اکثر انبیاء وہ ہیں جن کے حالات تو کیا ہمیں ان کے نام بھی معلوم نہیں ہیں، قرآن کریم میں صرف پچیس انبیاء کرامؑ کے نام آئے ہیں۔

ان انبیاء کے نام اور حالات معلوم نہ ہونے کے باوجود ہم مسلمان ان تمام انبیاءؑ کا احترام کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے منتخب بندے تھے وہ اپنے وقت کے سب سے بہتر، سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ انسان تھے۔ ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی ان میں سے کسی کو کتاب اور کسی کو صحیفہ عطا کیا گیا انہیں مختلف معجزات عطا کئے گئے۔ انہیں عزت و عظمت سے سرفراز کیا گیا۔ ہم ان سب باتوں کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بعض ایسی چیزیں بھی تھیں جو صرف ہمارے آقا ﷺ کے ساتھ خاص تھیں۔

چنانچہ انبیاء و رسل کی اس مقدس جماعت میں جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو سینکڑوں امتیازی خصوصیات حاصل ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے "خصائص کبریٰ" میں ڈھائی سو کے قریب حضور ﷺ کے خصائص جمع کئے ہیں ان سب کی تفصیل بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم دفتر درکار ہے۔ اسی طرح دیگر اور بھی کتابیں اس عظیم موضوع پر لکھی گئیں لیکن عربی زبان میں۔

حضور سرور کائنات ﷺ کی سیرت کے اس عظیم گوشے کے بارے میں چونکہ اب تک اردو زبان میں ہماری معلومات کے مطابق مستقل کوئی کتاب ترتیب نہیں دی گئی تھی اس لئے عرصے سے اس ضرورت کو محسوس کیا جا رہا تھا چنانچہ بندے کے ایک قریبی دوست مولانا محمد عمران مراد صاحب نے اس موضوع کی طرف توجہ دلائی کہ اس عظیم الشان موضوع پر کچھ کام ہو جائے تو ایک سعادت کی بات ہوگی محترم موصوف کا مشورہ دل کو لگا ابتدائی وقت بندے نے اللہ رب العالمین کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اس عظیم سعادت کے حاصل کرنے کا عزم مصمم کر لیا اور اپنی طاقت کی بقدر سیرت کے عنوان پر لکھی جانے والی چھوٹی بڑی تقریباً ساری کتب کو خرید لیا اور شب و روز کی محنت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قدر مواد جمع ہو گیا کہ جو چار جلدوں کی ضخامت تک پہنچ گیا اور بحمد اللہ اس طرح سیرت النبی ﷺ کا یہ عظیم باب چار ضخیم جلدوں میں آپ تک پہنچانے کی سعادت حاصل ہوئی جس میں حضور ﷺ کی چودہ سو

خصوصیات کو مرتب کیا گیا یعنی ہر جلد میں پچیس خصوصیات شامل کی گئیں۔

یہ عظیم کتاب اب سے کئی مہینوں قبل آپ کے ہاتھوں تک پہنچ جاتی لیکن تاخیر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جذبہ پیدا ہوا کہ کیوں نہ ایسا ہو جائے کہ اس مقدس کتاب کا کچھ کام صاحب خصوصیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقدس شہر مدینۃ المنورہ میں روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر کیا جائے، چنانچہ اللہ رب العلمین نے فضل فرمایا اور رمضان المبارک میں عمرے کی سعادت حاصل ہوئی تو چونکہ اس وقت تک یہ چاروں جلدوں کی کمپوزنگ ہو چکی تھی لہٰذا بندے نے سفر میں چاروں جلدوں کا ایک پروف اپنے ساتھ رکھ لیا اور مسلسل تقریباً ۱۴ دن تک شب و روز روضہ رسول کے سائے میں بیٹھ کر کتاب کو آخری ترتیب دی یعنی کچھ کانٹ چھانٹ ہوئی، کچھ مزید اضافے ہوئے، کہیں کہیں کچھ وضاحت یا تمہیدات کی ضرورت محسوس ہوئی تو اسے پورا کیا گیا اور مزید اس مقدس جگہ کی روحانیت کے نتیجے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالا اسے بھی ترتیب دیا، الغرض اس کتاب کی آخری مکمل ترتیب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر مرتب کی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ہوا ورنہ "من آنم کہ من دانم" بہر حال اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کا کروڑوں بار شکر ادا کروں تو بھی کم ہے۔

اور اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کو مرتب کرنے میں بھی میرا کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ یہ نہ تو میری تصنیف ہے اور نہ ہی تحقیق، بلاشک یہ سب کچھ اکابرین کی کتب سے استفادے کے بعد ترتیب دیا گیا مواد ہے، اور اس بات کا میں کھلے دل سے اقرار کرتا ہوں تاکہ کسی محترم کے دل میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے بدگمانی پیدا نہ ہو، ہاں البتہ اس عاجز نے شب و روز محنت کر کے 300 سے زائد کتابوں کے ہزاروں صفحات کو بار بار کھنگالا اور مختلف کتابوں میں بکھری خصوصیات کو یکجا کیا، مشکل الفاظ کو جدید اسلوب میں ڈھالنے کی کوشش کی، جدید دور کے نئے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نئی ذہنیت کے حامل مسلمانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش کی، اس کام کے لئے مجھے کس قدر باریک بینی اور شب و روز کی

محنت سے کام لینا پڑا ہے اسے اللہ علیم وخبیر خدائے واحد ولا شریک اس سے بخوبی آگاہ ہے اور بے شک میری نظر بھی اسی ذات پر ہے اور اسی ذات سے اچھے بدلے کی امید ہے کوئی قابلِ احترام دوست مجھ گنہگار کے بارے میں کچھ بھی کہے مجھے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے، پرواہ یا فکر تو تب ہو کہ دنیا والوں سے بدلے کی امید وابستہ ہو بس میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے اس کے بعد اور کچھ نہیں چاہیے۔

اور اسی طرح اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جیسا کہ چاروں جلدوں میں بھی جابجا یہ وضاحت کی گئی ہے کہ خصوصیات مصطفیٰ ﷺ کو لکھنے کا مقصد نعوذ باللہ دیگر انبیاء کرام کی تنقیص نہیں ہے اور نہ ان کے مقام و مرتبے کو کم کرنا مقصد ہے بلکہ نیت صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری نبی ﷺ کو جو مقام ملا ہے امت کے سامنے اسے اجاگر کیا جائے اور امت کو تعلیمات نبوی ﷺ کی طرف آنے کی دعوت دی جائے بے شک جب امت اپنے نبی ﷺ کے مقام و مرتبے کو سمجھے گی تو ان کے دل میں اپنے نبی ﷺ کی محبت پیدا ہوگی اور اپنے نبی ﷺ کی سنتوں پر چلنا آسان ہوگا کیونکہ امت کے ہر فرد کی فلاح وکامرانی اب صرف اور صرف محمد مصطفیٰ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہے لہٰذا ذہن میں رہے کہ اگر خدانخواستہ کسی کے دل میں دیگر انبیاء کرام سے متعلق ادنیٰ سا بھی منفی خیال آیا تو اس کا ایمان اس کے پاس باقی نہیں رہے گا، اور یہ بات کوئی اپنی طرف سے نہیں کہی جا رہی بلکہ خود خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات میں اس کی تلقین کی گئی ہے جیسا کہ مختلف مقامات پر تفصیل آپ ملاحظہ کرتے رہیں گے ان شاء اللہ۔

بہرحال محترم قارئین! بندہ عاجز کی یہ کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے اگر یہ اچھی لگے تو اس خاکسار کی آخرت کی کامیابی کے لئے رب تعالیٰ سے دعا کیجئے گا اور اگر کوئی غلطی یا کمزوری نظر آئے تو مجھے بھی ایک کمزور اور ناقص سا مسلمان سمجھتے ہوئے معاف کر دیجئے گا اور اگر رہنمائی ہو جائے تو یہ بہت بڑا احسان ہوگا آپ کے مشوروں کا دل سے خیر مقدم ہوگا۔ بندہ رہنمائی اور مشوروں کا طالب ہے اور رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اور اب ضروری ہے کہ اپنے ان تمام مہربانوں کا شکریہ ادا کروں کہ جن حضرات نے مجھے مشورے دیئے، میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی جن میں سرفہرست میرے استاذ محترم میری

مادرِ علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے قدیم استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ ہیں کہ استاذ محترم نے اس کتاب کے لئے گراں قدر تقریظ تحریر فرما کر مجھ عاجز کے سر پر دستِ شفقت رکھا۔

اسی طرح شکریہ ادا کرتا ہوں استاذ محترم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی کا کہ حضرت استاذ محترم نے باوجود شدید مصروفیات کے بندے پر شفقت فرماتے ہوئے تقریظ تحریر فرمائی۔

اور میرے مشفق استاذ کہ جن کی شفقت کے سائے تلے میں نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی میں آٹھ سال کے شب و روز گزارے، استاذ الحدیث اور ناظم تعلیمات جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی حضرت استاذ العلماء مولانا عطاء الرحمن صاحب مدظلہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ حضرت استاذ صاحب نے بھی اس کتاب کے حوالے سے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور قیمتی مشورے دیے۔

اور اسی طرح استاذ الحدیث دارالعلوم کورنگی کراچی حضرت استاذ العلماء مولانا عزیز الرحمن صاحب مدظلہ کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ حضرت مدظلہ نے میرے اس کام کو خوب پسند فرمایا، میری حوصلہ افزائی فرمائی اور بہت سے اچھے اچھے مشورے بھی دیئے اور اسی طرح میں خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ کا کہ جنہوں نے میری گزارش پر ایک جامع اور مانع تقریظ تحریر فرمائی اور بہت سی باتوں کی بڑے اچھے انداز میں وضاحت فرمائی اور بہت سے قیمتی مشورے بھی دیئے۔

اسی طرح شکریہ ادا کرنا ضروری ہے برادرِ کبیر جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے فاضل، مشہور خطیب اور ایک رسالے کے مدیر حضرت مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب کا کہ جنہوں نے میری کتاب کے لئے تقریظ بھی تحریر فرمائی اور کتاب شروع کرنے سے لے کر آخر تک وقتاً فوقتاً ان کے مشورے بھی میرے شاملِ حال رہے، علاوہ ازیں

مفتی صغیر احمد صاحب، مفتی محمد انور بدخشانی صاحب، مفتی رفیق احمد صاحب، مولانا محمد سفیان بلند صاحب، مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا عبداللہ صاحب شیخ الحدیث "مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپورخاص" مکتبہ یوسفیہ کے مالک برادر کبیر جناب حضرت مولانا محمد یوسف کھوسو صاحب استاذ الحدیث مدرسہ عربیہ قاسم العلوم اور مولانا محمد عمران سردار صاحب استاذ مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، بے شک ان حضرات کا مجھ پر احسان ہے کہ مختلف موقعوں پر ان سے بھی مجھے مفید مشورے ملتے رہے اور ان کا تعاون میرے شامل حال رہا میری دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ اور تمام پرخلوص معاونین کو دونوں جہانوں کی خوشیاں نصیب فرمائے آمین۔

اس کے علاوہ بھی میں دیگر ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب سے لے کر کمپوزنگ اور کتاب کی اشاعت تک میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا، خصوصاً دارالاشاعت کراچی کے مالک جناب خلیل اشرف عثمانی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جو میری تمام کتابوں کو اہتمام کے ساتھ شائع کر کے میری حوصلہ افزائی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو دونوں جہانوں کی شادمانیاں نصیب فرمائے۔ آمین!

اور میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ قدس میں دست بدعا ہوں کہ وہ ذات پاک اس کتاب کو میری دیگر کتابوں کی طرح مفید اور کارآمد بنادے اور ہم سب کو خلوص نیت کے ساتھ دین کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اور تمام قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ مجھے، میرے والدین، اساتذہ کرام کو اپنی خصوصی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، الغرض اگر آپ کو اس کتاب میں کوئی خامی اور کمزوری نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں آپ کا بہت شکریہ ہوگا، آپ کے ہر مشورے کا دلی خیر مقدم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام   آپ کا خیراندیش   محمد ہارون معاویہ
فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
ساکن میرپورخاص سندھ

تقریظ

از حضرت استاذ العلماء مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

سرکارِ دو عالم ﷺ کی سیرت پر پہلی صدی ہجری سے لے کر گذشتہ چودہ صدیوں میں ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین و مقالات لکھے جا چکے ہیں، جن کا احاطہ کرنے کے لیے مستقل کتابیات اور فہرستیں تیار کی گئی ہیں، اگر اس پورے ادبیات سیرت کا اندازہ لگایا جائے تو شاید تاریخ انسانی میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں جس پر اس قدر اور ہمہ پہلو مواد تیار ہوا ہو، بلکہ یوں کہا جائے کہ سیرت کا موضوع محققین اور محبین و عاشقین کے لیے ایک مستقل میدان تحقیق و تصنیف بن گیا، خود متعلقات سیرت اس قدر متنوع اور وسیع ہیں کہ ان کا احاطہ کرنے کے لیے الگ کتابی جائزے کی ضرورت ہے، سیرت طیبہ کے ان مراجع و مصادر پر توجہ کریں تو ایک جہانِ سیرت اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے، سیرت نبوی کے ماخذ پر غور کیا جائے تو درج ذیل علوم و فنون اس کا سرچشمہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مقام پر اہم ہے:

۱۔ قرآن مجید ۲۔ کتب تفسیر ۳۔ کتب تاریخ ۴۔ کتب شمائل نبوی ۵۔ کتب دلائل النبوۃ
۶۔ کتب شروح احادیث ۷۔ کتب احادیث، خطبات، مکاتیب، معاہدات، دستاویزات،
۸۔ کتب آثار و اخبار ۹۔ اطلس و خرائط سیرت ۱۰۔ کتب نعت رسول ۱۱۔ کتب انساب ۱۲۔ کتب
جغرافیہ عرب ۱۳۔ کتب تاریخ حرمین ۱۴۔ کتب اسماء رجال ۱۵۔ ادب عربی ۱۶۔ سفرنامہ حرمین

سیرت النبی کے مطالعہ کا شوقین جب آگے بڑھ کر دیکھتا ہے تو اس موضوع پر کتابوں کی کثرت اس کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ گذشتہ چودہ سو سال سے مسلسل لکھا جا رہا ہے مگر ہنوز روزِ اول کا معاملہ محسوس ہوتا ہے اور یہ بذاتِ خود امتیازاتِ سیرت کا ایک حسین اور حیران کن باب ہے، رحمتِ عالم کی ذات و سیرت سراپا امتیاز ہے۔ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے از خود پانچ درج ذیل امتیازات گنوائے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ ایسے امتیازات دیئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملے: (۱) ابھی ایک ماہ کی مسافت باقی ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے (۲) ساری روئے زمین میرے لئے اور میرے امتی کے لیے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے سو جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے (۳) غنیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا (۴) مجھے شفاعت کا حق عطا کیا گیا ہے (۵) پہلے انبیاء اپنی اقوام کے لیے خاص ہوا کرتے تھے مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔

رسول اللہ کے خصائص و امتیازات پر عربی زبان میں کافی کتابیں ہیں جن میں امام جلال الدین سیوطی کی "الخصائص الکبریٰ" اور حافظ ابن قیم کی "زاد المعاد" سرفہرست ہیں اس کے علاوہ ابونعیم اصبہانی کی "دلائل النبوۃ" بھی اس موضوع پر مشہور کتابوں میں سے ہے، فارسی زبان کے مشہور شاعر اور صوفی بزرگ عالم مولانا جامی نے فارسی میں "شواہد نبوت" کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی جس میں انہوں نے حضور ﷺ کے وہ امتیازی اوصاف جو حضور کی ذات مبارکہ میں پائے جاتے ہیں سات الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کئے ہیں، اردو زبان میں حضور ﷺ کی امتیازی خصوصیات و کمالات پر ایک مستقل اور مفصل کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی، اس کمی کو ہمارے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ہونہار نوجوان فاضل مولوی محمد ہارون معاویہ نے پورا کیا اور انتہائی محنت کے بعد مختلف کتابوں سے مواد منتخب کر کے چار ضخیم جلدوں میں پیش کر دیا ہے، میں اس کتاب کا تفصیلی مطالعہ تو نہ کر سکا لیکن موضوع کی اہمیت کے پیش نظر امید

ہے کہ کوئی قابلِ اعتراض بات اس میں نہ ہوگی، مؤلف موصوف زمانہ طالب علمی سے ہی جامعہ میں تقریری و تحریری سرگرمیوں میں پیش پیش رہے اور اب بھرپور خلوص سے دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، نیز اس سے قبل بھی مختلف موضوعات پر ان کی تقریباً تیرہ کتابیں زیبِ طبع ہو کر داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس محنت کو حضور ﷺ کے طفیل قبول فرمائے اور ہم سب کو آنحضرت ﷺ کی سیرت اور سنت پر چلنے والا بنائے، آمین۔

(حضرت استاذ العلماء مولانا) محمد انور بدخشانی (صاحب مدظلہ العالی)

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ

از استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی

نائب رئیس دارالافتاء و استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

سیرت کا موضوع سدابہار گلشن کی طرح ہے جس کا ہر پھول اپنی جگہ اہم ہے۔ یہ گل چیں کا ذوق ہے کہ وہ کس پھول کو چنتا ہے۔ لیکن جو پھول چننے سے رہ جائے وہ ہرگز چنے ہوئے پھول سے غیر اہم نہیں۔ سیرت کا موضوع انتہائی متنوع ہے۔ قدیم وجدید اچھے پائے بہت سے محدثین نے اسے موضوع بحث بنایا ہے اور ہر مصنف نے اسے ایک نیا اسلوب دیا ہے۔ ”خصوصیت مصطفیٰ ﷺ“ ایسا موضوع ہے جس پر عربی میں بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، اور اردو میں اگرچہ سیرت نبوی ﷺ کا ذخیرہ عربی سے کسی طور پر کم نہیں۔ اور متفرق طور پر یہ موضوع کسی حد تک اس میں پایا جاتا ہے لیکن اس موضوع پر یکجا طور پر تفصیلی ذخیرہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ عزیز محترم مولانا ہارون معاویہ مدظلہ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے چار ضخیم جلدوں میں تصنیف کر کے اردو کے دامن کو اس موضوع سے مالا مال کر دیا۔ کتاب کی اجمالی فہرست پیش نظر ہے۔ فہرست کے عنوانات سے موضوع پر جامعیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ عزیز موصوف نے بندہ ناچیز سے کچھ لکھنے کی فرمائش کی، بندہ لکھنے لکھانے کے فن سے نابلد ہے۔ پھر بھی صاحب خصوصیات ﷺ کی محبت کے تقاضے اور اس پر شفاعت مصطفیٰ ﷺ کے حصول کی امید پر چند سطور حوالہ قرطاس کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ عزیز موصوف کی اس کاوش کو قبول فرما کر ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت بنا دیں۔ (آمین)

(حضرت استاذ العلماء مولانا مفتی) عبدالمجید دین پوری (صاحب مدظلہ العالی)

نائب رئیس دارالافتاء و استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ

از حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ العالی

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

﴿الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه مباركا عليه كما يحب ربنا ويرضى والصلوٰة والسلام على حبيبه المصطفى ورسوله المجتبى على اٰله وصحبه وعترته واهل بيته الاطهار الاتقياء وعلى كل من بهديهم اهتدى. اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمين﴾ ترجمہ: اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔ (انوار البیان حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوق میں سب سے اعلیٰ و افضل شخصیتوں کے مالک ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں بھی فضل و کمال کے مختلف درجات رکھے ہیں بعضوں کو دوسرے بعض پر مختلف حیثیت میں فضیلت سے نوازا، بعض کو اولوالعزمی کا خاص اعزاز بھی عطا فرمایا پھر ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے فضائل و کمالات کو ایک ہستی میں یکجا فرمادیا، یہ ہستی جامع فضل و کمال سید الانبیاء، مقصود الخلائق، سید الکونین، اشرف الرسل، شفیع الامم، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین ﷺ کی ذات اطہر ہے، جو عالمگیر نبوت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔

عالمگیر نبوت آپ ﷺ کی منفرد خصوصیات میں سے اولین خصوصیت شمار ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ اپنی ذات اور صفات میں بے پناہ خصوصیات کے مالک ہیں جو منضبط

یا منتشر انداز میں تقریباً احادیث و سیرت کی ہر ہر کتاب میں موجود ہیں تاہم باقاعدہ عنوان کے تحت میری ناقص معلومات کے مطابق اپنے موضوع کی جامع و مستند کتاب نویں صدی ہجری کے مشہور مفسر و محدث علامہ جلال الدین السیوطی (۸۴۹ھ۔۹۱۱ھ) نے ترتیب دی، جس میں آنحضرت ﷺ کی بڑی بڑی خصوصیت کو تقریباً ایک سو پچاس ابواب کے تحت ذکر فرمایا ہے، اس کتاب میں تتبع و استقراء کے طور پر چیدہ چیدہ وہ تمام خصوصیات و معجزات تقریباً جمع فرما دیئے گئے ہیں جن میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی دوسری ہستی شریک نہیں، علامہ سیوطیؒ نے اس کتاب کا نام "**كفاية الطالب اللبيب في خصائص الحبيب** ﷺ" رکھا، جو بعد ازاں "الخصائص الکبریٰ للسیوطی" کے نام سے مشہور و متداول ہوئی، عرب و عجم کے مختلف مطابع متعدد بار اس عظیم کتاب کی اشاعت کا شرف حاصل کر چکے ہیں، اور مختلف بلاد میں مقامی زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔

اس کتاب اور اس خاص موضوع کی وسیع پیمانے پر خدمت یہ بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیت و کرامت ہے، اسی کرامت و خصوصیت کا تسلسل کہیں یا مظہر، یہ زیر نظر مجموعہ بھی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس مجموعہ میں بھی علامہ سیوطیؒ کی پیروی و اقتداء سے باصف ہوتے ہوئے حضرت مصطفیٰ ﷺ کی ایک سو (۱۰۰) منفرد خصوصیات و امتیازات کو جمع فرمایا گیا ہے۔

یہاں پر روایت پسندی کے تناظر میں ممکن ہے یہ کہا جائے کہ علامہ سیوطیؒ کی خصائص کبریٰ جو اپنے اردو ترجمہ کے ساتھ بھی ہمارے ہاں دستیاب ہے تو اس عظیم کارنامہ پر مزید کسی اضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس حوالے سے صرف اتنا کہہ دینا بھی کافی ہے کہ قرآن کریم اور سیرت طیبہ یہ دونوں ایسے موضوعات ہیں کہ ان موضوعات کی جس انداز سے جن پہلوؤں سے جتنی بھی خدمت کی جائے، وہ کافی وافی نہیں کہلا سکتی یہ بھی قرآن کریم اور حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت میں سے ہے۔

تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ حضور ﷺ کے خصائص پر عربی کتب کے اردو تراجم میں

سلاست وروانگی کی تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے، اس لئے اس موضوع پر سلیس ورواں انداز میں خدمت کی ضرورت زبان، لہجہ اور تعبیرات میں رونما ہونے والے تغیرات کی وجہ سے محسوس ہوتی رہے گی، موجودہ دور کی اسی ضرورت کے تحت ہمارے جامعہ کے ایک فاضل مولانا محمد ہارون معاویہ حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ تالیفی کوشش پیش فرمائی ہے۔

مولانا محمد ہارون صاحب بنوری ٹاؤن کے سابق طالب علم جواب فاضل کہلاتے ہیں، طالب علمی کے زمانہ میں جامعہ میں تقریر و بیان کے میدان کے شہسوار ہونے کی حیثیت سے شہرت و تعارف کے حامل رہے اور تقریری مقابلوں و مسابقوں میں سبقت سے ہمکنار ہوتے رہے ہیں، زمانہ طالب علمی ہی سے انہیں تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر سے بھی قلبی وعملی لگاؤ ہو چکا تھا، فراغت کے بعد تحریری میدان میں بھی موصوف نے نہ صرف یہ کہ اپنی سابقہ نمایاں شناخت باقی رکھی بلکہ موجودہ دور کے کثیر التالیف مصنفین کی صف میں شامل ہو چکے ہیں، موصوف فراغت کے بعد چند ہی سالوں میں ایک درجن سے زائد کتابوں کی جمع و ترتیب کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔

مولانا محمد ہارون معاویہ صاحب کی حالیہ تالیف "خصوصیات مصطفیٰ ﷺ" چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

جس میں آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیات اور کمالات سے بحث فرمائی گئی ہے، کتاب کا مکمل مسودہ تو ہمارے سامنے نہیں ہے البتہ مؤلف موصوف نے مسودہ کی فہرست کے کچھ صفحات بطور تعارف کے پیش فرمائے تھے، فہرست کے مطالعہ سے اور خود مؤلف کی زبانی کتاب کا قدرے کفایت جو تعارف ہوا اس سے کتاب کی افادیت، موضوع سے مناسبت اور امتیازی حیثیت و اہمیت کا جو نقش ابھرا ہے وہ اس بات کا داعیہ بنا کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے امتیازی پہلوؤں کی اس عظیم خدمت میں ہمارا بھی معمولی حصہ ہو جائے اور حضور ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے ﴿اللهم ابلغنا بغيتنا بمنزلته صلى الله عليه وسلم لديك﴾

آنحضرت ﷺ کی امتیازی خصوصیات اور کمالات چونکہ اس کتاب کا موضوع ہے، اس لئے ایک اصولی بات کی یاددہانی بھی اس موقع پر نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اہل فضل وکمال میں سے کسی صاحب فضل وکمال کی خصوصیت اور امتیازی شان کو بیان کرتے میں اولاً تو "تقابل" کا انداز ہی اختیار نہیں کرنا چاہئے، اگر کسی ہستی کے وجوہ ترجیح کو تقابلی مثالوں ہی سے بیان فرمایا جارہا ہو تو پھر الفاظ وتعبیرات کا چناؤ ایسا ہونا ضروری ہے کہ کسی ہستی کی تفضیل وتکریم کسی دوسری ہستی کی تنقیص وتوہین کا مظہر نہ ہو ورنہ ۔ محض خیر اپنی اصلیت سے جدا ہو کر مواخذہ اخروی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک.

ہمارے مؤلف موصوف نے اس اصول پر کاربند ہونے کا بھرپور اطمینان دلایا ہے، اور ہمیں بھی موصوف کی گزشتہ کارکردگی کے تناظر میں احتیاط، ذمہ داری اور دیانت کا حسن ظن ہے، اس حسن ظن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے قبل مؤلف موصوف نے اپنی ہر کتاب کے اصل مواد میں اپنی اختراعات اور تعبیرات سے زیادہ اپنی کتابوں کے مراجع وماخذ یعنی اسلاف کی کتابوں کے مواد پر انحصار کیا ہے جو یقیناً اعتماد اور استناد کی ضمانت کی حامل ہیں۔

اسلاف کی کتابوں پر انحصار میں مؤلف موصوف نے جس دیانت داری اور امانت داری کا ثبوت دیا ہے، اس سے مؤلف کی شخصیت اور ان کی تالیفی خدمات کو بھرپور اعتماد کا ذریعہ حاصل ہوگا ان شاء اللہ، کیونکہ ہمارے اس دور میں اس نوعیت کے مرتبین ومؤلفین عام طور پر "سرقہ علمیہ اور علمی خیانت" جیسے القاب والزامات کے لئے بجا طور پر محل ومورد بنے ہوئے ہیں جنہوں نے بزرگوں کی باتوں، واقعات اور حکایات بلکہ پورے کے پورے مضامین ومقالات کو اپنی تالیفات کے بھرے کے پیٹ بھرنے کے لئے "من وعن" نقل کردینے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں فرمائی ہاں اتنا ضرور کیا کہ جہاں ان بزرگوں نے اپنا یا اپنے بزرگوں کا نام ذکر کیا ہوا تھا وہاں ہمارے بعض جدید مؤلفین نے اپنا اور اپنے کسی بزرگ کا نام ڈال دیا پھر شاعر اور متکلم کے صیغوں پر اکتفا فرمالیا۔

چوری اور بد دیانتی کی اس ناخوشگوار فضا میں اگر کوئی عالم دین، پوری امانت داری، دیانتداری اور سچائی کے تقاضوں کے ساتھ کوئی علمی خدمت منظر عام پر لائے تو یقیناً وہ تحسین و تبریک کا مستحق ہے، سیرت طیبہ کی خدمت سے ادنیٰ تعلق سے جمع کے بعد یہی دعا باعث ہے کہ یہ چند سطریں تحریر ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کے علم و عمل میں مزید برکت اور ترقی نصیب ہو، ان کی دینی خدمات کو ان کے لئے ان کے اساتذہ کرام اور والدین گرامی کے لئے ذخیرۂ آخرت اور وسیلہ نجات بنائے اور ہم سب کے لئے صراط مستقیم پر چلنا آسان فرمائے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں، بہت آسان ہے، ہر عمل کی توفیق و قبولیت اسی کے پاس ہے۔ ﴿وصلی اللہ علی النبی الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین﴾

(حضرت مولانا مفتی) رفیق احمد بالاکوٹی (صاحب مدظلہ العالی)

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ

محترم مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب مدظلہ العالی

ناظم اعلیٰ معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر کی مسجد) صدر کراچی

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ پر زمانۂ نبوت سے اہل دانش و اہل قلم اور علماء امت مسلسل لکھتے آرہے ہیں، اور صبح قیامت تک لکھتے ہی رہیں گے، چونکہ بعد از خدا آمنہ کے در یتیم ہی کا مقام ہے اسی بنا پر لکھا گیا۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حال ہی میں ایک دانشور کی تحریر مطالعہ سے گزری جس میں موصوف نے سیرت مصطفیٰ ﷺ پر لکھی جانے والی کتب کی تعداد تین ہزار سے زائد بتائی ہے، جس میں پچاس کتابیں فقط نعلین مبارک سے متعلق ہیں، چنانچہ کئی کئی جلدوں پر مشتمل ضخیم کتابیں تاجدار مدینہ راحت قلب وسینہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت و اخلاق حسنہ کی عکاسی کر رہی ہیں، آپ ﷺ کی سیرت پر تحریر شدہ کتب کی تعداد اسقدر زیادہ ہونے پر حیرت کی بات نہیں چونکہ آپ ﷺ کی سیرت کا طویل باب ہے جس کا بین ثبوت صدیقہ بنت صدیق اماں عائشہ کا فرمان ہے کہ پورا قرآن آپ کا اخلاق ہے۔

خدائے بزرگ و برتر کے بعد سب سے اونچی ہستی اور اس دنیا کی آخری نسل تک کے لئے ہادی و رہبر سردار انبیاء خاتم النبیین ﷺ ہیں جس کے روشن چہرے اور بکھری زلفوں کی قسمیں خود خالق ارض و سماء نے مقدس کلام میں اٹھائی ہیں یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز فرمایا کہ اے پیغمبر میں قسمیں دو چاندوں کا کر روشن ہوجانے کا یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز قرآن میں ورفعنا لک ذکرک فرما کر آپ ﷺ کا نام ہمیشہ کے لئے بلند و بالا کر دیا اور پھر آپ ﷺ کے نام کا چرچا بھی کیا اور اس طرح بھی آپ ﷺ کا نام (محمد) ہے تو باعتبار معنی خود بخود آپ ﷺ کی تعریف و توصیف ہو جائے یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے ہاں یہ بھی آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ ساتوں آسمانوں پر حضرات انبیاء نے آپ کا استقبال کیا، پھر آپ ﷺ کے لئے

عرش کے دروازے کھلے پھر آپ کو حبیب کا لقب ملا اور خود اللہ تعالیٰ نے آپ سے گفتگو فرمائی۔

چنانچہ یہ امر باعث مسرت ہے کہ فاضل نوجوان عزیزم مولانا محمد ہارون معاویہ نے عوامی، علمی اور دینی خدمت کے احساس کے تحت ہادی برحق ﷺ کی اہم اہم خصوصیات کو یکجا کرنے کا عزم مصمم کیا اور چار جلدوں میں آپ کی سو خصوصیات کو جمع کر دیا۔

مولانا محمد ہارون معاویہ سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ بندۂ عاجز کے ماموں زاد بھائی ہیں ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے سند فراغت حاصل کی ہے، زمانہ طالب علمی سے ہی تحریر و تقریر اور کتب اسلاف کا مطالعہ موصوف کا محبوب مشغلہ رہا ہے اور دورۂ حدیث والے سال سے باقاعدہ میدان تالیف میں قدم رکھا اور تادم تحریر (۱۲) کتب شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں چنانچہ میدان تالیف و تصنیف کے نشیب و فراز سے بخوبی آگاہی حاصل کرنے کے بعد خصوصیات کے لئے قلم اٹھایا ہے، یہ چار جلدوں پر مشتمل آپ ﷺ کی ۱۰۰۰ خصوصیات کا گرانقدر، جاذب نظر اور قابل فخر مجموعہ ہے، اس کی عظیم خصوصیت یہ بھی ہے کہ موصوف مؤلف نے صاحب خصوصیات ﷺ کے روضۂ اطہر کے سامنے بیٹھ کر ان گنت صفحات تحریر فرمائے ہیں، جسے قارئین دوران مطالعہ محسوس بھی کریں گے اور بہرہ اندوز بھی ہوں گے، بلاشبہ آپ اس کتاب میں ایک ایسی عظیم ہستی (ﷺ) کی ۱۰۰۰ خصوصیات کو پڑھ سکتے ہیں جس کے عام و خاص حالات بھی بالتفصیل محفوظ ہیں اور ان پر نازل شدہ الہامی کتاب بھی ہو بہو محفوظ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس نونہال نوجوان نے اتنی کم عمری میں بہت بڑا کام کر دکھایا ہے، یہ محض خالق کائنات ہی کی کرم نوازی ہے۔

راقم الحروف نے چاروں جلدوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے اور فہرست کو بغور پڑھا ہے بحمد اللہ ایک جامع اور منفرد کام کیا ہے، بارگاہ صمدیت میں دست بدعا ہوں کہ رب ذوالجلال موصوف کی شب و روز کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے اور علم و عمل، صحت و عمر میں برکت نصیب فرمائے، اور خود ان کے لئے اور ہمارے پورے خاندان کے لئے ذریعہ نجات بنائے اور اہل علم وطلبہ والناس کو اس سے مستفیض فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

(مولانا حافظ) محمد اصغر کرنالوی (صاحب مدظلہ العالی)

ناظم اعلیٰ معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر کیمپ) صدر کراچی

انبیاء کرامؑ کے مراتب میں جزئی تفاوت

اور ایک ضروری تطبیق

ہم جب قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک طرف تو ہمیں اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ کی صداقت پر یکساں ایمان لاؤ اور ان کو تمام خوبیوں اور کمالات سے متصف جاننا ضروری ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ (بقرہ)

”ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔“

اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو یکساں صادق اور کمالاتِ نبوت سے متصف مانا جائے۔ دوسری طرف ارشاد ہے تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ مِنْھُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ۔ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ)

”یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے (مثلاً) بعضے ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس (یعنی جبرئیل) سے فرمائی۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب کمالیہ میں جزئی تفاوت بھی

ہے۔ ان دونوں صداقتوں کے درمیان تطبیق کے لئے تھوڑی تشریح کی ضرورت ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

حضرات انبیاء کرام تمام کمالات نبوت وفضائل اخلاق سے یکساں سرفراز تھے، زمانہ اور ماحول کی ضرورت اور مصالح الٰہی کی بناء پر ان تمام کمالات کا عملی ظہور تمام انبیاء میں یکساں نہیں ہوا بلکہ بعض سے بعض کمالات اور دوسروں سے دوسرے کمالات نمایاں ہوئے، یعنی جس زمانے کے حالات کے لحاظ سے کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی بہ مصلحت یہ کمال ظاہر نہیں ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ ہر کمال کے ظہور کے لئے مناسب موقع ومحل کی ضرورت ہوتی ہے اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہو تو اس سے نفس کمال کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے، اس لئے اگر بوجہ عدم ضرورت حال ان انبیاء کرام کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) ان کمالات وفضائل سے متصف نہ تھے۔

غزوہ بدر کے قیدیوں کے باب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب فدیہ لے کر ان کے چھوڑنے کا اور حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شدت ورحمت میں لوگوں کے قلوب مختلف بنائے ہیں۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیم وعیسیٰ کی، اور اے عمر! تمہاری مثال نوح اور موسیٰ کی ہے یعنی ایک فریق سے رحم وکرم کا اور دوسرے سے شدت کا اظہار ہوا۔

(دیکھئے مستدرک حاکم غزوہ بدر)

اس حدیث میں اسی نکتہ اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو انبیاء کے مختلف احوال مبارکہ میں رونما رہا ہے، لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت چونکہ آخری اور عمومی تھی اس لئے بضرورت احوال آپ ﷺ کے تمام کمالات نبوت آپ ﷺ کی زندگی میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے اور آپ ﷺ کی نبوت کے آفتاب عالم تاب کی ہر کرن دنیا کے لئے مشعل

ہدایت نبی اور ظلمت کدۂ عالم کا ہر گوشہ آپ ﷺ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پرنور ہوا۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا پہلو (نعوذ باللہ) پیدا نہ ہونے پائے جس سے دوسرے انبیاءؑ کی توہین یا کسر پیدا ہو اس سے ایمان کے ضائع جانے کا خطرہ ہے۔ (بحوالہ سیرت النبی ﷺ جلد اول)

ایک ضروری وضاحت

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دوسرے انبیاءؑ کے مقابلے میں جو خصوصیات اور فضیلتیں دی گئیں ان کے نتیجے میں بقیہ تمام انبیاءؑ میں معاذ اللہ نقص اور خامی ثابت ہو جاتی ہے۔ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ بلا استثناء تمام دوسرے انبیاء کرام سے افضل ہیں مگر اس عقیدے کی وجہ سے کسی نبی کے حق میں کوئی نقص اور خامی ثابت نہیں ہوتی۔ اس اعتراض کا جواب بھی دینے کی ضرورت نہیں تھی مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر کوئی جاہل آدمی یہ اعتراض سنے گا تو وہ کہیں آنحضرت ﷺ کی ان تمام خصوصیات سے ہی انکار نہ کر دے جن کی وجہ سے آپ ﷺ کو دوسرے تمام انبیاءؑ پر فضیلت حاصل ہے۔ جاہل آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ چونکہ ان خصوصیات کو ماننے کی وجہ سے دوسرے انبیاءؑ میں خامیاں ثابت ہوتی ہیں لہٰذا آپ ﷺ کی خصوصیات سے ہی انکار کر دیا جائے۔ اس کے نتیجے میں پھر وہ شخص معاذ اللہ خود گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا (اس لئے میں نے اس اعتراض کا جواب دینا ضروری سمجھا گیا) یہاں تک علامہ سیوطیؒ کا حوالہ ہے)

خصوصیت نمبر ۱۶۷

رسول اکرم ﷺ کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کر دیا

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے ۱۶۷ نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کر دیا" بحمد اللہ یہ سطریں لکھتے وقت میں عین روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھا ہوں اور حضور ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، زبان پر درود جاری ہے پیغمبر ﷺ کی محبت میں دل چاہتا ہے کہ لکھتا جاؤں لیکن لوگوں کے رش کی وجہ سے کم ہی لکھا گیا لیکن امید واثق ہے کہ روز قیامت ان شاء اللہ یہ لکھنا ہی میری نجات کا ذریعہ ہوگا، اپنے اللہ سے بھی دعا کرتا ہوں کہ یا رب قدوس میری اس ادنیٰ اور ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ اقدس میں مقبول و منظور فرما، آمین یا رب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی یہ خصوصیت بھی نرالی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کیا جبکہ دیگر انبیاء کرام کی سیرتوں میں یہ بات نظر نہیں آتی، ہاں اگر کسی اور نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس خصوصیت سے نوازا لیکن محدود انداز اور محدود وقت تک کے لئے، لیکن ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کیا تو وسیع پیمانے پر اور قیامت تک کے لئے، بے شک اب قیامت تک جہاں جہاں اللہ کا ذکر اونچا ہوگا وہاں ہمارے نبی ﷺ کا ذکر اونچا ہوگا جیسے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے "ورفعنا لک ذکرک" یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کے ذکر کو اونچا کر دیا تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا بھی حقیقی مظہر ہمارے رسول ﷺ

ہی ہیں جیسا کہ تفصیل آپ کو آنے والے اوراق میں معلوم ہوگی، جس تفصیل کو ہم نے عین قرآن و حدیث کی روشنی میں مرتب کیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عظیم نبی ﷺ کی قدر کرنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

چھہترویں خصوصیت کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں

قرآن عظیم محمد ﷺ کے ذکرِ گرامی کی بلندی کی جاوداں دستاویز ہے۔ ان کو نبی بنا کر ہماری طرف بھیجنے والے نے فرمایا **ورفعنا لک ذکرک** (سورہ الانشراح) "اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کو بلند کیا۔"

اور یہ بات اس وقت کہی گئی تھی اور اس وقت یہ بشارت اطمینانِ قلب کے لئے دی گئی جب کہ مکہ مکرمہ آپ کی شدید ترین مخالفت کا مرکز تھا، جب آپ کی بات تالیوں کی گونج، بے ہنگم قہقہوں اور طنز و استہزا کے شور میں دبانے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی تھی۔ جب مکہ کا ہر ذرہ اسلام دشمنی کی مہم میں شریک معلوم ہوتا تھا، جب طاغوت سوز آواز اور پیغام کو محض شاعری اور کہانت کہہ کر رد کیا جا رہا تھا۔ جب سرورِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ اس مخالفت کے طوفان اور بشری طور پر تنگی محسوس کرتے اور ایک بڑے بوجھ کا احساس فرماتے۔ اس فضا اور ماحول میں قرآن حکیم کی یہ سورۃ الم نشرح نازل ہوئی: **﴿الم نشرح لک صدرک﴾** "اے نبی (ﷺ)! کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لئے کھول نہیں دیا۔" **ووضعنا عنک وزرک** (سورہ الانشراح) "اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا جو کمر توڑے دے رہا تھا۔"

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہر اعتبار سے کشادگی کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ کفر کی طغیانیوں میں آپ کے سینے کو اسلام اور اپنی نصرت کے یقین سے آباد کر دیا۔ ہر انتشارِ ذہنی کی دھند چھٹ گئی اور اپنے پیغام کے حق ہونے پر وہ اعتماد نازل فرمایا، جس سے ٹکرا کر ہر طاقت پاش پاش ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ شرحِ صدر بخشی جس نے کارِ نبوت کی عظیم

ذمہ داریوں کے بوجھ کو ہلکا اور گوارا بنا دیا۔

آپ کے قلب طاہر پر کفر اور شرک کے ان مظاہر نے بڑا بوجھ ڈال رکھا تھا جو مکہ کے معاشرے میں عام تھے۔ آپ ﷺ کے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں ۳۶۰ بت پوجے جا رہے تھے، لات و ہبل و عزیٰ کی جے کے نعرے فضا میں گونج رہے تھے، خشکی اور تری پر فساد پھیل چکا تھا۔ رقص و سرود اور شراب نوشی کی مجلسوں میں اہل عرب انسانیت کے ہر تقاضے کو غرق مے ناب کر رہے تھے۔ ربا نے تجارت کو نجس اور ناپاک کر دیا تھا اور رزق حلال کے تصور سے ذہن نا آشنا ہو گئے تھے۔ جنسی جنون کی شدت کا یہ عالم تھا کہ تمام رشتوں کی حرمت اور تقدس نے دم توڑ دیا تھا۔ انسانی جان کی حرمت کا تصور بھی ذہنوں سے مٹ گیا تھا۔ جہالت کے ایک نعرے سے وہ جنگیں چھڑ جاتیں جو ایک نسل سے دوسری نسل تک، بلکہ تیسری نسل تک جاری رہتیں۔ ان میں سے ہر بات اس ذات کے لئے ایک بوجھ تھی جو مشرکین کی ہمدردی اور خیر خواہی کی وجہ سے راتوں کو جاگتی رہتی اور ان کے ایمان اور سلامتی کے لئے دعا کرتی رہتی، جس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو رات کی تاریکی میں شمع کی طرح روشن ہوتے۔

ان تینوں آیات میں "لک" اور "عنک" کی معنویت پر غور فرمائیے۔ یہ لفظ محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کے امین ہیں اور یہ لفظ دل کی طرح دھڑک رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی خاطر اللہ نے آپ ﷺ کا سینہ کھولا، اور آپ ﷺ ہی کے لئے آپ ﷺ کا بوجھ کم کیا گیا اور آپ ﷺ ہی کی خاطر آپ ﷺ کے ذکر کے آوازے کو بلند کیا گیا۔

آپ ﷺ کی خاطر آپ کے ذکر کو یوں بلند کیا گیا کہ ابتدائے آفرینش سے اب تک سورج کی آنکھوں نے رفع ذکر کی کوئی ایسی مثال نہیں دیکھی۔ آسمانوں کے دریچوں سے جھانکنے والے ستارے جو ہر واقعے کے تماشائی اور شاہد رہے ہیں، اس رفع ذکر پر حیران ہو گئے اور ان کی یہ حیرانی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

آپ کے رفع ذکر کے پہلے کارندے تو قریش مکہ ہے جو ایام حج میں اطراف

واکناف سے آنے والوں کے پاس جا کر انہیں خبردار کرتے کہ اپنی "متاعِ ایمان" کو ہمارے کاہن اور ساحر سے بچائے رکھنا، اس کے الفاظ کے جادو سے اپنی سماعتوں کی حفاظت کرنا، اپنی بینائی کو اس کے چہرے کے طلسم سے بچائے رکھنا۔ وہ چہرہ جو دلوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ قریش کے اپنے کلام سے حج کے لئے آنے والی حساس روحوں اور متجسس ذہنوں میں اس "کاہن" اس "شاعر" اس "ساحر" کو دیکھنے سننے اور سمجھنے کا شوق پیدا ہوتا اور پھر وہ حیرت سے سوچتے کہ یہ "آدمی" نہ تو کہانت کے نمونے پیش کرتا ہے، نہ اس کا کلام شعر کی طرح فرضی اور خیالی ہے۔ وہ یہ بھی سوچتے کہ اللہ کی طرف بلانے والے اس شخص کے بارے میں قریش کسی ایک بات پر متفق کیوں نہیں ہوتے۔ کاہن، ساحر، شاعر، مجنون۔ آخر بات کیا ہے؟ ...... سچ تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہو، اور نبوت کے تصور سے وہ بالکل نابلد نہ تھے۔ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے بنائے ہوئے کعبہ شریف کو ان کی زندگی میں اس عالمِ گمراہی میں بھی بنیادی حیثیت حاصل تھی۔

حج کے لئے آنے والوں کے دل اسلام کے لئے کھلتے گئے اور یثرب کے لوگوں کی سماعتوں نے اس پیغام کو قبول کیا، ان کی بصارتوں نے مکہ کے محمد بن عبداللہ کے چہرے پر تحریرِ نبوت کو پڑھ لیا۔ پھر اسلام کے "آزاد سفر" کا دور مدینہ منورہ میں شروع ہوا۔ مدینہ کی اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ اسلام کے پہلے مشہور بنیادی ادارے کے طور پر مساجد تعمیر کی گئیں۔ اس کے بعد اذان کو اسلام کی اساسی رکن نماز کے ساتھ وابستہ کر کے اسلام کے منشور اور اعلان کا درجہ دیا گیا۔ اسلامی ریاست کی حدود میں اضافہ ہوتا گیا اور مسجد اسلامی بستیوں کا نشان ٹھہری۔ صدیاں سفر کرتی رہیں اور مشرق کے انتہائی بعید کنارے سے مغرب کے انتہائی بعید کنارے تک، شمال کے انتہائی بعید کنارے سے جنوب کے انتہائی بعید کنارے تک، مساجد کے مینار ابھرتے گئے اور چودہ صدیوں سے زیادہ عرصے سے یہ مینار اور مساجد کی محرابیں "اشهد ان لا الٰه الا الله" کے ساتھ ساتھ "اشهد ان محمدا رسول الله" کی آوازوں سے گونج رہی ہیں۔ یہ آوازِ سرمدی ہر دور پر غالب آ چکی ہے۔

زمین کا کون سا چپہ ایسا ہے جہاں کسی نہ کسی وقت یہ آواز بلند ہو کر فضا کو مرتعش نہ کرتی ہو اور محمد عربی کا اسم گرامی سن کر اہل ایمان اور مناظر حیات و کائنات تحفۂ درود و سلام نہ بھیجتے ہوں۔ اللہ اور محمد (ﷺ) کے اسمائے مبارک سے دل کائنات نہ دھڑکتا ہو۔ اور ان ناموں کی گونج کا سلسلہ وقت کو اپنے احاطے اور دائرے میں لئے ہوئے ہے۔ اور بات اذان تک محدود نہیں۔ خطبے میں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی شامل ہے، اقامت میں یہ اسم گرامی شامل ہے تشہد میں یہ اسم گرامی شامل ہے۔

رفع ذکر خاتم الانبیاء ﷺ کی شکلیں کتنی متنوع اور گوناگوں ہیں۔ نغمۂ نیم شبی اور نغمۂ سحرگاہی میں اسم محمد کی دھڑکن اور ہونٹوں کا ترانہ بن جاتا ہے۔

پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش ہو یا افغانستان اور دنیائے عرب ہو، اقصائے مغرب ہو، یا ولایات فرنگ، اشتراکی چین ہو یا سرمایہ پرست امریکہ، جاپان ہو یا مشرق بعید کے ممالک انڈونیشیا اور ملائشیا، دنیا کے ہر ملک میں ہر رات بچوں کو سلاتے وقت ماؤں کے ہونٹوں پر یہ سرمدی نغمہ ابھرتا ہے۔

حسبی ربی جل اللہ مافی قلبی غیر اللہ
لا الہ الا اللہ نورِ محمد صلی اللہ

اور اس نغمے سے فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔ عالم اسلام کی سرحدوں کا تعین یہی نغمہ کرتا ہے۔ صوفیوں کے حلقۂ ذکر میں افضل الذکر لا الہ الا اللہ کی ضرب محمد رسول اللہ کے کلمات ہی بنتے ہیں۔

"ورفعنا لک ذکرک" وہ حرف تسلی تھا جس نے مکہ کے اس صبر آزما دور میں حضرت ختمی مرتبت ﷺ کو حوصلہ عطا کیا، قربت الٰہی کا عظیم تجربہ ان الفاظ میں سمٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کلام الٰہی کو کون سمجھ سکتا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب آپ ﷺ پر نازل فرمائی اور اس کے مفاہیم و مطالب آپ ﷺ پر روشن کئے۔ حضور ﷺ نے اپنے یقین کو اور مستحکم کرنے اور اس حرف تسلی کو اور گہرائی دینے کے لئے حضرت جبریل امین سے "ورفعنا

لک ذکرک" کی حقیقت دریافت فرمائی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتایا، "اذا ذکرت معی"۔ چنانچہ سید السادات فخر انبیاء ﷺ نے اس رفعت ذکر کی یوں تشریح فرمائی۔ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَقَالَ: یَقُوْلُ لَکَ رَبُّکَ اَتَدْرِیْ کَیْفَ رَفَعْتُ ذِکْرَکَ؟ قُلْتُ: اللّٰہُ اَعْلَمُ، قَالَ: اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیْ۔ (فتح الباری)

ترجمہ میرے پاس جبریل امین آئے اور یہ کہا کہ آپ کا رب فرماتا ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کا ذکر کس طرح بلند کیا ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، تو جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنایا کہ جب میرا ذکر ہوگا تو میرے ساتھ تیرا بھی ذکر ہوگا۔

اس سے خود حق تعالیٰ کا اس ذکر شریف کو بلند کرنا ثابت ہوا۔ اسلامی عقائد و شریعت میں یہ عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ (۱) توحید باری تعالیٰ پر ایمان بھی اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک سید دو عالم ﷺ کی رسالت کی شہادت نہ دے۔

(۲) اسی طرح جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا وہاں سید دو عالم ﷺ کا ذکر بھی ہوگا کلمہ طیبہ، اذان، اقامت، نماز سب جگہ آپ کا ذکر رب تعالیٰ کے ساتھ ساتھ مذکور ہے۔ کوئی تقریر، تحریر، کوئی مجلس یا وعظ ایسی نہیں جس میں حمد کے ساتھ صلوٰۃ نہ ہو۔

(۳) کائنات ارضی و سماوی میں رفعت شان محمد ﷺ کا مظہر درود شریف ہے۔ جس کو خود اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے سے شروع فرمایا، ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ..... عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمِ

اللہ تعالیٰ کی رفعت اور شہرت تو ظاہر ہے۔ اور جو اس کے ساتھ مقرون (ملا ہوا) ہوگا وہ رفعت و شرف میں بھی آپ کے ساتھ ہوگا۔

اَلَا یَا مُحِبَّ الْمُصْطَفٰی زِدْ صَبَابَۃً .... وَضَمِّخْ لِسَانَ الذِّکْرِ مِنْکَ بِطِیْبِہٖ
وَلَا تَعْبَأَنْ بِالْمُبْطِلِیْنَ فَاِنَّمَا .... عَلَامَۃُ حُبِّ اللّٰہِ حُبُّ حَبِیْبِہٖ

ترجمہ: یقین رکھ اے عاشق مصطفیٰ ﷺ تو عشق میں خوب ترقی کر اور اپنی زبان کو خوشبوئے ذکر نبوی سے معطر کر اور اہل بطالت کی کچھ پرواہ مت کر کیونکہ علامت حب الٰہی کی اس کے حبیب کی محبت ہے۔ (عروۃ المقصود، مالکی)

اور رسول اکرم ﷺ کی اس خصوصیت سے متعلق علامہ سلیمان منصور پوریؒ اپنی شاہکار کتاب "رحمۃ للعٰلمین" کی جلد سوم میں یوں رقم طراز ہیں کہ بحر اکاہل کے مغربی کنارہ سے لے کر دریائے ہوانگ ہو کے مشرقی کنارہ تک کے رہنے والوں میں سے کون ہے جس نے صبح کے روح افزا، جھونکوں کے ساتھ اذان کی آواز نہ سنی ہو۔ جس نے رات کی خاموشی میں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ کی سریلی آواز کو جان بخش نہ پایا ہو۔

بغوی نے باسناد ثعلبی ابو سعید خدری ؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام ورفعنا لک ذکرک سے کی حقیقت دریافت کی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتلایا اذا ذکرت معی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ اس ارشاد الٰہی میں اذان و اقامت تشہد و خطبہ مراد ہیں۔

چنانچہ یہی وہ الفاظ ہیں جو جاگنے والوں اور سونے والوں کو اُن کی ہستی کے بہترین آغاز و انجام کے اعلام کے سامعہ نواز ہیں۔ کیا رفعت ذکر کی کوئی مثال اس سے بالاتر پائی جاتی ہے۔ آج کسی بادشاہ کو اپنی مملکت میں کسی ہادی کو اپنے حلقہ اثر میں یہ بات کیوں حاصل نہیں کہ اُس کے مبارک نام کا اعلان ہر روز و شب اس طرح پر کیا جاتا ہو کہ خواہ کوئی سننا پسند کرے یا نہ کرے، لیکن وہ اعلان یہ ہے کہ پردہائے گوش کو چیرتا ہوا قعر قلب تک ضرور پہنچ جاتا ہے۔ ہاں وہ اعلان صرف اُس کے نام ہی کا اعلان نہیں، بلکہ اس کے کام کا بھی اور صرف کام کا ہی نہیں، بلکہ اُس کے پیغام کا بھی اعلان ہے۔

بے شک یہ اعلیٰ خصوصیت صرف اسی برگزیدہ امام کے نام نامی کو حاصل ہے جس کی رفعت ذکر کا ذمہ دار خود رب العلمین بنا ہے اور جس کی بابت یسوع نبی کی کتاب میں پیش گوئی فرمائی گئی تھی، کہ اُس کے نام کو برکت دی جائے گی۔

طامس کارلائل کو دیکھو، یہ ایک پکا عیسائی ہے اور سارے انگلستان میں تاریخ و زبان دانی کی فضیلت سے اشہر المشاہیر میں داخل ہے وہ "ہیروز آف ہیروز" لکھنے بیٹھتا ہے تو گروہ انبیاء میں سے صرف رسول اکرم ﷺ ہی کے نام مبارک کا انتخاب کرتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو بھولا ہوا ہے اور ان کے کارناموں سے جو آج تک بحیرۂ قلزم کی امواج اور فلسطین کے ذرات کو بھی یاد ہیں، ناواقف ہے؟

کیا وہ داؤد علیہ السلام کو نہیں جانتا؟ جنہوں نے بنی اسرائیل کی متفرق شدہ اسباط میں جمعیت پیدا کی، جنہوں نے ایسی سلطنت کو بنایا اور پائدار کیا کہ ان سے پہلے ایسی سلطنت کا خواب بھی فرزندان یعقوب علیہ السلام نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

کیا کارلائل کو معلوم نہ تھا کہ داؤد نے عبادت و موسیقی کو جمع کر کے ہوا کو ترنم سے اور فضا کو مناجات سے بھر دیا تھا۔ موسیقی کی اس قدر افزائی پر تو کارلائل کے رقاص دل کو ضرور اچھل پڑنا چاہئے تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو یسوع کی وہ نصیحتیں اور پیشین گوئیاں یاد نہ تھیں، جو اناجیل متی یوحنا کی تصانیف کا مایۂ خمیر ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ دانی ایل نبی کی ان برکات سے بے خبر تھا، جس نے بابل کے کافر و جابر بادشاہ کو یہود کی حفاظت و اکرام پر آمادہ کر دیا تھا، جس نے لاکھوں ایمانداروں کو قتل و صلب سے بچا لیا تھا، جس نے سینکڑوں سال کے آئندہ واقعات کے طلسم کو کلید تعبیر خواب سے کھول دیا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو شالتی ایل کی خدمات کا علم نہ تھا، جس نے اسیری سے رہائی پا کر استاذ الایوان یہ عظیم تعمیر کر دیا تھا، جو ہیکل سلیمانی سے کم نہ سمجھا جاتا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ کارلائل حضرت زکریا علیہ السلام کی پیش گوئی اور حضرت یوحنا بپتسمہ دہندہ کے زہد و عبادت اور وعظ و تذکیر کے حالات سے ناآشنا تھا۔ ان سب کا جواب نفی ہے۔

پیارے قارئین! پروفیسر طامس کارلائل ان سب باتوں کو جانتا پہچانتا ہوا، بلکہ مانتا اور ایمان رکھتا ہوا بھی مجبور ہے کہ گروہ انبیاء علیہم السلام میں سے صرف حضور سرور کائنات ﷺ ہی کا مبارک نام انتخاب کرے۔ اس جگہ یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ کارلائل کو انبیاء میں سے

صرف ایک ہی مبارک نام پر اکتفا کرتا تھا اسی لئے حضور ہی کے نام پر اسے بس کرنا پڑی۔ دیکھو حکما، شعراء اور فلاسفروں کی صنف میں یہ مصنف صرف ایک ایک نام کے انتخاب کرنے کا پابند نہیں ہوا۔ لہذا اگر وہ چاہتا تو بعثت نبوت میں بھی ایک سے زیادہ نام لکھ سکتا تھا۔ لہذا ہماری دلیل اور بھی مستحکم و قوی ہو جاتی ہے اور پتہ لگ جاتا ہے کہ جب کارلائل نے اپنی مورخانہ تحقیقات کی نگاہ سے آفتاب نبوت رسول اکرم ﷺ کو دیکھا تب اسے ہزاروں سال کے عہد وسیع کے آسمان پر دوسرا کوئی بھی کوکب نبوت نظر نہ آیا جسے اس آفتاب کے دوش بدوش ہو اپنے اوراق پر جلوہ گر کر سکتا۔

یہ نمونہ ہے رفعت ذکر کا کہ ایک لا اعتقاد عیسائی، کیمبرج یونیورسٹی جیسے دارالعلوم کا مسلّم استاد جس کے نام پر انگلستان کو فخر و ناز ہے، ہزاروں انبیاء کی صداقت پر ایمان رکھتے ہوئے اور سینکڑوں انبیاء کے اسمائے پاک کا علم رکھتے ہوئے بھی دنیا کے سامنے جب نبوت کا نمونہ پیش کرے گا تو سیدنا و مولانا محمد النبی الامی ہی کے وجود کا ذکر کرے گا۔ اس جگہ وہ نوشتہ پورا ہوا، جو قرآن حکیم میں ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ تم کو بہترین نمونہ محمد رسول اللہ ہی ملیں گے۔

رفعت ذکر کا بیان جس طرح اہل ایمان کرتے ہیں۔ اسے بھی یاد رکھنا چاہئے۔ ہم نے موجودہ بائبل سے ثابت کر دیا ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے لے کر یعقوب، موسیٰ، داؤد، سلیمان، یسعیاہ، یرمیاہ، دانی ایل، حزقی ایل، حبقوق، ملاکی، یحییٰ، عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے محامد محمدی اور نعوت مصطفوی کو اسالیب بدیعہ اور علامات متنوعہ کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اور یہ وہ امر عظیم الشان ہے جو کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔ انجیل اول کے مصنف جناب متی نے ان چند پیش گوئیوں کی تصریحات پر اشارہ کیا ہے جو سیدنا مسیح کی بابت صحف سابقہ میں پائی جاتی ہیں۔ اگر کوئی منصف ہے تو ان مجمل اشارات کو دیکھے اور جناب متی نے جو طریق استدلال نکالا ہے اس کا موازنہ کرے اور پھر ان آیات بینات کو دیکھے جو بائبل ہی کے اندر ہیں اور رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارک پر ثابت و متحقق ہیں۔

جینٹ متی کو جو محبتِ صادقہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ تھی، نیز جو دسترس کامل ان کو مضامین بائبل پر حاصل تھی، ہم ان ہر دو امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت وثوق سے یقین کر سکتے ہیں کہ سینٹ مذکور نے کوئی ایسی پیش گوئی اپنی انجیل میں درج کرنے سے باہر نہیں چھوڑی، جس کا تعلق جناب مسیح کی ذاتِ گرامی سے تھا۔ ہم بھی متی کی بتلائی ہوئی پیش گوئیوں کا مصداق جناب مسیح ہی کو تسلیم کر لیتے ہیں اور بعد ازاں ان پیشگوئیوں کو لیتے ہیں، جو جناب متی کے زمانہ تک بطور پیش گوئی (خبر مستقبل) موجود تھیں اور جن کا مصداق رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات کے سوا اور کسی کو بھی نہیں ٹھہرایا جا سکتا اور نہیں ٹھہرایا گیا تھا۔

یہودی، عیسائی، مسلمان یقین رکھیں کہ اس موجودہ بائبل کے اندر رسول اکرم ﷺ کا نام مبارک، نام مقام ولادت اور دار ہجرت اور رسول اکرم ﷺ پر ایمان لانے والے قبائل کے نام، رسول اکرم ﷺ سے جنگ پر آنے والی قوموں کے نام اور ان کے انجام ایسی وضاحت سے پائے جاتے ہیں کہ ورفعنا لک ذکرک کی صحیح تفسیر ہیں اور ان سے یہ امر بوضوح تام ظاہر ہو جاتا ہے کہ رب العلمین نے حضور کی رفعت ذکر کا اہتمام صدیوں پیشتر کیسے زبردست انتظامات سے فرمایا تھا۔ بے شک اس فضیلت علیا میں اور کوئی بھی بزرگوار حضور کا سہیم ثابت نہیں ہوا۔ وللہ الحجۃ البالغۃ۔ (رحمۃ للعلمین ج ۳)

يا ربِّ صلِّ وسلِّم دائمًا أبدًا   على حبيبك خيرِ الخلقِ كلِّهم

* * *

خصوصیت نمبر ۷۷

رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مکمل محفوظ ہے

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ستترویں خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے" رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مکمل محفوظ ہے" الحمد اللہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی میں "ریاض الجنۃ" (اس حصے پر جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا یہ ٹکڑا جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے) میں بیٹھا ہوں، آقا ﷺ کا پیارا اور مقدس روضہ مبارک میرے سامنے ہے اور میں آقا ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں بلکہ یوں کہوں کہ صاحب خصوصیت ﷺ عین میرے سامنے آرام فرما ہیں اور میں مقدس روضہ مبارک کے سائے تلے اور جنت کے ٹکڑے میں بیٹھ کر آپکی عظیم خصوصیت کو لکھ رہا ہوں، دعا گو ہوں کہ یا رب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما آمین یا رب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے رسول ﷺ کی یہ امتیازی خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ کے کرم و فضل سے ہمارے آقا ﷺ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مکمل محفوظ ہے، جبکہ دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرت کا ہر ہر گوشہ ہمیں محفوظ نظر نہیں آتا، اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام انبیاء کرامؑ نے اپنی اپنی زندگیوں کو عین مرضی خداوندی کے مطابق بڑی کامیابی سے گزارا، اس پر ہمارا مکمل ایمان ہے اس کے بغیر ہم صاحب ایمان نہیں رہ سکتے کیونکہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے، چنانچہ ہمارا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دیگر انبیاءؑ نے زندگیاں کس طرح گزاری؟ ان کی زندگیوں میں کیسے کیسے نشیب و فراز آئے؟ اس طرح ان کی زندگی کے مکمل گوشے آج ہمیں محفوظ نظر نہیں آتے، یہاں تک کہ پچھلے انبیاءؑ کی

ستاویز تک محفوظ نظر نہیں آتی اور جہاں تک ہمارے نبی ﷺ کی زندگی کا تعلق ہے، الحمد اللہ ہمارے نبی ﷺ کے بچپن سے لیکر لڑکپن تک، لڑکپن سے لیکر جوانی تک، جوانی سے بڑھاپے تک اور اسی طرح نبوت ملنے سے پہلے کی زندگی اور نبوت ملنے کے بعد کی زندگی اور زندگی کا ہر ہر گوشہ محفوظ ہے اور ہمیں معلوم ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ خصوصیت بھی صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کی ہے جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت سے متعلق کچھ چیدہ چیدہ حتیٰ ضروری ضروری تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے ان شاء اللہ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی زندگی پر اپنی زندگی کو ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

سترھویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

آپ ﷺ کی پوری زندگی محفوظ ہے

سارے انبیاء کی سیرتوں کا مطالعہ کیجئے آپ کو ان کے بچپن اور جوانی کے تفصیلی حالات نہیں ملیں گے لیکن یہ ہمارے آقا ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ کی ولادت و رضاعت سے لے کر وفات تک کے تفصیلی حالات معلوم ہیں۔

ہمارے آقا ﷺ ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا، چھ سال کی عمر ہوئی تو والدہ بھی فوت ہو گئیں، آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو دادا بھی چل بسے۔ نکتہ وروں نے اس سے یہ نکتہ نکالا کہ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ اولاد میں کوئی کمال نظر آئے تو لوگ اسے والدین کی طرف منسوب کرتے ہیں، شاگرد میں کوئی کمال نظر آئے تو استاد کی طرف منسوب کرتے ہیں، مرید میں کوئی کمال نظر آئے تو پیر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو تعلیم و تربیت کے ظاہری سہاروں سے محروم فرما کر براہ راست اپنا سہارا عطا کر دیا تا کہ رسول اکرم ﷺ کے علمی اور اخلاقی کمالات دیکھ کر کوئی یہ نہ کہے کہ یہ والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے، یہ دادا کی تربیت کا ثمرہ ہے، یہ فلاں استاد اور شیخ کی صحبت کا اثر ہے اور یہ صرف

رسول اکرم ﷺ کی تخصیص نہ تھی بلکہ سارے انبیاء کا یہی حال تھا۔ بے شک حضرت نوح علیہ السلام کو شجاعت کا سبق اللہ نے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت کے مقام تک کس نے پہنچایا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تسلیم و رضا کا درس کہاں سے لیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فصاحت کہاں سے سیکھی۔ حضرت لوط علیہ السلام کو حکمت کس نے عطا کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جاہ و جلال کس کی تربیت کا ثمرہ تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر کس کی محنت کا نتیجہ تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو توبہ و انابت کا راستہ کس نے بتایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زہد و قناعت کا سبق کہاں سے پڑھا۔

اگر آپ کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں کہ ان سارے انبیاء کو علمی و عملی اور اخلاقی کمالات مربی حقیقی رب تعالیٰ نے عطا کیے تھے تو میں بھی سچ کہتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حضرت نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا جذبہ تسلیم و رضا، حضرت صالح علیہ السلام کی فصاحت، حضرت لوط علیہ السلام کی حکمت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جاہ و جلال، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یونس علیہ السلام کی توبہ و انابت اور عیسیٰ کا زہد و قناعت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ نے عطا کیا۔ رسول اکرم ﷺ کے کمالات نہ والدین کی تربیت کا ثمرہ تھے نہ کسی استاد کی محنت کا نتیجہ تھے۔

اسی لئے تو یہ ممکن ہوا کہ ایک زندگی میں کئی زندگیاں اور ایک سیرت میں کئی سیرتیں سمٹ کر سما گئیں۔ تو عرض یہ کیا جا رہا ہے کہ ہمارے آقا ﷺ ولادت سے پہلے ہی یتیم ہو چکے تھے، ولادت کے بعد آپ کی رضاعت کا مسئلہ پیش آیا۔ عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہ رضاعت اور ابتدائی پرورش کے لئے شہروں سے زیادہ دیہاتوں کو پسند کرتے تھے، جب آپ پیدا ہوئے تو کئی خواتین رضاعت کے لئے بچوں کی تلاش میں شہر مکہ آئیں لیکن سب نے مالدار گھر والوں کو ترجیح دی۔ محمد ﷺ کو کسی نے لینا قبول نہ کیا وہ یہی سوچتی رہیں کہ اس یتیم بچے کی ماں ہمیں کیا دے سکے گی۔

انہیں کیا معلوم تھا کہ جس بچے کو وہ یتیم سمجھ کر چھوڑ رہی ہیں وہ تو در یتیم ہے وہ تو نوید

مسیح ہے وہ تو دعائے خلیل ہے وہ تو فخر انسانیت ہے وہ سرمایہ کونین ہے، وہ تو محبوب الٰہی ہے۔

انسان بھی کتنا جاہل اور احمق ہے کتنی آسانی سے دھوکہ کھا جاتا ہے کبھی سنگریزوں کو موتی اور کبھی موتیوں کو سنگریزے سمجھ لیتا ہے۔ زہر کو تریاق اور تریاق کو زہر جان لیتا ہے دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست یقین کر لیتا ہے۔ جس بچے کو وہ خواتین اس لئے چھوڑ گئی تھیں کہ اس کی والدہ سے سرمایہ حاصل ہونے کی امید نہ تھی انہیں کیا خبر تھی کہ وہ بچہ خود بہت بڑا سرمایہ ہے۔ مگر وہ خواتین بھی کیا کر سکتی تھیں اللہ تعالیٰ نے ازل سے یہ سعادت حلیمہ سعدیہ کے مقدر میں لکھ دی تھی محترمہ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں بچے کو گھر لائی تو گھر میں خوشگوار تبدیلیاں محسوس ہونے لگیں۔

کہاں تو یہ حال تھا کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ بھی نہ تھا کہ میرا بیٹا عبداللہ ابن حارث سیر ہو کر پی سکتا اور کہاں یہ حال ہو گیا کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ اتر آیا کہ محمد ﷺ نے بھی سیر ہو کر پیا اور عبداللہ نے بھی۔ یہی نہیں بلکہ اس رات ہماری اونٹنی نے بھی اتنا دودھ دیا کہ ہم دونوں میاں بیوی نے خوب شکم سیر ہو کر پیا۔ مکہ سے واپس چلے تو ہماری لاغر اونٹنی سارے قافلے سے آگے نکل گئی، ہم سفر عورتوں کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ تو وہ اونٹنی تھی جو سب سے پیچھے رہتی تھی آج آگے کیسے نکل گئی، انہیں کیا معلوم تھا کہ سواری اگرچہ وہی ہے مگر سوار بدل گیا ہے اور جب سوار بدل جایا کرتے ہیں تو سواریوں کے انداز بھی بدل جایا کرتے ہیں۔ جب امام بدل جائیں تو مقتدیوں کا حال بدل جاتا ہے۔ جب قائد بدل جائے تو کارکنوں کا مزاج بدل جاتا ہے۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں محمد ﷺ کی وجہ سے مجھے ہر چیز میں برکت محسوس ہونے لگی سواری میں بھی برکت، بکریوں میں بھی برکت، چراگاہ میں بھی برکت ہر طرف برکت ہی برکت۔ بے شک ہمارے آقا ﷺ کی ولادت بھی برکت تھی۔ آقا ﷺ کی تعلیمات بھی برکت ہیں۔ آقا ﷺ کی غلامی بھی برکت ہے آج آپ ہمارے درمیان بذات خود تو موجود نہیں لیکن اگر ہم آقا کے سچے غلام بن جائیں تو ہماری تقدیریں

سونا اگلیں گی۔ ہمارے جانوروں کے خشک تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔ ہمارا آسمان رحمت کی بارش برسائے گا اور ہمارے کھیت ہریالی سے لہلہا اٹھیں گے۔

ہمارے آقا ﷺ کا بچپن مثالی تھا وہ ماحول جس میں شراب نوشی اور بدکاری عام تھی لوٹ مار اور قتل وغارت گری کا دور دورہ تھا۔ اس ماحول میں بھی رسول اکرم ﷺ نے ایسا بچپن گزارا اور صداقت وامانت میں ایسا نام پیدا کیا کہ رسول اکرم ﷺ کا لقب ہی صدیق اور امین مشہور ہو گیا۔ جناب ابو طالب کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو بچپن میں بھی غلط بیانی یا کسی کی غیبت کرتے ہوئے اور لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے آقا ﷺ کے بچپن آقا ﷺ کی جوانی اور آقا کی ساری زندگی کو سنت بنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔

اور حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی مدظلہ نے اپنے خطبات میں حضور ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کے بارے میں فرمایا، جس کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔ رسول اکرم ﷺ اس دنیا میں ایک ایسے وقت میں تشریف لائے جو تاریخی اعتبار سے پوری روشنی کا وقت تھا۔ یہ ایک بڑا اہم نکتہ ہے۔ جب بھی کسی سے بات کر رہے ہوں اس کو یہ بات کھول کر بیان کریں کہ ہمارے آقا اور ہمارے قائد حضرت محمد ﷺ وہ ہستی ہیں کہ جنہوں نے تاریخ کی پوری روشنی کے اندر زندگی گزاری۔ آپ عیسائیوں کے پاس جائیے اور ان سے کہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی بتائیں۔ وہ آپ کو چند واقعات کے سوا کچھ نہیں بتا سکیں گے۔ یہودیوں سے حضرت موسیٰ کے بارے میں پوچھئے کہ وہ کب پیدا ہوئے، انہوں نے بچپن کیسے گزارا، لڑکپن کیسے گزارا، جوانی کیسے گزاری، ان کی ازدواجی زندگی کیسی تھی، ان کے پیغامات کیا تھے، ان کی وفات کب ہوئی تو آپ کو ان کی زندگی کے شب وروز کی تفصیل کہیں نہیں ملے گی۔ آج یہود ونصاریٰ کا دامن اس نعمت سے خالی ہے۔

آپ ان کے سامنے بیٹھ کر ان سے پوچھئے کہ اگر آج آپ کے معاشرے میں پیدا ہونے والا بچہ یہ چاہے کہ میں زندگی کا ہر کام اپنے پیغمبر کے طریقے کے مطابق کرنا چاہتا

ہوں تو کیا اس کی رہنمائی کے لئے تعلیمات موجود ہیں؟ تو وہ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ ہمارے پاس ان کی کوئی تفصیلات موجود نہیں ہیں۔

جب ان کے پاس کچھ نہیں ہے تو آیئے ہم آپ کو ایک ایسی ہستی کے بارے میں بتائیں کہ جس کی پیدائش مبارک سے لے کر دنیا سے پردہ فرمانے تک زندگی کی ایک ایک بات کو کتابوں کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ محدثین نے وہ کمال دکھایا کہ جہاں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے شمائل بیان کرنے کا وقت آیا انہوں نے بیان کیا، رسول اکرم ﷺ کے ابرو مبارک کیسے تھے، رسول اکرم ﷺ کی مبارک پلکیں کیسی تھیں، آنکھیں کیسی تھیں، بینی مبارک کیسی تھی، رسول اکرم ﷺ کی ریش مبارک کیسی تھی، رسول اکرم ﷺ کا سینہ مبارک کیسا تھا، رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ مبارک کیسے تھے، رسول اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک کیسے تھے، رسول اکرم ﷺ جوتے مبارک کس طرح پہنتے تھے، لباس کس طرح پہنتے تھے، رسول اکرم ﷺ کا عمامہ مبارک کیسا تھا، آپ کی سواری کیسی تھی، ان سواریوں کے نام کیا تھے، جس بستر پر لیٹتے تھے اس کا تکیہ کیسا تھا، رسول اکرم ﷺ کا کمبل کیسا تھا، رسول اکرم ﷺ کی چادر مبارک کیسی تھی، رسول اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی کیسی تھی، رسول اکرم ﷺ کی مسجد کی زندگی کیسی تھی، رسول اکرم ﷺ میدان جہاد میں کھڑے ہیں تو وہاں کی تفصیلات کیا ہیں، رسول اکرم ﷺ کی انفرادی زندگی کیسی تھی، رسول اکرم ﷺ کی اجتماعی زندگی کیسی تھی، غرض نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی زندگی کے جس پہلو کو بھی معلوم کرنا چاہیں وہ تمام معلومات ہمارے پاس موجود ہیں۔ چنانچہ آج کا بچہ اگر چاہے کہ بچوں کے بارے میں اللہ کے محبوب ﷺ نے کیا تعلیمات دیں تو وہ بھی آپ کو ملیں گی، آج کا نوجوان اگر چاہے کہ جوانوں کے بارے میں اللہ کے محبوب ﷺ نے کیا تعلیمات دیں تو بھی آپ کو ملیں گی، مزدور اگر چاہے تو اس کو بھی تعلیمات ملیں گی، اور اگر کارخانہ دار چاہے تو اسے بھی تعلیمات ملیں گی، غرض معاشرے کا کوئی فرد ایسا نہیں کہ جس کو نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں تعلیمات نہ ملتی ہوں۔ جس ہستی سے قدم قدم پر رہنمائی مل رہی ہو ہم اس ہستی کی پیروی کیوں نہ کریں؟

جب ہم نے یہ بات بعض نصاریٰ سے پوچھی تو وہ کہنے لگے کہ جی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہمارے پاس یقیناً بائبل (انجیل) کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور ہم اپنے نبی کے بارے میں تفصیلات نہیں بتا سکتے۔ پھر ہم نے کہا کہ اگر آپ یہ پوچھنا چاہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندان مبارک کیسے تھے تو ہم وہ بھی بتا سکتے ہیں، اگر یہ پوچھنا چاہیں کہ ریش مبارک کے کتنے بال سفید تھے تو کتابوں میں ان کو بھی لکھ دیا گیا ہے، اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ مہر نبوت کیسی تھی تو یہ بھی لکھا جا چکا ہے، اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی اونٹنی کے کیا کیا نام تھے، تو محدثین نے ان کو بھی کتابوں میں محفوظ فرما دیا ہے۔ ایسی تاریخی زندگی آج تک کائنات میں کسی نے نہیں گزاری۔ بڑے بڑے جرنیل گزرے، بادشاہ گزرے، فقہا، سفراء گزرے، لائیے کسی کو کہ جس کی زندگی کی اتنی معلومات کتب کے اندر موجود ہوں۔ فقط ہمارے پیغمبر رسول اکرم ﷺ کی وہ مبارک ذات ہے جن کی زندگی کی اتنی تفصیلات کتب میں محفوظ ہیں۔ لاکھوں احادیث رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے کسی نہ کسی گوشے پر روشنی ڈالتی نظر آتی ہیں۔ لہٰذا یہ اصولی بات یاد رکھئے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں ایسے پیارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام عطا فرمائے ہیں۔ کہ جن کی زندگی کی تمام تعلیمات آج بھی محفوظ ہیں اور قیامت تک محفوظ رہیں گی۔

ٹنی نامی ایک شخص فرانسیسی مصنف ہے، وہ نبی ﷺ کے بارے میں اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ تاریخ کی پوری روشنی کے اندر دنیا میں تشریف لائے۔ جب کفر نے خود تسلیم کر لیا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ذات کو ایک ایسی فضیلت حاصل ہے کہ اب یہ کسی دوسری ہستی کو حاصل نہیں ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی شان میں مائیکل ہارٹ کا خراج تحسین

مائیکل ہارٹ ایک انگریز مصنف آپ ﷺ کی شان میں لکھتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایسے لوگوں میں تشریف لائے جن کے پاس تعلیم نہیں تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے هُوَ الَّذِی

بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا وہ ذات جس نے ان پڑھوں میں اپنے رسول کو بھیجا۔ اور رسول بھی وہ تشریف لائے جو زندگی میں کسی انسان کے سامنے شاگرد بن کر بھی نہیں بیٹھے۔ آپ نے چودہ بیس سال پہلے ایک کتاب کا تذکرہ سنا ہوگا۔ وہ کتاب مائیکل ہارٹ نے لکھی۔ وہ عیسائی ہے۔ اس نے اپنے زعم میں تاریخ میں سے ۱۰۰ ایسی شخصیتوں کو لیا جنہوں نے تاریخ میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑے۔ اس میں اس نے سائنس دانوں کے حالات زندگی لکھے بعض انبیاء کا بھی تذکرہ کیا، کئی جرنیلوں کے بارے میں بھی لکھا۔ لیکن ان ۱۰۰ ہستیوں میں اس نے سب سے پہلے نبی آخر الزمان ﷺ مبارک کا تذکرہ کیا۔ اور اس پر تذکرہ کرتے ہوئے اس نے ایک فقرہ لکھا:

کہ میں نے ان سو آدمیوں کا تذکرہ کیا جنہوں نے تاریخ کو سب سے زیادہ متاثر کیا، ان میں سب سے پہلے رسول اکرم ﷺ کا تذکرہ کیا ہے تو اس سے بعض لوگ حیران ہوں گے۔ لیکن اس کی میرے پاس ایک ٹھوس دلیل موجود ہے کہ کائنات میں جتنی بھی ہستیاں آئیں اگر ان کے حالات زندگی پڑھتے ہیں تو وہ ہمیں اپنے بچپن اور لڑکپن میں کسی نہ کسی استاد کے سامنے بیٹھے تعلیم پاتے نظر آتے ہیں یا اپنے وقت کے بہترین تعلیمی اداروں کے اندر ہمیں ایک طالب علم بن کر جاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان تمام ہستیوں نے پہلے مروجہ تعلیم حاصل کی اور پھر اس کو بنیاد بنا کر انہوں نے اپنی زندگیوں میں کچھ اچھے کام کر دکھائے۔ لیکن دنیا میں فقط ایک ہستی ایسی نظر آتی ہے جس کی زندگی کی تفصیلات کو دیکھا جائے تو وہ پوری زندگی کسی کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھی نظر نہیں آتی۔ وہ ہستی رسول اکرم ﷺ ہیں۔ یہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے دنیا سے علم نہیں پایا بلکہ دنیا کو ایسا علم دیا کہ اس جیسا علم نہ پہلے کسی نے دیا اور نہ بعد میں کوئی دے گا۔ لہٰذا اس بات پر میرے دل نے یہ چاہا کہ جس شخصیت نے ایسی علمی خدمات سر انجام دی ہوں، میں غیر مذہب کا آدمی ہونے کے باوجود ان کو تاریخ کی سب سے اعلیٰ شخصیات میں پہلا درجہ عطا کرتا ہوں۔

چنانچہ جب کافر اپنی زبان سے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ

نے یقیناً انسانیت کے اوپر بڑا احسان فرمایا ہے۔

انگلش رائٹر "گبن" کا اعتراف

گبن نامی ایک رائٹر لکھتا ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے اس وقت عرب کے لوگ مذہب و تمدن کے لحاظ سے بہت ہی گری ہوئی حالت میں تھے۔ گبن ایک انگلش مصنف ہے۔ وہ ان حالات کے بارے میں لکھتا ہے کہ اس وقت عرب کے لوگ دنیا کی ایک ذلیل ترین قوم تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے ایسے ان پڑھوں میں اپنی مبارک زندگی گزاری۔ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ، وہ عثمانؓ و علیؓ، وہ طلحہ و زبیرؓ، وہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، وہ سعد اور سعیدؓ ذی حضرات ہیں جو رسول اکرم ﷺ کے گرد دائرہ بنا کر بیٹھتے تھے اور رسول اکرم ﷺ سے تعلیمات حاصل کرتے تھے۔ دینی تعلیمات حاصل کر کے ان لوگوں میں اتنی بلندی پیدا ہوئی، اتنا علم آیا، اتنی معرفت آئی، جہانگیری اور جہانبانی کے انہوں نے اتنے راز دیکھے کہ جب رسول اکرم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اسی رائٹر کو لکھنا پڑا کہ: آپ ﷺ پردہ فرمانے کے بعد عرب کی سرزمین تو ہیروں کی نرسری بن گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محسن انسانیت رسول اکرم ﷺ نے ان کو ایسی تعلیمات دی تھیں جن پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنی عظمت نصیب فرما دی تھی۔

رسول اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو عرب کے اندر کسمپرسی کا عالم تھا، ظلم کا ہر طرف دور دورہ تھا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں رسول اکرم ﷺ کو مقبولیت حاصل کرنے کے لئے بڑے آسان طریقے حاصل تھے۔ مثال کے طور پر اگر اللہ کے محبوب ﷺ کھڑے ہو کر یہ نعرہ لگاتے کہ لوگو! ہم اقتصادی طور پر بہت پیچھے ہیں، نہ ہمیں کھانے کو ملتا ہے اور نہ ہمیں پہننے کو ملتا ہے لہٰذا ہمارے معاشی حالات اچھے ہونے چاہئیں، آئیے میں آپ کو روٹی، کپڑے اور مکان کے حصول کا طریقہ بتاتا ہوں۔ یہ ایسا نعرہ تھا کہ ایک نعرے کے اوپر پورے کے پورے عرب کے لوگ اکٹھے ہو جاتے۔ مگر رسول اکرم ﷺ نے یہ راستہ اختیار نہ

گیا۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ اس دھرتی کے اندر چاروں طرف ظلم نظر آتا ہے، لوگو! پرسکون زندگی حاصل کرنے کے لئے آؤ، میں تمہیں اس معاشرے کے اندر عدل وانصاف قائم کر کے دکھاتا ہوں تو جو لوگ ظلم سے تنگ آ چکے تھے وہ حضرت خالد بن ولید کی زندگی کو یوں نہیں دیکھتے۔ اتنے بڑے سپہ سالار آ کر مؤدبانہ بیٹھ جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اتنے بڑے جنگجو، جرأت مند اور دلیر انسان کو اگر رسول اکرم ﷺ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھنے کا شرف ملا ہے تو فقط رسول اکرم ﷺ کے اخلاق کی وجہ سے ملا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسے بہادر انسان تھے جو تلواروں سے ماننے والے نہیں تھے، وہ تو تلواروں کے دھنی تھے اور ٹکرایا جایا کرتے تھے مگر محبوب ﷺ کا کردار جب سامنے آیا تو ان کی تلواریں بے کار ہو گئیں، انہوں نے تلواریں پیچھے رکھ دیں اور آ کر محبوب ﷺ کے دامن کو پکڑ لیا۔ طفیل بن عمرو دوسی اور ثمامہ بن عصال کو بھی میرے محبوب ﷺ کے اخلاق کی تلوار نے مسلمان بنا لیا۔

دنیا میں کچھ ایسے علاقے بھی تھے جن میں کوئی مسلمان فوجی نہیں گیا مگر وہاں بھی اسلام کی شمع روشن ہو گئی۔ حیرہ کے اندر کوئی مسلمان فوجی نہ گیا، حبشہ، بحرین اور جدہ کے اندر کوئی فوجی نہ گیا مگر وہاں کے لوگوں نے بھی اسلام کو قبول کر لیا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ جنگجو ابھی نہیں پہنچے تھے کہ اسلام پہلے پہنچ گیا۔ اسلام میں ایسی جاذبیت، ایسی کشش، اور ایسی مقناطیسیت تھی کہ اس نے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ سبحان اللہ، یہ کردار کی عظمت تھی کہ جس نے پوری دنیا کو مسخر کر لیا۔ (مجموعہ خطبات فقیر)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

* * *

خصوصیت نمبر ۷۸

رسول اکرم ﷺ کا خاندانی ونسبی فضل وشرف سب سے عظیم ہے

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اٹھترنمبر خصوصیت پیش کی جارہی ہے جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کا خاندانی ونسبی فضل وشرف سب سے عظیم ہے" الحمد اللہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے "ریاض الجنۃ" میں بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی، یارب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور فرما آمین۔ بیشک ہمارے نبی ﷺ کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی عظیم ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا خاندانی ونسبی فضل وشرف سب سے عظیم ہے، جبکہ دیگر انبیاء ؑ کا خاندانی ونسبی فضل وشرف اول تو محفوظ نہیں اور اگر کسی کا محفوظ ہے تو ہمارے حضور ﷺ کی طرح ان کا خاندانی ونسبی فضل وشرف عظیم تر نہیں، گویا کہ ان کا فضل وشرف عظیم ہے لیکن ہمارے نبی ﷺ کا عظیم تر ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ اس کی تفصیل کو ملاحظہ فرمائیں گے، جس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل وضاحت کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح نبی اکرم ﷺ کے فضل وشرف کو ہم سب سے عظیم کہہ رہے ہیں، امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کو پڑھ کر آپ کے دل میں حضور ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوگا، دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی سچی محبت عطا فرمائے اور حضور کی تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

اٹھترویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

حضرت ابوھریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "مجھ کو یکے بعد دیگرے ہر قرن کے بنی آدم کے بہترین طبقوں میں منتقل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ میں اس موجودہ

قرن میں پیدا کیا گیا۔" (بخاری)

تشریح...... "بہترین طبقوں" سے مختلف زمانوں کا ہر وہ طبقہ مراد ہے جس میں رسول اکرم ﷺ کے آباؤ اجداد تھے، اور جو اپنے اپنے عہد میں اپنی خاندانی نجابت وشرافت اور انسانی فضل وکمال کے اعتبار سے ممتاز ونمایاں اور قابل تکریم واحترام رہا ہے! جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد، ان کے بعد کے عہد میں کنانہ اور ان کی اولاد، ان کے بعد کے عہد میں ہاشم اور ان کی اولاد، پس اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہوا کہ میرا سلسلہ نسب شروع سے لے کر اب تک نسل انسانی کے نہایت مفتخر ومعزز افراد پر مشتمل ہے، میرے آباؤ اجداد کہ جن کی پشت در پشت منتقل ہوتا ہوا میں اس زمانہ میں پیدا ہوا ہوں، اپنے اپنے عہد وزمانہ کے وہ ممتاز ونمایاں افراد تھے جن کی ذات خاندانی نجابت وشرافت، سماجی عزت وشوکت، مجلسی تہذیب ومتانت، قومی ووطنی مقبولیت ومرجعیت، ذاتی برگزیدگی وافضلیت اور انسانی خصائل وفضائل کا منبع رہی ہے۔

اور حضرت واثلہ ابن اسقعؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے کنانہ کو چنا اور اولاد کنانہ سے قریش کو چنا اور اولاد قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو چنا۔ (مسلم) اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام میں اسمٰعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا اور اولاد اسمٰعیل علیہ السلام میں بنی کنانہ کو برگزیدہ کیا۔"

تشریح...... رسول اکرم ﷺ کا نسلی ونسبی تعلق حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی اولاد میں ایک شخص عدنان تھے، انہی عدنان کی اولاد بنی اسمٰعیل کے تمام مشہور قبائل پر مشتمل ہے، اسی لئے عرب مستعربہ بنی اسمٰعیل کو عدنانی یا آل عدنان کہا جاتا ہے، عدنان کے بیٹے معد اور معد کے بیٹے نزار تھے، نزار کے جو چار مشہور بیٹے بتائے جاتے ہیں، ان میں سے دو بیٹے ربیعہ اور مضر سب سے زیادہ نامور اور جزیرہ نما عرب کے بڑے قبائل کے مورث ہیں، مضر کی اولاد میں آگے چل کر ایک شخص کنانہ ہوئے اور ان

کی اولاد مضر کے قبائل میں سب سے زیادہ مشہور و معروف قبیلہ پر مشتمل ہوئی، کنانہ کے بیٹے نضر اور نضر کے بیٹے مالک اور مالک کے بیٹے فہر تھے، یہی وہ فہر ہیں جن کا لقب قریش تھا فہر کی اولاد میں بہت سے قبائل ہوئے اور سب "قریش" کہلاتے ہیں یہ تمام قبائل مختلف علاقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان نہ باہمی ربط و اتفاق تھا اور نہ کوئی اجتماعی نظام تھا۔ پھر ایک شخص قصی بن کلاب پیدا ہوئے انہوں نے بڑی محنت اور جد و جہد کر کے تمام قریش کو منظم کیا، ان میں اجتماعیت اور بیداری کی روح پھونکی جس کی بدولت قریش نے نہ صرف مکہ معظمہ بلکہ تمام حجاز پر غلبہ و اقتدار حاصل کر لیا۔ اسی وجہ سے بعض حضرات یہ کہتے ہیں "قریش" اصل میں قصی ابن کلاب کا لقب ہے، کیونکہ یہ لفظ (قریش) قرش سے نکلا ہے جس کے معنی جمع کرنے اور منظم کرنے کے ہیں۔ ویسے زیادہ مشہور یہ ہے کہ "قریش" ایک سمندری جانور کا نام ہے جو نہایت قوت اور زور رکھتا ہے، اس کی تائید حضرت ابن عباس ؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ قریش کا نام اس مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ قریش (قرش) ایک بڑی خطرناک مچھلی کا نام ہے جو سب مچھلیوں کو نگل لیتی ہے لیکن خود اس کو نہ کوئی مچھلی گزند پہنچاتی ہے نہ اس پر قابو پاتی ہے۔ یہی وجہ تسمیہ قاموس میں بھی مذکور ہے۔ ظہور اسلام کے وقت قریش کی شاخوں میں سے جو شاخ سب سے زیادہ مشہور باعزت اور غالب تھی وہ بنو ہاشم ہے رسول اکرم ﷺ بنو ہاشم میں پیدا ہوئے۔ رسول اکرم ﷺ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ عدنان سے پہلے کا نسب نامہ زیادہ وثوق کے ساتھ نہیں بتایا جا سکتا۔ (البتہ مکمل معلومات کے لئے ہم نے آپ ﷺ کے مکمل نسب نامے کو ایک الگ خصوصیت کے ذیل میں پوری تفصیل سے پیش کر دیا ہے اہل ذوق وہاں رجوع کر سکتے ہیں۔ (م ص م)

اس تفصیل کی روشنی میں حدیث کا مفہوم واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل

علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو سب سے زیادہ مفتخر کیا، پھر بنو کنانہ میں سب سے زیادہ قوت و غلبہ قریش کو حاصل ہوا، قریش میں سب سے زیادہ برگزیدگی بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سب سے زیادہ برگزیدگی و عظمت رسول اکرم ﷺ کو حاصل ہوئی یعنی رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی اپنے سلسلہ نسب کی تمام تر برگزیدگیوں اور عظمتوں کا نچوڑ ہے۔

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (ایک دن) کفار کو رسول اکرم ﷺ کی شان میں بیہودہ بکواس کرتے سنا تو افسوس اور غصہ میں بھرے ہوئے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے (اور بتایا کہ کفار یہ بکواس کر رہے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کسی شخص کو اپنا نبی اور رسول بنانا تھا تو اس شہر کے بڑے بڑے صاحب دولت و ثروت اور اونچے درجے کے سرداروں کو چھوڑ کر محمد ﷺ کا انتخاب کیوں کرتا) رسول اکرم ﷺ (نے یہ بات واضح کرنے کے لئے کہ نسلی و نسبی اور خاندانی عظمت و عزت کے اعتبار سے آپ ﷺ کی شان کیا ہے اور مرتبہ نبوت پر فائز ہونے کے لئے دوسروں کے مقابلہ میں رسول اکرم ﷺ کی حیثیت و اہمیت کیا ہے) منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو، میں کون ہوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا (ہاں میں اللہ کا رسول ہوں، لیکن میری نسلی و نسبی اور خاندانی عظمت کیا ہے، اس کو جاننے کے لئے سنو) میں عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا محمد (ﷺ) ہوں (اور عبدالمطلب وہ ہستی ہیں جو عرب میں نہایت بزرگ و محترم، بڑے شریف و پاکباز اور انتہائی مشہور و معروف تھے) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق (جنات و انسان) کو پیدا کیا تو مجھے اس مخلوق میں سے بہترین مخلوق (نوع انسانی) میں پیدا کیا، پھر اس بہترین مخلوق (نوع انسانی) کے اللہ تعالیٰ نے دو طبقے کئے (ایک عرب دوسرا عجم) اور مجھے ان دونوں طبقوں میں سے بہترین طبقہ (عرب) میں پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس بہترین طبقہ (عرب) کو قبائل در قبائل کیا (یعنی اس طبقہ کو مختلف قبیلوں اور قوموں میں تقسیم کیا) اور مجھے ان قبائل میں سے بہترین قبیلہ (قریش) میں پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس بہترین قبیلہ (قریش) کے مختلف گھرانے بنائے اور مجھے ان

گھرانوں میں سے بہترین گھرانے (بنو ہاشم) میں پیدا کیا، پس میں ان (تمام نوع انسانی اور تمام اہل عرب) میں ذات و حسب کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر و اعلیٰ ہوں اور خاندانی گھرانے کے اعتبار سے بھی سب سے اونچا ہوں۔"

تشریح...... رسول اکرم ﷺ نے اپنی نسلی نسبی اور خاندانی عظمت و فضیلت کا اظہار کر کے گویا یہ واضح کیا کہ خدا کا آخری نبی بننے اور خدا کی آخری کتاب پانے کا سب سے زیادہ مستحق میں ہی تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکمت الٰہی اس کا لحاظ رکھتی تھی کہ مرتبۂ نبوت و رسالت پر فائز ہونے والی ہستی حسب اور خاندان کے اعتبار سے بلند درجہ اور عالی حیثیت ہو لیکن انبیاء کی ذات کے لئے حسب و نسب کی عظمت و برتری کا لازم ہونا کوئی بنیادی چیز نہیں ہے، اس کا تعلق محض ان لوگوں کے خلاف اتمام حجت سے ہے جو حسب و نسب کی بڑائی اور خاندانی وجاہت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت جاہل اور بیوقوف کفار کہا کرتے تھے کہ اگر خدا کی آخری کتاب قرآن کو نازل کیا جانا تھا اور نبوت و رسالت قائم کی جانی تھی تو اس کے لئے عرب کے بڑے سرداروں میں سے کسی کا انتخاب کیوں نہیں کیا گیا! ورنہ جہاں تک نفس نبوت کا تعلق ہے وہ خود اتنا بڑا شرف ہے جس کے سامنے کسی بھی طرح کی بڑی سے بڑی وجاہت اور عظمت بے حیثیت چیز ہے، اس کا حصول نہ حسب و نسب کی عظمت و بلندی پر موقوف ہے اور نہ کسی اور سبب و ذریعہ پر، بلکہ محض خدا کا فضل ہے کہ اس نے جس کو چاہا اس شرف و مرتبہ کے لئے منتخب فرمایا، قرآن کریم میں ارشاد ہے: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کے لئے کس کو منتخب کرے، نیز ایک اور موقع پر فرمایا: واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے، مخصوص فرما لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کرنے والے ہیں، وکان فضل اللہ عظیما۔ "اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم کو اپنی کتاب اور علم و نبوت عطا کر کے بڑے فضل سے نوازا۔"

(ماخوذ از مظاہر حق جلد پنجم)

خصوصیت نمبر ۷۹

رسول اکرم ﷺ کا تعارف خود اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتے ہیں

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اناسی نمبر خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کا تعارف خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں فرمایا" بیشک ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کا تعارف خود اپنے کلام میں فرمایا، جبکہ دیگر انبیا کو بھی کتابیں ملی لیکن دیگر انبیاء کرام کا تعارف اس قدر تفصیل سے آسمانی کتابوں میں نہیں ملتا، جتنا کہ ہمارے نبی ﷺ کے تعارف کی تفصیل اللہ کی آسمانی کتاب قرآن کریم میں ملتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ خصوصیت صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کا خاصہ ہے، جیسا کہ تفصیل آپ آنے والے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے، جسکا مطالعہ ان شاء اللہ آپ کے لئے ایمان میں اضافے کا سبب اور ذریعہ بنے گا کیونکہ یہ ہمارا ایمان ہے کہ ہماری نجات اور فلاح صرف اور صرف اپنے نبی ﷺ کے دامن سے وابستہ ہے، بے شک جس کے دل میں نبی ﷺ کی محبت ہوگی وہ کامیاب ہوگا اور جس کا دل نبی ﷺ کی محبت سے خالی ہوگا تو وہ دل سب سے ویران اور بنجر ہوگا، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور انکی تمام سنتوں پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

اناسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت کو سب سے زیادہ مستند انداز میں جس کتاب میں بیان کیا گیا ہے وہ قرآن حکیم ہے۔ "قرآن کریم کی یہ ہزاروں آیتیں

در حقیقت سیرت مقدسہ کے عملی اور تعارفی ابواب ہیں اور سیرت کے یہ ہزاروں گوشے آپ ﷺ کے علمی پہلو ہیں۔ پس قرآن مجید میں جو چیز قال ہے وہی ذات نبوی میں حال ہے اور جو قرآن کریم میں نقوش و دوال ہیں وہی ذات اقدس میں سیرت و اقوال ہیں۔ اس لئے سیرت سے تو قرآن کی عملی صورتیں مشخص ہوتی ہیں، اور قرآن سے سیرت کی علمی جہتیں کھلتی ہیں۔ اس قرآن حکیم کے مختلف مضامین سے اپنی اپنی نوعیت اور مناسبت کے مطابق سیرت کے مختلف الانواع پہلو ثابت ہوتے ہیں۔ قرآن میں ذات وصفات کی آیتیں رسول اکرم ﷺ کے اعمال، تکوین کی آیتیں آپ کا استدلال اور تشریع کی آیتیں آپ ﷺ کا حال ہیں۔ قصص وامثال کی آیتیں آپ ﷺ کی عبرت، تذکیر کی آیتیں آپ ﷺ کی موعظت، خدمت خلق کی آیتیں آپ ﷺ کی عبرت، حق کی کبریائی کی آیتیں آپ ﷺ کی ہیبت اور اخلاق کی آیتیں آپ ﷺ کا حسن معیشت ہیں، معاملات کی آیتیں آپ ﷺ کا حسن معاشرت، توجہ الی اللہ کی آیتیں آپ ﷺ کی خلوت اور تربیت خلق اللہ کی آیتیں آپ ﷺ کی معلمات ہیں قہر وغلبہ کی آیتیں آپ ﷺ کا جلال ہیں اور مہر ورحمت کی آیتیں آپ ﷺ کا جمال ہیں، تجلیات حق کی آیتیں آپ ﷺ کا مشاہدہ ہیں، ابتغاء وجہ اللہ کی آیتیں آپ ﷺ کا مراقبہ، ترک دنیا کی آیتیں آپ ﷺ کا مجاہدہ، اور احوال محشر کی آیتیں آپ ﷺ کا محاسبہ ہیں، نفی غیر کی آیتیں آپ ﷺ کی فنائیت ہیں اور اثبات حق کی آیتیں آپ ﷺ کی بقائیت ہیں، اسماء اور ذات کی آیتیں آپ ﷺ کا شہود ہیں، اور غور کی آیتیں آپ ﷺ کی غیبت ہیں، نعیم جنت کی آیتیں آپ ﷺ کا شوق ہیں اور جہنم کی آیتیں آپ ﷺ کا ہم وغم ہیں، رحمت کی آیتیں آپ ﷺ کا رجا، ہیں عذاب کی آیتیں آپ ﷺ کا خوف، انعام کی آیتیں آپ ﷺ کا سکون وانس ہیں اور انتقام کی آیتیں آپ ﷺ کا حزن، حدود وجہاد کی آیتیں آپ ﷺ کا بغض فی اللہ ہیں اور احسان ورحم کی آیتیں آپ ﷺ کا حب فی اللہ ہیں، نزول وحی کی آیتیں آپ ﷺ کا عروج ہیں اور تعلیم وتربیت کی آیتیں آپ ﷺ کا نزول، تنفیذ اوامر کی آیتیں آپ ﷺ کی خلافت ہیں اور طہارت کی آیتیں آپ ﷺ کی عبادت وغیرہ وغیرہ۔

غرض کسی بھی نوع کی آیت ہو وہ آپ کی کسی نہ کسی پیغمبرانہ سیرت اور کسی نہ کسی مقام کی تعبیر ہے اور آپ ﷺ کی سیرت اس کی تفسیر، جس سے سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کے اس زریں قول کی معنویت اور صداقت سمجھ میں آتی ہے "وکانَ خُلُقُہُ القرآن۔"

ہم میں جب قرآن سے آپ ﷺ کے نام مبارک کے بارے میں پوچھتے ہیں تو ہمیں تو ہمیں قرآن آپ کا نام محمد بتاتا ہے "محمدٌ رَّسُولُ اللہ" ہمیں قرآن آپ کا نام احمد بتاتا ہے "اسمہٗ احمد" ہمیں قرآن آپ کے متعلق شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ، اور سراج منیر بتاتا ہے "یٰاَیُّھا النبی اِنّا ارسلنٰک شاھداً وَّمُبَشِّراً وَّنذیراً وداعیاً اِلی اللہ بِاِذنہٖ وسراجاً مُّنیراً۔" ہمیں قرآن آپ کا نام مُدَّثِّر اور مُزَّمِّل بتاتا ہے "یٰاَیُّھا المُزَّمِّل۔ یٰاَیُّھا المُدَّثِّر"۔ ہمیں قرآن آپ کا نام رحمۃ العٰلمین بتاتا ہے ہمیں قرآن آپ کا نام خاتم النبیین بتاتا ہے ہمیں قرآن آپ کا نام نورٌ اور برھان بتاتا ہے۔

یوں تو قرآن مجید نے ہمارے حضور ﷺ کو مصطفیٰ بھی کہا ہے رسول بھی کہا، النبی والرسول بھی کہا لیکن عجیب بات ہے کہ جہاں جہاں رسول اکرم ﷺ کی عظمت وفضیلت کو ظاہر کرنا مقصود تھا، اور جہاں رسول اکرم ﷺ کے مقام اور مرتبہ کی بلندی بتانا مقصود تھی وہاں رسول اکرم ﷺ کے "عبد" ہونے کو نمایاں کیا گیا مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے منکرین کو چیلنج دیا تو وہاں رسول یا نبی کے بجائے رسول اکرم ﷺ کی عبدیت ہی کو ذکر کیا گیا۔ وَاِنْ کُنْتُم فی ریبٍ مِّمّا نَزَّلْنا علیٰ عبدِنا فاْتُوا بِسُورۃٍ مِّن مِّثلِہٖ۔

اسی طرح جب واقعہ معراج کا تذکرہ کیا گیا جو کہ انسانی تاریخ کا انتہائی بے مثال اور عظیم الشان واقعہ ہے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے نہ رسول اکرم ﷺ کے رحمۃ للعٰلمین ہونے کا ذکر کیا، نہ شفیع المذنبین ہونے کا ذکر کیا، نہ ہی سید الاولین والآخرین ہونے کا ذکر کیا نہ ہی بشیر ونذیر اور سراج منیر ہونے کی صفت کا ذکر کیا بلکہ رسول اکرم ﷺ کے عبد ہونے ہی کا ذکر فرمایا سُبحٰنَ الَّذی اَسریٰ بِعَبدِہٖ لَیلاً مِّنَ المَسجِدِ الحَرامِ اِلَی المَسجِد

الاقصیٰ۔ (بنی اسرائیل ۱)

پھر جب سفرِ معراج میں رسول اکرم ﷺ کے خصوصی تقرب کو بیان فرمایا تو اس میں بھی عبدیت سے موسوم کیا فاوحی الی عبدہ ما اوحی (النجم ۱۰)

رسول اکرم ﷺ پر کتاب مقدس کے نزول کا ذکر فرمایا تو وصف عبدیت ہی کو ترجیح دی گئی۔ فرمایا الحمد لله الذی انزل علی عبدہ الکتاب۔ (الکہف ۱)

نماز میں تشہد پڑھنے کا حکم دیا گیا تو اس میں بھی عبدہٗ کا ذکر فرمایا اشهد ان محمدا عبدہٗ ورسولہٗ اس کی وجہ یہ ہے کہ یوں تو آپ مصطفیٰ بھی تھے مجتبیٰ بھی تھے، طاہر بھی تھے، مطہر بھی تھے، مزکی بھی تھے، بشیر بھی تھے، نذیر بھی تھے طٰہٰ بھی تھے، یٰسین بھی تھے۔ سراج منیر بھی تھے، لیکن رسول اکرم ﷺ کا سب سے بڑا کمال اور رسول اکرم ﷺ کی سب سے بڑی فضیلت یہ تھی کہ رسول اکرم ﷺ "عبدہ" تھے، مالک حقیقی کا بندہ ہونا اور اس کی بندگی میں فنا ہونا انسان کی عظمت کا نمایاں سبب ہے اور پھر جسے خود اللہ کہہ دے کہ یہ میرا بندہ ہے اس کی عظمت وفضیلت کی کوئی انتہا نہیں۔

رسول اکرم ﷺ کے نام کے سلسلے میں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ رب کریم نے یوں تو آپ کے نام محمد کو قرآن حکیم میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے لیکن پورے قرآن میں ایک مرتبہ بھی آپ کو "یا محمد" کہہ کر خطاب نہیں فرمایا حالانکہ دیگر انبیاء کو یاٰدم کہہ کر، یانوح کہہ کر، یاابراھیم کہہ کر، یاموسیٰ کہہ کر، یاعیسیٰ کہہ کر، یٰزکریا کہہ کر، یایحییٰ کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ مگر ہمارے حضور ﷺ کو یا محمد ﷺ کہہ کر خطاب نہیں کیا گیا حالانکہ مالک حقیقی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے کسی بھی بندے کو کسی بھی انداز میں خطاب فرمائے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا مگر کتنے تعجب کی بات ہے کہ آپ کے امتی اور آپ ﷺ کے عشق کے دعویدار چیخ چیخ کر رسول اکرم ﷺ کو یا محمد ﷺ کہہ کر پکارتے ہیں۔

اور ہم جب قرآن سے رسول اکرم ﷺ کے نسب کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو قرآن میں سب سے پہلی بات تو یہ بتاتا ہے کہ آپ ﷺ یتیم تھے "الم یجدک یتیما"

فآوی " جو یتیم ہو جاتا ہے وہ عام طور پر تربیت سے محروم ہونے کے سبب بگڑ جاتا ہے لیکن فآوی کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اگرچہ رسول اکرم ﷺ یتیم تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی تربیت و پرورش کے دوسرے انتظامات کر دیے تھے، بلکہ حقیقت تو کچھ یوں نظر آتی ہے کہ ظاہری سہاروں سے آپ ﷺ کو عمداً محروم رکھا گیا، والد کے سہارے سے محروم کر دیا گیا، والدہ کا سایہ اٹھا لیا گیا، دادا کی شفقت بھی کچھ زیادہ عرصہ رسول اکرم ﷺ کو حاصل نہ رہی۔ علماء کہتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ عام طور پر لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ اولاد کے کمالات کو والدین اور بزرگوں کی طرف منسوب کرتے ہیں، تلامذہ کے کمالات کو اساتذہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر رب کریم کو یہ گوارہ نہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ کے علمی، اخلاقی کمالات کو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف منسوب کیا جائے، بلکہ دنیا والے تسلیم کر لیں کہ یتیم مکہ کی تربیت نہ تو والد نے کی نہ والدہ کی نہ دادا نے کی بلکہ رسول اکرم ﷺ کی ذہنی اور فکری تربیت براہ راست رب العالمین نے کی، آپ ﷺ نے کسی استاذ سے علوم نہیں سیکھے، بلکہ بلکہ آپ ﷺ کے سینے کو خود علام الغیوب نے علوم سے منور کیا۔ حضور ﷺ کے نسب کے سلسلے میں قرآن دوسری بات جس میں یہ بتاتا ہے کہ آپ کا نسبی تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تھا اور رسول اکرم ﷺ کی بعثت کی دعائیں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت کی تھیں۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ. رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (البقرہ۔۱۲۹)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہماری اولاد میں سے ایک ایسی امت پیدا کر دے جو تیری فرمانبردار ہو اور ہماری امت کے اندر انہی میں سے ایک پیغمبر بھی پیدا کر دے جو ان لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا رہے اور ان کو پاک کر دے۔

آپ کی بعثت کی دعائیں تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے کی

تھیں اور آپ ﷺ کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چھ سو سال پہلے سنادی تھی۔

اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰاۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ۔ (الصف، ع۱)

ترجمہ... یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں تصدیق کرنے والا تورات کی جو مجھ سے پیشتر ہے اور بشارت سنانے والا ہوں اس کی جو میرے بعد آنے والا ہے ں کا نام احمد ہوگا۔

بلکہ حضرت موسیٰ کی تورات میں بھی رسول اکرم ﷺ کا تذکرہ تھا

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ (الاعراف، ع۹)

ترجمہ... جو لوگ اس امی نبی و رسول کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تورات اور انجیل میں۔

اور اسی طرح جب ہم قرآن سے رسول اکرم ﷺ کے وطن کے بارے میں پوچھتے ہیں تو قرآن بتاتا ہے کہ آپ ﷺ کا وطن وہ ہے جہاں آپ ﷺ کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جگر گوشہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بسایا تھا وہ جگہ اس وقت بے آباد تھی، پھر وہ پوری دنیا کی آبادی کا ذریعہ بن گئی، وہ جگہ اس وقت بے نور تھی لیکن پوری دنیا میں نور پھیلانے کا سبب بن گئی۔ وہاں اس وقت زندگی کا کوئی سامان نہیں تھا لیکن پھر سارے عالم کو زندگی کا سامان وہیں سے ملا، ہدایت ملی تو وہیں سے ملی، نور ملا تو وہیں سے ملا، محبت ملی تو وہیں سے ملی، انسانیت ملی تو وہیں سے ملی، کلام اللہ ملا تو وہیں سے ملا، کمیل اللہ ملا تو وہیں سے ملا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بے آب و گیاہ جنگل میں بیوی بچے کو چھوڑتے ہوئے بڑے الحاح اور آہ و زاری کے ساتھ دعا کی تھی۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ

الثمرات لعلهم يشكرون.

ترجمہ……اے ہمارے پروردگار میں نے بسایا ہے اپنی اولاد کو ایک بے فصل وادی میں تیرے محترم گھر کے قریب اے ہمارے پروردگار یہ اس لئے کہ وہ نماز قائم کریں تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف پھیر دے اور ان کو پھلوں کا رزق دے تاکہ وہ لوگ شکرگزار ہوں۔

غرض یہ کہ قرآن ہمیں ہمارے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف ابواب سناتا ہے، حضور ﷺ کے فضائل وخصائص بتاتا ہے، حضور ﷺ کے جاں نثاروں کا پتہ دیتا ہے حضور ﷺ کے دشمنوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ حضور ﷺ کے معجزات بیان کرتا ہے، حضور ﷺ کی خانگی اور ازدواجی زندگی کے مدوجزر سے پردہ اٹھاتا ہے۔ سیدہ عائشہؓ نے یونہی نہیں کہہ دیا تھا کان خلقه القرآن بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ قرآن نے ہمارے آقا ﷺ کی حیات طیبہ کے ہر گوشے کو بیان کیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اکرم ﷺ کو تنبیہ ہوئی تو قرآن نے اسے بھی ذکر کردیا ہے علاوہ یہ قرآن کی حقانیت اور ہمارے آقا کی صداقت کی دلیل ہے اگر معاذ اللہ قرآن خود ساختہ کلام ہوتا تو اس میں وہ آیتیں نہ ہوتیں جن میں رسول اکرم ﷺ کو تنبیہ کی گئی ہے۔ چنانچہ اب ذیل میں ایسی ہی تنبیہات ذکر کی جارہی ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

رسول اکرم ﷺ نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تو تنبیہ ہوئی ما كان لنبي ان يكون له اسرى حتى يثخن في الارض تريدون عرض الدنيا والله يريد الآخرة والله عزيز حكيم. (الانفال ۶۷)

ترجمہ: نبی کے شان کے لائق نہیں کہ اس کے قیدی (باقی) رہیں جب تک وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی نہ کرلے تم لوگ دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے) لئے آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست قوت وحکمت والا ہے۔

حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی بن سلول کی نماز جنازہ پڑھی تو فرمایا گیا: استغفر لهم

اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۔ (التوبہ:۸۰)

ترجمہ: آپ ﷺ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں جب بھی اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔

رسول اکرم ﷺ نے عبداللہ بن ام مکتوم ؓ سے مصلحت کی خاطر تھوڑا سا اعراض کیا تو یہ آیات نازل ہوگئیں عَبَسَ وَتَوَلّٰى ۔ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۔ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى ۔ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۔ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۔ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۔ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۔ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۔ وَهُوَ يَخْشٰى ۔ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۔ (عبس۔۱۰)

ترجمہ: چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا، اس بات پر کہ ان کے پاس نابینا آیا، آپ کو کیا خبر شاید کہ وہ سنور ہی جاتا یا نصیحت قبول کر لیتا اور نصیحت کرنا اس کو فائدہ پہنچاتا، جو شخص (دین سے) بے پرواہی کرتا ہے آپ ﷺ ان کی تو فکر میں پڑ جاتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ نہ سنورے۔ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے، اور وہ ڈرتا ہے تو آپ ﷺ اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔

ذرا اسی طرح قرآن رسول اکرم ﷺ کے غزوات اور کیفیات کا حال بھی بیان کرتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ بدر میں جاتے ہیں تو قرآن یوں تبصرہ کرتا ہے: فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال پ۹) ترجمہ: (ان دشمنوں کو) آپ لوگوں نے نہیں مارا بلکہ اللہ نے مارا، آپ ﷺ نے پتھر نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔ رسول اکرم ﷺ احد تشریف لے جاتے ہیں تو قرآن یوں منظر کشی کرتا ہے: وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ (آل عمران پ۴)

ترجمہ: وہ وقت یاد کیجئے جب ایک صبح آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے پاس سے نکلے مسلمانوں کو قتال کے لئے مناسب مقام پر لے جاتے ہوئے اور اللہ بہت سننے والا اور جاننے والا ہے۔ غزوہ احد پیش ہوا تو قرآن نے اللہ کی مدد کا یوں ذکر کیا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا

لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا۔ (الاحزاب: ۹)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب کئی لشکر تم پر چڑھ آئے تھے پھر ہم نے ان پر آندھی اور ایسے لشکر بھیجے جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور اللہ تمہارے عمل کو دیکھ رہا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے بیعت رضوان کی تو قرآن نے اس کا حال اپنے مقدس اوراق میں محفوظ کر لیا۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا

ترجمہ: اللہ راضی ہو گیا مومنوں سے جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اور انہیں قریب ہی وقت میں فتح عنایت کی۔

آپ ﷺ حدیبیہ سے واپس چلتے ہیں تو آپ ﷺ کو فتح مکہ کی بشارت سنائی جاتی ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ قرآن نے غزوہ حنین کے متعلق فرمایا وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ۔ ترجمہ: اور اللہ نے یقیناً بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن بھی

اور اسی طرح آپ ﷺ قرآن نے صرف آپ ﷺ اور آپ کے نسب، خاندان، وطن اور محاربات ہی کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ قرآن ہمیں آپ کے خصائل، شمائل اور عادت ومزاج کے بارے میں بھی بتاتا ہے فرمایا فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران، ع ۱۷) ترجمہ: اللہ ہی کی رحمت ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے حق میں نرم ہیں۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم)

ترجمہ: اے پیغمبر آپ اخلاق کے عظیم پیمانے پر ہیں۔

قرآن بتاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو انسانیت کی تباہ حالی اور ضلالت وگمراہی پر اس قدر غم تھا ان کے ایمان نہ لانے پر شدت غم کی وجہ سے آپ ﷺ جان ہی دے دیں گے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (الشعراء، ع ۱) ترجمہ: شاید کہ آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے پر جان دے دیں گے۔ اسی طرح قرآن رسول اکرم ﷺ کے

آداب بھی بتاتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ (الحجرات ع ۱) ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو نہ اس طرح کھل کر جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہیں کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

فرمایا میرے نبی ﷺ کو پکارنا ہو تو ادب سے پکارو، بے ادبی کا طریقہ اختیار نہ کرو۔
اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (الحجرات ع ۱)
ترجمہ: بے شک جو لوگ آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔

یہ بھی بتا دیا کہ ایسا کوئی لفظ استعمال نہ کرو جس سے میرے نبی کی بے ادبی کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا (البقرہ ع ۱۳)

اگرچہ راعنا کا ایک مفہوم اچھا بھی ہے مگر چونکہ اس میں بے ادبی کا بھی ایک پہلو تھا اس لئے اس لفظ کے بولنے سے ہی منع فرما دیا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایسی متعدد آیات ہیں جن میں آپ ﷺ کے دشمنوں کو جوابات دیئے گئے ہیں اور ان کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے۔ عبداللہ بن ابی نے جب غزوہ مریسیع سے واپسی پر اپنے غیظ و غضب کے اظہار کے لئے حضور ﷺ کی پیٹھ پیچھے بعض صحابہؓ کے سامنے یہ کہا کہ مدینہ واپسی پر عزت والا (ابن ابی) ذلیل (معاذ اللہ رسول اکرم ﷺ مراد تھے) کو نکال دے گا تو رب کریم نے فرمایا وَلِلّٰہِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (المنافقون ع ۱)

ترجمہ: عزت تو بس اللہ اور اس کے رسول اور اس کے مومنین کی ہے البتہ منافقین اس کو نہیں جانتے۔

آپ سے یہ بات مخفی نہیں ہوگی کہ رسول اکرم ﷺ کے صاحبزادے بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے اور اس پر عاص بن وائل اور عقبہ بن ابی معیط جیسے ازلی بدبختوں نے خوب بغلیں بجائی تھیں اور آپ ﷺ کو ابتر یعنی بے نسل ہونے کا طعنہ دیا تھا۔ یعنی نہ آپ ﷺ کی

نسل آگے چلے گی نہ آپ ﷺ کا دین باقی رہے گا۔ رب محمد ﷺ نے جواب میں فرمایا اِنَّـــا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ. ترجمہ: ہم نے تجھ کو دی کوثر۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر۔ بے شک جو بیری تیرا وہی رہا پیچھا کٹا۔

اس سورۃ میں بتا دیا گیا کہ آپ کے نام کو کوئی نہیں مٹا سکے گا آپ ﷺ کی روحانی اولاد دنیا کے ہر گوشے میں آباد ہوگی، آپ ﷺ کا نام ہر شہر اور ہر بستی میں بسایا جائے گا مگر آپ کے دشمنوں کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ کسی کو جرأت نہ ہوگی کہ وہ ان کی طرف اپنی نسلی اور نسبی تعلق کا اظہار بھی کر سکے۔

اسی طرح جب بدبخت ابولہب نے کوہ صفا کے دامن میں کھڑے ہو کر نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: (تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے ہمیں اس لئے بلایا تھا) تو اس موقعے پر آپ ﷺ خاموش رہے مگر رب محمد نے انتہائی جلالی انداز میں ابولہب کو ڈانٹ پلائی۔ فرمایا تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ. مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ. سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ. وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ. فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ. ترجمہ: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہوا۔ اس کے مال نے اور جو کچھ اس نے کمایا اس کو نفع نہ دیا عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑے گا اور اس کی بیوی بھی لکڑیاں لاد کر لانے والی اس کی گردن میں ایک بٹی ہوئی خوب بٹی ہوئی۔

حقیقت میں رب محمد اپنے برگزیدہ نبی کے دفاع میں بڑھتا ہی ہے۔ بعض اوقات تو دشمنان رسول کے ساتھ ایسا جلالی انداز اختیار فرمایا ہے کہ تعجب ہوتا ہے کہ وہ رحمٰن و رحیم تو جو اپنے غضب پر اپنی رحمت کو غالب رکھتا ہے اس کا کلام حضور ﷺ کے دشمنوں اور گستاخوں کے بارے میں منتقم ہو جاتا ہے۔

ولید بن مغیرہ نے جب حضور ﷺ کے ساتھ گستاخانہ رویہ اختیار کیا تو جبار و قہار رب

نے تو کئی دفعات اس پر قائم فرمائے ارشاد فرمایا: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ. هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ. مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ. عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ. أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِينَ. إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ آيٰتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ. سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُومِ. (القلم)

ترجمہ: آپ ایسے شخص کا کہا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہے، ذلیل ہے، طعنہ باز ہے، چلتا پھرتا چغل خور ہے، نیک کام سے روکنے والا ہے حد سے گزرنے والا ہے سخت گنہگار ہے، سخت خو۔ اس کے علاوہ بدنسب بھی ہے باوجود اس کے کہ وہ مال والا اولاد والا ہے جب ہمارے آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ پہلوں کی خرافات ہیں ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے۔

اور تو اور جب حضور ﷺ کی حرم کے کردار پر انگشت نمائی کی گئی تو ان کی برأت اور کردار کی تطہیر کے لئے سترہ آیات نازل فرمادیں۔ اسی طرح اور ایسی آیات سے تو کلام اللہ بھرا پڑا ہے جن میں حضور ﷺ کی شان اور نعت بیان کی گئی ہے جن آیات میں آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے وہ نعت ہیں۔ جن آیات میں آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے وہ آپ ﷺ کی نعت ہیں۔ جن آیات میں آپ ﷺ کی رسالت عام کا ذکر ہے ان میں آپ ﷺ کی نعت ہے۔ جن آیات میں آپ ﷺ کو نور اور برہان قرار دیا ہے وہ آپ ﷺ کی نعت ہیں۔ جن آیات میں آپ ﷺ کی بیعت کو اللہ کی بیعت قرار دیا گیا ہے وہ آپ ﷺ کی نعت ہیں جن آیات میں رسول اکرم ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم ہے وہ آپ ﷺ کی نعت ہیں۔ سورۂ یٰسین میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ نون میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ مزمل میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ ضحیٰ میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ الانشراح میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ کوثر میں آپ ﷺ کی نعت ہے۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ قرآن صاحب قرآن کے ذکر خیر سے بھرا پڑا ہے اگر قرآن کو سمجھنا ہے تو صاحب قرآن کو سمجھئے اور اگر صاحب قرآن کو سمجھنا ہے تو قرآن سمجھئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں کو سمجھنے کی اور اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین

خصوصیت نمبر ۸۰

رسول اکرم ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے اسی نمبر خصوصیت بعنوان "رسول اکرم ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے" شروع کی جارہی ہے، اور دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں صاحب خصوصیت حضرت رسول اکرم ﷺ کے مقدس اور قابل احترام روضہ مبارک کے سامنے بیٹھا ہوں اور روضہ رسول ﷺ کی مقدس جالیاں میرے سامنے ہیں، دل کانپ رہا ہے کہ کہیں کوئی گستاخی نہ ہو جائے لیکن حضور ﷺ کی محبت میں شوق وذوق کا تقاضا ہے کہ یہ کام کر رہی روضہ رسول ﷺ کے سامنے ہے، سو ڈرتے ڈرتے، اللہ کی ذات سے معافی کی امید کرتے ہوئے حضور ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں اور اللہ کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے اپنے فضل وکرم سے اس نیک کام کرنے کی مزید توفیق دے گا انشاءاللہ۔

بہرحال محترم قارئین! رسول اکرم ﷺ کی رحمت کی وسعت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ جن کی رحمت اپنے پرائے سب کے لئے ہے اور تمام جہانوں کے لئے ہے جیسا کہ خود اللہ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا "وما ارسلنک الا رحمة للعلمین" کہ آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، اس میں کوئی شک نہیں کہ دیگر تمام انبیاءؑ بھی رحمت والے نبی تھے، مگر ان انبیاء کرامؑ کی نبوت محدود تھی صرف اپنی امت تک یا صرف اپنے علاقے تک بلکہ صرف انسانوں تک جبکہ ہمارے نبی ﷺ کو اللہ نے جو رحمت عطا فرمائی وہ عام ہے تمام جہانوں کے لئے، تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا مظہر بھی صرف ہمارے رسول اکرم ﷺ ہیں، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں گے۔

جس تفصیل کو ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں عام فہم انداز میں مکمل وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ کہ شاید اسی کاوش کے صدقے روز قیامت ہماری نجات ہو جائے۔ (آمین)

اسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

رحمۃ العالمین ﷺ کی شانِ رحمت پر ایک نظر

سورۂ توبہ میں ارشاد ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. "بلاشبہ تمہارے پاس رسول آیا ہے جو تم میں سے ہے تمہیں جو تکلیف پہنچے وہ اس کے لئے نہایت گراں ہے وہ تمہارے نفع کے لئے حریص ہے مؤمنین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والا ہے۔"

اور سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ "اور ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا مگر رحمت بنا کر۔"

پہلی آیت میں اللہ جل شانہٗ نے رسول اکرم کا رؤف رحیم کے بلند لقب کے ساتھ ذکر فرمایا اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ فرمایا: اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف بطور ہدیہ بھیجا گیا ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى بَعَثَنِىْ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ وَاَمَرَنِىْ رَبِّىْ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِيْرِ وَالْاَوْثَانِ وَالصُّلُبِ وَاَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ. "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کی چیزوں کو مٹادوں اور بتوں کو اور صلیب کو جس کی نصرانی پرستش کرتے ہیں اور جاہلوں کے کاموں کو مٹادوں۔ (مشکوٰۃ مصابیح)

رسول اکرم ﷺ کی رحمت عام ہے آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر

شرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا آپ تشریف لائے سوتوں کو جگایا حق کی طرف بلایا۔ اس وقت سے لے کر آج تک کروڑوں انسان اور جنات جنت کے مستحق ہو چکے ہیں ساری دنیا کفر و شرک کی وجہ سے ہلاک اور بربادی کے دہانے پر کھڑی تھی۔

حضور ﷺ کے تشریف لانے سے دنیا کی زندگی آگے بڑھی اور جب تک دنیا میں اہل ایمان رہیں گے قیامت نہیں آئے گی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک کہ دنیا میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (رواہ مسلم)

یہ اللہ کی یاد حضور ﷺ ہی کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ یہ جو ایک حدیث میں آیا ہے کہ طالب علم کے لئے آسمانوں کے زمین کے رہنے والے حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ کہ جب تک علوم نبوت اور اس کے مطابق اعمال دنیا میں موجود ہیں اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔ (مشکوۃ المصابیح)

لہذا آسمان کے درمیان کی چیزیں سمجھتی ہیں۔ کہ چونکہ ہماری بقا ان علوم و اعمال کے وجود سے ہے اگر یہ نہ ہو تو قیامت آجائے اس لئے ہمیں دینی علوم کے طلباء کے لئے دعا کرنی چاہئے ایک حدیث میں ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پوچھتا ہے کہ کیا آج تیرے اوپر کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو، اگر وہ پہاڑ جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ایک ایسا شخص گذرا تھا یہ جواب سن کر سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے ([illegible])

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایک شخص ایک پہاڑ پر گذرا اور دوسرے پہاڑ کو یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ عموماً مومن بندے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے عالم کی بقا ہے۔

مجموعہ عالم میں آسمان زمین، چرند پرند، چھوٹے بڑے حیوانات اور جمادات سب ہی ہیں قیامت آئے گی تو کچھ بھی نہیں رہے گا۔ سب کی بقا اہل ایمان کی وجہ سے ہے اور ایمان کی دولت حضور ﷺ سے ملی ہے۔ اس اعتبار سے حضور ﷺ کا رحمۃ اللعالمین ہونا ظاہر ہے۔

اور اس اعتبار سے بھی حضور ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں کہ حضور

ﷺ نے ایمان اور اعمال کی دعوت دی جن کی وجہ سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ اور آخرت میں بھی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے رحمت ہے جو لوگ رسول اکرم ﷺ پر ایمان نہیں لائے انھوں نے رحمت سے فائدہ نہیں اٹھایا جیسا کہ نابینا آدمی کو آفتاب کے طلوع ہونے سے روشنی کا فائدہ نہیں ہوتا۔ روشنی سے نابینا کا محروم ہونا سورج کے تاریک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

آپ ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں وہ اس طرح کہ آپ ﷺ سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں جب اسلام قبول نہیں کرتیں تھی تو ان پر عذاب آجاتا تھا اور نبی ہی کی موجودگی میں ہلاک کر دی جاتی تھیں۔ رسول اکرم ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کا اس بات سے بھی مظاہرہ ہے کہ عمومی طور پر سب ہی منکرین اور کافرین ہلاک ہو جائیں ایسا نہیں ہے۔ آخرت میں کافروں کو کفر کی وجہ سے جو عذاب ہوگا۔ وہ آخرت سے متعلق ہے۔ دنیا میں سارے ہی کفار ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہلاک ہو جائے ایسا نہیں ہوگا۔

دنیا میں آپ ﷺ کو کیسی کیسی تکلیفیں دی گئیں اور کس کس طرح ستایا گیا۔ حضور ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ رحمت ہی کا برتاؤ کیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ مشرکین کے لئے بددعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (انی لم ابعث لعانا انما بعثت رحمة) "میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

حضور ﷺ طائف تشریف لے گئے وہاں دین حق کی دعوت دی، وہ لوگ ایمان نہ لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ بدخلقی کا بہت برا برتاؤ کیا، پہاڑوں پر مقرر فرشتے نے خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ ﷺ فرمائیں تو ان لوگوں کو پہاڑوں کے بیچ میں کچل دوں، حضور ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں کرتا میں امید کرتا ہوں کہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کریں گے۔ (مظاہر جلد سابع)

سورۂ توبہ کی جو آیت اوپر ذکر کی گئی ہے اس میں رسول اکرم ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا **عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ** "یعنی امت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ ﷺ کو شاق گزرتی ہے، اور آپ ﷺ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔" **حَرِيصٌ عَلَيْكُم** "حضور ﷺ امت کے نفع کے لیے حریص ہیں۔"

اہل ایمان کو اعمال صالحہ میں مصروف دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور یہ بھی حریص ہے کہ ان کے دنیاوی حالات درست ہو جائیں۔ **بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ**

حضور ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ رافت اور رحمت کا تعلق ہے۔ حضور ﷺ کا تعلق صرف اتنا نہیں تھا کہ بات کر کے بے تعلق ہو جاتے۔ آپ ﷺ کا اپنی امت سے قلبی تعلق تھا۔ ظاہراً بھی آپ ﷺ ان کے ہمدرد تھے اور باطناً بھی۔ امت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ ﷺ بھی شریک ہوتے تھے، اور جس کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی آپ ﷺ کو بھی اس سے کڑھن ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے باہر سے کوئی آواز آئی اہل مدینہ کو اس سے خوف محسوس ہوا، چند آدمی اس طرف روانہ ہوئے دیکھا کہ حضور ﷺ پہلے ہی سے اس طرف روانہ ہو چکے تھے۔ یہ لوگ جا رہے تھے تو حضور ﷺ واپس آ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا **لَمْ تُرَاعُوا** "ڈرو نہیں کوئی فکر کی بات نہیں۔" (صحیح بخاری)

حضرات صحابہ میں سے کسی کو کوئی تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لئے فکر مند ہوتے تھے، عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے، دوا بتاتے تھے، مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے۔ تکلیفوں سے بچنے کے لئے ان امور سے بچنے کی تعلیم دیتے تھے جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا، اور جن سے انسان کو خود ہی بچنا چاہیے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے۔ اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر نہ بنی ہوئی ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

اور حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ "جو شخص ہاتھ دھوئے بغیر اس حالت میں سو گیا کہ

اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اسے کوئی تکلیف پہنچ گئی مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا تو وہ اپنی جان ہی کی ملامت کرے۔ (مشکوٰۃ مصابیح)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھونے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالے کیوں کہ اسے نہیں معلوم کہ رات کو اس ہاتھ کہاں جاتا ہے! ممکن ہے اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس پر زہریلا جانور گذر گیا ہو۔ (بخاری مسلم)

جوتے پہننے کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیوں کہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہو جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑے مکوڑوں اور گندی چیزوں کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی (رواہ مسلم)

نیز حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب چلتے چلتے کسی کے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے یہاں تک کہ دوسرے چپل کو درست کرلے پھر دونوں کو پہن کر چلے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ "ایک موزہ پہن کر نہ چلے"۔ (رواہ مسلم)

کیوں کہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہوگا تو توازن صحیح نہیں رہتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ امت کو اسی طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو۔ اور آپ ﷺ نے تین پتھروں سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ "لید اور ہڈی سے استنجا نہ کرو" اور داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ) اور رسول اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے۔ (مثلاً) پکی جگہ نہ ہو جہاں سے چھینٹیں اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ)۔" (مشکوٰۃ)

"نیز آپ ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا کیوں کہ اس میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں۔"

اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آجائیں گی جو سراسر شفقت پر مبنی ہیں۔ اسی شفقت کا تقاضا تھا کہ رسول اکرم ﷺ کو یہ گوارہ نہ تھا کہ کوئی بھی مومن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب چاروں طرف روشنی ہو گئی تو پروانے اس آگ میں آ کر گرنے لگے، وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں۔

لیکن وہ اس پر غالب آ جاتے ہیں اور آگ میں گرتے رہتے ہیں، اسی طرح میں بھی تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو۔ یعنی جو لوگ گناہ نہیں چھوڑتے وہ اپنے اعمال کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب بنتے ہیں، اور حضور ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی جو خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔" (رواہ بخاری)

سورۂ آل عمران میں حضور ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: **فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ** "سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے نرم ہو گئے، اور اگر آپ سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے سو آپ ان کو معاف فرما دیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجئے پھر جب آپ پختہ عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کیجئے بے شک اللہ توکل کرنے والا شخص اللہ کو محبوب ہیں۔

اللہ جل شانہ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنی رحمت سے ایسا نبی بھیجا جو رحم دل، نرم مزاج اور اخلاق عالیہ سے متصف ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص نرمی سے محروم

ہو گیا وہ خیر سے محروم ہو گیا۔" (رواہ مسلم)

آیات پاک میں جہاں حضور ﷺ کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رحمت و شفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو صحابہؓ جو حضور ﷺ کے پاس جمع ہیں، جو حضور ﷺ سے محبت کرتے ہیں، وہ حضور ﷺ کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہو جاتے۔ حضور پاک ﷺ کے اخلاق عالیہ میں شفقت اور رحمت کا ہمیشہ مظاہرہ ہوتا رہتا تھا۔ جب کوئی شخص رسول اکرم ﷺ سے مصافحہ کرتا تو آپ ﷺ اس کے ہاتھ میں سے اپنے ہاتھ نہیں نکالتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکالنے کی ابتدا کرتا تھا اور جس سے ملاقات ہوتی تھی اس کی طرف سے خود چہرہ نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا رخ پھیر کر جانا چاہتا تو چلا جاتا تھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ "میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل و عیال سے شفقت کرنے میں آپ ﷺ سے بڑھ کر ہو۔" (رواہ مسلم)

حضرت انسؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ "میں نے دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی، مجھ سے کبھی نقصان ہو گیا تو مجھے کبھی ملامت نہیں فرمائی، اور اگر حضور ﷺ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت کی، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ رہنے دو اگر کوئی چیز اللہ کے قضا و قدر میں ہے تو وہ ہو کر ہی رہے گی۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

حضور ﷺ رحمۃ للعالمین تھے دوسروں کو بھی رحم کرنے کا حکم فرمایا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔ (رواہ بخاری)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "مومنین کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور آپس میں محبت اور شفقت کرنے میں ایسا ہونا چاہئے جیسے ایک ہی جسم ہو، جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا ہی جسم جاگتا رہتا ہے، اور سارے ہی جسم کو بخار چڑھ جاتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

پھر صبر کرنے والوں کی تعریف فرمائی اور فرمایا: وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ. اس میں تنگی اور تکلیف کے زمانے میں صبر کرنے والوں کو نیکی اور

تقویٰ والا کام بتلایا ہے اور جنگ کے وقت جب کافروں سے مقابلہ ہو اس وقت جم کر ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنے کو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں شمار فرمایا ہے۔

سورۂ انفال میں فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ " بے شک اللہ تعالیٰ ان کو پسند فرماتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہیں جس میں سیسہ پلایا گیا ہو۔ آخر میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ " کہ یہ حضرات (جن کی صفات اوپر مذکور ہیں) وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان میں سچے ہیں۔ کیوں کہ ایمان قلبی کے ساتھ تقاضوں کو پورا بھی کرتے ہیں اور یہ لوگ تقویٰ والے ہیں کیوں کہ حرام سے بچتے ہیں اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں (ماخوذ "سیرت سرور کونین" از حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری)

حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا تفصیلی تعارف

حضرت قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری اپنی مایہ ناز کتاب "رحمۃ للعالمین" میں رسول اکرم ﷺ کی رحمت کو یوں متعارف کراتے ہیں جسے استفادہ عام کے لئے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ "ہم نے جو تجھے بھیجا ہے عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

دنیا میں ہزاروں نامور اشخاص گزرے ہیں۔ جو آسمان شہرت پر روشن انجم ہو کر چمکے ان کے خطابات سے ان کی شخصیتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ کسی کا لقب مہاراجہ ادھیراج ہے۔ کوئی شہنشاہ کہلاتا ہے۔ تو کوئی مہا دیو، کوئی تہمتن، کوئی روئیں تن، کوئی گوپال، کوئی فرزند نور، کوئی بودھا ستوا بیدار، کوئی سولہ کلاں سمپورن، کوئی چندر بنسی اور کوئی سورج بنسی وغیرہ وغیرہ۔

یہ اور اسی جیسے دیگر خطابات ہر شخص کی اپنی ذات و اوصاف کے متعلق ایک نمایاں

خصوصیت کے مظہر ہیں، لیکن ایسے خطابات سے واضح نہیں ہوتا کہ دنیا بھر کی مخلوقات اس ہستی کو کیا نسبت ہے۔

لیکن رحمۃ للعالمین ایسا خطاب ہے جو صرف اسی نسبت اور تعلق کا مظہر ہے جو ممدوح الوصف کو مخلوق کے ساتھ ہے۔

رحمت کے معنی پرورش، ہمدردی، غمگساری، محبت اور خبر گیری ہیں۔ ان الفاظ کے معنی اس لفظ کے اندر پائے جاتے ہیں۔ کون شخص ہے؟ جو یہ کہہ سکتا ہے کہ اسے مندرجہ بالا اخلاق کی کچھ ضرورت نہیں اور وہ ان اوصاف کے فیض سے مستغنی رہ سکتا ہے، غالباً کوئی بھی ایسا شخص نہیں نکلے گا۔

عالم علمیت کی صفت سے بنا ہے، یعنی وہ ہر ایک شے جس میں نمودار ہونے، ظہور پکڑنے، اپنی ہستی کو نمایاں کرنے اور اپنے وجود کی نمود رکھنے کی قابلیت ہے، وہ لفظ عالم سے موسوم ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس لفظ کا استعمال انواع و اصناف و اجناس کے ممیز کرنے میں اکثر کیا جاتا ہے۔ عالم جمادات، عالم نباتات، عالم حیوانات، عالم علوی، عالم سفلی اور جذبات و ذہنیات و کوائف کے لئے بھی استعارۃً اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ عالم شوق عالم اور شباب وغیرہ۔

الغرض لفظ عالم کا استعمال مخلوق، ذی روح تک وسیع ہے۔ عالمین صیغہ جمع ہے اور جملہ علوم پر اس کا احاطہ ہے، اب اندازہ کرو...... اس مقدس ہستی کا، جس کا سب سے پیارا ہے، جو سب پرورش کرتا ہے، جو ہر ایک کا ہمدرد و غمگسار ہے، جس کی محبت عام ہے، جو ہر ایک کی مقتضیات کو اپنی تعلیم سے پورا کر سکتا ہے، جو ہر ایک کو اپنے حقائق سے ہمدرد دوست بنا سکتا ہے اور جس کے فیض سے مادیات و ذہنیات، تصورات و تصدیقات کو شادابی و درستی صحت اور صداقت حاصل ہوتی ہے۔

رب العالمین نے حضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین ﷺ بنا کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ جس طرح پروردگار عالم کی الوہیت عام ہے اور اس کی ربوبیت سے کوئی ایک چیز بھی لاپروا نہیں رہ سکتی ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ کی تعلیمات اور تفہیمات سب کے لئے اور سب کے فائدے کے لئے ہیں اور کوئی شے بھی حضور ﷺ کی رحمت سے خود کو مستثنیٰ ثابت نہیں کر سکتی۔

شاید کسی بے فکرے کو یہ کہہ دینا آسان ہو کہ اسے سورج کی روشنی اور گرمی کی احتیاج نہیں، ایک عالم اور صاحب دماغ کے لئے یہ کہنا دشوار ہے کہ اسے تعلیمات محمدیہ کی مطلق حاجت نہیں۔

دنیا اور دنیا کی قوموں میں غور کریں کہ نبوت محمدیہ کے بعد کیوں کر انہوں نے حضور ﷺ کی تعلیمات کا اقتباس بالواسطہ یا بے واسطہ طریق سے کیا ہے اور کیا کیا بھیس بدل بدل کر اس خزین حیات سے خوشہ چینی کی ہے۔

حضور ﷺ کی سیرت پر غور کیجئے، اور حضور ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مفہوم اس سیرت سے سمجھنے کی سعی کیجئے۔

۱۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے ۱۴، ۱۵ سال کی عمر میں حرب الفجار کو دیکھا اور اسی وقت سے ایک قوم کا دوسری قوم پر حملہ آور ہونا، اور انسان کا انسان کو شکار غضب و وحشت بنانا ناپسند فرمایا۔

۲۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کی فطرت سلیم اور طینت طیبہ نے حلف الفضول یعنی قبل از نبوت محمدیہ مکہ معظمہ میں ایک انجمن قائم کی گئی تھی۔ جس کے ممبر قسم کھایا کرتے تھے کہ وہ مظلوموں کی امداد کریں گے، عورتوں اور یتامیٰ پر ظلم نہ ہونے دیں گے قتل و غارت گری کے روکنے کی سعی کیا کریں گے۔ اس انجمن میں فضل نام کے کئی ممبر شامل تھے اس لئے اس انجمن کا نام "حلف الفضول" ہو گیا تھا۔ اس حلف الفضول کے عہد و پیمان کو مستحکم و استوار بنایا اور ایک شریف النفس کے لئے دادخواہی مظلوموں اور دستگیری مظلوماں، حفاظت مسافراں اور اعانت بے چارگاں کے اوصاف کا حاصل کرنا لازم ٹھہرایا۔

۳۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے دشمن کو بھی دوست بنا لینے کی تدبیر سکھائی۔

ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ

"برائی کی مدافعت خوبی و نیکی سے کرو، پھر تو تمہاری عداوت والا بھی تمہارا گرم جوش دوست بن جائے گا۔

۴۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے عداوت کرنے والے دشمنوں، حقوق جائز سے محروم کرنے والے دشمنوں اور عبادت سے روکنے والے دشمنوں کیساتھ بھی ہر ایک انتقامی کارروائی کرنے سے اہل ایمان کو روکا۔ اس وقت جب کہ اہل ایمان میں انتقام لینے کی طاقت وقوت بھی موجود تھی۔ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا۔ "اس قوم کا بغض جس نے تمہیں حرمت والی مسجد سے روک دیا تھا۔ اس امت کی طرف کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان سے خلاف انصاف کرنے لگو۔

۵۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے کاہنوں کے ترہب کو، ہندوؤں کے جوگ اور سنیاس کو، یہودیوں کے فرقہ اسّاسی کو، یونانیوں کے گروہ کلبیہ کو، عیسائیوں کے نن اور منک کو اور ان سب کے افسوس ناک اور عبرت خیز نتائج کو دیکھا، اور وَرَھْبَانِیَّۃَ نِ ابْتَدَعُوْھَا مَا کَتَبْنٰھَا عَلَیْھِمْ یعنی رہبانیت تو لوگوں کی خود ساختہ گھڑت ہے۔ اللہ نے تو اسے انسان کے لئے کبھی مفید نہیں فرمایا، کا فرمان سنایا اور لَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ "اسلام میں رہبانیت نہیں" کے ارشاد سے تمدن اور انسانیت کو تاج امتیاز فرمایا۔

۶۔۔۔۔۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو یہودیوں کی ایک خاص نسل ہی کے افراد کو اللہ کی برگزیدہ قوم کے لقب سے مخصوص نہیں کرتا۔ جو کیتھولکوں کی طرح آسمانوں کی کنجیاں شخص واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کر دیتا، جو گنہگار اور بے حیا کے برہمنوں ہی کو نرک اور سرگ میں آدم انسانی کے دھکیل دینے کی طاقت کا ٹھیکیدار نہیں بناتا۔ جو چین والوں کی طرح کسی خاص رقبہ میں پیدائش کی بنیاد پر ان کو فرزندان آسمانی کا خطاب عطا نہیں کرتا۔ جو زرتشتیوں اور لاماؤں کی طرح پیروان خاص کے سوا باقی سب پر رحمت وافضال سے بھرپور خزانے بند نہیں کرتا۔

۷۔۔۔۔۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کی نگاہ میں رومی، یونانی، مصری وسوڈانی سب

مساوی ہیں۔ جس کے دربار میں یہ مجسم سوڈانی بلال حبشی، فیروز خراسانی، سلمان فارسی، صہیب رومی، اسامہ نجدی اور عدی طائی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں۔

۸...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو یہود جیسی مخذول و مغضوب قوم کو جسے نہ صرف عیسائیوں نے بلکہ بت پرستوں نے بھی ذلیل و خوار ٹھہرایا تھا، مستقل قوم ہونے کا درجہ عطا فرماتا ہے، اور معاہدات میں ان کو مساویانہ حقوق کے عطیے سے شاد کام فرماتا ہے۔

۹...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو جملہ عیسائی اقوام کی اس وقت حفاظت فرماتا ہے جب کہ دوسری مذہبی کونسل پہلی مذہبی کونسل کو، اور تیسری مذہبی کونسل دوسری مذہبی کونسل کو کفر و لعنت کا تحفہ پیش کرنے کے بعد اپنی مذہبی کارروائی کیا کرتی تھی۔ وہ عیسائیوں کے جان و مال کو اس وقت محفوظ فرماتا ہے، جب کہ مسیح کے جسم ایک روح یا دو روحوں کے ہونے کے مسئلے نے یروشلم اور روما اور مصر میں خون ریزی کو عام کر رکھا تھا۔

۱۰...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کی تعلیم لوتھر کی رہنمائی کرتی ہے، اس کے مخالف اسے خفیہ مسلمان ہونے کا الزام بھی لگاتے ہیں، مگر رحمۃ للعالمین کے فیوض سے استفاضہ کرنے میں نہیں جھجکتا، اور بالآخر یورپ کو الوہیت سے انسانیت پر لے آتا ہے اور ظاہر پرست پوپس کو گرجاؤں سے دُور کر دیتا ہے۔

۱۱...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو جملہ اقوام و ممالک عالم کو دین صحیح کی تعریف سے روشناس فرماتا ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ "اللہ کی پیدا کردہ فطرت جس پر انسانی سرشت بنائی گئی ہے۔ اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں، اسی کو دین قیم کہتے ہیں۔ اہل دنیا نے اپنی اپنی مقدس کتابوں سے اور فلسفی اپنے بہتر رہنماؤں کی تعلیمات میں سے نکال کر دکھائیں کہ دین صحیح کی یہ تعریف کبھی کسی اور جگہ بھی بتائی گئی ہے۔

دین صحیح کے متعلق ایک دوسرا اصول سکھایا گیا ہے: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ "دین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کیا کہ وہ انسان کو تکلیف اور دشواری میں

رکھے۔"

تیسرا اصول، جس پر شریعت مصطفویہ کے احکام کا نفاذ ہوا ہے، یوں لکھا ہے۔ یُرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ "یہاں شریعت سے ارادہ الٰہی کا مقصود یہ ہے کہ انسان کو پاک و صاف ٹھہرائے، اور دین پر اتمام نعمت بھی فرمائے۔"

تعریف بالا اور اصول بالا کو مسلم رکھتے ہوئے یہ بھی ارشاد ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ "دین کے بارے میں کسی پر زور اور زبردستی نہیں، ہدایت اور ضلالت کو کھلے طور پر واضح کر دیا ہے۔"

۱۲...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کی تعلیم اختلاف الوان اور تحلیل زبان اور تباین ملکی سے بہت بلند ہے۔ جس کی تعلیم میں حسب اور نسب کا خالی دعویٰ صداقت سے عاری ہے۔

۱۳...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے سب سے پہلے "ھو اللہ احد" کے دین واحد کی دعوت یکساں طور پر خویش و بیگانہ کو دی۔

جس نے سب سے پہلے احمر و اسود، غربی و شرقی، متمدین کو قوم واحد بنایا، ایک ہی کلمہ زبان پر، ایک ہی ولولہ دماغ میں، ایک ہی ارادہ دلوں میں قائم کر دیا۔

۱۴...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے ترہب اور تمدن میں تفریق کی، جس نے ایک گرہستی کو گرہست میں رہ کر رشی ہی بنایا اور جس نے مصائب دنیوی کے خوف سے قطع تعلق کرنے والے لوگوں کو ناخوشنودی رحمٰن کا مورد بتلایا۔

۱۵...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے امراض قلوب کو بیان کیا۔ امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتائے۔ جس نے قلب سلیم کی تعریف فرمائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

۱۶... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے دیکھا کہ کہیں تو عورت کو اناج، غلہ، روپیہ پیسہ کی طرح ورثہ میں دیا جاتا ہے۔ (ہندوستان) اور کہیں عورت کو بے روح بتایا جاتا ہے۔ یا

کبھی عورت کو مجسم شیطان تعبیر کیا جاتا ہے۔ (سترہویں سے پہلے پہلے کی عیسویت) کہیں اسے صرف اغراض شہوانی کا آلہ قرار دیا گیا ہے۔ (یہودیت) اور کہیں بے جان زمین کی طرح اسے سب مردوں کا لگدکوب ہونا تجویز کیا ہے۔ (ایران کے مزدکیہ و مانویہ) اور ان جملہ حالات میں اس کی شخصیت وحیثیت اور حقوق کا ذرہ بھی پاس ولحاظ نہیں رکھا گیا۔ ان جملہ مصائب کو دور کرنے کے لئے یہ حکم سناتا ہے۔ ولھن مثل الذی علیھن "جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں۔" علم نحو میں لام استحقاق، تخصیص وتملیک کے لئے آتا ہے لہٰذا "لھن" کا لام عورتوں کو بہت کچھ حقوق عطا کرتا ہے۔

ارشاد فرمایا: النسآء شقائق الرجال "عورتیں مردوں ہی کا ایک جز اور حصہ ہیں۔ یا عورتیں مردوں کے لئے گل وریحان ہیں۔" اور ارشاد فرمایا: فاتقوا اللہ فی النسآء "عورتوں کے معاملات میں تقویٰ الٰہی سے کام لینا۔"

۱۷ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے رسوم کی زنجیروں اور اندھی تقلید کی بیڑیوں اور آبائی مراسم کی ہتھکڑیوں سے انسان کو آزاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے ان کارناموں کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے: ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم "بوجھ اتار دیئے اور زنجیروں اور طوق کو ان سے اتار کر دور پھینک دیا۔"

۱۸ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو قوموں کو قوموں کے ساتھ موالات کے اصول سکھاتا ہے۔ اور عدم موالات کی حدود کو بھی قائم کر دیتا ہے۔ تاکہ موالات کی تعریف جامع ہو جائے۔ اور مانع بھی رسول اکرم ﷺ نے یہ فرمایا: وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان جملہ اقسام نکوئی میں اور جملہ انواع خدا ترسی میں تم سب کے ساتھ تعاون کیا کرو۔ اور جملہ اصناف گناہ میں نیز جملہ اشکال عدوان میں کسی کی مدد نہ کیا کرو۔

۱۹ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کا کام خصائل رذیلہ اور اخلاق نکوہیدہ سے انسان کو پاک وصاف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ویزکیھم۔ وہ ان کے میل کچیل کو دور

کر کے ان کو پاک وصاف بناتا ہے۔

۴۰۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو انسانیت کی وجہ رفیع کو نہ تو زر و دولت کے لباس میں دیکھتا ہے، اور نہ فقر و تہی دستی کے وقت اس کی نفی فرماتا ہے۔ بلکہ انسانیت کا مدار اور ابن آدم کہلانے کا استحقاق وہ صرف ایمان اور علم پر مبنی کرتا ہے۔ لفظ ایمان فرائض الٰہیہ پر اور لفظ علم واجبات وجود پر پوری طرح سے حاوی ہے۔

فرمان ذیل پر غور کیجئے: یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات "اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا ہے۔ ان کے جو تم میں سے ایمان لا چکے ہیں اور ان کے جن کو علم دیا گیا۔

فضیلت علمی کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرنے کے لئے فرمایا: فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنٰکم "عالم کو عابد پر فضیلت آتی ہے۔ جیسی نبی کو ادنیٰ امتی پر ہوتی ہے۔"

۴۱۔۔۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے "ابغض الحلال الی اللہ الطلاق" کے راز سے دنیا کو واقف بنایا اور سمجھایا کہ طلاق کا وجود خاص خاص دشواریوں کے حل کرنے کے لئے ضروری ہے اور اس وقت طلاق کی ضرورت ایسی ہی ہو جاتی ہے، جس طرح ایک عضو میں سقم آجانے کی وجہ سے اس کا جسم انسانی سے بذریعہ قطع و برید جدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگرچہ قطع عضو بہر حال ناپسندیدہ سمجھا جائے۔ ہاں یہ حکم طلاق دینے والے کو سمجھایا جاتا ہے، کہ اب وہ ایسے خطرناک فعل کا اقدام کرنے لگا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو صرف ناپسند ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بغض بھی ہے۔ لہٰذا جب تک کہ یہ مسلّم نہ ہو جائے، کہ یہی ایک صورت مرد کی بقا و صحت و حفاظت اور ایمان و عزت کے لئے رہ گئی ہے، اس وقت تک اس پر عمل نہیں کرنا چاہئے۔

۴۲۔۔۔۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے طلاق کے روکنے کے لئے ایسی تدبیر کو ضروری ٹھہرایا، جس پر عمل کرنے سے ہر ایک جلد باز اور ہر ایک انجام سے بے پروا اور ہر

ایک مغلوب الغیظ کو طلاق کی برائی سے مغلوب فرمایا ہے۔

الف۔ زوجین کے اختلاف وشقاق کے مٹانے کے لئے پہلی تدبیر یہ بتائی کہ دو ثالث مقرر کئے جائیں ایک مرد کے گھرانے کا، ایک عورت کے گھرانے کا، وہ دونوں ان زوجین کے حالات وشکایات کو سنیں اور فیصلہ کر دیں۔

ب۔ اب بھی اگر اصلاح نہ ہو اور قصور کا بوجھ صرف عورت پر ہو تو مرد کو لازم ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے ہم بستری ترک کر دے، یہ تدبیر مؤثر ہے۔

ج۔ اب بھی کوئی درستگی نہ ہو تو تادیب کے طور پر ہلکی سی مار مارے، ہلکی سی مار سے یہ کہ چہرے پر نہ مارے، ایسی ضرب نہ مارے جس سے جلد پر نشان نمایاں ہو جائیں، یہ تدبیر بھی پست درجہ کی بیویوں میں مؤثر ہوتی ہے۔

د۔ یہ تدبیر بھی ناکافی ثابت ہو تب ایک طلاق دے سکتا ہے۔ اس ایک طلاق دینے کے لئے شوہر کو اس وقت کا انتظار کرنا چاہئے، جب وہ ماہواری ایام سے پاک صاف ہو جائے۔ ان ایام کا یہ انتظار بھی پہلی طلاق کی روک تھام کے لئے ہے۔

اس طلاق کے بعد ضروری ہے کہ خاوند بیوی ایک ہی گھر میں رہیں۔ ایک ہی جگہ خواب کریں۔ اس سکونت یک جائی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کو پھر اپنی خصلت وعادت اور فعل پر جس کی تشکیل نوبت بعد سے رسید ہوگئی ہے، غور کرنے اور اصلاح کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اسی طرح پر اگر دو دل مل بیٹھے۔ ایک نے دوسرے کی ہم بستری کا موقع حاصل کر لیا تو وہ ایک طلاق ان کو خاوند بیوی کی معاشرت سے ذرا روک نہیں۔

ہ۔ ایک مہینہ گزر گیا، عورت کو دوسرے مہینے کے ایام بھی دیکھنے پڑے، ان کے بعد پھر مرد کو دوسری طلاق دینے کا اختیار ہے۔ لیکن اس دوسری طلاق کے بعد بھی زوجین کو ایک ہی جگہ رہنا سہنا سونا بیٹھنا ہوگا۔

اب پھر ایک مہینہ کی لمبی میعاد ان کے درمیان ہے، جذبات انسانی، جھوٹے غصے، بیجا بدگمانیوں اور فضول شکایتوں کو جلد مغلوب ومعدوم کر دیا کرتے ہیں۔ اگر ہوگیا تو پھر یہ

جوڑا میاں اور بیوی کا ہے اور دونوں طاقتوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں۔

۹۔ اب تیسری طلاق کا موقع آ جائے گا۔ اس وقت جب عورت ماہواری مرض سے فارغ ہو، اب شریعت اسے بتاتی ہے کہ دیکھ یہ تیرے ہاتھ سے نکلنے والی ہے، پرند اڑ جاتا ہے تو کف افسوس ہی ملنا پڑتا ہے۔ سمجھ لے اور تیسری طلاق سے رک جا۔

ان ہدایات پر بھی اگر نفرت و شقاق کی بنیاد ایسی مضبوط ہے۔ کہ مرد اب تک طلاق پر ہی تلا ہوا ہے۔ تب شریعت اسے مجبور نہیں کرتی ہے، اور معاہدہ شادی کو لعنت زندگی کا طوق نہیں بنا دیتی۔

رحمۃ للعالمین کی تعلیم نہ تو یہ گوارا کر سکتی ہے کہ کسی وفادار بیوی کو محض کسی بیرونی جاہل کے طعن پر یکبارگی گھر سے نکال دے۔ جیسا کہ سیتا جی کا معاملہ ہے، یا یہودیوں کی طرح جن کے نزدیک بیوی کا درجہ ایک ملازم کے برابر بھی نہیں۔ بلا وجہ اور بے سبب شریک زندگی سے قطع تعلق کر لیا جائے۔

علی ہذا یہ بھی گوارا نہیں، کہ عورت پر تہمت زنا لگانے کے بغیر اس کی بد مزاجیوں، کج خلقیوں یا امراض مزمنہ کے بعد بھی اس سے مخلصی نہ ہو سکے، جیسا کہ انجیل کی تعلیم کو سمجھ لیا گیا ہے۔ ہاں حقوق زوجین کا از حد خیال رکھتے ہوئے رحمۃ للعالمین ﷺ نے ایک ایسی سڑک تیار کر دی ہے، جس میں نہ تو تفریط کی کھائیاں آتی ہیں، اور نہ ہی افراط کے پہاڑ راستے میں حائل ہوتے ہیں۔

۲۳ رحمۃ للعالمین وہ ہے، جس نے عرب کے اس رواج کو توڑا کہ میت کا ورثہ خاندان کے صرف ان لوگوں کو ملے گا جو تلوار و نیزہ اٹھا سکتے ہوں۔ عورت اور معصوم بچے، بیٹی، بہن، کا کوئی حق نہیں۔ بلکہ وہ ایک عورت کو باپ کی جائداد سے بوجہ بیٹی ہونے کے، بھائی کی جائداد سے بوجہ بہن ہونے کے شوہر کی جائداد سے بوجہ زوجہ ہونے کے اور اولاد کی جائداد سے بوجہ والدہ ہونے کے متعدد حصے دلاتا ہے، اور حضور ﷺ کے تعلیم کردہ قانون توریث کا اصول بہت سے غیر مسلم قوموں نے بھی لے لیا ہے۔

۲۴ ... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے وقف علی الاولاد کے آئین سے اولاد کو فقر، تنگدستی سے اور جائداد کو تباہی سے، اور خاندان کو ہلاکت سے محفوظ بنایا۔ اس مسئلہ سے دنیا کلیۃً ناواقف تھی۔

۲۵ ... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے جواز جنگ کے لئے مظلوم ہونے، حقوق ملی وقومی سے بلاوجہ محروم کردیے جانے، دین حق کی حفاظت کرنے والوں کی جان ومال کے غیر محفوظ ہوجانے یا امن عامہ کا قیام مفقود ہو جانے اور مذاہب عالم اور ان کے اماکن عبادت کے معرض تلف میں آجانے کو بطور شروط لازمین قرار دیا۔

یہ حقیقت آیات ذیل سے آشکارا ہے: اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۔ اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ. وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا۔ "جنگ کرنے والوں کو اذن دیا گیا کیوں کہ وہ مظلوم تھے اور بے شک اللہ ان کی مدد کی ضرور قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ ہیں جو اپنے وطن سے بلاسبب نکالے گئے۔ صرف اس بات پر کہ انہوں نے اللہ اپنا پروردگار مان لیا تھا۔ ہاں اللہ تعالیٰ اگر کچھ لوگوں کی دوسرے اشخاص کے ذریعہ مدافعت نہ کرتا تب یہودیوں کے معبد، عیسائیوں کے گرجا، صابئین کی عبادت گاہیں نیز مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے۔ ضرور گرادی جاتیں۔

۲۶ ... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے شراب کو قطعی حرام ٹھہرایا، اور اسے ام الخبائث بتایا اور اس تھوڑی سی رعایت کا بھی (جو بالآخر انتہائی اجازت تک پہنچ جاتی ہے) جو پولوس نے مرعی رکھی تھی کہ تبدیل مزہ کے لئے پانی میں تھوڑی سی شراب ملا کر) سدباب کردیا۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ "شراب اور قمار کو شرک مذہبی کے برابر برابر بیان فرما کرے

شیطانی فعل بتایا اور پھر اس سے بچنے کا حکم محکم الفاظ میں صادر کیا۔ تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اس حکم کے ساتھ یہ تفسیر بھی شامل کر دی: کُلُّ مَا اَسْکَرَ کَثِیْرُہٗ فَقَلِیْلُہٗ حَرَامٌ" جس کی بڑی مقدار میں نشہ ہو اس کی ادنیٰ مقدار بھی حرام ہے۔"

۲۷..... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے زنا کے جملہ اقسام کو جس کے عرب اور ہندوستان اور دیگر ممالک میں عجیب عجیب نام اس کی قباحتوں کو چھپانے کے لئے رکھے گئے تھے۔ حرام ٹھہرایا اور اس کے حکم کو منبر و محراب میں خوب شائع کیا۔

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ. اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ. فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ. "فلاح والے وہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ بیویاں اور وہ جن کے مالک ان کے داہنے ہاتھ ہوئے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور ان کی بابت ان پر کوئی ملامت نہیں۔ مگر جو کوئی ان کے سوا اور عورت کی تلاش کرتا ہے۔ تو وہ لوگ اللہ کی حدود سے بڑھ جانے والے ہیں۔

۲۸..... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے اسیران جنگ کی جان بخشی و رحم فرمائی کے اصول وضع فرمائے تورات میں دشمنوں کی جان تو کیا ان کے حیوانوں اور عورتوں کی جانوں کو بچانا بھی حرام اور موجب غضب الٰہی بتایا گیا تھا۔

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْھُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً. "جب کافروں سے مٹھ بھیڑ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو، اور جب ان کو خوب چور کر دو تب مضبوط طریقے سے ان کو باندھو، اور پھر بعد ازاں ان پر احسان کیا کرو یا ان سے فدیہ لے لو۔"

حملہ آور دشمن پر مغلوب اور اسیر ہونے کے بعد احسان مالی یا فدیہ گیری کا اصول ایسا ہے، کہ دنیا بھر کی تمام اقوام اس سے نابلد رہی ہیں، اور عملاً کسی نے ایسے کارنامے کی نظیر پیش نہیں کی ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے بدر واحد اور حنین کی فتوحات اور فتح مکہ سے، اور ہر موقع

پر اسیرانِ جنگ اور دشمنانِ دین اور قاتلانِ مومنین اور محاربین رسول کے ساتھ۔ یہی معاملہ فرمایا تھا۔

۲۹۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے بے پڑھی لکھی قوموں کے سامنے جو اپنے ان پڑھ ہونے پر فخر کرتے اور ان پڑھ ہونے کو نوزائیدہ بچہ کی معصومی کا جز سمجھا کرتے تھے۔ علم سے روشناس کیا علم کا درجہ ان کے دلوں میں قائم کیا علم کا شائق بنایا۔ پھر ان کو معلم اور مقری کے منصب پر بلند فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ. وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ. "اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا عظیم الشان رسول ﷺ بھیجا جو انہی میں سے ہے وہ ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا اور پاک بناتا اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ لوگ تو اس رسولؐ سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ تم کو وہ وہ کچھ سکھایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔

۳۰۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے امراض قلوب کو بیان کیا ہے۔ امراض کی علامت اور علاج کے طریقے بتائے۔ جس نے قلب سلیم کی تعریف بتائی، اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

۳۱۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے گناہگار انسان کو اسرار توبہ کی تعلیم دی۔ توبہ کے اجزا بتائے ہر ایک جزو کی جداگانہ خاصیت اور ترکیبی ماہیت کو تفصیل سے سمجھایا۔

۳۲۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے تزکیہ نفس۔ تصفیہ باطن کو جداگانہ ابواب میں مرتب فرمایا جس نے اخلاق فاضلہ اور ابواب احسان کو الگ الگ کر کے بتایا۔

۳۳۔ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے تقویٰ اور خشیت من اللہ، انقطاع تمام اور انس کامل مدارج رجوع مراتب احسان، حقیقت ورع و توکل اور دروں اخلاص و صدق اور مقامات قرب و رضا کا عرفان عطا کیا۔

۳۴ ـ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے عبد اور معبود کے درمیان ایک "حبل اللہ المتین" کا نشان دیا۔ اور چاہِ ضلالت میں گرے ہوؤں کو آسانی ہدایت پر پہنچ جانے کی تدبیر بتائی۔

۳۵ ـ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ کہ جس نے رہزنوں کو چوپانی اور بادشاہوں کو اخوانی سکھائی، اور جس نے غلاموں کو سلطانی دی، اور جس نے بساطِ کیانی پر اونٹ چرانے والوں کو بٹھا دیا۔

۳۶ ـ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے علوم مابعد الطبیعیہ کو آثارِ نفسی و آفاقی سے مبرہن کیا۔ اور جس نے اقبال، اور اعمال کا روح سے تعلق بتایا، اور جس نے میزان اور حق و باطل کا توازن سکھایا ہے۔

۳۷ ـ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے شمالی عرب کو روما کی غلامی سے اور جنوبی عرب کو ایران کی غلامی سے آزاد کیا۔ جس نے طوائف الملوکی کا خاتمہ کر دیا۔ جس نے قتل و غارت گری کو قتل و غارت کر دیا۔ جس نے خونِ انسانی کی قدر و قیمت کو سارے جہان کی قیمتی اشیاء سے بڑھ کر قیمتی بتایا، جس نے ایران کو فواحش سے، اور روما کو حیوانی تعیش سے نجات دی۔ جس نے تمام دنیا کی طرف امن کا ہاتھ بڑھایا۔ جس نے ایوانِ ستم کو سرنگوں کیا۔ جس نے "حتی تضع الحرب اوزارھا" یعنی یہاں تک کہ جنگ اپنے سلاحات کو رکھ دے۔" کے لئے جملہ مساعی کو ختم کر دیا۔

۳۸ ـ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے غلامی کے نقائص دور کرنے کی تدابیر کیں، غلاموں کو برابر کا کھانا، برابر کا پہننا، ان کی استطاعت سے بڑھ کر کام نہ لینا فرض ٹھہرایا۔ اور اس طرح غلاموں کو خاندان کا ایک جزو یا ممبر بنا دیا۔

۳۹ ـ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے غلام کو حقِ مکاتبت بخشا، جس کا مطالبہ وہ عدالت میں کر سکتا ہے، اور آقا مجبور ہے کہ اسے مقررہ قیمت پر آزاد کر دے۔

۴۰ ـ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے مکاتب غلام کو چندہ دینے کا حکم سب کو دیا،

حتیٰ کہ وہ آقا بھی چندہ دے جس کی غلامی سے اسے آزاد ہونا ہے۔

۴۱..... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے اسلامی سلطنت کی آمدنی صدقات میں سے ایک حصہ خزانہ غلامی کے مٹانے کے لئے ترتیب فرمایا۔ ﴿وفی الرقاب﴾ (سورۃ توبہ)

۴۲... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے قانون شریعت میں آزادی غلاماں کے لئے مواقع نکالے۔

۴۳ رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے آقاؤں کو "اعتاق من النار" کا ذریعہ آزادی غلام بتایا۔

۴۴..... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے آزاد کو آقا کے برابر حقوق عطا فرما کر آقا کو غلام کا مولیٰ اور غلام کو آقا کا مولیٰ ٹھہرایا۔

۴۵... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے آزادی غلام کے بعد بھی آقا و غلام میں ایک ایسی نسبت ایک ایسا علاقہ پیدا کر دیا، جو صرف خون کے رشتہ میں ہوتا ہے۔ یعنی آقا کے لاوارث ہونے پر غلام کو اور غلام کے لاوارث ہونے پر آقا کو اس کا وارث ٹھہرایا۔

۴۶.. رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے غلاموں پر حصول قربت وصہریت اور افسری وحکومت اور منصب امامت وولایت اور امراء کو عطائے صلح وامان کے حقوق سے مالا مال فرمایا ہے۔ اسلام سے پیشتر غلامی تو جملہ ممالک میں اور جملہ اقوام میں اور جملہ ادیان میں موجود تھی۔ کیا رحمۃ للعالمین سے پیشتر کسی نے غلامی کے محو وزائل کرنے اور غلاموں کو ایسے بلند مناصب تک پہنچانے میں کوئی کارروائی کی۔

یہ ہندوستان ہے جہاں اچھوت اقوام کی تعداد آج تک برہمنوں، کھتریوں اور ویش قوموں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے۔ اور اچھوت ہونے کی بیڑی اور طوق اس طرح ان کا لازمۂ جسم وروح ہو گیا ہے کہ سینکڑوں نسلوں اور ہزاروں لاکھوں سالوں کی امتداد ومدت بھی ان کو رہائی نہیں دلا سکی۔ اچھوت قومیں ہندو لاء کے حکم سے معاشرت، تمدن، علم اور مذہب کے جملہ حقوق سے قطعاً محروم رکھی گئی ہیں، برہمنوں کو شودروں کے مال کا مالک بنایا گیا ہے

اور کوئی برہمن کسی شودر مقتول کے قتل میں مستوجب قصاص نہیں سمجھا گیا۔

اسلام میں کوئی انسان بھی اچھوت نہیں، سب کی جان ومال کو یکساں حرمت واحترام کے حقوق حاصل ہیں معاشرت اور تمدن میں سب برابر ہیں۔ ہر ادنیٰ شخص سلطنت دنیوی یا امامت دینی تک فائز ہو سکتا ہے۔

ہمارا یہ مضمون طویل ہو رہا ہے اور کتاب ہذا کا موضوع یہ نہیں کہ ایک ہی مسئلہ کو پورے بسط سے تحریر کیا جائے۔ لہٰذا اس دلچسپ ودل ربا مضمون کو ہم اس جگہ ختم کرتے ہیں اور آپ سے یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین صرف حضور ﷺ کی خصوصیت ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ بطور اسم اور علم بھی مستعمل ہے۔

اور یہ نام کسی غیر کا تجویز کردہ نہیں۔ ماں باپ کا رکھا ہوا نہیں۔ کسی شاعر کے تخیل کا نتیجہ نہیں، کسی فدائی کا جوش محبت میں کہا ہوا نہیں، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کا انکشاف حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ ایک صداقت کا نگینہ ہے۔ اور اس نگینہ کا نشان خود ہادی مطلق نے دیا ہے۔ یہ ایک بشارت ہے۔ جسے قدرت ربانی ہر ایک مخلوق کے کان تک پہنچا چکی ہے۔ یہ ایک نوید ہے جو عالم عالمیاں کو شیفتہ احسانات الٰہیہ بناتی ہے۔

(بحوالہ نوید و رحمۃ للعالمین جلد ۳ از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری)

آپ ﷺ کی شان رحمۃ اللعالمین کی چند جھلکیاں

بھول چوک اور غلطی کرنے والے کو خطا کار کہتے ہیں، اور درگزر کا مطلب ہے "کسی کی خطا کو معاف کر دینا۔ اس سے کوئی تعرض نہ کرنا اور انتقام کو عفو میں تبدیل کر دینا۔" یہ مقدس صفت حضور ﷺ کا جز و ایمان تھی۔ حضور ﷺ حسن سیرت میں اکمل اور پاکیزگی جسم اور لباس میں اطہر تھے۔ ہر ایک بات میں علم، فضل، عقل، سخاوت، فصاحت، احسان، ایمان، اخلاق، عبادات، ریاضت، شفقت، عنایت، محبت، شرم اور تمام اخلاق حسنہ میں رسول اکرم ﷺ لاثانی تھے۔

بدی کا بدلہ بدی سے ہرگز نہ دیتے تھے، بلکہ حتی الوسع نیکی کرتے۔ جو کوئی آپ کو برا بھلا کہتا، رسول اکرم ﷺ اس کے حق میں دعائے خیر مانگتے۔ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ گنہگار کی خطا پر پردہ ڈالتے اور بھول، چوک اور غلطی کرنے والے کے قصور کو معاف کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کئی ناموں سے یاد کیا ہے، اور آپ ﷺ کی کئی صفات بیان کی ہیں۔ لیکن ان میں سے آپ ﷺ کی مقصد صفت، رحمت سب سے ممتاز ہے، کیوں کہ اس کا ذکر رسالت کے ساتھ بلکہ اس کے مقصد وحید کے طور پر ہوا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ. (سورۃ انبیاء)

"اے نبی ہم نے تم کو صرف اس لئے رسول بنا کر بھیجا کہ تم سے تمام دنیا کے لئے رحمت کا ظہور ہو۔

جب حضور ﷺ تولد ہوئے، اور حضور ﷺ کے آنے کی خوشخبری میں قرآن حکیم کے متذکرہ الفاظ ملائکہ قدسی نے تمام کائنات میں پکارے۔ تو لعین ازل ابلیس نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا۔ کہ اے خدا! کیا تیرے اس محبوب کی رحمت میں میرا حصہ نہیں ہے؟

اسی وقت خداوند تعالیٰ نے ان فرشتوں کو جو ابلیس کو روزانہ عذاب دیتے تھے، روز جزا تک عذاب دینے سے منع کر دیا۔

کیونکہ جس دن ابلیس لعین نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے روزانہ دو فرشتوں کو عذاب دینے پر مامور کر دیا تھا۔ مگر سبحان اللہ کہ ایسے مردود کو بھی رسول اکرم ﷺ کی آمد آمد کی خوشی میں عذاب سے رہا کر دیا۔ یہ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمین ہونے کی درخشاں اور سعد مثال تھی۔

عفو اور منصفانہ انتقام کے بارے میں قرآن کریم سے پہلے کی دو آسمانی کتابوں میں بھی ذکر آیا ہے۔ توریت کا اصول منصفانہ انتقام پر مبنی ہے اور اس میں مذکور ہے کہ جو انسان کو مار ڈالے گا، وہ مار ڈالا جائے گا۔ انجیل کی تعلیم بھی سراسر عفو ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا، بلکہ اگر کوئی تمہارے دائیں رخسار پر تھپڑ مارے تو دوسرا رخسار بھی اس کی طرف

پھیر دیا اور پھر آخر میں قرآن کریم نے اس کو اور بھی اجاگر کر دیا۔ ارشادِ ربانی ہے: ''اے ایمان والو! تم پر مقتولوں میں برابری کے بدلے کا حکم ہوا ہے، آقا کے بدلے آقا، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔''

یہ منصفانہ قانون کی نقاب کشائی ہے۔ اور اخلاقی قانون کو یوں پیش کیا گیا ہے:

''اگر اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا تو دستور کے مطابق اس کی پیروی کرنا اور نیکی کے ساتھ اس کو ادا کرنا، یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہوگی۔ اور جو کوئی اگر اس معافی یا خون بہا کے بعد پھر بھی زیادتی کرے گا تو یاد رکھو۔ اس کے لئے بہت دکھ کی سزا ہوگی۔

اس آیت مقدسہ کی تشریح سے یہ حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے عفو اور انتقام میں صرف ایک کو اختیار کرنے سے اس دنیا کا نظام کامل نہیں کہلا سکتا اور محض ایک کی پیروی کرنے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دنیوی نظام کے اجزاء منتشر ہو جائیں گے اور امن و سلامتی جو نظام دنیا کے بقا کی مقدمۂ ترجمان ہے درہم برہم ہو جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ جرم و سزا اور بدلہ و انتقام کی باگ ڈور ارباب حکومت کے ہاتھ سونپی گئی، اور اس کے عملی پہلو کو جلا بخشنے کے لئے غریب امیر چھوٹے بڑے، اپنے پرائے اور کالے گورے کے طرہ امتیاز کو بالکل ہی معدوم کر دیا گیا۔ تاکہ ملت اسلامیہ کی سالمیت کا شیرازہ منتشر نہ ہونے پائے، اور اس تصویر کے دوسرے پہلو کو درگزر اور عفو کی صورت میں پیش کر کے شخصیت کے بلند و بالا مقام کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

سورۂ انبیاء کی ایک سو ساتویں آیت اپنے مطالب میں اتنی جامع ہے کہ اس میں نبوت و رسالت اور تشریح عقائد کے بہت سے نکات سما گئے ہیں، اس میں رسالت اور رحمت کے بنیادی رشتے کا ذکر بھی ہے اور رحمت کی عالمگیریت کا بیان بھی۔

ڈاکٹر محمد خالد مسعود اپنے ایک مضمون میں رحمت کے دو پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں: لغت میں رحمت کے بنیادی معنی نرم دلی اور محبت کے بیان ہوئے ہیں۔

ابتدا اس کے اشاراتی معنی بے شمار ہیں۔ بعض علمائے لغت نے اس کا لغوی رشتہ رحم (مادر) کے لفظ سے قائم کیا ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ رحمت کا ایک معنی صلہ رحمی یعنی رشتہ داری سے تعلق اور نیکی کے بھی بیان ہوئے ہیں۔ اس طرح رحمت دراصل اس جذبہ اور احساس کا اظہار ہے، جو ماں کو اپنے بچے سے ہوتا ہے۔ اس میں محبت کا جذبہ بے پایاں ہوتا ہے دوسرے کی تکلیف پر تڑپنے کا احساس ہوتا ہے۔ اس رعایت سے لغت عربی میں رحمت کا لفظ مجازی طور پر ایسے کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں یہ مفہوم پایا جاتا ہو۔

قرآن کریم میں رحمت مغفرت کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ اور لطف اور احسان کے معنوں میں بھی۔ اس کے علاوہ قرآن نے رزق، نبوت، ہدایت اور علم وغیرہ کو بھی رحمت کے نام سے ذکر کیا ہے یا یوں کہ رحمت من اللہ اور قرآن مجید کو شفا اور رحمت کہا ہے۔

عربوں کے ہاں اسی رعایت سے مکہ مکرمہ کو ام الرحم اور مدینہ منورہ کو المرحومہ کہا جاتا ہے۔ رحمت کے مختلف معانی میں فرق واضح کرنے کے لئے ابن منظور نے یہ قاعدہ بیان کیا کہ اگر رحمت کا ذکر انسان کے تعلق سے ہو تو اس کے معنی رقت قلب نرم دلی اور محبت کے ہوں گے اور اگر اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ہو تو اس کے معنی لطف و احسان اور رزق و مغفرت کے ہوں گے۔

امام راغب اصفہانی نے رحمت کی تعریف یوں کی ہے کہ رحمت سے مراد رقت قلب کا وہ جذبہ ہے جو رحم کئے جانے والے شخص پر احسان کا تقاضا کرے۔ ان تشریحات کو سامنے رکھتے ہوئے اب زیر بحث قرآنی آیت پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں رحمت اپنے معانی کے دونوں پہلوؤں کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ حضور ﷺ خدا کی طرف سے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان کی صفات اپنے اکمل معانی کے ساتھ حضور ﷺ کی ذات میں جلوہ گر ہیں۔

اس کے ساتھ ہی چونکہ رحمت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی گئی ہے اس لئے نرم دلی، محبت اور شفقت کی وہ تمام صفات بھی حضور ﷺ کی سیرت میں موجود ہیں۔ جو آپ ﷺ کے انسان کامل اور خلق عظیم کے حامل ہونے کا پتا دیتی ہیں۔

رحمت کو صلہ رحمی کے معنوں میں لیا جائے تو اس میں اخوت انسانی کا پیغام اور حضور ﷺ کی انسان دوستی کی صفت کا بھی اشارہ موجود ہے۔ اس آیت میں دوسرا کا خاص نقطہ یہ ہے کہ یہاں حضور ﷺ کی رسالت کا مقصود وحید آپ ﷺ کا تمام جہانوں کے لئے رحمت ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رحمت کے مذکورہ بالا دونوں پہلو حضور ﷺ کی ذات میں جمع ہونے تو حضور ﷺ کی رحمت کی حدیں وسیع تر ہو گئیں۔ حضور ﷺ کی یہ رحمت تمام جہانوں کے لئے ہے۔ "عربی لغت میں عالم کا لفظ جہانوں اور جہان میں بسنے والے دونوں کے لئے آتا ہے۔"

چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی رحمت ان تمام کے لئے ہے۔ جو ان جہانوں میں بستے ہیں۔ وہ مومن ہوں یا کافر اس میں علاقوں، مذہبوں نسلوں اور رنگوں میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ علمائے تفسیر کے ہاں البتہ اس پر اختلاف رہا ہے۔ کہ مومنین اور کافروں کے لئے رحمت ہونے کا مفہوم کیا ہے؟

حضرت ابن عباسؓ کی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہیں، اس کے لئے دنیا میں اور آخرت میں رحمت لکھ دی گئی ہے، البتہ جو اللہ پر اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لائے اس کو بھی وہ ذلت اور تحقیر کی سزا اور عذاب معاف کر دی گئی۔ جو گزشتہ قوموں پر مسلط کی جاتی رہی تھی۔"

حضور ﷺ کی ذات رحمت ربانی کی وسعتوں اور پہنائیوں کی مظہر ہے خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ایک ایسا نبیؐ بنا کر بھیجا، جس کا دل رحمت اور شفقت کا بحر بیکراں تھا رحمت و شفقت کا یہ سمندر اپنوں کے علاوہ بیگانوں کو بھی سیراب کرنے کے لئے بے چین رہا حضور ﷺ کی ذات اپنے بیگانے میں تفاوت کی قائل نہ تھی۔ مومن ہو کہ کافر، رسول اکرم ﷺ کسی کا دکھ

برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت کے اس پہلو کو قرآن حکیم کی سورۂ توبہ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ "تمہارے پاس اللہ کا رسول ﷺ آگیا ہے، جو تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا رنج و تکلیف میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہش مند ہے۔ وہ مومنوں کے لئے شفقت رکھنے والا اور رحمت والا ہے۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے کبھی کسی سے اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا۔ سوائے اس کے کہ اس نے خدا کے کسی حکم کو توڑا تو اس کو قانونی اختیار سے سزا ملی ہو۔ ایک دن ایک صحابیؓ نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کامل اسلام کس فرزند توحید کے قلب میں ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے عفو و درگزر کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا: "اس مسلمان کے قلب میں جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔ ایک اور موقع پر صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا "جب تک مومن نہ ہو گے، جنت میں داخل نہ ہو سکو گے اور اس وقت تک مومن نہیں بن سکتے، جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو گے، اور ایک دوسرے کی غلطی اور بھول چوک معاف نہ کرو گے۔ مقصد کہنے کا یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی ساری حیات مقدسہ میں جو تعلیم و تلقین فرمائی وہ عفو اور منصفانہ انتقام پر مبنی ہے اور اخلاق اور قانون دونوں کا مجموعہ ہے عدل قانون ہے اور احسان اخلاق ہے۔

ذیل کی چند مثالیں حضور ﷺ کی زندگی کے ان ہر دو پہلوؤں کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کو اپنے پیارے اور مقدس دین حنیف کی خاطر طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا ہونا پڑا۔ ایک دن آپ ﷺ تبلیغ حق میں مشغول تھے کہ ابولہب کی طرف سے گزر ہوا۔

آپ ﷺ نے ابولہب کو مخاطب کر کے ایمان لانے کی نسبت کہا تو وہ بگڑ کر بولا

تباً لک (یعنی ہلاکت ہو تجھ پر) یہ سن کر رسول اکرم ﷺ دیدہ گریاں وسینہ بریاں گھر تشریف لے آئے۔ لیکن اس کے باوجود رسول اکرم ﷺ نے اسے بددعا نہ دی۔ ابولہب اور اس کی بیوی رسول اکرم ﷺ کے راستے میں روز کانٹے بچھاتے تھے۔ مگر آپ ﷺ انہیں کبھی برا بھلا نہیں کہتے تھے۔

ابولہب بن عبدالمطلب کے علاوہ وہ ابوجہل بن ہشام، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص، اسود بن المطلب، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، ابوقیس ونضیر بن الحارث صائب وعاص بن سعید، اسود بن عبد یغوث، عاص بن ہشام، اقیہ بن خلف اور عدی بن حمرا وغیرہ نے بھی آپ ﷺ کی مخالفت کی۔

یہ لوگ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتے، جس سے آپ ﷺ کے پاؤں مجروح ہو جاتے۔ مکانوں کی چھتوں پر سے کوڑا کرکٹ آپ ﷺ کے لباس اطہر پر ڈالتے تھے۔ مگر ان تمام تکالیف کے باوجود آپ ﷺ صبر وہمت سے کام لیتے اور یہ دعا فرماتے کہ: "یاالٰہی یہ جاہل ہیں، ان کو سیدھا راستہ دکھا۔"

جب آپ ﷺ وعظ فرماتے، تو یہی لوگ آپ ﷺ پر پتھر کا مینہ برساتے، حضور ﷺ کا بدن اکثر لہولہان ہو جاتا۔ قریش مکہ نے یہاں تک ہی اکتفا نہ کیا، بلکہ جب آپ ﷺ نماز پڑھتے تو آپ ﷺ پر نجاست وغیرہ پھینک دیتے، مگر آپ ﷺ کے منہ سے سوائے نیک دعا کے اور کچھ نہ نکلتا۔

ایک دن رسول اکرم ﷺ بازار میں وعظ کر رہے تھے اور ابولہب جھولی میں پتھر وسنگریزے ڈالے ہوئے پیچھے سے مارتا جاتا تھا۔ حضور ﷺ کے بدن سے خون کے فوارے بہہ رہے تھے۔ اور اہل مکہ حضور ﷺ پر ہنس رہے تھے، اسی وقت ایک فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اگر آپ کہیں تو ابھی اہل مکہ کو نیست ونابود کر دوں۔" مگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "نہیں میں اس واسطے نہیں آیا ہوں کہ ان کو ہلاک کرا دوں۔"

ایک دن آپ ﷺ کا گزر خانہ کعبہ سے ہوا۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ کفار کا ایک گروہ آپ ﷺ ہی کے متعلق گفتگو کر رہا ہے آپ ﷺ اس گروہ کے پاس آئے اور فرمانے لگے: "اے سردارانِ قریش خدا کے لئے باز آ جاؤ اور بدبخت بتوں کی پرستش سے منہ موڑ کر اس خداوند قادر و توانا کی عبادت کرو جس سے تمہیں فائدہ پہنچے۔"

پھر رسول اکرم ﷺ نے بتوں کی تضحیک اور اللہ تعالیٰ کی تعریف شروع کر دی۔ عقبہ بن ابی معیط کو غصہ آ گیا۔ اس نے جرأت کر کے حضور ﷺ کی گردن مبارک میں ہاتھ ڈالے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا سانس بھی رک گیا۔

وہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لے آئے اور عقبہ بن ابی معیط کو اس جارحانہ اقدام سے روکا۔ یہ دیکھ کر سب کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو پکڑ لیا اور اس قدر زدوکوب کیا کہ جسم سے خون بہہ نکلا۔

اتنے میں قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی اور انہوں نے بات ختم کرا دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اکرم ﷺ سے التجا کی کہ ان کو بددعا دیں۔ حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر آسمان کی جانب نگاہ دوڑائی اور خدا سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "اے خدا! ان کے تاریک دلوں میں ایمان کی قندیل فروزاں کر دے کہ یہ تیرے دین اور تیرے رسول کو پہچان جائیں۔"

قریش مکہ کے ناروا سلوک سے تنگ آ کر حضور ﷺ نے جب ہجرت کی تو آپ ﷺ سب سے پہلے تین دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ غار ثور میں مقیم رہے اور چوتھے دن پھر سفر کا آغاز کیا۔

ادھر ابوجہل نے جب آپ ﷺ کو بستر پر نہ پایا تو انعام مشتہر کیا کہ جو کوئی بھی محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو زندہ یا مردہ میرے پاس لائے گا اسے سو اونٹ کے علاوہ بہت سا نقد و زر بھی انعام میں دیا جائے گا۔

چنانچہ کئی لوگ رسول اکرم ﷺ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اتفاق سے ایک شخص سراقہ اس طرف آ نکلا جس طرف حضور ﷺ جا رہے تھے۔ اس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا

اور حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ابھی تیر کمان سے نکلنے بھی نہ پایا تھا، کہ خود گھوڑے سمیت زانوں تک زمین میں دھنس گیا۔ اس حالت میں سراقہ نے عجز وانکساری سے رحم کی درخواست کی۔ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین تھے، اس کا قصور معاف کر دیا اور خدا سے دعا کی تو سراقہ کو زمین سے نجات دلائی، سراقہ جنگ حنین کے بعد مشرف با اسلام ہوا۔

ایک دن آپ ﷺ تبلیغ حق کا درس دینے کے لئے مکہ معظمہ سے طائف کی جانب روانہ ہوئے، حضرت زیدؓ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، طائف میں ایک معبد تھا، جہاں لات اور منات کے مجسموں کی پرستش ہوتی تھی۔

حضور ﷺ نے سرداران طائف کو دعوت اسلام دی، طائف کے سب سے ذی اثر قبیلے کے سردار تین بھائی تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی پیغام حق دیا، مگر وہ تینوں امارت کے نشے میں چور تھے۔

ایک نے کہا کہ اگر آپ اللہ کے پیغمبر ہیں تو پیدل کیوں چلتے ہیں؟

دوسرے نے کہا کیا خدا کو کوئی اور پیغمبر بنانے کے لئے نہیں ملا؟

تیسرا بولا کہ اگر آپ ﷺ خدا کے سچے نبی ہیں تو آپ ﷺ سے بات کرنا خطرے کو دعوت دینا ہے۔ اور اگر سچے نہیں تو بات کرنا ہی مناسب نہیں ہے۔

یہ باتیں سن کر حضور ﷺ خاموش رہے اور اپنی منزل کی جانب دوبارہ گامزن ہو گئے۔ ان تینوں بھائیوں نے حضور ﷺ کا مزید تمسخر اڑانے کے لئے شرارتی بچوں اور اوباشوں کو حضور ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسانے شروع کر دیئے، جن سے آپ ﷺ زخمی ہو گئے، اور آپ ﷺ کے جسد اقدس سے خون بہنے لگا۔

اس کے باوجود رسول اکرم ﷺ انہیں دعائیں دیتے جاتے، جب زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو اوباش لوگ آپ ﷺ کو بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کر دیتے، جب آپ ﷺ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے اور ساتھ ساتھ برا بھلا بھی کہتے، اور تالیاں بجا بجا کر حضور ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے۔

تاریخ اسلام میں مرقوم ہے کہ تین میل تک یہ فتنہ پرواز لوگ آپ ﷺ کے پیچھے لگے رہے اور انہوں نے اس قدر پتھر برسائے کہ آپ ﷺ کے جوتے خون سے لبریز ہو گئے تھے۔

ان کٹھن حالات اور روح فرسا واقعات کے باوجود حضور ﷺ نے عفو و درگزر کو اپنا مسلک بنائے رکھا اور اسی شعار پر گامزن رہتے ہوئے طائف والوں کو بددعا نہ دی، بلکہ ان کی آئندہ نسلوں کی بہتری کی دعائیں بھی کرتے رہے۔

مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد کئی بار حق اور باطل کے درمیان معرکہ آرائیاں ہوئیں اور ان میں فرزندان توحید دھوم دھام اور شان و شوکت سے غالب آتے رہے، لیکن رسول اکرم ﷺ نے ہر فتح کے بعد عفو و درگزر کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ جنگ بدر کے بعد جب اسیران کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے سپرد کیا، تو رسول اکرم ﷺ نے انہیں تاکید فرمائی کہ خبردار انہیں کوئی تکلیف نہ دینا۔

چنانچہ خود صحابہ کرامؓ کھجور کھا کر گزارہ کر لیتے تھے اور اسیران بدر کو سیر ہو کر کھانا کھلاتے تھے۔ غزوہ حنین میں سات ہزار قیدی بنائے گئے، رسول اکرم ﷺ نے انہیں نہ صرف معاف کر دیا، بلکہ انہیں کھانے پینے کو بھی بہت سا سامان دیا۔

جب عہد نامہ حدیبیہ منسوخ ہو گیا، تو فرزندان توحید دس ہزار کی تعداد میں فتح مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔

اہل مکہ کو جب اس لشکر کی آمد کی خبر ہوئی تو انہوں نے تحقیق کے لئے تین آدمیوں کو بھیجا۔ جن میں ابوسفیان بھی تھا۔ کیمپ نبوی کی دربانی پر جو دستہ مقرر تھا اس نے ابوسفیان کو پکڑ لیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔

ابوسفیان کو دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ کے انتقامی جذبے نے جوش مارا۔ انہوں نے شمشیر بے نیام کر کے رسول اکرم ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ کفر کی بیخ کنی کا وقت آ گیا ہے۔ یہ بات سن کر ابوسفیان کے گزشتہ تمام کارنامے حضور ﷺ کی نگاہوں کے سامنے

بکھرنے لگے۔

اسلام کی دشمنی، مدینے پر بار بار چڑھائی، عرب قبائل کو کئی بار لڑائی پر اکسانا، رسول اکرم ﷺ کے قتل کی خفیہ سازش، اور حضور ﷺ کو ناحق ایذائیں پہنچانا، الغرض ہر بات اس کے خون کی پیاسی ثابت ہوئی۔ لیکن ہادی برحق کا عفوودرگزر انتقام کے اس جذبہ سے کہیں زیادہ وزنی تھا، حضور ﷺ نے ابوسفیان کے سیاہ اعمالنامے کو نور اسلام کی کرنوں سے حصہ گیر ہونے کی دعا فرمائی اور حضرت عمرؓ کو انتقامی جذبہ سے منع فرمادیا۔

پھر فتح مکہ کے بعد وہ مبارک گھڑی بھی آئی، جب جابر و قاہر قریش رسول اکرم ﷺ کے روبرو چشم ندامت جھکائے کھڑے تھے۔ جنہوں نے اسلام کا نام ونشان مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا، جن کی نگاہیں شرارتیں، زبانیں گالیاں اور ہاتھ پتھر برساتے تھے، جن کی تیغوں نے رحمت عالم کے ساتھ گستاخیاں کی تھی، جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کی راہوں میں خار بچھائے تھے، جنہوں نے آپ ﷺ کا تمسخر اڑایا تھا، جنہوں نے شمع رسالت کے پروانوں کو چلچلاتی دھوپ میں تپتی ریت پر نگا گھسیٹا تھا۔

حضور ﷺ نے ان کی جانب نگاہ دوڑائی اور جلال و دبدبے کے لہجے میں پوچھا کہ اے کفار مکہ کیا معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟

یہ لوگ ظالم تھے، جابر تھے، شقی تھے، لیکن رسول اکرم ﷺ کے سامنے گردنیں جھکائے خاموش کھڑے تھے۔ ان کے دلوں میں یہ خیال تھا کہ رسول اکرم ﷺ انہیں کڑی سے کڑی سزا دیں گے۔ مگر حضور ﷺ کی رحمت جوش میں آئی اور حضور ﷺ تبسم ریز ہوئے، اور ارشاد فرمایا ”تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آج سے آزاد ہو۔“

کفار مکہ تمام مہاجرین کے مکانوں پر قبضہ کر چکے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ رسول اکرم ﷺ اب وقت ہے کہ ہم ان سے اپنے مکانات حاصل کریں، لیکن حضور ﷺ نے اس معاملہ میں بھی عفوودرگزر کا طرز عمل اختیار کیا۔

یہ تھیں آپ ﷺ کی خطا کاروں کے ساتھ عفوودرگزر کی چند جھلکیاں، جو آپ ﷺ کا

مثالی کردار، روحانی پاکیزگی، اور اخلاقی بلندی کا نقطۂ عروج اظہار کرتی ہیں لہٰذا جو ہر دور اور ہر زمانے میں جابر و قاہر مخالفین کو بھی بندۂ بے دام بنا دیتی ہیں۔

یہ حضور ﷺ کی اسی مثالی خوبی کشش کا نتیجہ ہے کہ دورِ حاضر کے مسلمانوں کے انحطاط اور عیسائیوں کے ظاہری عروج کے باوجود جب کوئی افریقہ کا حبشی اپنے فرسودہ خیالات کے گھنے سایوں سے تنگ آکر تہذیب کے سورج کی روشنی میں آنا چاہتا ہے تو وہ بجائے عیسائیت کے مشرف بہ اسلام ہو جاتا ہے۔

ایسی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں اور ان میں حضور ﷺ کا مثالی کردار جھلکتا نظر آتا ہے اور ہر ایک کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آجاتے ہیں کہ "حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔"

حضور ﷺ بحیثیت رحمۃ للعالمین

اب ذیل میں ہم حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ کی تقریر سے کچھ اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ تقریر رسول اکرم ﷺ کی شانِ رحمت پر ایک اچھوتے انداز میں پیش کی گئی تھی، جو ہمیں خوب پسند آئی، لہٰذا موضوع کی مناسبت سے آپ بھی اس کے چند اقتباسات پڑھیے:۔ حضرت فاروقی شہیدؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ" اے پیغمبر! ہم نے تجھے جہانوں کے لئے رحمت بنایا، ہم نے تجھے ایک علاقے کے لئے نہیں، ایک شہر کے لئے نہیں ایک ملک کے لئے نہیں، ایک قوم کے لئے نہیں، ایک دور کے لئے نہیں، بلکہ فرمایا۔ "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ"

دنیا میں جتنے جہان ہیں، ہر جہان کے لئے تو نبی ہے، ہر جہان کے لئے تو رہبر و رہنما ہے، ہر جہان کا تو پیغمبر ہے، ہر جہان کے لئے تو ہدایت ہے، ہر جہان کی عظمت تیرے پاس ہے، ہر جہان کا تقدس تیرے قدموں سے وابستہ ہے، ہر جہان کی کامیابی تیرے ساتھ وابستہ ہے، میرے پیغمبر کو اللہ نے فرمایا "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً

لِلْعٰلَمِیْن"

اے پیغمبر! تو ایک جہان کا نہیں، عالم عقلی کے لئے تو رحمت ہے، عالم دنیا کے لئے تو رحمت ہے، عالم حیوانات کے لئے تو رحمت ہے، عالم جمادات کے لئے تو رحمت ہے، عالم انسانیت کے لئے تو رحمت ہے، تحت الثریٰ کے لئے تو رحمت ہے، عرش معلی کے لئے تو رحمت ہے، فرشتوں کے لئے تو رحمت ہے، جوانوں کے لئے تو رحمت ہے، عورتوں کے لئے تو رحمت ہے، لڑکیوں کے لئے تو رحمت ہے، جانوروں کے لئے تو رحمت ہے، مزدوروں کے لئے تو رحمت ہے، کسانوں کے لئے تو رحمت ہے، محنت کشوں کے لئے تو رحمت ہے، ساری کائنات کے ایک ایک ذرے کے لئے، ایک ایک علاقے کے لئے، ایک ایک بستی کے لئے اے پیغمبر! تو رحمت ہے تو جہانوں کے لئے، کیوں؟ اس لئے کہ جو کتاب تجھے دی گئی، وہ بھی جہانوں کے لئے، جو نبی بنا کر تو بھیجا گیا، تو بھی جہانوں کے لئے، اور میں رب العالمین میں بھی جہانوں کے لئے، اے پیغمبر! میں رب العالمین ہوں، قرآن ھدی للعالمین ہے، اور تو رحمۃ للعالمین ہے، نہ کوئی تیری مثال ہے، نہ قرآن کی کوئی مثال ہے، نہ پروردگار کی کوئی مثال ہے۔

میرے بھائیو! قرآن نے پیغمبر کو فرمایا: "وَمَـا اَرْسَلْنٰـكَ اِلَّا رَحْـمَةً لِّلْعٰـلَمِیْن" اے پیغمبر! ہم نے تجھے جہانوں کے لئے رحمت بنایا، دنیا میں جتنے بھی جہان ہیں، ہر جہان کے لئے تو رحمت ہے، سوال یہ کہ رحمت کا معنی کیا ہے؟ رحمت کہتے کس کو ہیں؟ رحمت کی تھیوری کیا ہے؟ رحمت کی فلاسفی کیا ہے؟ رحمت کی حقیقت کیا ہے؟ رحمت کی اصلیت کیا ہے؟ یہ بات قابل غور ہے، عربی لغت میں جتنی بھی کتابیں آج تک چھپی ہیں، رحمت کا معنی ایک ہے، رحمت کا معنی راحت ہے، رحمت کا معنی چین ہے، رحمت کا معنی سکون ہے، رحمت کا معنی دکھوں میں کسی کا علاج ہے، رحمت کا معنی جہالت میں روشنی ہے، رحمت کا معنی عظمت ہے، رحمت کا معنی رفعت ہے، رحمت کا معنی بلندی ہے، رحمت کا معنی دکھوں میں اچھائی ہے، ساری کائنات شرک سے اٹ گئی تھی، کائنات میں شرک کا

اندھیرا تھا، اس میں جو روشنی پھیلی اسے رحمت کہا گیا، اور جس وقت گناہ ساری دنیا میں پھیل گیا، اور گناہوں کے مقابلے میں نیکی کا پھیلنا رحمت ہے، ظلم ساری دنیا میں پھیل گیا، وہاں عدل کا آنا رحمت ہے، ساری کائنات میں برائی ہو، وہاں عدل کا آنا رحمت ہے، ساری کائنات اندھیروں میں ڈوب جائے، وہاں روشنی کا آنا رحمت ہے، اور مزدوروں کو حق نہ ملے، وہاں حق مل جائے یہ رحمت ہے، محنت کش جو کام کر رہا ہو، اس کو روٹی مل جائے یہ رحمت ہے، ایک آدمی ننگا ہو، اس کو کپڑا مل جائے یہ رحمت ہے، ایک شخص مریض ہو، اس کا علاج ہو جائے یہ رحمت ہے، ایک شخص جاہل ہو، اسے تعلیم مل جائے یہ رحمت ہے، میرے بھائیو! یہ ساری چیزیں رحمت کیوں ہیں؟ اس لئے کہ ہر چیز کا علاج رسول اکرم ﷺ کے قدموں سے وابستہ ہے، تعلیم رسول اکرم ﷺ کے قدموں میں، علاج رسول اکرم ﷺ کے قدموں میں، مزدوروں کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری کا ادا کرنا رسول اکرم ﷺ کے قدموں میں، شرک کو ختم کر کے توحید کا چراغ جلانا رسول اکرم ﷺ کے قدموں میں، رسالت کا عام کرنا رسول اکرم ﷺ کے قدموں میں، قرآن کو دنیا میں پھیلانا رسول اکرم ﷺ کے قدموں میں، دنیا میں ہر دکھ کا علاج میرے رسول اکرم ﷺ کے قدموں میں ہے، ہر پریشانی کا علاج میرے رسول اکرم ﷺ کے قدموں میں ہے، ہر بے چینی کا علاج رسول اکرم ﷺ کے قدموں میں ہے، ہر کفر کا علاج میرے رسول اکرم ﷺ کے قدموں میں ہے، شرک ہے تو مقابلے میں میرے رسول اکرم ﷺ کی رحمت ہے، کفر ہے تو مقابلے میں میرے رسول اکرم ﷺ کی رحمت ہے، دکھ ہے تو مقابلے میں میرے رسول اکرم ﷺ کی رحمت ہے، پریشانی ہے تو مقابلے میں میرے رسول اکرم ﷺ کی رحمت ہے، پوری کائنات میں جتنی برائیاں ہیں، ان کے مقابلے میں جو نیکی ہے وہ سب کچھ میرے رسول اکرم ﷺ کی رحمت ہے، اندھیرا پھیل گیا، روشنی کی ضرورت ہوئی تو میں کہوں گا کہ یہ میرے رسول اکرم ﷺ کی رحمت ہے، تجھے یقین نہیں آتا تو آ ایک ہندو شاعر جگر ناتھ کے دروازے سے پوچھ لے کہ رحمت کی کیفیت کیا ہے؟ جگر ناتھ آزاد کہتا ہے

وہی یونان کہلاتا تھا جو تہذیب کی دنیا
وہی روئے زمیں پر آج تھا تخریب کی دنیا

یہ تحقیق و تجسس کا جہاں تھا آج ویرانہ   افلاطون کی خرد و سقراط کی دانش تھی افسانہ
غرض دنیا میں چاروں سمت اندھیرا ہی اندھیرا تھا   نشانِ نور گم تھا ظلمت کا بسیرا تھا
کہ دنیا کے افق پر دفعتاً سیلابِ نور آیا   جہانِ کفر و باطل میں صداقت کا ظہور آیا
حقیقت کی خبر دینے بشیر آیا نذیر آیا   شہنشاہی نے جس کے قدم چومے وہ فقیر آیا
مبارک ہو اس زمانے کو کہ ختم المرسلین آیا   صاحبِ بزم بن کر رحمت اللعالمین آیا

میرے بھائیو! میرا رسول ﷺ، میرا پیغمبر ﷺ، میرا مرشد ﷺ، کائنات کا محور حقیقی ﷺ، مرکز حقیقی ﷺ، مقصود کائنات ﷺ، رسول اکرم ﷺ جب دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے، عورت کی کیا کیفیت تھی؟ مزدوروں کی کیا حالت تھی؟ کسان کی کیا حالت تھی؟ عورت کو وراثت کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ عورت مخصوص ایام میں ہو تو گھر میں نہیں رہ سکتی تھی، عورت کو لوگ جنگل میں باندھ دیتے تھے، عرب کے اندر رواج تھا کہ بچی پیدا ہوتی، اس کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، اور قیصر و کسریٰ کے اندر رواج تھا کہ لڑکی جوان ہوتی تو اسے دکانوں پر شوکیسوں میں کھڑا کر کے بری خواہشات کا نشانہ بنایا جاتا، ایسے وقت میں کہ عورت بازاری جنس ہو گئی تھی، ایسے وقت میں جب بچی پیدا ہوتی ہو اسے دفن کر دیا جاتا ہو، ایسے وقت میں جب عورت کو وراثت کا کوئی قانون نہ ملتا ہو، عورت کی کوئی حیثیت متعین نہیں تھی، عورت ایک استعمال شدہ کپڑے کی چیز تھی، عورت جنسی خواہشات کی علامت تھی، عورت خواہشات نفسانی کا ایک مرقع بن کر رہ گئی تھی، اور عورت سوائے دنیاوی ہوس کے اور اس کا کوئی کام نہیں تھا، آج پوری دنیا، آج یورپ، مستشرقین یورپ اور پوری کائنات کہتی ہے کہ اسلام نے عورت کو اندر بند کر کے رکھ دیا ہے۔

میرے بھائیو! آؤ میں تمہیں چودہ صدیوں پہلے بلکہ چودہ صدیوں سے بھی پیچھے قیصر و کسریٰ کی کیفیت بتانا چاہتا ہوں، کہ عورت کو بازار میں کھڑا کر کے اس کی بولیاں لگتی تھیں، وہاں کے حسن کو لوگ دیکھ کے بری خواہشات کا نشانہ بنانا چاہتے تھے، اور بچی پیدا ہوتی تو عرب میں اس کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، اندھیرا تھا، عورت کے لئے کوئی زندگی نہیں تھی،

عورت کے لئے کوئی آسرا نہ تھا، عورت کے لئے کوئی دنیا میں سہارا نہ تھا، عورت کے لئے کوئی امید کی کرن نہ تھی، عورت کے سامنے کوئی روشنی نہ تھی، عورت کے لئے کوئی چیز بھی دنیا میں نہ تھی، میرے بھائیو! ایسے وقت میں دنیا کے سب سے بڑے سردار رسول اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے، اور میرے نبی ﷺ نے فرمایا: او دنیا کے لوگو! عورت کو عام سمجھنے والو! عورت کی چار حیثیتیں ہیں، عورت اگر تیری "بیٹی" ہے تو تیری عزت ہے، عورت اگر تیری بہن ہے تو تب بھی تیری آبرو ہے، عورت اگر تیری بیوی ہے تو اس کا خرچہ تیرے ذمہ واجب ہے، اور عورت اگر ماں ہے تو اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے، وہ جنت..... جس جنت کی تلاش میں ساری کائنات ماری ماری پھر رہی ہے، اسّی سال کی عبادت بزرگ کرتا ہے کہ مجھے جنت مل جائے، قطب عبادت کرتا ہے کہ مجھے جنت مل جائے، ابدال عبادت کرتا ہے کہ مجھے جنت مل جائے، لیکن چودہ سو سال پہلے اسی جنت کو ماں کے قدموں کے نیچے میرا نبی ﷺ قرار دے چکا ہے، کہ جو عورت خواہشات نفسانی کی چیز تھی، اسی عورت کے قدموں کے نیچے جنت بتانے والا وہ میرا نبی ﷺ ہے، جو عورت کے لئے بھی رحمت کا پیغامبر بن کر آیا۔

میرے بھائیو! عربوں میں رواج تھا کہ بچیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، مکے میں بھی رواج تھا، رسول اکرم ﷺ کی محفل میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا، یا رسول اللہ ﷺ! کیا مجھے معافی مل سکتی ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "تو نے کیا کیا ہے؟..... "اس نے کہا میرا بہت بڑا گناہ ہے آسمانوں سے بھی بڑا گناہ، زمین سے بھی بڑا گناہ، اتنا بڑا گناہ میں نے کیا، کیا مجھے معافی مل سکتی ہے؟..... رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "تو نے زنا کیا ہے؟..... "اس نے کہا زنا سے بھی بڑا گناہ، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "تو نے شراب پی ہے؟... "اس نے کہا شراب سے بھی بڑا گناہ، آپ ﷺ نے فرمایا: "تو نے جوا کھیلا؟ ... "اس نے کہا جوئے سے بھی بڑا گناہ، آپ ﷺ نے فرمایا: "کون سا ایسا گناہ ہے؟..... جو آسمانوں سے بھی بڑا ہے، زمین سے بھی بڑا، کائنات سے بھی بڑا ہے" تو اس نے کہا: اے رسول اکرم ﷺ! میں ابوجہل کا پیروکار تھا، میں ابوجہل کا ماننے والا تھا، میرے علاقے میں بھی ابوجہل کا یہ دستور تھا، کہ بچی

پیدا ہو جاتی تو اسے زندہ دفن کر دیا جاتا، میرے گھر میں کوئی اولاد نہ تھی، چودہ سال بیت گئے چودہ سال کے بعد، ایک بچی پیدا ہوئی تو میری بیوی نے کہا، یہ اولاد پہلی ہے، ہم اس کو زندہ دفن نہیں کریں گے، حالانکہ حکومت کا اعلان تھا، ابو جہل کا اعلان تھا کہ بچی کو دفن کر دیا جائے کہیں بڑی ہو کر اس کو کوئی لینے نہ آ جائے، کوئی ہمارا داماد نہ بن جائے، کوئی ہماری ناک کاٹنے والا نہ آ جائے تو میں نے فیصلہ کیا کہ بچی کو زندہ دفن نہیں کریں گے، دو سال بیت گئے تین سال، چار سال بچی بھاگنے لگی بچی ہمیں بہت پیاری لگتی تھی، جب میں گھر جاتا تو بچی میرے سینے سے چمٹ جاتی تھی میری ساری تھکاوٹ دور ہو جاتی تھی۔ میرے مسلمان بھائیو! جن کے گھروں میں بچیاں ہوتی ہیں ان کو پتہ ہے کہ باپ کو بیٹیوں سے کتنی محبت ہوتی ہے اور بیٹیوں کو باپ سے کتنا پیار ہوتا ہے لیکن یہ چار پانچ سال کی بچی روزانہ باپ کے سینے سے چمٹ جاتی ہے لیکن ایک دن وہ کہتا ہے مکہ کے چوک پر ابو جہل نے میرا گریبان پکڑ لیا اس نے کہا تیرے گھر میں بچی ہے اور تو اس کو دفن نہیں کرتا آج ہی میری پولیس آئے گی اور اس کو دفن کر دے گی، میں نے وعدہ کر لیا کہ میری کل کو کہیں ناک نہ کٹ جائے، میں گھر آیا میں نے نیت کر لی ارادہ کر لیا، کہ آج ہی بچی کو زندہ دفن کر ڈالوں گا آج ہی اس کو تہ تیغ کر دوں گا آج میں اسے اپنی آنکھوں سے جدا کر دوں گا، میں نے فیصلہ کر لیا میں نے اس کی ماں کو نہیں بتایا صرف یہ کہا اس کو تیار کر دے اس کو اس کے ماموں کے پاس لے جاؤں گا، اس کو وہاں چھوڑ آؤں گا، کہیں ابو جہل کے جلاد آ کر اس کو ذبح نہ کر ڈالیں اس کی ماں نے تیار کر دیا، اس کو دوپٹہ پہنایا اس کے کپڑے بدلے، اس کو غسل کرایا، اس کی آنکھوں میں سرمہ لگایا، میں جب چلنے لگا تو اس بچی کو میں نے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور سینے پر رکھا، اٹھا کر لے جانے لگا، ایک کدال جو دروازے کے پاس تھی وہ بھی میں نے اٹھائی اس کی ماں کو پتا نہ چلا وہ سمجھتی رہی کہ میرے بھائی کے پاس یعنی اس کے ماموں کے پاس لے جا رہا ہے، لیکن کہتا ہے میرے دل میں برائی تھی میں بچی کو اٹھا کر جنگل میں لے گیا، پہاڑوں پہ لے گیا، وہ بچی کہتی ہے ابا جان اس علاقے میں تو میرے ماموں کا گھر نہیں ہے وہ پریشان

ہوگئی میں نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا وہ خاموش ہوگئی، پہاڑ کے دامن میں میں نے اس کی قبر کھودنا شروع کر دی، میں قبر کھود رہا تھا وہ بچی کہتی تھی ابا جان! کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا خاموش ہو جا وہ خاموش ہوگئی، جب میں قبر کھود رہا تھا، اس کو نہیں پتہ تھا یہ گڑھا میرے لئے کھودا جا رہا ہے، اس بچی نے دوپٹہ میں مٹی ڈالی اور میرے ساتھ گڑھا کھودنے میں مددگار ہوگئی تھوڑی دیر بعد اس کو اٹھا کر جب میں نے اس گڑھے میں رکھا تو وہ بچی رو پڑی اور رو کر کہنے لگی ابا جان! اگر اسی طرح مجھے زندہ دفن کرنا تھا مجھے گھر میں بتا دیتے میں اپنی ماں کو آخری سلام تو کر کے آجاتی، جب یہاں تک وہ پہنچا رسول اکرم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے سارے صحابہؓ رو پڑے کیوں روئے؟ میرے پیغمبر ﷺ کیوں روئے؟ اس لئے کہ **"وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین"** میرے پیغمبر ﷺ رحمت کا پیامبر تھا ان کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو بہہ رہے تھے، وہ آدمی کہتا جا رہا تھا: اے رسول اکرم ﷺ اس بچی کو اٹھا کر جب میں گڑھے میں رکھنے لگا بچی رو پڑی میں نے اس کی پکار کو نہیں دیکھا میں اس کو رکھنے لگا تو بالآخر وہ بچی کہتی ہے ابا جان! مجھے چھوڑ دے میں ساری زندگی تیرے گھر نہیں آئی میں ساری زندگی اس علاقے میں نہیں آئی میں جنگلوں میں وقت گزار کر اپنا گزارہ کرلوں گی میرا جرم تو کوئی نہیں، میرا قصور تو کوئی نہیں، میں نے تیرے حکم کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی وہ چیختی رہی، لیکن میرے دل میں ابوجہل کا ڈر تھا، میں نے بچی کو قبر میں ڈال دیا اور اس کے سینے پر ایک ریت کا تودہ رکھا اور اس کی آواز ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی، اے دنیا کے سردار ﷺ! اے رحمت دو عالم ﷺ! اے رسول اکرم ﷺ! آج میں تیرے دروازے پر آیا ہوں، کیا میرا یہ گناہ معاف ہو سکتا ہے؟ جس دن سے اس بچی کو میں نے گڑھے میں رکھا، اس دن کے بعد روزانہ خواب میں وہ بچی مجھے ملتی ہے اور میرے سامنے کہتی ہے، ابا جان! قیامت کا دن ہوگا رسول اکرم ﷺ کی عدالت ہوگی، میرا ہاتھ ہوگا تیرا گریبان ہوگا، اے اللہ کے نبی! آج چالیس دن ہوگئے، مجھے نیند نہیں آئی میں تیرے دروازے پر آیا ہوں، اس لئے کہ تم رحمت دو عالم ہو رحمۃ للعالمین ہو اتنے بڑے گناہ کی مجھے

معافی مل سکتی ہے؟

میرے بھائیو! میرے رسول اکرم ﷺ اس کی باتیں سن کر رو رہے ہیں، صحابہؓ رو رہے ہیں، رسول اکرم ﷺ کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو جھڑ رہے ہیں میرے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ او نوجوان! تو نے بڑا ظلم کیا تو نے عرش ہلا دیا تو نے زمین ہلا دی تو نے پہاڑ ہلا دیئے، تجھے ترس نہیں آیا، جب وہ بچی رو رہی تھی، تو نے ہاتھ کیوں نہیں روکا؟ جب تو نے اسے قبر میں اتارا وہ رو رہی تھی تو نے ہاتھ کیوں نہیں روکا؟ جب تو نے اس کے سینے پر پتھر رکھا، تجھے ترس نہیں آیا؟ وہ معصوم جان تڑپتی رہی تو ظلم کرتا رہا، لیکن یاد رکھ میں رحمۃ اللعالمین ہوں، اگر آج تو سچے دل سے توبہ کر کے میرا کلمہ پڑھے گا، میں اتنی بڑی رحمت لے کر آیا ہوں کہ وہ رحمت اس گناہ سے بہت بڑی ہے۔ اس زیادتی سے بہت بڑی ہے، اتنی بڑی رحمت لایا ہوں، سچے دل سے کلمہ پڑھے گا تو میں اس گناہ پر معافی کی چادر پھیر دوں گا، اور یاد رکھ! آئندہ قیامت تک کے لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ میری امت میں جو شخص دو بچیوں کی تربیت کر کے جوان کر کے ان کی اچھی طرح شادیاں کرے گا، میں محمد ﷺ اس کی جنت کا اعلان کرتا ہوں۔ اس لئے کہ میں عورت کے لئے، بچیوں کے لئے، دکھی بچیوں کے لئے، جو بے گور کفن قبروں میں اتار دی گئیں میں محمد ﷺ ان کے لئے بھی رحمت کا پیغامبر بن کر آیا ہوں۔ "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" کہ اے نبی ﷺ! ہم نے تجھے جہانوں کے لئے رحمت بنایا، ایک جہان کے لئے نہیں، سارے جہانوں کے لئے، کہ حضور ﷺ کے دروازے پر ایک اونٹ نے آکر سر رکھا صحابہؓ نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! یہ اونٹ کیا کہتا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ اونٹ اپنے مالک کی شکایت کر رہا ہے یہ کہتا ہے، مجھے چارہ تھوڑا ڈالا جاتا ہے، کام زیادہ لیا جاتا ہے تو حضور ﷺ نے مالک کو بلا کر کہا آئندہ تجھے چارہ تھوڑا ڈالنے کی اجازت نہیں ہے جتنا کام لو گے چارہ اتنا ہی ڈالو گے، اب تم بتاؤ کہ اس جانور کے لئے بھی حضور ﷺ رحمت بن کر آئے یا نہیں آئے؟ آپ ﷺ کی بعثت کے وقت مزدوروں کے لئے کوئی قانون نہ تھا، لیکن آپ ﷺ جب دنیا میں آئے، آپ

ﷺ نے دنیا میں اپنا پیغام پہنچانا شروع کیا تو آپ ﷺ نے مزدوروں کے بارے میں جو اعلان کیا، وہ بھی قابل غور ہے کہ آپ ﷺ کی عدالت میں لوگ مصافحہ کر رہے ہیں رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص سے مصافحہ فرمایا، اور آپ ﷺ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھوں میں نشانات ہیں، اس کے ہاتھ میں گٹھے پڑے ہوئے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ اور ہاتھ پکڑ کر حضور ﷺ نے فرمایا: "اے نوجوان! تیرا نام کیا ہے؟" اس شخص نے کہا میرا نام سعد انصاری ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "تیرے ہاتھوں پہ نشانات کیسے ہیں؟" تو اس نے کہا میں پتھروں پہ ہتھوڑا چلاتا ہوں، یعنی پتھر توڑ کر مزدوری کماتا ہوں اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "دنیا کے لوگو! سب سے بہتر کمائی اس مزدور کی ہے" اور یہ کہہ کر میرے پیغمبر ﷺ نے اس مزدور کا ہاتھ چوم لیا، مزدور کا ہاتھ چوما، میں نے چیلنج کیا کہ آؤ لینن سے پوچھو، مارکس سے پوچھو، انجلس سے پوچھو، برطانیہ کے چرچل سے پوچھو، شیکسپئر سے پوچھو، روسو اور ویدرک سے پوچھو، کتنے بڑے بڑے فرمانروا اور کتنے بڑے بڑے مصلح و مربی رہنما مرد دنیا میں آئے، لیکن ایسا بھی کوئی شخص آیا کہ جس نے اپنی امت کے ایک مزدور کا ہاتھ چوما ہو؟ وہ رسول اکرم ﷺ جو معراج کی رات عرش پر پہنچا، وہ رسول اکرم ﷺ جس کے دروازے پر ایک لڑکی قید کر کے لائے گئی، قیدی عورتیں آگئیں، قیدی مرد آئے، اس کے دروازے پر ایک لڑکی قید کر کے لائی گئی تو حضور ﷺ نے فرمایا "بلالؓ! یہ میری رحمت والی چادر اس لڑکی کے چہرے پر ڈال دو" تو بلالؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو کافر کی بیٹی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بلال! بیٹی بیٹی ہوتی ہے چاہے کافر کی ہو چاہے مسلمان کی ہو آج تو کافر کی بیٹی کے سر پہ چادر ڈالے گا. قیامت کے دن خدا تیرے گناہوں پر پردہ ڈالے گا۔ آپ ﷺ کی رحمت کو دیکھو ایک مزدور کے ہاتھ کو آپ ﷺ نے چوما ہے اور یہ فرمایا مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری ادا کر دو یہ اعلان سب سے پہلے دنیا میں کرنے والا رحمۃ للعالمین ہے، ہمارا نبی ﷺ عورتوں کے لئے بھی رحمت ہے، مزدوروں کے لئے بھی رحمت ہے، محنت کشوں کے لئے بھی رحمت ہے،

یتیموں کے لئے بھی رحمت ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ عید سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے جا رہے ہیں راستے میں دیکھا کہ کچھ بچے کھیل رہے تھے لیکن ایک بچہ کھیلتا نہیں تھا آپ ﷺ کھیلنے والوں کو چھوڑ کر اس بچے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس بچے سے سوال کیا بیٹا تو کیوں نہیں کھیلتا وہ رو پڑا اس نے رسول اکرم ﷺ کا چہرا دیکھا کہ پہلی مرتبہ کوئی آدمی مجھ سے پوچھتا ہے کہ تو کیوں نہیں کھیلتا اس نے کہا میں کیسے کھیلوں؟...... میرے تن پہ کپڑے نہیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "ان سارے بچوں نے کپڑے پہنے ہیں تو نے کپڑا نہیں پہنا" وہ رو پڑا اور رو کر کہنے لگا میں تمہیں کیا بتاؤں میں یتیم ہوں میری ماں فوت ہو چکی ہے میرا باپ فوت ہو چکا ہے آپ ﷺ نے اس کی بات سنی کھیلنے والوں کو نہیں دیکھا آپ ﷺ نے اس بچے کو اپنے ہاتھوں سے اٹھایا سینے سے لگایا اور گھر لے گئے فرمایا عائشہ! یہ یتیم بچہ تیرے دروازے پہ لایا ہوں آج کے بعد میں محمد ﷺ اس کا باپ ہوں عائشہ تو اس کی ماں ہے، تو اس بچے کے لئے حضور ﷺ رحمت کا پیغامبر بن کر آئے۔ اسی لئے حفیظ تائب نے کہا۔

حضور آئے تو سر آفرینش پا گئی دنیا   اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آ گئی دنیا
بجھے چہروں کا رنگ اترا ستے چہروں پہ نور آیا   حضور آئے تو انسانوں کو جینے کا شعور آیا
یتیموں اور ضعیفوں کو پناہیں مل گئیں آخر   حضور آئے تو ذروں کو نگاہیں مل گئیں آخر
حفیظ اس در سے گر نسبت نہ رکھے لوح پیشانی   تو کشکول گدائی ہے چہ درویشی و چہ سلطانی

حضور ﷺ جہانوں کے لئے رحمت ہیں، مزدوروں کے لئے رحمت ہیں محنت کش کے لئے رحمت ہیں، اور ان جبینوں کے لئے رحمت ہیں، جو جبینیں ہاتھ کی بنائی ہوئی مورتوں کے سامنے جھکتی تھیں ان کو اٹھا کر حضور ﷺ نے ایک خدا کے دروازے پر جھکا دیا، رسول اکرم ﷺ ان کے لئے بھی رحمت ہیں آپ ﷺ بچوں کے لئے رحمت ہیں، یتیم بچیوں کے لئے رحمت ہیں، بیوہ عورتوں کے لئے رحمت ہیں، مزدوروں کے لئے رحمت ہیں، محنت کشوں کے لئے رحمت ہیں، بے سہارا لوگوں کے لئے رحمت ہیں، اور کائنات کے ایک ایک

انسان کے لئے رحمت ہیں، ایک ایک حیوان کے لئے رحمت ہیں، ایک ایک جمادات کے لئے رسول اکرم ﷺ رحمت ہیں، جب کائنات کی ہر چیز کے لئے آپ ﷺ رحمت ہیں، اور یہ ساری روشنی آپ ﷺ کے قدموں کے صدقے ہے آج میرے پاس ایمان ہے تو یہ آپ ﷺ کی رحمت ہے، میں مسلمان ہوں تو یہ رسول اکرم ﷺ کی رحمت ہے، آج تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیسے گزر رہی ہے؟ تو کہتا ہے سب کچھ رسول اکرم ﷺ کی رحمت ہے، اگر چودہ سو سال کے بعد تیرا ایمان حضور ﷺ کی رحمت ہے، تیرا اسلام حضور ﷺ کی رحمت ہے، تیری خوشحالی حضور ﷺ کی رحمت ہے، تیرے ملک پر رحمت رسول اکرم ﷺ کی رحمت ہے، سعودی عرب میں تیل نکل آیا تو کہتا ہے رسول اکرم ﷺ کی رحمت ہے، اور تجھے گھر میں روٹی مل گئی تو کہتا ہے، رسول اکرم ﷺ کی رحمت ہے، تو پھر مجھے کہنے دو صدیقؓ کی صداقت بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، عمرؓ کی عدالت بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، عثمانؓ کی شرافت بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، علیؓ کی عدالت بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، سلیمان فارسیؓ کا تقویٰ بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، ابوذر غفاریؓ کا زہد بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، ابن عباسؓ کی تفسیر بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، ابن مسعودؓ کی حدیث بھی رسول اکرم ﷺ کی رحمت ہے، سارے صحابہؓ کی عظمت رسول اکرم ﷺ کی رحمت ہے، بلالؓ تپتی ریت پہ لٹایا جا رہا ہے اس کا استقلال حضور ﷺ کی رحمت ہے، خبابؓ کو آگ کے انگاروں پر لٹایا جا رہا ہے، اس کا استقلال حضور ﷺ کی رحمت ہے، طارق ابن زید کو پھانسی کے تختے پہ چڑھایا جا رہا ہے اس کا استقلال حضور ﷺ کی رحمت ہے، حذیفہ سہمیؓ کو آگ کے انگاروں پہ ابلتی ہوئی دیگ میں ڈالا گیا اس کا استقلال حضور ﷺ کی رحمت ہے اور تخت و تاج قیصر و کسریٰ سے صحابہؓ ٹکرائے حضور ﷺ کی رحمت ہے، اندھیروں میں چراغ جلائے حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ نے چمکتی ہوئے تلواروں کے نیچے نبی کو نہیں چھوڑا، یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، جو انہوں نے قیصر و کسریٰ کے پرخچے اڑائے، یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، ساری کائنات کے بت پاش پاش کر کے پوری دنیا میں اسلام کا پرچم بلند کیا صحابہؓ نے، یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ کی عظمت حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ کا

علم حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ کا تقویٰ حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ کی شان حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ کا تدبر حضور ﷺ کی رحمت ہے، اور قرآن میں ساڑھے سات سو جگہ پہ اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو جنتی کہا، یہ ان کی وجہ سے نہیں، بلکہ یہ سب کچھ حضور ﷺ کی رحمت ہے۔

میرے بھائیو! آج کائنات کی ہر اچھائی حضور ﷺ کی رحمت ہے، جب حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے تھے، ایک شخص بھی مسلمان نہیں تھا اور پھر دنیا نے کیا دیکھا؟! کہ کعبہ جس میں تین سو ساٹھ بت تھے وہ بت گرا دیئے گئے یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے اور فاران کی چوٹی پر اسلام کا سورج طلوع ہوا یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، ایک آدمی بھی ساتھ نہ تھا لیکن جب جنازہ اٹھا حضور ﷺ کا تو ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہ حضور ﷺ کے قدموں میں تھے یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، قیصر و کسریٰ کے سارے بت پاش پاش ہو گئے یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے مجھے کہنے دو، کائنات کا ہر حسن حضور ﷺ کی رحمت ہے، ہر خوبصورتی حضور ﷺ کی رحمت ہے، کائنات کی ساری رعنائی حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ جمال حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ حسن وملاحت حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ گلوں کی خوشبو حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ سمندر کا خروش حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ بلبل کی چہک حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ کائنات کی ساری روشنی حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ آسمان کی وسعت حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ زمین کا فرش حضور ﷺ کی رحمت ہے۔ (بحوالہ صدائے فاروقی)

آیا نہ کوئی آپ ﷺ جیسا رحمت عالم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کو دونوں جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ رسول اکرم ﷺ نے مٹی کے ذروں، پانی کے قطروں، امنڈتے بادلوں، چمکتی گھٹاؤں، کوندتی بجلیوں، زمین کی پستیوں، پہاڑ کی بلندیوں، خشکیوں اور تریوں میں خدا کے جلوے انسان کو دکھائے حضور ﷺ نے دشمنوں پر اخلاق کے اسلحے سے فتح پائی کردار کی حلاوت سے دل موہ لیا ہے۔

دوستوں کو اپنی دلفریب، تعلیم وتربیت سے اپنا جان نثار بنایا، انسانوں میں سے

مال، نسل اور رنگ کے بھید بھاؤ کو یکسر مٹا دیا، حسب و نسب کے بت کو پاش پاش کیا اور اونچ نیچ کے فرق کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کیا۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سارے انسان آدم اور حوا کی اولاد ہیں۔ جو آپس میں سب بھائی بھائی کی طرح ہیں۔ کسی کو کسی دوسرے پر عہدہ، مال اور وطنیت کی بناء پر کوئی بڑائی حاصل نہیں ہے۔ بڑائی کا معیار تو آدمی کا اپنا کردار ہوتا ہے، اس کی ظاہری دل فریبی کا نہیں ہوتا ہے۔

بڑا در حقیقت وہ ہے جو خدا کا فرمانبردار ہے، اور چھوٹا وہ شخص ہے جو خدا کا نافرمان ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے عملی زندگی میں یہ سب کچھ دکھایا ہے۔ وقت پر رسول اکرم ﷺ ساتھیوں کے ساتھ خندق کھودتے تھے، ٹوکری اٹھاتے تھے، لکڑیاں جمع کرتے تھے، اپنے جوتے کو خود مرمت کرتے تھے، خود دودھ دوہتے، بازار سے سودا سلف خود لے آتے اور پڑوسیوں کا کام اکثر کر دیا کرتے تھے۔

ایک سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھیوں نے اپنے درمیان سب کام تقسیم کر لئے، رسول اکرم ﷺ نے لکڑیاں لانا اپنے ذمے لیا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: "اے رسول اکرم ﷺ ہماری موجودگی میں آپ زحمت فرماتے ہیں۔ یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔" رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "مجھے پسند نہیں کہ میں ممتاز بن کر رہوں، خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا ہے، جو اپنے ساتھیوں میں ممتاز بن کر رہے۔"

حضور ﷺ شفقت و مہربانی کا نمونہ تھے، حضرت انس بن مالکؓ آپ ﷺ کے خادم خاص بیان کرتے ہیں کہ: "میں دس سال تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہا لیکن حضور ﷺ نے میری نقصان کی بات میں اف تک نہیں فرمایا، نہ کبھی کسی کام کی بابت فرمایا کہ کیوں کیا، اور نہ کسی کام کے نہ کرنے کی وجہ دریافت فرمائی کہ یہ کام کیوں نہیں کیا۔ حضور ﷺ اخلاق اعلیٰ کے مقام پر تھے۔"

ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ: "حضور ﷺ نے ایک بار خادمہ کو بلایا، اس نے آنے میں

دیر کردی، چہرۂ مبارک پر غصہ نمودار ہو گیا، ام سلمہؓ نے پردے سے جا کر دیکھا تو خادمہ کھیل رہی تھی، اس وقت حضور ﷺ کے دست مبارک میں ایک مسواک تھی۔ مخاطب ہو کر فرمایا: "اگر قیامت کے دن مجھے بدلے کا ڈر نہ ہوتا تو اس مسواک سے تیری خبر لیتا۔"

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: "جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن اس کے درجات بلند ہوں، اس کو چاہیے کہ اس آدمی کو معاف کر دے جس نے اس پر ظلم کیا ہو، اور اس کو دے جس نے اس کو نہ دیا ہو، اس کے ساتھ رشتہ جوڑے جس نے اس سے رشتہ توڑا ہو، اور اس کی بات برداشت کرے جس نے اس کو برا کہا ہو۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "وہ لوگ اللہ کی رحمت سے محروم رہیں گے، جن کے دلوں میں دوسرے آدمی کے لئے رحم نہیں ہے، اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے ہیں۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا"۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر   خدا تم سے خوش ہوگا عرش بریں پر

جنگ بدر کے موقع پر گرفتار قیدیوں میں حضور ﷺ کا ایک بدترین دشمن سہیلؔ بن عمرو تھا جو شعلہ بیان مقرر تھا جو اپنی جادو بیانی سے مجمع کو مسحور کر لیتا اور تمام مجمعوں میں حضور ﷺ کے خلاف بیہودہ تقریریں کرتا تھا۔

اس کے متعلق حضرت عمر فاروقؓ نے یہ رائے دی کہ اس کے نیچے کے دو دانت اکھڑوا دیئے جائیں تاکہ پھر آئندہ جوش تقریر ماند پڑ جائے، اور ہرزہ گوئی سے باز آ جائے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اگر میں نے ایسا کیا تو خدا قیامت کے دن میرا چہرہ بگاڑ دے گا اگرچہ میں خدا کا رسول ہوں"۔

آپ ﷺ کے جانی دشمن دعثور بن حارث نے ایک بار آپ ﷺ کو تنہا پا کر تلوار سونت لی، اس کا ناپاک خیال تھا کہ آج آپ ﷺ کا خاتمہ کر دیا جائے، وار کرنا ہی تھا کہ تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔ آپ ﷺ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا: "دعثور چلے جاؤ میں نے تمہیں

معاف کردیا۔"

مشہور واقعہ ہے کہ گرمی کے زمانہ میں حضور ﷺ سفر میں تھے، تپش گرمی سے بچنے کے لئے ایک درخت کے سایہ میں آرام فرمانے لگے، صحابہ کرامؓ کچھ فاصلے پر لیٹے ہوئے تھے، دشمن تاک میں تھا، آکر حضور ﷺ کو گستاخی کے ساتھ بیدار کیا اور کہا محمد بتاؤ! آج تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ حضور ﷺ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: "اللہ" تسلی بھرے اس جواب سے دشمن گھبرا گیا، چکرا کر گر پڑا، تلوار ہاتھ سے گر گئی، ظالم کا پنجہ کمزور ہو گیا۔ پھر حضور ﷺ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا "اب بتا تجھے کون بچائے گا؟..." وہ کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "چلے جاؤ میں بدلہ نہیں لیتا، میں معاف کرتا ہوں۔"

ہبار بن اسود ایک طرح سے حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا قاتل تھا، ہوا یہ کہ صاحبزادی محترمہ ہجرت کر کے مدینہ جارہی تھیں، ہبار نے اونٹ پر نیزہ مارا اس پر آپؓ سوار تھیں۔ اونٹ بدک گیا، حضرت زینبؓ اونٹ سے زمین پر گر پڑیں، آپؓ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہو گیا، جس کے اثر سے آخر عمر تک بیمار رہیں۔ یہ پرسوز واقعہ رسول اکرم ﷺ کے لئے اذیت ناک تھا۔

فتح مکہ کے بعد اس نے چاہا کہ میں ایران بھاگ جاؤں، کچھ سوچ کر وہ دربار رسالت پناہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے رسول اکرم ﷺ میں بھاگ کر ایران جانا چاہتا تھا، لیکن آپ ﷺ کا رحم و کرم یاد آیا، اب میں حاضر ہوں، میرے متعلق جس جرم کی خبر آپ ﷺ تک پہنچی ہے وہ سچ ہے۔ آپ ﷺ میری جہالت کو معاف کر دیجئے، اور میرا اسلام قبول کر لیجئے۔ حضور ﷺ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔ یہی وہ فراخدلی اور وسعت ظرفی تھی کہ جو کل تک حضور ﷺ کے جان لیوا تھے، وہ آپ ﷺ کے جان نثار اور آپ ﷺ کی تحریک کے پاسبان اور متوالے ہو گئے۔

آئے بہت پاک و محترم بن کر   آیا نہ کوئی آپ جیسا رحمت بن کر

بے شک رسول اکرم ﷺ نے انسانی زندگی کے ہر مسئلہ میں غریبی، امیری، جوانی،

بڑھاپا، رنج و راحت اور مسرت و غم کے موقع پر خدا کے بندوں کی رہبری فرمائی، اور اپنی تعلیمات سے دلوں کو پاک اور صاف اور روحوں کو روشن اور پرنور، طبیعتوں کو معاملہ فہم اور جسموں کو صاف و شفاف بنادیا۔

حضور ﷺ نے انسانوں کو ان کی بصیرت کی آنکھوں سے ان کے خدا کا جلوہ دکھا دیا، بندوں اور خدا کے درمیان شعوری رشتہ اور ان کا ان کے پالنہار (یعنی پالنے والا) سے رابطہ قائم کرایا۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضری دی، اس نے دنیا اور آخرت کے بارے میں چند ضروری سوالات کیے، اس نے دریافت کیا: ”یارسول اللہ ﷺ! میری خواہش ہے کہ میں سب سے بڑا عالم بن جاؤں، میری رہنمائی فرمایئے۔“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خدا سے ڈرتے رہو سب سے بڑے عالم بن جاؤ گے، خدا کا ڈر اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے انسان پر علم و حکمت کے دروازے کھلتے ہیں۔“ عرض کیا: ”چاہتا ہوں سب سے بڑا انسان بن جاؤں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے بڑا انسان وہ ہے، جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ تمہارے لئے بہتر ہے کہ سب کے لئے برابر نفع پہنچانے والے بنو۔ مزید فرمایا کہ وہی دوسروں کے لئے پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔“ اس نے کہا: ”میں خدا کا نزدیکی بننا چاہتا ہوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے زیادہ خدا کو یاد کرو، خدا کے نزدیکی بن جاؤ گے۔“ اس نے معلوم کیا: ”میری خواہش ہے کہ میں نیک اور احسان کرنے والا ہوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عبادت اس طرح کرو گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس طرح تو کرو کہ حق تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ اس نے سوال کیا: ”کوئی طریقہ بتادیں کہ خدا کا فرمانبردار بن جاؤں؟“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اپنے فرائض ادا کرتے رہو گے تو تمہارا شمار فرمانبرداروں میں ہوتا رہے گا۔“ اظہار تمنا کیا کہ: ”میدان حشر میں نور کے ساتھ اٹھایا جاؤں۔“ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر کسی پر ظلم نہیں کرو گے تو قیامت میں نور کے ساتھ اٹھائے جاؤ گے۔“ پوچھا: ”چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم

وکرم کا معاملہ فرمائے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے آپ پر اور اللہ کے بندوں پر ترس کھاؤ، خدا تم پر رحم کرے گا۔" سوال کیا: "دلی آرزو ہے کہ سب لوگوں سے زیادہ بزرگ ہو جاؤں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "مصیبت کے اوقات میں خدا کی شکایت زبان پر نہ لاؤ سب سے زیادہ بزرگ بن جاؤ گے۔" اس نے عرض کیا: "میں اپنی روزی میں بڑھوتری چاہتا ہوں۔" تو آپ ﷺ نے بتایا: "ہمیشہ پاک وصاف رہو روزی میں برکت اور بڑھوتری حاصل ہو گی۔" معلوم کیا: "میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا دوست بننا چاہتا ہوں۔" آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہوا: "جن چیزوں کو خدا اور اس کے رسول ﷺ پسند کرتے ہوں، انھیں اپنے لئے اختیار کرو، اور جن چیزوں کو خدا اور اس کے رسول ﷺ ناپسند کرتے ہوں ان سے تم بھی نفرت کرو، تو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے دوست بن جاؤ گے۔" اظہار تمنا کیا کہ: "خدا کے دربار میں جو دعائیں کروں ساری قبول ہو جائیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "حرام چیزوں اور حرام باتوں سے پرہیز کیا کرو، تو تمہاری ہر دعا قبول ہو جایا کرے گی۔" عرض کیا: "خدا قیامت کے دن سب کے سامنے ذلیل ورسوا نہ کرے۔" آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہوا: "تم اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرو گے تو خدا تمہیں قیامت میں ذلیل اور رسوائی سے بچائے گا۔" سوال کیا: "میں خدا کے غضب اور غصہ سے بچنا چاہتا ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر کسی پر بے جا غصہ نہ کرو گے تو خدا کی ناراضگی سے بچے رہو گے۔"

ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔" صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا: "اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کی جا سکتی ہے، لیکن ظالم کی مدد کیونکر کی جائے؟"... آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کی مدد یہ ہے کہ تم اس کو ظلم سے روک دو۔" دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندو! میں نے اپنے لئے اور تمہارے لئے آپس میں ظلم کو حرام کیا ہے، تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ مزید ارشاد ہوا کہ ظلم سے بچو، ظلم قیامت کے دن ظلمات بن جائے گا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے اپنے بھائی کی آبرو یا کسی چیز پر ظلم کیا تو اسے چاہئے کہ آج ہی اس سے

پاک ہو لے، اس دن سے پہلے کہ اس کے پاس روپے کو نہ دینار ہوں نہ درہم، ظلم کا بدلا ظلم کے برابر دینا ہوگا۔ مظلوم کو نیکیاں دلوائی جائیں گی اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں ظالم پر لادی جائیں گی۔" پھر ارشاد ہوا: "ظالم کو خدا مہلت دیتا ہے، اور جب اس کو گرفت میں لے لیتا ہے تو پھر کبھی نہیں چھوڑتا۔"

آپ ﷺ ایک باغ کے پاس سے گزر رہے تھے، کہ ایک اونٹ زور سے بلبلا اٹھا، آپ ﷺ نے اس کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرا، اور پھر اس کے مالک کو بلا کر اس سے فرمایا: "اس جانور کے بارے میں خدا سے ڈرو۔" ایک بار ایک صحابی ابو مسعود انصاری اپنے غلام کو پیٹ رہے تھے کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے اور رنجیدہ ہو کر فرمایا: "ابو مسعود! اس غلام پر تمہیں جس قدر اختیار ہے اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ اختیار ہے۔" ابو مسعودؓ یہ بات سن کر خوفزدہ ہو گئے اور غلام کو آزاد کر دیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "جو شخص نرمی کی صفت سے محروم ہو گیا وہ سارے خیر سے محروم ہو گیا۔" ارشاد ہے: "قیامت کے دن ان لوگوں کو پکار کر ان کا اجر دیا جائے گا جو دنیا میں لوگوں کی خطائیں معاف کر دیا کرتے تھے۔ مزید ارشاد فرمایا: "مومن اپنے اخلاق سے زاہد شب زندہ دار و دائم الصوم کا درجہ حاصل کر لیا کرتا ہے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے:

(۱) ..... کھلے اور چھپے ہر حال میں خدا سے ڈرتا رہوں۔

(۲) ..... غصے میں ہوں یا خوشی میں ہر حال میں انصاف کی بات کروں

(۳) ..... محتاجی اور امیری دونوں حالتوں میں اعتدال پر قائم رہوں۔

(۴) ..... جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں۔

(۵) ..... جو مجھے محروم کرے میں اسے دوں۔

(۶) ..... جو مجھ پر ظلم کرے میں اسے معاف کروں۔

(۷) ..... میری خاموشی غور و فکر کی خاموشی ہو۔

(۸)...... میرا بولنا یادِ الٰہی کا بولنا ہو۔

(۹)...... میرا دیکھنا عبرت کا دیکھنا ہو۔

دین و دنیا کی بھلائی گر تجھے منظور ہے
اس کا دامن تھام لے جس کا نام محمد ہے

رسول اکرم ﷺ رحمۃ اللعالمین بن کر مبعوث ہوئے

جن دنوں معاشرہ انسانی برائیوں کی آماجگاہ تھا، انسانیت خوف و [illegible] کی آتش خاموشی میں جل رہی تھی، انسان مضطرب و بے قرار تھا، زندگی جمود و تعطل کا شکار ہو چکی تھی، عدل و احسان کا فقدان تھا، ظلم و جہل کی گرم بازاری تھی، معاشرہ امن و سلامتی کو اور انسانیت طمانیت و سکون کو ترس رہی تھی۔

ایسے حزن اور گھٹے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور خطاب عظیم سے نوازا کہ "اے محمد ﷺ! ہم نے آپ ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کو تمام افراد نسل انسانی کے لئے مژدہ دینے اور متنبہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

حضور ﷺ کی جلوہ فرمائی سے لے کر حضور ﷺ کے وصال تک، جتنے بھی حالات اور جس قدر بھی واقعات ہیں، وہ بنی نوع انسان کے لئے نمونۂ عبرت اور مجسمۂ رحمت ہیں۔ اگر آپ دولت مند ہیں تو مکہ کے تاجروں اور بحرین کے خزینہ داروں کی پیروی کریں۔ اگر آپ غریب ہیں تو ابی طالب کی قیدی اور مدینہ کے مہمان ﷺ کی کیفیت سنیں۔ اگر آپ بادشاہ ہیں تو سلطان عرب ﷺ کا حال پڑھیں۔ اگر آپ رعایا ہیں تو قریش کے محکوم ﷺ کو ایک نظر دیکھیں، اگر آپ فاتح ہیں تو بدر و حنین کے سپہ سالار ﷺ پر نظر کریں۔ اگر آپ نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ احد سے عبرت حاصل کریں۔ اگر آپ استاد اور معلم ہیں تو درسگاہ صفہ کے معلم قدس ﷺ کو دیکھیں۔ اگر شاگرد ہیں تو روح امین کے سامنے بیٹھنے والے کو دیکھیں۔ اگر آپ واعظ اور ناصح ہیں تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی

باتیں ملیں گی۔ اگر آپ تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہیں تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی ﷺ کا اسوہ آپ کے لئے ہے۔ اگر آپ حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور اپنے مخالفوں کو اپنا بنانا چاہتے ہیں تو فاتح مکہ ﷺ کا نظارہ کریں۔ اگر آپ اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہیں تو بنی نضیر اور فدک کی زمینوں کے مالک ﷺ کے کاروبار کو دیکھیں۔ اگر آپ یتیم ہیں تو عبداللہ اور آمنہ کے جگر گوشہ ﷺ کو نہ بھولیں۔ اگر آپ بچے ہیں تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے ﷺ کو دیکھیں۔ اگر آپ جوان ہیں تو مکہ کے چرواہے ﷺ کی سیرت پڑھیں۔ اگر آپ سفری کاروبار میں ہیں تو بصرہ کے سالار کارواں ﷺ کی مثالیں ڈھونڈیں۔ اگر آپ عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہیں تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث ﷺ کو دیکھیں۔ جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک کونہ میں کھڑا کر رہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھیں جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا امیر و غریب برابر تھے۔ اگر آپ بیویوں کے شوہر ہیں تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر ﷺ کی حیات پاک کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر آپ اولاد والے ہیں تو فاطمہؓ کے باپ اور حسنؓ و حسینؓ کے نانا ﷺ کا حال پوچھیں۔

غرض اگر آپ کوئی بھی ہوں اور کسی حال میں بھی ہوں آپ کی زندگی کے لئے نمونہ، آپ کی سیرت کی درستی کے لئے سامان۔ آپ کے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور رسول اکرم ﷺ کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہر دم مل سکتا ہے، اور طبقۂ انسانی کے ہر طالب علم اور نور ایمانی کے متلاشی کے لئے صرف رسول اکرم ﷺ کی سیرت ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرت پاک کا یہ تاریخی و تحقیقی تجزیہ کیا ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت پاک اور زندگی کی داستان عشق الٰہی اور محبت انسانی کی حسین ترین داستان رحمت ہے۔ حضور ﷺ کے دن محبت انسانی میں گزرتے تھے تو راتیں عشق الٰہی میں کٹتی تھیں۔

کبھی حضور ﷺ صاحبِ انسانی میں شہر کی گلیوں اور بازاروں میں تو کبھی شہر سے باہر مضافاتی بستیوں، کارخانوں، خانہ بدوش لوگوں سے ملتے جلتے اور انہیں راہِ حق کی دعوت دیتے تھے۔ حضور ﷺ کبھی انہیں قرآن سناتے تو کبھی دینوی و اخروی کامیابیوں کا مژدہ دیتے اور عقوبات و سزاؤں سے باخبر کرتے تھے۔ حضور ﷺ کی زندگی کا اہم پہلو یہ تھا کہ دوسروں کو زندگی عطا کرنے سے زندگی مل جاتی ہے، اور دوسروں کی زندگی چھیننے سے اپنی زندگی بھی چھن جاتی ہے۔

لہٰذا جسے اپنا من زندگی کی مسرتوں سے بھرتا ہوا ہے دوسروں کو مسرتیں دیتے رہنا چاہئے۔ کیوں کہ حضور ﷺ کی حیات مقدس صرف ایک مقام، ایک خطہ کے لئے نہیں بلکہ ہر زمان و مکان کے انسان کے لئے رحمت ہے۔

اسی لئے آپ ﷺ ایمان و اعمالِ صالحہ، عدل و احسان، محنت و مشقت، ایثار و قربانی، عزم و ہمت اور صبر و استقامت کے پیکر تھے۔ آپ ﷺ نے بنی نوع انسان سے محبت کرنا، ان کے لئے رحمت بن جانا، ان کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی بھی دینے سے دریغ نہ کرنا، بے کسی و بے چارگی کے عالم میں بھی اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا، شدائد و آلام میں صبر کرنا، تلواروں کے سائے میں ثابت قدم رہنا، حق و صداقت کی خاطر بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا جانا، اعلیٰ نصب العین کی خاطر امارت و حکومت، دولت و قوت سب کو ٹھکرا دینا اور حق و صداقت کی راہ پر گامزن رہ کر حقیقی منزلِ مقصود تک پہنچ جانا سکھایا ہے۔ حضور ﷺ نہایت رحم دل، نرم خو، اور کریم تھے۔ حضور ﷺ نے کبھی کسی کے لئے زجر و توبیخ روا نہ رکھا۔

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''جس شخص کو نرمی و سعادت سے محروم کر دیا جاتا ہے، اسے نیکی اور بھلائی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ایک بار کسی شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا: ''مجھے نصیحت فرمائیے۔'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''لَا تَغْضَبْ یعنی غصہ نہ کر۔'' اس نے کئی مرتبہ یہ بات کہی اور ہر دفعہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا ''غصہ نہ کرو''۔

ایک دیہاتی حاضرِ خدمت ہوا۔ اس نے آپ ﷺ کی چادر مبارک زور سے کھینچی

جس کی وجہ سے حضور ﷺ کی گردن پر نشان پڑ گیا۔ پھر بولا محمد ﷺ میرے یہ دو اونٹ ہیں، ان کی لادو کا سامان مجھے دے دو۔ کیوں کہ جو سامان تیرے پاس ہے، وہ نہ تو تیرا ہے اور نہ ہی تیرے باپ کا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مال تو اللہ کا ہے اور میں اس کا بندہ ہوں۔" پھر دیہاتی سے دریافت فرمایا: "جو برتاؤ تم نے مجھ سے کیا اس پر تم ڈرتے نہیں؟" وہ بولا نہیں، رسول اکرم ﷺ نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے۔ یہ سن کر رسول اکرم ﷺ ہنس پڑے اور اس کی طلب پوری فرمانے کی ہدایت فرمائی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہودی علماء کی ایک جماعت آپ ﷺ کے پاس آئی اور السام علیکم (یعنی تباہی ہو تم پر) کہا۔

حضرت عائشہؓ یہ سن کر برداشت نہ کر سکیں، انہوں نے کہا بلکہ تم لوگ غارت ہو جاؤ، اور تم پر خدا کی لعنت ہو۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو اس قسم کے جواب سے منع فرمایا۔ اور ارشاد ہوا: "خدا مہربان ہے اور ہر کام میں مہربانی پسند کرتا ہے۔" آپ ﷺ کی حیات طیبہ اسی محور پر گردش کرتی رہی اور آپ ﷺ رحمت کے ابر نیساں بن کر دنیائے عالم پر چھائے رہے۔

حضور ﷺ کی شان رحیمی ملاحظہ کیجئے کہ نبوت کے تیئیس (۲۳) سال کے عرصے میں اپنے مخالفوں سے ستائیس (۲۷) بار جنگ کی، پینتیس (۳۵) مہموں میں انہیں کامیابی نصیب ہوئی، لیکن تاریخ کسی بڑے سے بڑے جرنیل کا ایسا عسکری ریکارڈ پیش کرنے سے قاصر ہے کہ وہ تیرہ سال تک مسلسل صف بندی کی حالت میں رہا، لیکن اس کے ہاتھ سے کوئی انسان بھی نہیں مارا گیا۔ نہ آپ ﷺ کی فوج نے کبھی کسی بوڑھے یا بچے یا عورت پر ہاتھ اٹھایا اور نہ کسی کی کھیت کو اجاڑا، نہ ہی کسی سبز درخت کو کاٹا۔

آپ نے دشمنوں سے پیار کی باتیں سنی ہوں گی، ان کی عملی مثال نہیں دیکھی ہوگی تو آیئے مدینہ چلیں سرکار کے شہر۔

ہجرت کے وقت قریش کے رئیس یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ جو محمد کا سر قلم کر کے لائے گا اس کو سو (100) اونٹ دیئے جائیں گے۔ سراقہ بن جعشم اس انعام کے لالچ میں مسلح ہوکر رسول اکرم ﷺ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتا ہے اور قریب پہنچ جاتا ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ گھبرا جاتے ہیں۔ اور آپ ﷺ دعا کرتے ہیں۔ تین دفعہ سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں دھنس جاتے ہیں، سراقہ تیر کے پانسے نکال کر فال دیکھتا ہے، ہر دفعہ جواب آتا ہے کہ اس کا پیچھا نہ کرو۔ وہ مرعوب ہو جاتا ہے، واپسی کا عزم کر لیتا ہے۔ حضور ﷺ کو آواز دیتا ہے اور حفظ و امان کی درخواست کرتا ہے کہ جب حضور ﷺ ان شاء اللہ قریش پر غالب آئیں تو مجھ سے باز پرس نہ ہو۔ رسول اکرم ﷺ یہ خط لکھ کر ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد وہ ایمان لاتا ہے۔ تاہم رسول اکرم ﷺ اپنے قاتل سے یہ نہیں پوچھتے "کہ سراقہ تمہارے جرم کا اب کیا جواب ہے؟"

غزوۂ احد میں دشمن حملہ کرتے ہیں۔ حضور ﷺ زدِ اعداء میں ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ پر پتھر، تیر اور تلوار کے وار ہوتے ہیں، دندان مبارک شہید ہوتے ہیں، خود کی کڑیاں سر مبارک پر گڑ جاتی ہیں، چہرہ مبارک خون سے رنگین ہوتا ہے۔ اس حالت میں بھی رسول اکرم ﷺ رحمت کا نمونہ پیش کرتے ہیں: "خدایا! میری قوم کو ہدایت عطا فرما کہ وہ نہیں جانتی۔"

حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں، حضور ﷺ کی سنت حسنہ پر عمل کرنے کا مطلب ہے دوسروں کے لئے سراپا رحمت بن جانا۔ یہی اسلام کی غایت بھی ہے۔ اور آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کا خلاصہ بھی۔ اور آپ کے تحت امتی کا فرض منصبی بھی ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

* * *

خصوصیت نمبر ۸۱

رسول اکرم ﷺ اور شق القمر کی عظیم خصوصیت

قابلِ احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے اکاسی نمبر خصوصیت کی ابتدا کی جا رہی ہے جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ اور شق القمر کی عظیم خصوصیت" اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا سایہ نصیب فرمایا اور میں اپنے آقا ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کے بارے میں اپنے گناہ گار ہاتھوں اور آبلہ پا قلم سے لکھ رہا ہوں اور جو لکھا گیا تھا اسے ترتیب دے رہا ہوں، صرف اور صرف اس امید پر کہ شاید یہ کاوش ہی میری نجات کا ذریعہ بن جائے، شاید اپنے حضور ﷺ کی شان میں میرا چلنے والا قلم ہی روزِ قیامت حضور ﷺ کی شفاعت کا سایہ نصیب فرما دے، بس دل کو یہی تسلی ہے اور اسی امید پر لکھتا چلا جا رہا ہوں، زبان پر صلوٰۃ وسلام جاری ہے، لوگوں کا اژدھام ہے جس کی وجہ سے لکھتے وقت کافی نشیب و فراز کا سامنا ہے، لیکن دل میں مچلتی حضور ﷺ کی محبت مجبور کر رہی ہے کہ جو کچھ بھی ہو موقع ہے آقا ﷺ کے روضے کے سامنے میں لکھتا چلا جاؤں کہ یہی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

بہرحال محترم قارئین! اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی سب سے منفرد اور بلند و بالا ہے کہ اللہ رب العالمین نے اپنے پیارے اور محبوب نبی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے فرما دیئے جبکہ تمام انبیاء کی سیرتوں میں کہیں ایسی بات نظر نہیں آتی تو معلوم ہوا کہ لاشک یہ خصوصیت بھی ہمارے رسول اکرم ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت سے متعلق ملاحظہ فرمائیں گے جسے ہم نے عین قرآن وحدیث کی روشنی میں روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر

مرتب کیا ہے امید ہے کہ ان شاء اللہ اس خصوصیت کا مطالعہ بھی آپ کے ایمان میں اضافہ کرے گا اور دعا گو ہوں کہ خداوند قدوس میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

اکاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں

شق القمر یعنی چاند کے پھٹ جانے کا تحیر خیز واقعہ جمہور علماء اسلام کے نزدیک رسول اکرم ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے لیکن بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ قرآن مجید اس واقعہ کو قرب قیامت کی نشانی کے طور پر پیش کیا ہے اور یہ اس اعتبار سے آپ ﷺ کی صداقت کا نمایاں ثبوت تھا کہ رسول اکرم ﷺ نے قیامت کی آمد اور اس کی کیفیت کے بارے میں جو خبریں لوگوں کو دی تھیں۔

اس واقعہ نے ان کی تصدیق کر دی تھی، بہر صورت اس کے وقوع پر سب کا اتفاق ہے، کیوں کہ یہ واقعہ قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۔ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۔ (القمر) "قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ خواہ کوئی (بھی) نشانی دیکھ لیں منہ موڑ جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تو سب چلتا ہوا جادو ہے۔"

اس واقعہ کا ذکر بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ، احمدؒ، ابو عوانہؒ، ابو داؤد طیالسیؒ، ابن جریرؒ، طبرانیؒ، بیہقیؒ، عبدالرزاقؒ، ابن مردویہ اور ابو نعیمؒ، سبھی نے معتبر سندوں کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے راویوں میں حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت جبیر بن مطعمؓ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت صحابہ شامل ہیں۔

یہ واقعہ ہجرت نبوی سے تقریباً پانچ سال پہلے ۸ھ بعد کے اواخر یا ۹ھ بعد

بعثت کے آغاز میں پیش آیا اس وقت کفار کی طرف سے شعب ابی طالب کے محاصرے کو دو برس گزر چکے تھے۔ قمری مہینے کی چودھویں رات تھی۔ رسول اکرم ﷺ شعب ابی طالب سے نکل کر منیٰ میں تشریف فرما تھے۔

اس وقت کفار کا ایک مجمع رسول اکرم ﷺ کے پاس موجود تھا۔ کچھ صحابہ بھی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ (ان میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے اسماء گرامی یقینی طور پر معلوم ہیں)۔ چاند ابھی ابھی طلوع ہوا تھا، یکایک وہ پھٹا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا سامنے کی پہاڑی کے ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف نظر آیا۔ یہ کیفیت لمحہ بھر کے لئے رہی۔ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: ”دیکھو اور گواہ رہو۔“

اس کے ساتھ ہی دونوں ٹکڑے باہم جڑ گئے۔ مشرکین نے یہ حیرت خیز واقعہ دیکھ کر کہا، محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا تھا اس لئے ہماری آنکھوں نے دھوکا کھایا۔ ان میں سے کچھ آدمیوں نے کہا کہ وہ ہم پر تو جادو کر سکتے تھے۔ جو لوگ یہاں موجود نہیں ہیں ان پر تو نہیں کر سکتے تھے۔ ہمیں چل کر باہر کے لوگوں سے پوچھنا چاہئے کہ انہوں نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یا نہیں دیکھا؟

چنانچہ جب باہر سے وہ سب لوگ آئے اور ان سے اس واقعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو ان میں سے بعض نے شہادت دی کہ وہ بھی چودھویں کے چاند کو دو ٹکڑے ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ یہ تصدیق سن کر بھی مشرکین قریش دولت ایمان سے محروم ہی رہے اور ایمان نہ لائے۔

حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اہل مکہ کفار نے رسول اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ ﷺ سچے ہیں تو ہمیں کوئی بڑا نشان دکھائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے کہ کفار نے مطالبہ کیا کہ ہمیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں، ایک ٹکڑا جبل ابو قبیس پر رہے اور دوسرا جبل قعیقعان پر۔ رسول اکرم ﷺ

نے اس معجزہ کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی، فوراً ہی چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے نصف حصہ جبل ابو قبیس پر اور نصف حصہ جبل قعیقعان پر چلا گیا۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے چاند کو دو حصوں میں پھٹا دکھایا۔ ایک حرا کے ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف۔ (صحیحین۔ دلائل ابو نعیم)

دوسرے تمام صحابہ سے جو روایات اس واقعہ کے بارے میں منقول ہیں ان میں کسی میں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ معجزہ کفار کے مطالبے پر دکھایا گیا تھا۔ اس بات کے ایک راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس واقعہ کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ دوسرے راوی پونے تین سو میل دور یثرب کے رہنے والے تھے اور اس واقعہ کے وقت ان کی عمر تقریباً پانچ برس کی تھی گویا یہ حدیث دوسروں سے سن کر بیان کی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ واقعہ خواہ کفار کے مطالبہ پر وقوع پذیر ہوا ہو یا اللہ تعالیٰ نے اسے قربِ قیامت کی نشانی اور رسولِ اکرم ﷺ کی صداقت کے طور پر دکھایا ہو، بہرصورت یہ حضور ﷺ کے ذریعے وقوع میں آیا ہے۔ بالفاظِ دیگر اس واقعہ کا جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے گہرا تعلق ہے۔ اس لئے اسے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا معجزہ ہی کہا جائے گا۔

اب رہے اس واقعہ پر بعض لوگوں کے اعتراضات تو مفسرین اور اربابِ سیر ان اعتراضات کا جواب بڑی تفصیل سے دے چکے ہیں۔ ویسے بھی دوسرا کونسا معجزہ یا مافوق الفطرت واقعہ ہے جس پر مستشرقین، غیر مسلم لوگ اور تجدد زدہ "مسلمان" اعتراض نہیں کرتے۔ یہ ایمان اور عقیدے کی بات ہے۔ جو بات قرآن پاک اور مستند احادیث کی رو سے ثابت ہو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اس سے انکار کرے۔ ہم اپنے موقف کے حق میں لاکھ قاطع تردید دلائل پیش کر دیں نہ ماننے والے انہیں کبھی بھی نہیں مانیں گے۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ شق قمر کا واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، مسند احمد بن حنبل، مستدرک حاکم، مسند طیالسی، دلائل بیہقی اور دلائل ابو نعیم میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ اس کے راویوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت

عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت علیؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ جیسے صحابہ کرام شامل ہیں۔ اس سلسلہ کی چند روایات درج ذیل ہیں۔

(۱) ”حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مکہ کے کافروں نے جمع ہو کر رسول اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اگر تم نبوت کے دعوے میں سچے ہو تو کوئی نشانی معجزہ دکھاؤ، چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیئے، یہاں تک کہ ان کافروں نے حراء پہاڑ کو چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں دیکھا۔“ (بخاری، مسلم)

(۲) ”اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں چاند درمیان سے شق ہو کر اس طرح دو ٹکڑے ہو گیا کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر کی جانب تھا اور دوسرا ٹکڑا نیچے کی جانب، رسول اکرم ﷺ نے کافروں کی طلب پر یہ معجزہ دکھا کر ان سے فرمایا میری نبوت یا میرے معجزے کی شہادت دو۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح...... ”شہادت دو“ کے ایک معنی بعض حضرات نے یہ لکھے ہیں کہ ”آؤ اور اس معجزہ کو دیکھو“ اس معنے کی صورت میں ”اشهدوا“ کو شہادت سے مشتق کہا جائے گا، پہلے معنی کی صورت میں (جو ترجمہ میں بیان ہوئے ہیں) ”اشهدوا“ کو ”شہود“ سے مشتق مانا جائے گا۔

بے شک شق القمر کا معجزہ، یعنی حضور ﷺ کے دست مبارک کے اشارے پر چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا، ایک حقیقی واقعہ ہے جس کی صداقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اس واقعہ سے متعلق روایت کو صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک بہت بڑی جماعت نے بیان کیا ہے، اور ان کے واسطے سے بے شمار محدثین نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

علامہ ابن سبکی نے شرح مختصر ابن حاجب میں لکھا کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ شق قمر کی روایت متواتر اور اس کو بخاری و مسلم نیز دوسرے بہت سے ائمہ حدیث نے اتنے زیادہ طرق سے نقل کی ہے کہ اس میں کہیں سے بھی شک کا گزر نہیں ہے، علاوہ ازیں اس معجزہ کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت خود قرآن کریم ہے۔ چنانچہ تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق

واضح رہے کہ آیت کریمہ: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔ "قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا اور اگر یہ لوگ (کافر) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو روگردانی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔"

میں وہی شق القمر مراد ہے جو رسول اکرم ﷺ کے معجزہ کے طور پر واقع ہوا نہ کہ وہ انشقاق قمر مراد ہے جو قیامت کے دن واقع ہوگا، اس کی واضح دلیل خود آیت کے الفاظ "ان یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا الخ" ہیں۔

بہت سے بے دینوں اور فلسفیوں نے اس کا انکار کیا ہے، ان کے انکار کی بنیاد اس اعتقاد پر ہے کہ فلکیات میں خرق والتیام ممکن نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی فلکیات کا خالق اور قادر مطلق ہے، تمام فلک اس کی قدرت کے مسخر اور اس کے تابع ہیں، اس کائنات میں جو کچھ ہے، خواہ زمین ہو یا آسمان، چاند ہو یا سورج ان سب میں سے جس کو چاہے وہ توڑ پھوڑ کر ایک کر سکتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قیامت کے دن وہ آسمان کو اس طرح سے لپیٹ دے گا، جس طرح کہ کاغذ کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ فلکیات میں خرق والتیام کے محال کا نظریہ جو اس وقت بھی بہت سے فلاسفہ کے نزدیک محل نظر تھا، وہ تحقیق و تجربہ کے بعد اب بالکل باطل ہو چکا ہے۔ اس دور کے انسان نے چاند پر پہنچ کر شق القمر کے معجزہ کو زبردست قسم کی تائید پہنچائی ہے۔ لہٰذا خرق والتیام کی بحث اٹھا کر اس معجزہ کے خلاف دلیل قائم کرنا بالکل ہی بے معنی بات ہوگئی ہے۔

منکرین صداقت ایک اور اعتراض کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ چاند میں اتنا زبردست تغیر ہو جانا کہ وہ ٹکڑوں میں بٹ گیا کوئی معمولی بات نہیں تھی اگر حقیقت میں ایسا تھا تو اس کا مشاہدہ صرف اہل مکہ تک محدود نہ رہتا بلکہ اس کرشمہ کو تمام اہل زمین دیکھتے اور بلا تفریق مذہب و ملت تمام مورخین تواتر کے ساتھ اس کا تذکرہ کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس معجزہ کا وقوع کچھ خاص لوگوں کے مطالبہ پر تھا اور

انہیں کو یہ کرشمہ دکھانا اور ان کو لاجواب کرنا مقصود تھا۔ علاوہ ازیں یہ رات کے وقت کا واقعہ ہے جو ایک لمحہ کے لئے تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے میں جب کہ اکثر لوگ محوِ خواب ہوں گے اس لمحاتی کرشمہ کا عام مشاہدہ کیسے ممکن تھا۔

دوسرے یہ کہ اختلافِ مطالع کی بنا پر یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ چاند ایک ہی وقت میں ایک ہی مطلع پر دنیا کے تمام خطوں میں نظر آئے اس لئے معجزہ کے وقوع کے وقت کا چاند دنیا کے تمام خطوں میں سے کچھ کو نظر آیا اور کچھ کو نہیں، جیسا کہ جب چاند گرہن ہوتا ہے تو اس وقت کچھ خطوں میں نظر آتا ہے اور کچھ خطوں میں نظر نہیں آتا ہے۔

علاوہ ازیں بعض روایتوں میں آتا ہے اس دن عرب کے باہر کے جو لوگ مکہ مکرمہ یا اس کے قریبی علاقوں میں آئے ہوئے تھے انہوں نے اپنے شہروں اور علاقے میں پہنچ کر اس واقعہ کی اطلاع دی۔

جہاں تک تاریخ میں اس عجیب و غریب واقعہ (شق قمر) کے ذکر کا تعلق ہے، تو اسلامی تاریخ و سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر تواتر کے ساتھ موجود ہی ہے، گو اسلام مخالف اور دین بیزار لوگ اسے انکار کریں۔ لیکن اسلامی تاریخ کے علاوہ بعض قوموں کے تذکرہ اور احوال میں بھی اس واقعہ کا ذکر ملتا ہے، جیسے ہندوستان کے علاقہ ملیبار یا مالوہ کے شہر دھار کے راجہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ تو صرف اس واقعہ کے مشاہدہ یا تصدیق کی وجہ ہی سے مشرف با اسلام ہو گئے تھے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید)

(۳) ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے الفاظ ہیں ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”گواہ رہو۔“ (جامع ترمذی)

(۴) ایک دوسری جگہ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: اہل مکہ نے رسول اکرم ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو چاند مکہ میں دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس پر یہ آیت اتری: اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ. قیامت آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔

(۵) شق القمر کی جو روایت حضرت جبیر بن مطعمؓ سے مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ معجزہ شق القمر کو دیکھ کر کفار نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو تمام آدمیوں پر تو وہ جادو نہیں کر سکتے ہیں۔ (مسند احمد حنبل)

واقعہ شق القمر کے بارے میں تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ قبل از ہجرت (۹ ھ نبوت میں) حضور ﷺ ایک رات کی کمہ میں منیٰ کے مقام پر تھے کہ روسائے قریش ابو جہل ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ اگر تم سچے ہو تو چاند کے دو ٹکڑے کر دو۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "اگر میں ایسا کر دوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟" انہوں نے کہا ہاں ایمان لے آئیں گے۔ حضور ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ یہ بات ہو جائے، چنانچہ فوراً چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ نے وہاں پر موجود صحابہ کرام کو فرمایا کہ گواہ رہو۔ پھر حضور ﷺ نے باآواز بلند ایک ایک مشرک کا نام لے کر فرمایا اے فلاں، اے فلاں، گواہ رہو۔

ان لوگوں نے بھی اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے اور کوہ حرا ان دونوں کے درمیان تھا کفار میں سے کچھ نے کہا کہ یہ محمد (ﷺ) کا جادو ہے۔ دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا گیا ہے تو دنیا میں اور لوگ بھی ہیں ان پر تو جادو نہیں کیا گیا۔ مسافروں کو دوسرے مقامات سے آنے دو ان سے پوچھو کہ انہیں بھی چاند کے دو ٹکڑے نظر آئے ہیں۔ جب باہر کے مقامات سے مسافر مکہ میں وارد ہوئے تو انہوں نے بھی شق قمر کی تصدیق کی، روسائے قریش کے دلوں پر تالے پڑ چکے تھے، وہ اس پر بھی دولت ایمان سے محروم رہے۔ اور ایمان نہ لائے۔

مخالفین اسلام معجزہ شق القمر پر اعتراض کرتے ہیں کہ دنیا کے دوسرے ممالک کی تواریخ میں اس قدر اہم واقعہ کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ علمائے اسلام نے اس اعتراض کا مسکت جواب دیا ہے کہ ایک ملک کے واقعہ کا دوسرے ممالک کی تواریخ میں درج نہ ہونا، اس واقعہ کے سرے سے انکار کر دینے کے لئے محکم دلیل نہیں ہے۔ ہندوؤں کی رامائن اور

مہا بھارت کے قصوں کا ایک لفظ بھی کسی دوسرے ملک کی تاریخ میں نہیں پایا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے محیر العقول معجزات کا ذکر ان کے معاصر رومی مورخین نے مطلق نہیں کیا تو کیا ان سب کا سرے سے ہی انکار کر دیا جائے؟!

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ یہ معجزہ کافی رات گئے واقع ہوا تھا۔ اور تھوڑی دیر رہا۔ دنیا کے تمام مقامات پر وقت یکساں نہیں ہوتا اور نہ ہی موسم ایک جیسا ہوتا ہے، کسی جگہ دن ہوتا ہے تو کسی جگہ رات ہوتی ہے، کہیں شام ہوتی ہے تو کہیں صبح، کسی جگہ چاندنی ہوتی ہے تو کسی جگہ گھپ اندھیرا، کہیں ابر ہوتا ہے تو کہیں آندھی ہوتی ہے، اور پھر ہر شخص کی نگاہ آسمان پر نہیں ہوتی۔ اس لئے دوسرے ممالک کی تاریخوں میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے تو اس سے اس کا عدم وقوع کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔

شاہ رفیع محدث دہلویؒ نے ایک رسالہ "دفع اعتراضات معجزہ شق القمر" لکھا ہے، اس میں نہایت محکم دلائل کے ساتھ منکرین شق القمر کے اعتراضات کا رد کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے سیرت نگاروں نے بھی نہایت ہی شرح و بسط کے ساتھ مخالفین کے شبہات کے جواب دیئے ہیں۔

اور علاوہ ازیں معجزہ شق القمر سے متعلق علامہ شبلی نعمانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ "سیرت النبیؐ" میں اپنے انداز میں اس واقعہ کو کچھ اس طرح سے تحریر کرتے ہیں۔ لیجئے آپ بھی پڑھئے:۔

پیغمبر کی صداقت کی گواہی کائنات کا ذرہ ذرہ دیتا ہے، آسمان اور زمین، چاند اور سورج ہر چیز اس کی صداقت کا ثبوت بن جاتی ہے، انجیل (متی ۲-۲) میں ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت ایک نیا ستارہ طلوع ہوا اور جب انہوں نے وفات پائی تو تین گھنٹے کے لئے تمام دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔ (متی ۲۷-۴۵) قرب قیامت کی ایک نشانی یہ بھی تھی کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔

یہ نشانی جناب رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک پر پوری اتری اور قرآن مجید نے

فرمایا ہے کہ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۔ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔ قیامت نزدیک آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا ہے، اور اگر کافر کوئی سا بھی نشان دیکھیں تو اس سے اعراض ہی کریں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے۔ جو سدا سے ہوتا ہوا آیا ہے۔

بعض عقل پرست مسلمانوں نے قربِ قیامت کی مناسبت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے رسول اکرم ﷺ کے عہد میں شق قمر کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ یہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے، لیکن اس حالت میں اول تو بے قرینہ ماضی (چاند پھٹ گیا) کو مستقبل (چاند پھٹ جائے گا) کے معنی میں لینا پڑے گا۔

دوسرے یہ کہ اگر قیامت کا واقعہ ہوتا تو اس کے بعد یہ کیوں ہوتا کہ "یہ کافر اگر کوئی سی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور یہ کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو آیا ہے۔" قیامت سامنے آ جانے کے بعد اس کے انکار کے کیا معنی اور اس کو مستمر جادو کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ مستند اور صحیح روایات کی کیونکر تردید کی جا سکتی ہے۔

اس شق القمر کا واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند ابن حنبل، مسند طیالسی، مستدرک حاکم، دلائل بیہقی اور دلائل ابو نعیم میں بہ تصریح تمام مذکور ہے کہ صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، جبیرؓ بن مطعم، علیؓ بن ابی طالب اور حذیفہؓ بن یمان وغیرہ نے اس واقعہ کی روایت کی ہے۔ ان میں سب سے صحیح اور مستند تر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے جو صحیح بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مروی ہے، وہ اس واقعہ کے وقت موقع پر موجود تھے اور اس معجزہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں کہ انشق القمر ونحن مع النبی ﷺ بمنی فقال اشهدوا وذهبت فرقة نحو الجبل ۔ (بخاری، مسلم، صحیح مسلم) ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو۔

صحیحین میں اس کی دوسری روایت یہ ہے۔ انشق القمر علی عهد رسول الله ﷺ فرقتين فرقة فوق الجبل وفرقة دونه فقال رسول الله ﷺ اشهدوا (صحیح بخاری، مسلم)

"رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا تو پہاڑ کے اوپر رہا اور دوسرا اس کے نیچے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا گواہ رہو۔"

حضرت انس بن مالک کی یہ روایت بخاری، مسلم دونوں میں ہے۔ اهل مكة سالوا رسول الله ﷺ ان يريهم آية فاراهم القمر شقتين حتى راوا حراء بينهما. "اہل مکہ نے رسول اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ رسول اکرم ﷺ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کو چاند کے (دو) ٹکڑے دکھائے۔ ایک ٹکڑا حرا کے اس طرف تھا دوسرا اس طرف۔"

صحیح مسلم میں ہے۔ ان اهل مكة سالوا النبی ﷺ ان يريهم آية فاراهم انشق القمر فرقتين "اہل مکہ نے رسول اکرم ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو رسول اکرم ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے ہوتے کو دکھایا۔"

جامع ترمذی میں ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ سال اهل مكة النبی ﷺ آية فانشق القمر بمكة فرقتين فنزلت: اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ. اہل مکہ نے رسول اکرم ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو چاند مکہ میں دو ٹکڑے ہو گیا اس پر یہ آیت اتری۔ قیامت آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔

جامع ترمذی اور مسند ابن حنبل میں جبیر بن مطعم کی جو روایت ہے، اس میں ہے کہ اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا ہے دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو تمام آدمیوں پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ مسند ابو داؤد طیالسی اور بیہقی میں ہے کہ انہوں (کافروں) نے کہا کہ محمد (ﷺ) تمام دنیا پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ مسافروں کو اور مقامات سے آنے دو دیکھو وہ کیا کہتے ہیں؟ چنانچہ جب ادھر ادھر کے مقامات سے مسافر آئے اور ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی اپنا یہی مشاہدہ بیان کیا۔ بہر حال یہ معجزہ شق القمر رات کے وقت مکہ میں بمقام منیٰ میں واقع ہوا۔

عقلی حیثیت سے یہ معجزہ زمانہ قدیم سے معرکۃ الآراء رہا ہے، علمائے متکلمین نے

فلسفۂ قدیم کے اصول پر اس میں خوب خوب موشگافیاں کی ہیں، مثلاً فلاسفہ کا یہ اعتقاد تھا کہ اجرامِ فلکی میں خرق و التیام اور شکست و ریخت محال ہے، اس لیے شق قمر ناممکن ہے۔ متکلمین نے ثابت کیا کہ اجرامِ فلکی میں خرق و التیام اور شکست و ریخت ممکن ہے۔ مگر اب جدید طبیعیات و ہیئت نے ہماری معلومات کے آسمان و زمین کو بدل دیا ہے، یہ مباحث بے سود و بیکار ہیں۔ اب تو ہر روز نئے نئے ستاروں کے شکست و ریخت اور تصادم کے حادثے سنے جارہے ہیں اور ہیئت جدید اور علم تکوین میں تو زمین، سورج اور ستاروں کے آغاز آفرینش کی داستان ہی اس باب سے شروع ہوتی ہے۔

اس سے دوسرے درجہ پر ایک اور قدیم اعتراض و جواب کتابوں میں لکھا چلا آتا ہے۔ اور ہمارے مسیحی ناظرین نے اس کو نئے آب و رنگ سے شہرت دی ہے اور وہ یہ کہ اگر معجزہ شق القمر در حقیقت واقع ہوتا تو یہ صرف اہل مکہ ہی کو نظر نہ آتا بلکہ اس کو تمام دنیا دیکھتی، اور اس کی روایتیں مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتیں، لیکن بجز مکہ کے اور ملکوں میں اس واقعہ (معجزہ شق القمر) کا چرچا نہیں ہوا اور تمام قدیم اہل نجوم و ہیئت و تاریخ اس کی روایت سے خاموش ہیں۔

لوگوں نے اس شبہ کے یہ جوابات دیئے ہیں کہ اولاً ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ واقعہ (معجزہ شق القمر) دوسرے ملک کے لوگوں کو نظر نہیں آیا تم اس کے ثبوت میں کہو گے کہ اگر نظر آتا تو اس ملک کے اہل تاریخ اس واقعہ (شق القمر) کا ذکر کرتے، حالانکہ کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ملک کا مشہور واقعہ جو دوسرے ملک کی معاصر تاریخوں میں مذکور نہ ہو صرف اس کا یہ عدم ذکر کیا اس کے انکار کی سند ہو سکتا ہے، اور اگر ایسا ہے تو ہندوؤں کے مہابھارت کا تم انکار کر سکتے ہو۔ حضرت مسیح کے تمام معجزات بلکہ واقعات زندگی تک کا انکار کر سکتے ہو کہ شام و مصر کے معاصر رومی مورخوں نے ایسے عجیب و غریب واقعات کا ایک حرف بھی قلم بند نہیں کیا۔ اس کے برخلاف اوپر کی روایتوں میں بیان کیا جا چکا ہے کہ

عرب وشام سے آنے والے مسافروں نے یہ بیان کیا کہ انہوں چاند کے دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا۔

فلکی حیثیت سے جو اعتراض کیا جاتا ہے اہل ہیئت جو اجرام فلکی کے ایک ایک واقعہ کو قلم بند کرتے آئے ہیں، انہوں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ رات کے وقت ظاہر ہوا تھا اور اس وقت دنیا کا بڑا حصہ خواب راحت میں مصروف تھا۔ جو لوگ بیدار بھی ہوں گے وہ اپنے دوسرے مشاغل میں مصروف ہوں گے۔

جنہوں نے دیکھا بھی ہو، ان میں کتنا بڑا حصہ ان کا ہوگا جو اپنے مشاہدات کو تحریری صورت میں لانے پر قادر تھے اور اگر ان میں چند لکھے پڑھے ارباب ہیئت اور اصحاب تاریخ تھے تو ضروری نہیں کہ انہوں نے اپنے مشاہدہ کا تذکرہ بھی کیا ہو یا تذکرہ کیا تو ان کی یادداشت مثل دوسری سینکڑوں علمی یادداشتوں کے ضائع ہوگئی ہو آغاز آفرینش سے اب تک اجرام فلکی میں لاکھوں انقلابات پیش آئے ہوں گے۔

لیکن کیا وہ سب کے سب دنیا کے اوراق ہیئت میں درج ہیں؟ اور ان کا درج نہ ہونا ان کے عدم وقوع کی دلیل ہے؟ مختلف مذاہب کی کتابوں میں اس قسم کے حوادث فلکی کا ذکر ہے لیکن علم ہیئت وفلک اس کے ذکر سے خاموش ہے، لیکن یہ خاموشی اس کے عدم وقوع پر شہادت ہے؟

خود تمہاری انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت ایک ستارہ ثبوت طلوع ہوا جو کہ یورپ کے لوگوں نے دیکھا اور پھر انجیل میں بھی یہ مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰ کو سولی دی گئی تو تمام دنیا دفعۃً تاریک ہوگئی، لیکن کیا ہیئت وافلاک کی کتابوں میں ان انقلاب سماوی کا تذکرہ موجود ہے۔

حوادث فلکی کے حدوث اور وقوع میں بڑی چیز یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مطالع اور مغارب پر موقوف ہے اور ہر جگہ کے مطالع ومغارب دوسری جگہ سے نہایت مختلف ہیں، بالخصوص قمر کے مطالع میں تو اور بھی سخت اختلاف ہے ایک جگہ چاند ڈوبتا ہے دوسری جگہ نکلتا

ہے ایک جگہ چاندنی ہے، دوسری جگہ اندھیرا ہوتا ہے، ایک جگہ چاند کو گرہن لگتا ہے اور دوسرے مقام کے لوگوں کو وہ نظر تک نہیں آتا۔ اس لئے اگر تمام دنیا نے اس معجزہ شق القمر کو نہیں دیکھا تو یہ شق قمر کی نفی کی دلیل نہیں ہے۔

چنانچہ دنیا کی مختلف ہاتھ قوموں نے اپنی اپنی کتابوں میں مختلف حوادث فلکی کا ذکر کیا ہے لیکن اس واقعہ کو ایک سے بڑے شدومد سے بیان کیا ہے اس کی معاصر قوموں کی کتابیں اس کی شہادت سے قطعاً خالی ہیں۔ محض کتابی خاموشی اس کے عدم وقوع کی سند ہو سکتی ہے؟ علاوہ اور وجوہ کے اس خاموشی اور اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ تمام دنیا کا ایک مطلع نہیں ہے اس لئے ایک جگہ نظر آتی ہے دوسری جگہ نہیں آتی۔ بعض متکلمین نے جن میں ایک شاہ ولی اللہ صاحب بھی ہیں لکھا ہے اور امام غزالی کا بھی اشارہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا۔

چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ ان اهل مكة سألوا النبي ﷺ ان يريهم اية فاراهم انشق القمر فرقتين "یعنی اہل مکہ نے رسول اکرم ﷺ سے نشانی طلب کی تو رسول اکرم ﷺ نے چاند دو ٹکڑے دکھایا۔" ہم ان تمام پیچ راستوں سے گزر کر صرف ایک ہی بات کہہ دینا چاہتے ہیں کہ شق القمر اہل مکہ کی طلب پر آیت الٰہی تھی، یعنی ان منکروں کو ان کی خواہش کے مطابق نبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی تھی۔

احادیث میں ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں گے یا خدا نے ان کی آنکھوں میں ایسا تصرف کر دیا ہو کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا جو خدا انسانوں کی آنکھوں میں خلاف عادت تصرف سکتا ہے وہ خود چاند میں بھی خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے۔ پھر چونکہ اللہ نے یہ نشانی اہل مکہ کے لئے ظاہر کی تھی اور ان ہی کے لئے یہ آیۂ نبوت تھی اس لئے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور روایت کی حاجت نہ تھی۔

اس بنا پر بالفرض اگر دنیا کے دوسرے حصوں میں شق القمر مشاہدہ نہ ہوا تو حیرت اور تعجب کی بات نہیں، بلکہ اہل مکہ کے علاوہ اور لوگوں کو دوسرے شہروں اور ملکوں میں اس کا نظر

شاید یہی مصلحت الٰہی ہے کہ اگر یہ عام طور سے دوسرے اقطاع عالم کے لوگوں کو بھی نظر آتا تو یہ سمجھا جاسکتا کہ یہ آسمان کے طبعی انقلاب میں سے کوئی تھا، جیسا کہ سینکڑوں قسم کے تغیرات اس سے پہلے ہوچکے ہیں۔

جیسا کہ فلکیات اور علم بدء خلق (کسموگرفی نیچرل ہسٹری) میں مذکور ہیں۔ لیکن جب اہل مکہ کے علاوہ جو شخص مکہ میں تھے یا باہر قافلے میں تھے صرف ان ہی کو نظر آیا تو اس بات کی صاف اور صریح دلیل ہے کہ یہ صرف جناب رسول اکرم ﷺ کے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا تھا۔ "وللہ الحمد"۔

([illegible] سیرت النبی ﷺ)

معجزہ شق القمر کے متعلق بے دینوں کے اعتراضات کا جواب

بے دینوں نے اس معجزے پر دو اعتراض کئے ہیں ایک یہ کہ آسمان اور ستاروں میں خرق والتیام محال ہے پھر چاند کیسے پھٹ گیا اور دوسرا یہ کہ اگر یہ امر واقع ہوتا تو اور اقالیم کے لوگ بھی دیکھتے اور اپنی تواریخ میں نقل کرتے سو یہ دونوں اعتراض بے ہودہ ہیں اعتراض اول کا یہ جواب ہے کہ:۔ موافق اہل اسلام کے آسمان اور ستاروں میں خرق اور التیام ہرگز محال نہیں قیامت میں آسمان اور ستارے سب پاش پاش ہوجاویں گے چنانچہ نصوص قطعیہ آیات قرآنی واحادیث نبوی اس باب میں بے شمار وارد ہیں اور موافق قواعد حکومت کے بھی یہ بات باطل ہے حکمائے انگلستان نے جو فیثا غوث کی ہیئت کی کمال تشریح اور ترویج کی ہے صاف ثابت کیا ہے کہ سب ستارے کثیف مثل زمین کے ہیں اور سب قابل خون و فساد اور خرق والتیام کے ہیں اور حکمائے مشائین نے جن کا مذہب امتناع خرق والتیام فلکیات ہے۔

کوئی دلیل اس بات پر قائم نہیں کی کہ سب افلاک اور کواکب میں خرق والتیام نہیں ہوسکتا بلکہ صرف فلک الافلاک کی امتناع خرق والتیام پر دلیل کہ ان کے اصول سے سرو پا پر مبنی ہے قائم کی ہے چنانچہ صدر شیرازی نے شرح ہدایت الحکمت میں دو جگہ یہ بات ذکر کی ہے پس چاند کا امتناع خرق موافق مذہب مشائین کے بھی ثابت نہیں۔

اور دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غلط ہے کہ سارے اقالیم والوں نے نہیں دیکھا اور نقل نہیں کیا، بعد وقوع میں کافران قریش نے اہل اقالیم سے جو حال شق القمر کا دریافت کیا تو سبھی نے مشاہدہ اس کا بیان کیا۔ چنانچہ کتب معتبرہ احادیث میں مذکور اور تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ملیبار کے ایک راجہ نے مسلمانوں کی زبانی قصہ شق القمر کو سنا اور اپنے برہمنوں سے ان سالوں کے حالات میں کہ جو زمانہ رسول اکرم ﷺ کا تھا اس قصے کو تلاش کرایا سو برہمنوں نے کتابوں میں دیکھ کر اس کی تصدیق کی اور راجہ مسلمان ہو گیا اور سوانح عمری میں بھی لکھا ہے کہ شہر دھار کے متصل دریائے چنبل صوبہ مالوہ میں واقع ہے۔ وہاں کا راجہ اپنے محل کی چھت پر بیٹھا تھا یکبارگی اس نے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور پھر مل گیا۔

اس نے اپنے ہاں کے پنڈتوں سے استفسار کیا انہوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک پیغمبر پیدا ہوں گے ان کے ہاتھ پر معجزہ شق القمر ظاہر ہوگا۔ چنانچہ راجہ نے ایک ایلچی رسول اکرم ﷺ کے حضور میں بھیجا اور ایمان لایا اور رسول اکرم ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا اور قبر اس راجہ کی اس شہر کے باہر اب تک زیارت گاہ ہے۔ مولانا رفیع الدین صاحب نے اپنے رسالہ "شق القمر" میں بھی اس قصے کو تاریخ فضلی سے نقل کیا ہے اور اس راجہ کا نام راجہ بھوج لکھا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ بوقت شب بہت رات گئے واقع ہوا تھا اور تھوڑی دیر تک ٹھہرا تھا یہاں تک کہ حاضرین نے اسے بخوبی مشاہدہ کر لیا کچھ پھر نہیں ٹھہرا تھا اور عادت لوگوں کی رات میں یہ ہے کہ مسقف مکان میں بیٹھتے ہیں وہ ہر شخص کی نگاہ آسمان پر نہیں ہوتی اور مانند خسوف اور کسوف کے پہلے سے اس امر کا انتظار بھی نہیں تھا کہ لوگ خیال رکھتے اور دیکھا کرتے اور بہت سی جگہ پر چاند اس وقت تک موافق قاعدہ ہیئت کے نکلا بھی نہیں ہوگا یعنی اس وقت تک وہاں پر دن ہوگا اور بہت سے شہروں میں اس وقت چاند ابر میں اور برف میں چھپا ہوگا۔ پس اگر اہل اقالیم کا اس معجزے کو نہ دیکھنا اور اپنی کتابوں میں نقل نہ کرنا موجب تکذیب اس معجزے کا نہیں ہو سکتا۔ تورات میں لکھا ہے کہ حضرت یوشع

کے لئے آفتاب ٹھہرایا گیا اس قصے کو بھی کسی اہلِ تاریخ نے نقل نہیں کیا حالانکہ وہ معاملہ دن کا تھا پس جس طرح اس کی نقل نہ کرنے سے اس کی تکذیب لازم نہیں آتی اسی طرح معجزۂ شق القمر کو اگر اہلِ تواریخ نے نقل نہیں کیا تو اس سے تکذیب اس معجزے کی لازم نہیں آتی۔

شقِ قمر سے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب

سوال…… ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب جو مسجد کے امام بھی ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ شقِ قمر والا جو معجزہ نبی پاک ﷺ سے ظاہر ہوا تھا وہ صحیح نہیں ہے اور نہ ہی اس کا ثبوت ہے براہِ کرم اس کے متعلق صحیح احادیث لکھ دیں تاکہ ان کی تسلی ہو۔

جواب…… شقِ قمر کا معجزہ صحیح احادیث میں حضرت ابنِ مسعود، حضرت ابنِ عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت حذیفہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہم سے مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: انشق القمر علی رسول اللہ ﷺ فرقتین فرقة فوق الجبل ودونه فقال رسول اللہ ﷺ اشھدوا۔ (صحیح بخاری ج:۲ ص:[illegible]، صحیح مسلم ج:۲ ص:[illegible]، ترمذی ج:۲ ص:[illegible]) ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا، ایک ٹکڑا پہاڑ سے اوپر تھا اور ایک پہاڑ سے نیچے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: گواہ رہو۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: انشق القمر فی زمان النبی ﷺ۔ (صحیح بخاری ج:۲ ص:[illegible]، صحیح مسلم ج:۲ ص:[illegible]، ترمذی ج:۲ ص:[illegible]) ترجمہ: "آنحضرت ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ان اھل مکة سألوا رسول اللہ ﷺ ان یریھم آیة فاراھم انشقاق القمر مرتین۔ (صحیح بخاری ج:۲ ص:[illegible]، صحیح مسلم ج:۲ ص:[illegible]، ترمذی ج:۲ ص:[illegible])

ترجمہ…… "اہلِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ کوئی معجزہ دکھائیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ دکھایا۔"

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: انشق القمر علی عھد رسول

افلقتین) فقال رسول اللہ ﷺ اشہدوا (متفق علیہ) ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو۔"

انشق القمر علی عہد رسول اللہ ﷺ حتی صار فرقتین علی ھذا الجبل وعلی ھذا الجبل، فقالوا سحرنا محمد، فقال بعضھم سحرنا فما یستطیع ان یسحر الناس کلھم. ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا، یہاں تک کہ ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر تھا، اور ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر، مشرکین نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا، اس پر ان میں سے بعض نے کہا کہ اگر اس نے ہم پر جادو کر دیا ہے تو سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتا (اس لئے باہر کے لوگوں سے معلوم کیا جائے چنانچہ انہوں نے باہر سے آنے والوں سے تحقیق کی تو انہوں نے بھی تصدیق کی)۔"

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ (ج:۳ ص:۱۱۹) میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی نقل کی ہے، اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (ج:۷ ص:۲۳۳) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں: "قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا ہمارے نبی ﷺ کے اہم ترین معجزات میں سے ہے، اور اس کو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، علاوہ ازیں آیت کریمہ ﴿اقتربت الساعۃ وانشق القمر﴾ کا ظاہر و سیاق بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔" "زجاج کہتے ہیں کہ بعض اہل بدعت نے، جو مخالفین ملت کے مشابہ ہیں، اس کا انکار کیا ہے، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو اندھا کر دیا ہے، ورنہ عقل کو اس میں مجال انکار نہیں۔" (نووی شرح مسلم ج:۲)

(از آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد اول)

فائدہ...... مولانا رفیع الدینؒ صاحب کا ایک رسالہ ہے دفع الاعتراضات معجزہ شق القمر اس میں بہت شرح و بسط سے شبہات منکرین کو دفع کیا ہے اور ہم نے جس قدر بیان کیا ہے یہ بھی کافی ہے۔

فائدہ...... یہ جو مشہور ہے کہ چاند کا ایک ٹکڑا زمین پر آیا اور رسول اکرم ﷺ کے گریبان میں گھس کر آستین میں ہو کر نکل گیا یہ محض بے اصل ہے اکابر محدثین نے تصریح کی ہے کہ یہ بات کسی سند سے ثابت نہیں صحیح اس قدر ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور دونوں ٹکڑے علیحدہ بہت فرق سے ہو گئے کہ ان کے درمیان میں جبل حرا نظر آتا تھا۔

(معجزات رسول اکرم ﷺ)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

* * *

خصوصیت نمبر۸۲

رسول اکرم ﷺ کو قیامت کے دن شفاعت کا حق دیا جائے گا

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے بیاسی نمبر خصوصیت آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کو قیامت کے دن شفاعت کا حق دیا جائے گا" بحمدللہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس خصوصیت کو بھی میں نے عین آقا ﷺ کے روضہ اقدس کے نیچے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے، بے شک یہ میرے لئے بہت بڑی سعادت کی بات ہے کہ صاحب خصوصیت ﷺ میری نظروں کے سامنے موجود مقدس روضہ مبارک میں آرام فرما ہیں اور میں انکے قدموں کے تھوڑی فاصلے پر بیٹھ کر لکھ رہا ہوں، اور اللہ کی وسیع رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ اگر روز قیامت میری کشتی میری خطاؤں کی بدولت ڈولنے لگی، تو میرے اللہ کے حکم سے میرے آقا ﷺ کی شفاعت ہی میری ڈولتی کشتی کو سہارا دینے کا سبب بنے گی انشاءاللہ۔

بہرحال محترم قارئین! ذیل میں رسول اکرم ﷺ کی جو عظیم خصوصیت پیش کی جارہی ہے اسے ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہمارے آقا ﷺ کی عظیم اور اعلیٰ خصوصیت ہے کہ قیامت کے دن جب نفسا نفسی کا عالم ہوگا اور ہر انسان پریشان ہوگا، کوئی کسی کے کچھ کام نہ آسکے گا، حدیث شریف کے مطابق حتی کہ انبیاء کرام بھی کسی کے کچھ کام نہیں آسکیں گے یعنی لوگ مختلف انبیاء کرام کے پاس جائیں گے لیکن ہر نبی یہی کہے گا کہ آج کے دن میں کچھ نہیں کرسکتا یہاں تک سب لوگ مل کر ہمارے حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے کہ کم از کم قلبکال حساب وکتاب ہی شروع ہوجائے، چنانچہ پھر اللہ رب العالمین کی جانب سے صرف اور

صرف ہمارے نبی ﷺ کو ہی شفاعت کا حق دیا جائے گا تو معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کی اس عظیم خصوصیت میں بھی کوئی شریک نہیں جس کی تفصیل آپ آنے والے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، دعا گو ہوں کہ یا خداوند قدوس اپنے فضل سے میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما آمین یارب العالمین۔

بیاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

شفاعت شفع سے ہے۔ شفع کے معنی ہیں ایک شے کو دوسرے شے کے ساتھ جو اسی کی جنس سے ہو شامل کر دینا، اکثر اوقات کسی اعلیٰ مرتبت شخص کا کسی ادنیٰ کے ساتھ مل کر کوئی کام سرانجام دینے کے معنی میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔

مسئلہ شفاعت کفار عرب میں بھی مسلم تھا اور یہود وعیسائیوں میں بھی تسلیم کیا جاتا تھا، کفار، یہود و عیسائی یہ سمجھتے تھے کہ شفیع اپنی عزت ووقار اور ذاتی اقتدار واختیار سے جسے چاہے اسے اللہ کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے، شفیع ان سب کو جو اس کے ہو کر رہیں نجات اخروی و دنیوی عطا فرما سکتا ہے، ان عقیدہ والوں کو اللہ کی ہستی اور اس کی قدرت کا انکار نہ تھا، لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ الٰہی اقتدار ان اشخاص کو بھی حاصل ہے جو ان کے شفیع ہیں، لہٰذا شفیع کی عبادت کرنا اللہ کی عبادت سے مستغنی کر دیتا ہے، شفیع کی رضامندی اللہ کی رضامندی سے مقدم تر ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر غضب ناک بھی ہو اور اس کا شفیع زبردست ہو تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچا لے گا، لیکن اگر شفیع غضب ناک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس شفیع کو بندہ پر مہربان نہ کر سکے گا، اسی عقیدہ کو کسی پنجابی شاعر نے اپنے شعر میں یوں کہا ہے ۔

ہر روٹھے گورو ملیں ہی، گورو روٹھے ہر ناہ   ہر روٹھے تب ٹھوڑ ہے، گورو روٹھے نہ ٹھوڑ

خدا روٹھ جائے تب پناہ کی جگہ باقی رہتی ہے مگر مرشد کے روٹھ جانے سے کوئی جائے پناہ نہیں ملتی، خدا اگر روٹھ جائیگا تب مرشد ملا دے گا، لیکن اگر مرشد روٹھ جائے تب خدا نہیں ملا سکتا۔ اللہ نے انہی لوگوں کے متعلق فرمایا ہے: وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔ یہ لوگ اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ فائدہ کرسکتے ہیں یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ تو ہماری شفاعت کرنے والے ہیں اللہ کے پاس۔ انہی لوگوں کے حق میں دوسرے مقام پر فرمایا وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۔ جن لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اولیاء بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قرب میں لے جائیں گے۔

عیسائی حضرت عیسیٰ کو اپنا شفیع بناتے ہیں اور پھر اسی کو خداوند (مثل خدا) کہتے اسی کو دعا اور مناجاتوں میں پکارتے اسی سے مرادیں مانگتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تخت پر اس کے دہنے ہاتھ جا بیٹھا ہے جو کوئی اسے پکارتا اس سے مدد مانگتا اسے اپنا کارساز جانتا ہے اس کو مسیح خود ہی اپنے باپ خدا سے بچالیتا اور بخشوا لیتا ہے۔

قرآن مجید نے اول تو کافروں اور عیسائیوں وغیرہ کے اس عقیدہ کا بطلان فرمایا اور اس کے رد و بطلان کے لیے مختلف اسلوب کے ساتھ کلام الٰہی نازل ہوا اور پھر شفاعت کبریٰ کا اثبات فرمایا اور اس اثبات کو دو اصول پر منحصر کر رکھا ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ”کون ہے وہ ایسا جو اللہ کے پاس اس کے اذن کے بغیر شفاعت کر سکے۔“ فرمایا يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ ”اس دن سب فرشتے اور جبریل صف باندھے کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بولے گا مگر وہی ایک جس کو اذن ملے گا۔“ اصول اولین سے ثابت ہوا کہ اذن الٰہی کا قبل از شفاعت حاصل ہونا ضروری ہے وَقَالَ صَوَابًا ”اور وہ شفیع ٹھیک ٹھیک بات کہے گا۔“ یہ اصول دوم ہے کہ شفیع نہایت صادق، راست باز، پوری پوری بات کہنے والا ہوگا۔ آیت مَنْ اَذِنَ لَهُ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ شفیع صرف ایک ہوگا۔

ہمارا ایمان ہے اور یہ ایمان قرآن و حدیث کے اخبار پر مبنی ہے کہ وہ شفیع سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ”تیرا رب تجھے

مقام محمود پر ضرور کھڑا کرے گا۔" واضح رہے کہ مقام محمود ہی مقام شفاعت ہے کہ جب نبی ﷺ اس مقام پر فائز ہوں گے تو جملہ اولین و آخرین حضور کی حمد کریں گے۔ [illegible]

اس آیت کی تفسیر میں وہ حدیث صحیح موجود ہے جسے امام بخاری و امام مسلمؒ نے اپنی اپنی تفسیر میں بروایت انسؓ درج فرمایا کہ کہ "جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا تب ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی کہ ہم اگر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی کو شفاعت کے لیے پیش کریں (تو خوب ہے) تا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس جگہ سے نجات دے تب لوگ آدمؑ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آدمؑ ابوالبشر ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا، پھر جنت میں ٹھہرایا پھر فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے جملہ اسماء کی تعلیم آپ کو دی لہٰذا آپ ہماری شفاعت کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہاں سے نجات (راحت) دے۔ وہ کہیں گے کہ نہیں میں نہیں کر سکتا پھر وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کر کے کہیں گے کہ تم نوحؑ کے پاس جاؤ وہ پہلے رسول ہیں تب لوگ نوحؑ کے پاس جائیں گے تو نوحؑ کہیں گے نہیں میں نہیں، وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کریں گے اور فرمائیں گے تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے وہ کہیں گے نہیں، میں نہیں وہ بھی اپنی خطا کو یاد کریں گے، اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کریں گے، کہیں گے موسیٰ کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی کیا اور انہیں تورات بھی دی، وہ کہیں گے نہیں نہیں میں نہیں، وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے، اور حیاء کا، پھر کہیں گے، کہ عیسیٰؑ کے پاس جاؤ لوگ عیسیٰؑ کے پاس آئیں گے، وہ کہیں گے میں نہیں تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اگلا پچھلا۔ سب کچھ معاف کر دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تب لوگ میرے پاس آئیں گے تب میں اپنے رب سے اذن حاصل کروں گا، مجھے اذن دیا جائیگا، پھر جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر اللہ تعالیٰ مجھے دعا سکھائے گا وہ جو کچھ چاہے گا میری زبان سے بلائے گا،

تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا یا محمد ارفع رأسک قل تسمع سل تعط اشفع تشفع "اے محمد سر اٹھاؤ بولو تمہاری سنی جائے گی، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔"

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں سر اٹھاؤں گا، اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا وہ تحمید مجھے اللہ تعالیٰ ہی سکھلا دے گا، پھر میں شفاعت کروں گا، پھر میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی، میں اتنے لوگوں کو آگ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کر دوں گا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ تیسری دفعہ یا چوتھی دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں کہہ دوں گا کہ اے رب اب تو آگ میں وہی رہ گیا ہے جس کو قرآن نے روک رکھا ہے یعنی وہی جس پر خلود واجب ہے، بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے پھر یہ آیت عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً" پڑھی اور فرمایا کہ مقام محمود جس کا وعدہ اللہ نے تمہارے نبی سے کیا ہے وہ یہی مقام ہے۔

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ منصب شفاعت بہ تخصیص نبی ﷺ ہی کو عطا ہوا ہے، آدمؑ و نوحؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ بھی شفاعت کی جرأت نہ کریں گے اور بالآخر سب کے نزدیک حضورؐ ہی اس منصب علیا اور شفاعت کبریٰ کے اہل ثابت ہوں گے۔ لوگوں کا حضور ﷺ سے پہلے دیگر انبیائے اولوالعزم کی خدمت میں جانے سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ کسی شخص کو یہ شبہ باقی نہ رہے کہ اگر ہم محمد ﷺ کے سوا کسی دوسرے کے پاس جاتے تو ممکن تھا کہ وہ بھی شفاعت کر ہی دیتے، اب جب ہر جگہ سے صاف جواب مل جائے گا تو سب کو یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ منصب شفاعت میں کوئی نبی، کوئی مرسل کوئی اولوالعزم بھی حضورؐ کا سہیم و شریک نہیں اور یہی امر حضور ﷺ کی خصوصیت خاصہ کا مظہر ہے۔

شفاعت کے متعلق احادیث میں تشریح

محشر میں پیش آنے والے جن واقعات کی اطلاع احادیث میں صراحت کے ساتھ

دی گئی ہے اور جن پر ایک مومن کو یقین لانا ضروری ہے، ان میں ایک رسول اکرم ﷺ کی شفاعت بھی ہے، شفاعت کے متعلق حدیثیں اتنی کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ سب ملا کر تواتر کی حد کو پہنچ جاتی ہیں۔

پھر شفاعت کی ان حدیثوں کے مجموعے سے سمجھ کر شارحین نے لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی شفاعت کئی قسم کی ہوگی، اور بار بار ہوگی، سب سے پہلے جب کہ سارے اہل محشر اللہ کے جلال سے سراسیمہ اور خوف زدہ ہوں گے اور کسی کو لب ہلانے کی جرأت نہیں ہوگی، اور آدم سے لے کر عیسیٰ تک تمام اولو العزم پیغمبر بھی "نفسی نفسی" کے عالم میں ہوں گے اور کسی کے لئے شفاعت کی جرأت نہ کرسکیں گے۔

تو اس وقت اہل محشر کی درخواست پر، اور ان کی تکلیف سے متاثر ہوکر رسول اکرم ﷺ نیازمندی اور حسن ادب کے ساتھ (جو رسول اکرم ﷺ کے شایان شان ہے) بارگاہ رب العزت میں اہل محشر کے لئے سفارش کریں گے، کہ ان کو اس فکر اور بے چینی کی حالت سے نجات دی جائے، اور ان کا حساب کتاب اور فیصلہ فرمادیا جائے۔

بارگاہ جلالت میں اس دن یہ سب سے پہلی شفاعت ہوگی، اور یہ شفاعت صرف جناب رسول اکرم ﷺ ہی فرمائیں گے۔ اس کے بعد ہی حساب اور فیصلہ کا کام شروع ہوجائے گا، یہ شفاعت جیسا کہ عرض کیا گیا عام اہل محشر کے لئے ہوگی، اسی لئے اس کو "شفاعتِ عظمیٰ" بھی کہتے ہیں۔

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ اپنی امت کے مختلف درجے کے گنہگاروں کے حق بارے میں جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے سزاوار ہوں گے، یا جو جہنم میں ڈالے جاچکے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ ان کو معاف کردیا جائے، اور ان کو جہنم سے نکالنے کی اجازت دے دی جائے۔

جناب رسول اکرم ﷺ کی یہ شفاعت بھی قبول ہوگی، اور اس کی وجہ سے خطاکار امتیوں کی بہت تعداد جہنم سے نکالی جائے گی، اس کے علاوہ کچھ صالحین امت کے لئے

رسول اکرم ﷺ ان کی بھی شفاعت کریں گے کہ ان کے لئے بغیر حساب کے داخلہ جنت کا حکم دے دیا جائے۔ اسی طرح اپنے بہت سے امتیوں کے حق میں رسول اکرم ﷺ ترقی درجات کی بھی اللہ تعالیٰ سے استدعا کریں گے۔ حدیثوں میں شفاعت کے ان تمام اقسام اور واقعات کی تفصیل وارد ہوئی ہے۔

پھر احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ذریعہ شفاعت کا دروازہ کھل جانے کے بعد انبیاء علیہم السلام، ملائکہ عظام، اور اللہ کے دوسرے صالح اور مقرب بندے بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل ایمان کے حق میں سفارشیں کریں گے، یہاں تک کہ کم عمر میں فوت ہونے والے اہل ایمان کے معصوم بچے بھی اپنے ماں باپ کے لئے سفارش کریں گے، اور یہ سفارشیں بھی قبول فرمائی جائیں گی، اور بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی جن کی نجات اور بخشش ان ہی سفارشوں کے بہانے ہوگی۔

شفاعت کے معنی

"شفاعت" کا مطلب ہے "گناہوں کی معافی کی سفارش کرنا"

چنانچہ رسول اکرم ﷺ قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں گناہ گار اور مجرم بندوں کے گناہوں اور جرموں کے معاف کئے جانے کی درخواست پیش کریں گے اس لئے عام طور پر "شفاعت" کا لفظ اسی مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ویسے "شفاعت" کا لفظ شفع سے نکلا ہے، جس کے اصل معنی جوڑا (جفت) کرنے کی چیز کو کسی چیز کے ساتھ ملانے کے ہیں، وتر (بمعنی طاق) کے مقابلے پر شفع (بمعنی جفت) کا جو لفظ آتا ہے وہ اسی معنی کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح زمین یا مکان میں ہمسائیگی کی وجہ سے جو حق خرید حاصل ہوتا ہے اس کو بھی "شفعہ" اسی معنی کی مناسبت سے کہا جاتا ہے پس "شفاعت" میں بھی یہ معنی اسی اعتبار سے موجود ہیں کہ "شفاعت" کرنے والا جرم و گناہ کرنے والے کی معافی کی درخواست

پیش کرتا گویا خود کو اس مجرم و گناہگار کے ساتھ ملاتا ہے۔

شفاعت کی قسمیں

جن لوگوں نے اس دنیا میں کبیرہ اور صغیرہ گناہ کئے ہوں گے ان کے حق میں جناب رسول اکرم ﷺ کی شفاعت کا قبول ہونا، اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ واضح رہے کہ "شفاعت" کی مختلف نوعیتیں ہوں گی۔ اور وہ تمام نوعیتیں جناب رسول اکرم ﷺ کی ذات کے لئے ثابت ہیں۔

چنانچہ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جو صرف رسول اکرم ﷺ کی ذات سے مخصوص ہوں گی اور بعض ایسی ہیں جن میں دوسروں کے ساتھ مشارکت ہوگی لیکن شفاعت کا دروازہ چونکہ سب سے پہلے حضور ﷺ ہی کھولیں گے اس لئے حقیقت میں تمام شفاعتیں لوٹ کر حضور ﷺ ہی کی طرف منسوب ہوں گی اور علی الاطلاق تمام شفاعتوں کے والی حضور ﷺ ہی ہیں۔

شفاعت کی پہلی قسم

"شفاعت" کی سب سے پہلی قسم "شفاعت عظمیٰ" ہے اور یہ وہ شفاعت ہے جو تمام مخلوق میں ہوگی، اور یہ "شفاعت" کرنے کا شرف صرف ہمارے رسول اکرم ﷺ کو حاصل ہوگا۔ انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین سے کسی کو اس "شفاعت" کی مجال و جرأت نہیں ہوگی۔ اور اس "شفاعت عظمیٰ" سے مراد ہے تمام میدان حشر کے لوگوں کو راحت دینے، وقوف کی طوالت و شدت کو ختم کرنے، حساب کتاب اور پروردگار کے آخری فیصلے کو ظاہر کرنے اور تمام لوگوں کو محشر کی ہولناکیوں، شدتوں اور سختیوں سے چھٹکارا دینے کی سفارش کرنا اس کی تفصیل احادیث سے معلوم ہوگی۔

شفاعت کی دوسری قسم

"شفاعت" کی دوسری قسم وہ ہے جس کے ذریعہ ایک طبقہ کو حساب کتاب کے بغیر

جنت میں پہنچانا مقصود ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ کی ذات کے لئے اس شفاعت کا ثبوت بھی منقول ہے، بلکہ بعض حضرات کے نزدیک یہ شفاعت بھی جناب رسول اکرم ﷺ ہی کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔

شفاعت کی تیسری قسم

"شفاعت" کی تیسری قسم وہ ہے جس کی مدد سے ان لوگوں کو جنت میں پہنچانا مقصود ہوگا جن کے نامۂ اعمال میں ثواب اور گناہ مساوی طور پر ہوں گے۔

شفاعت کی چوتھی قسم

"شفاعت" کی چوتھی قسم وہ ہے جس کے ذریعہ ان لوگوں کو جنت میں پہنچانا مقصود ہوگا، جو اپنے گناہ اور جرائم کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ کے مستوجب قرار پائیں گے۔ چنانچہ جناب رسول اکرم ﷺ ان لوگوں کے حق میں "شفاعت" کریں گے، اور ان کو جنت میں داخل کرائیں گے۔

شفاعت کی پانچویں قسم

"شفاعت" کی پانچویں قسم وہ ہے جس کے ذریعہ کچھ لوگوں کے درجات، و مراتب اور ان کے اعزاز و اکرام میں ترقی اور اضافہ کرنا مقصود ہوگا۔

شفاعت کی چھٹی قسم

"شفاعت" کی چھٹی قسم وہ ہے جو ان گناہ گاروں کے حق میں ہوگی، جنہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا، اور وہ اس "شفاعت" کے بعد وہاں سے نکال کر جنت میں پہنچائے جائیں گے۔ اس شفاعت کا حق مشترک ہوگا یعنی رسول اکرم ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء، ملائکہ، علماء اور شہداء بھی اپنے اپنے طور پر اور اپنے اپنے لوگوں کے لئے یہ شفاعت کریں گے۔

شفاعت کی ساتویں قسم

"شفاعت" کی ساتویں قسم وہ ہے جس کے ذریعے ان لوگوں کے عذاب میں

تخفیف کرنا مقصود ہوگا، جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب دوزخ کے مستوجب قرار دے جاچکے ہوں گے۔

شفاعت کی آٹھویں قسم

"شفاعت" کی آٹھویں قسم وہ ہے جو صرف اہل مدینہ کے حق میں ہوگی۔

شفاعت کی نویں قسم

"شفاعت" کی نویں قسم وہ ہے جو امتیاز و اختصاص کے طور پر صرف ان لوگوں کے حق میں کی جائے گی۔ جنہوں نے جناب رسول اکرم ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہوگا۔

شفاعت کے مواقع و محل

علماء نے کہا ہے کہ شفاعت کے متعدد مواقع ہوں گے، شفاعت کا سب سے پہلا موقع تو وہ ہوگا جب لوگوں کو درگاہ رب العزت میں پیش کرنے کے لئے میدان محشر میں لاکر کھڑا کر دیا جائے گا۔ اس وقت لوگ خوف و خجالت کے پسینے میں غرق ہوں گے، ہر ایک پر ہیبت و دہشت چھائی ہوئی ہوگی، ہر شخص مواخذہ عذاب کے خوف سے کانپ رہا ہوگا اس وقت رسول اکرم ﷺ شفاعت کریں گے۔

تاکہ لوگوں کو کچھ اطمینان و راحت مل جائے اور وہ بیٹھ کر دم لے سکیں پھر جب درگاہ رب العزت سے حکم ہوگا کہ ان سب کو لے جایا جائے اور حساب لیا جائے تو اس موقع پر بھی رسول اکرم ﷺ درخواست کریں گے کہ ان کو حساب سے مستثنیٰ قرار دیا جائے اور یوں ہی معاف فرما دیا جائے، اور اگر سب کا حساب ضروری لیا جانا ہو تو سرسری حساب پر اکتفا کر لیا جائے، حساب میں سختی و شدت اور باز پرس نہ کی جائے۔ کیونکہ جو بھی سخت حساب سے دوچار ہوگا وہ اس کا عذاب سے بچنا ممکن ہی نہیں ہوگا۔ پھر حساب کے بعد جو لوگ مستوجب عذاب قرار پائیں گے ان کو دوزخ میں بھیجا جائے گا تو یہ موقع بھی شفاعت کا ہوگا تاکہ ان کو

دوزخ میں بھیج دیا جائے گا تو رسول اکرم ﷺ شفاعت کریں گے اور ان کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں پہنچائیں گے۔ غرضیکہ ان ہولناک مواقع پر شروع سے لے کر آخر تک رسول اکرم ﷺ کی شفاعت اور غفار و کریم پروردگار کی رحمت و عنایت سے عفو و کرم کی کچھ امید رکھنی چاہئے۔ ویسے کچھ بھی فیصلہ صادر ہو۔

مگر ملحوظ رہے کہ یہ سب شفاعتیں اللہ کے اذن سے اور اس کی مرضی سے اور اجازت سے ہوں گی ورنہ کسی نبی اور کسی فرشتہ کی بھی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی ایک آدمی کو بھی دوزخ سے نکال سکے، یا اس کا اذن اور ایماء پائے بغیر کسی کے حق میں سفارش کے لئے زبان کھول سکے۔ قرآن پاک میں ہے مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (بقرہ) "کون ہے جو اس کی بارگاہ میں بغیر اس کی اجازت کے کسی کی سفارش کر سکے۔" دوسرے موقع پر فرمایا: وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ (انبیاء) "اور وہ نہیں سفارش کر سکیں گے مگر صرف اس کے جس کے لئے اس کی رضا ہو۔"

بلکہ علماء کرام نے جیسا کہ فرمایا ہے، شفاعت دراصل شفاعت کرنے والوں کی عظمت و مقبولیت کے اظہار کے لئے اور ان کے اکرام و اعزاز کے واسطے ہوگی، ورنہ حق تعالیٰ کے کاموں اور اس کے فیصلوں میں دخل دینے کی کسے مجال ہے؟ "يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ" اس کی شان ہے۔

اس تمہید کے بعد ذیل میں باب "شفاعت" کی کچھ احادیث پیش کی جا رہی ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

قیامت کے دن انبیاء کا شفاعت سے انکار اور آپ ﷺ کی شفاعت کا قبول ہونا

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میدان حشر میں مومنین کو روک دیا جائے گا۔ یعنی سب کو کسی ایک جگہ اس طرح محصور کر دیا جائے گا کہ کوئی شخص بھی کسی طرح کی نقل و حرکت نہیں کر سکے گا اور ہر شخص سکتے کی سی کیفیت میں ٹھہرا رہے گا۔ یہاں تک کہ سارے لوگ اس محصور ہونے کی وجہ سے سخت فکر و تردد میں پڑ جائیں

گے، پھر وہ آپس میں تذکرہ کریں گے، کہ کاش ہمیں کوئی ایسا شخص مل جاتا جو ہمارے پروردگار سے شفاعت کرتا اور ہمیں اس تنگی و پریشانی سے چھٹکارا دلاتا اور پھر کچھ لوگ سب کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت آدمؑ کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے کہ: "اے ابو البشر! آپ ہی وہ شخص ہیں، جنہیں خدا تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا ہے، فرشتوں سے سجدہ کروایا ہے، جنت میں سکونت عطا فرمائی ہے اور آپ ہی وہ شخص ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو شانیں دی ہیں تو ہماری سفارش کر دیجئے۔ تاکہ باری تعالیٰ ہمیں ان مصائب سے نجات نصیب فرمائے۔" آدمؑ فرمائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اس قدر غضب میں ہیں کہ ایسا کبھی بھی نہ تھا اور نہ آئندہ ایسے غضب ناک ہوں گے۔ چونکہ مجھ سے ایک زبردست غلطی ہوئی ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا "باوجود روکنے کے میں نے گندم کا دانا کھایا تھا۔ تو میں بھی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرتا ہوں۔" سچی بات تو یہ ہے کہ مجھ میں "شفاعت" کی طاقت نہیں ہے۔ تو میرا مشورہ یہ ہے کہ تم حضرت نوحؑ کے پاس جاؤ، اس لئے کہ وہ پہلے پیغمبر ہیں جنہیں سارے انسانوں کے طوفانِ نوح میں غرق ہونے کے بعد سب سے پہلے انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔

لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور نوح علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ: "اے نوحؑ! آپ ہی وہ پیغمبر ہیں، جنہیں سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں "انه كان عبدا شكورا" فرما کر اپنا شکر گزار بندہ ہونے کا لقب عطا فرمایا ہے۔ آپ ہماری حالت زار کو دیکھ کر ہماری "شفاعت" فرما دیجئے۔" حضرت نوحؑ فرمائیں گے کہ: "آج اللہ تعالیٰ اتنے غصے میں ہیں کہ ایسا کبھی نہ تھا اور مجھ سے تو ایک غلطی ہو گئی ہے کہ میں نے ادب کا لحاظ نہ رکھا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے نافرمان بیٹے کی سفارش کر دی کہ وہ غرق نہ ہو۔ میرا منہ نہیں ہے کہ میں شفارش کر سکوں۔

سیدنا نوحؑ نے اپنے بیٹے کی کی سفارش کی تھی، قرآن کریم نے اسے اس انداز میں بیان کیا ہے: وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ (سورۂ ہود) اس مشکل گھڑی میں نوحؑ نے اپنے خدا کو پکارا کہ میرا بیٹا بھی تو میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ جو میرے اہل کو طوفان سے بچانے کی نسبت ہے سچا ہے اور اس کا فیصلہ تو بہتر کر سکتا ہے۔" خدا نے نوحؑ کو جواب دیا کہ "وہ تیرے اہل میں سے ہرگز نہیں ہے وہ برے اعمال کر چکا ہے۔ تو مجھ سے ایسی بات کا سوال نہ کرنا جس کا تجھے علم نہیں ہے، میں تجھے اس لئے سمجھاتا ہوں کہ جاہل لوگوں کی طرح سے رشتہ کی محبت میں آکر کہیں تو خدا سے دور نہ جا پڑے" یعنی خدا کو تیری نیکی کے سوا اور کسی رشتے کی پرواہ نہیں ہے۔ یہ عذر کر کے حضرت نوحؑ سب لوگوں کو حضرات ابراہیمؑ کے پاس جانے کا مشورہ دیں گے۔ چنانچہ وہ فرمائیں گے کہ تم سیدنا حضرت ابراہیمؑ کے پاس جاؤ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل بنایا ہے۔ سورۂ نساء میں ہے: وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا

وہ لوگ آپ کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: اے ابراہیم خدا تعالیٰ نے آپ کو خلیل کا خطاب عطا فرمایا ہے اور آگ کو آپ کے واسطے ٹھنڈی اور سلامتی والا کر دیا۔ فرمایا: ﴿قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ﴾ (سورۂ انبیاء)

اور پیغمبروں کا امام بنایا آپ ہمارے لئے سفارش کر دیجئے، تاکہ ان تکلیفوں سے رہائی مل جائے۔ حضرت ابراہیمؑ فرمائیں گے: پہلی بات یہ ہے کہ آج اللہ تعالیٰ نہایت غصے میں ہیں اور اتنا پر جلال کبھی نہیں دیکھا گیا اور نہ کبھی ایسا ہوگا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ میں تین مرتبہ ایسی باتیں کر چکا ہوں کہ جس میں جھوٹ کا وہم ہو سکتا ہے۔ تو میں اس کی پکڑ سے ڈر رہا ہوں۔ اس لئے مجھ میں "شفاعت" کی ہمت نہیں ہے۔

وہ باتیں جن کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ ان کے بارے میں مجھے ڈر لگتا ہے کہیں میری پکڑ نہ ہو جائے۔ وہ آگے آ رہی ہیں اس حدیث کو منکرین حدیث نے اپنا نشانہ بنا کر حدیث مبارکہ کے تمام ذخائر کو غیر معتبر قرار دیا ہے حالانکہ ان

واقعات میں سے دو کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور منکرین حدیث قرآن کو ماننے کا اقرار کرتے ہیں تو جو تاویل ان دونوں آیتوں میں کرتے ہیں وہی اس واقعے میں ہوگی جس کا ذکر حدیث میں ہے اس کے علاوہ عرب لفظ کذب سے جھوٹ مراد نہیں لیتے بلکہ بظاہر خلاف واقعہ بات پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ معلومات کے لئے ان واقعات کی ہم وضاحت کرتے ہیں، لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔

پہلا واقعہ...... ایک مرتبہ ابراہیمؑ کی قوم نے عید والے دن عمدہ عمدہ کھانے پکائے اور اپنے بتوں کے سامنے رکھ دیئے۔ پھر بت خانے کے دروازوں کو بند کر کے بڑی شان وشوکت سے عید منانے کے لئے میدان میں چلے گئے۔ جاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی کہہ دیا کہ ہمارے ساتھ چلئے۔ آپ نے ستاروں کو دیکھ کر فرمایا: "میری طبیعت ناساز معلوم ہوتی ہے۔" یہ ایسا کلام ہے جس سے انہیں جھوٹ کا وہم ہوگا۔ قرآن کریم میں اس واقعہ کو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ۔ "تو انہوں نے ستاروں کی طرف دیکھا اور فرمایا میں بیمار ہوں۔"

شبہ کا جواب...... حضرت ابراہیمؑ نے اپنی شان نبوت کے پیش نظر اسے خلاف واقعہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ جھوٹ یہ بھی نہیں ہے کیونکہ ابراہیمؑ ان کی نظر میں بیمار ہی تھے کہ بت پرستی نہ کرنے والے کو وہ روحانی بیمار سمجھتے تھے۔

دوسرا واقعہ...... دوم یہ کہ جب قوم میدان مذکور میں چلی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑا ہاتھ میں لے کر بت خانے کا تالا کھولا اور اندر داخل ہو کر بتوں سے کہنے لگے کہ یہ لذیذ نعمتیں کیوں نہیں کھاتے؟ جب انہوں نے کوئی جواب نہ دیا تو فرمانے لگے "مجھ سے کیوں نہیں بولتے؟" فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ۔ جب اس پر بھی وہ خاموش رہے تو آپ نے تمام بتوں کو توڑ ڈالا مگر بڑے بت کو صرف ناک کان سے محروم کیا اور کلہاڑا اس کے کاندھے پر رکھ دیا اور دروازے کو بدستور تالا لگا کر گھر تشریف لے آئے۔ کفار جب میدان سے واپس آئے تو اس ماجرے کو دیکھ کر آگ بگولا ہو گئے اور اپنے

معبودوں کے ساتھ اس سلوک کو روا رکھنے والے شخص کے اس کام کو سرانجام دینے والے کی تلاش شروع کردی۔ قالوا من فعل ھذا بآلھتنا انہ لمن الظالمین. (سورۃ انبیاء)

ان میں سے بعض نے کہا سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم. (سورۃ انبیاء)

"ہم نے ایک نوجوان کو اس کا ذکر کرتے سنا ہے، اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔

ان کے سردار کہنے لگے فاتوا بہ علی اعین الناس لعلھم یشھدون (سورۃ انبیاء)

"تو اسے سارے لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیں۔

جب سیدنا ابراہیمؑ سب لوگوں کے سامنے تشریف لے آئے تو انہوں نے کہا ءانت فعلت ھذا بآلھتنا یا ابراھیم اے ابراہیمؑ! کیا بتوں کو توڑنے کا کام تو نے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا بل فعلہ کبیرھم ھذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون (سورۃ انبیاء) "نہیں بلکہ ان کے بڑے نے ہی ایسا کیا ہے۔ اگر یہ بات کر سکتے ہیں تو ان ہی سے پوچھ لیجئے؟" ذرا دیکھو تو سہی! اسی کے کاندھے پر تو کلہاڑا ہے، اس کو غصہ آیا اور اس نے چھوٹے بتوں کو توڑ ڈالا۔ (اس واقعہ پر جھوٹ کا شبہ پایا جاتا ہے)

شبہ کا جواب ..... شانِ نبوت کے لائق یہی تھا لیکن درحقیقت یہ جھوٹ نہ تھا الزامی جواب تھا کہ دوسرے سے ایسی بات کرنا کہ وہ لاجواب ہو جائے، چنانچہ کافروں نے لاجواب ہو کر کہہ دیا کہ ہمارے یہ بت بول نہیں سکتے اور پھر حضرت ابراہیمؑ نے سچ ہی تو کہا تھا "بل فعلہ کبیرھم" کہ ان سے بڑے نے کیا ہے۔ تو آپ بھی تو ان سے بڑے تھے۔

تیسرا واقعہ... سیدنا ابراہیمؑ اپنے چچا کے پاس "حران" تشریف لے گئے۔ چچا کی بیٹی سیدہ سارہ سے نکاح ہوا۔ حسب معمول دین ابراہیمی کی دعوت دی۔ بتوں کی مخالفت سسرال کو برداشت نہ ہوئی تو ابراہیمؑ کے مخالف ہو گئے۔ ادھر آپ نے اللہ کے حکم سے مصر کا ارادہ فرمالیا۔ مصر کے پاس سے گزرے معلوم ہوا کہ یہاں ایک ظالم بادشاہ ہے، جو ہر خوبصورت عورت کو چھین لیتا ہے اس کے شوہر کو قتل کر دیتا ہے، کوئی اور وارث ہو تو اسے دولت وغیرہ دے کر عورت کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ

بادشاہ کے کارندے وہاں آپہنچے اور سیدنا ابراہیمؑ سے سوالات کرنے لگے۔ سپاہیوں نے کہا: "یہ عورت تیری کیا لگتی ہے؟" سیدنا ابراہیم نے جرأت سے جواب دیا: "یہ میری بہن ہے۔" کیونکہ سارہؓ آپ کے چچا کی طرف سے آپ کی بہن تھیں۔ ادھر حفظ ماتقدم کے طور پر انہیں بھی سمجھا دیا کہ کوئی پوچھے تو میرے متعلق یہی کہنا ہے کہ "یہ میرا بھائی ہے۔"

(یہاں پر جھوٹ کا شبہ بنایا جاتا ہے)

شبہ کا جواب...... قرآنی اصول کے مطابق سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جھوٹ نہیں بولا تھا۔ کیونکہ قرآن حکیم میں ہے: "انما المؤمنون اخوۃ" سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

بہر حال سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اس قول پر بھی خلاف واقعہ ہونے کا شبہ تھا۔ مکمل واقعہ اس طرح ہے کہ ظالم بادشاہ کے سپاہی حضرت سارہؓ کو لے کر محل سرا کی طرف چلے اور بادشاہ کے محل میں جا پہنچے۔ ادھر حق تعالیٰ نے اپنے خلیل کی تسلی کا سامان یہ کیا کہ ان کے اور سارہؓ کے درمیان جتنے پردے تھے وہ ہٹتے جا رہے تھے، ان کی آنکھوں سے ایک لمحہ بھی سارہؓ اوجھل نہ ہوئی۔ چنانچہ بادشاہ محل میں آیا، تین مرتبہ ہاتھ بڑھایا، ہر مرتبہ ہاتھ بیکار ہو گیا، آخر سیدہ سارہؓ سے معافی اور دعا کی درخواست کی اور اللہ کے قہر سے نجات پائی، اپنی خفت مٹانے کے لئے سپاہیوں سے کہا "اسے بعافیت اسی مرد کے پاس چھوڑ آؤ، یہ عورت جادوگر معلوم ہوتی ہے۔" خلیل اللہ اس واقعہ کی وجہ سے اس شہر سے دل برداشتہ ہو چکے تھے، سارہؓ کو لے کے شام روانہ ہو گئے اور وہیں رہنے لگے۔ (یہ تین واقعات جن کی طرف ابراہیم نسبت کریں گے، اور سفارش سے معذرت کریں گے۔)

حضرت ابراہیمؑ کے کہنے پر سب لوگ سیدنا موسیٰؑ کی خدمت میں حاضری دیں گے اور عرض کریں گے: "اے موسیٰ! آپ ہی وہ عظیم شخصیت ہیں جن سے اللہ نے بغیر واسطے کے کلام فرمایا ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے تورات لکھ کر دی ہے، ہو سکے تو آج ہماری سفارش کر دیجئے۔ حضرت موسیٰؑ سب کو مخاطب ہو کر فرمائیں گے: "آج

اللہ تعالیٰ بڑے غصہ میں ہیں کہ شاید کبھی اتنے غضبناک نہ ہوئے ہوں۔ میرے ہاتھ سے ایک قبطی شخص قتل ہو چکا ہے مجھے ڈر ہے، کہ کہیں میرا اللہ مجھے اس کی پاداش میں نہ پکڑ لے۔ یہ واقعہ بیسویں پارے میں آیت "وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ" سے "فَوَكَزَهُ مُوسَى" تک ہے۔ اور وہ مشورہ دیں گے کہ تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے جو خدا کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ سراسر روحانی ہیں۔ کہ جسمانی مادہ کے بغیر محض خدا کی قدرت سے پیدا ہوئے تھے اور دوسروں کی جسمانی حیات کا سبب بنے تھے، بایں طور کہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ اور وہ اللہ کا کلمہ ہیں کہ ایک کلمہ کن سے پیدا ہوئے تھے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "وہ لوگ یہ سن کر حضرت عیسیٰ کے پاس آئیں گے اور ان سے شفاعت کے لئے کہیں گے۔ حضرت عیسیٰ جواب دیں گے: میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں، البتہ تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خدا کے ایسے بندے ہیں جن کے اگلے پچھلے سارے گناہ خدا نے بخش دیئے ہیں یقیناً وہی تم لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تب لوگ شفاعت کی درخواست لے کر میرے پاس آئیں گے اور میں ان کی "شفاعت" کے لئے تیار ہو جاؤں گا، اور اس مقصد کی خاطر دربار رب العزت پہنچ کر اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے اپنی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے۔ میں جب اس کے حضور میں پہنچ کر دیکھوں گا تو اس کی ہیبت وخوف کے مارے اور اس کی تعظیم کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جتنا عرصہ مناسب سمجھیں گے اتنے عرصے کے لئے مجھے سجدہ میں پڑے رہنے دیں گے۔" پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: "محمد! سر اٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو تمہاری بات سنی جائے گی تم جس کے حق میں چاہو، شفاعت کرو تمہاری "شفاعت" قبول کی جائے گی، اور جو چاہتے ہو مانگو، میں تمہیں دوں گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ سن کر میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد و تعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھائیں گے اس کی حمد و ثنا بیان کروں گا، پھر میں "شفاعت" کروں گا اور

میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی، اس کے بعد میں درگاہ رب العزت سے باہر آ جاؤں گا اور اس (متعینہ) جماعت کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کراؤں گا پھر دوسری جماعت کے حق میں "شفاعت" کرنے کے لئے میں دوبارہ رب العزت پر حاضر ہو کر اس کی خدمت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا مجھے اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور جب میں اس کے حضور میں پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہیں گے مجھے سجدہ میں پڑے رہنے دیں گے۔ "پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے" "محمد! اپنا سر اٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو تمہاری بات سنی جائے گی، "شفاعت" کرو میں قبول کروں گا، اور مانگو میں دوں گا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "(یہ سن کر) میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد و تعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا اس کی حمد و تعریف بیان کروں گا، پھر میں "شفاعت" کروں گا اور میرے لئے "شفاعت" کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی، اس کے بعد میں (درگاہ رب العزت سے) باہر آؤں گا اور اس (متعینہ) جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کرواؤں گا، اور پھر تیسری مرتبہ درگاہ رب العزت پر حاضر ہو کر اس کی خدمت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا۔ مجھے اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور جب میں پروردگار کے حضور پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہیں گے مجھے سجدہ میں پڑا رہنے دیں گے۔ "پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "محمد! اپنا سر اٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو تمہاری بات سنی جائے گی، "شفاعت" کرو میں قبول کروں گا، اور مانگو میں دوں گا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ سن کر میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد و تعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائیں گے اس کی حمد و تعریف بیان کروں گا، پھر میں "شفاعت" کروں گا اور میرے لئے "شفاعت" کی ایک حد مقرر کر دی جائے، اس کے بعد میں درگاہ رب العزت سے باہر آؤں گا اور اس (متعینہ) جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل

کرواؤں گا، یہاں تک کہ اس کے علاوہ اور باقی نہیں رہ جائے گا جن کو قرآن نے روکا ہوگا ۔ یعنی اس آخری "شفاعت" کے بعد دوزخ میں وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے بارے میں قرآن نے خبر دی ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

چنانچہ حدیث کے اس جملے کی وضاحت حضرت انسؓ کے نیچے کے راوی حضرت قتادہؓ نے جو جلیل القدر تابعی ہیں ان الفاظ میں کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بس وہ لوگ دوزخ میں باقی رہیں گے جو قرآن حکیم کے بموجب ہمیشہ کے لئے عذاب دوزخ کے مستوجب قرار پاچکے ہیں اور کفار ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے یا حضرت انسؓ یا حضرت قتادہؓ نے اس بات کو مستحکم کرنے کے لئے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ امید ہے کہ حضور ﷺ کا رب حضور ﷺ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔ اور پھر حضور ﷺ نے یا حضرت انسؓ نے یا حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ یہی وہ مقام محمود ہے جس کا وعدہ خدا نے حضور ﷺ سے کیا ہے۔ (بخاری مسلم)

اس حدیث کی بہترین تشریح صاحب مظاہر حق علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلویؒ نے اپنی کتاب میں کی ہے چونکہ یہ تشریح اجمالی جامع اور مانع ہے اس لئے مناسب ہے کہ نقل کر دیا جائے۔ لیجئے ملاحظہ فرمائیے:۔

حدیث کی تشریح

حدیث بالا میں میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ وہ پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا، چنانچہ اس عبارت کے سلسلہ میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تین نبی حضرت آدمؑ حضرت شیثؑ اور حضرت ادریسؑ دنیا میں آچکے تھے۔ تو حضرت نوحؑ دنیا والوں کی طرف پہلے نبی کیوں ہوئے؟ اس کا واضح جواب یہ ہے کہ پہلے تینوں نبی جب دنیا میں آئے تو تمام روئے زمین صرف اہل کفر کی آماجگاہ نہیں تھی بلکہ اس دنیا میں اہل ایمان بھی موجود تھے۔ اور گویا ان تینوں

نبیوں کے مخاطب اہلِ ایمان اور اہلِ کفر دونوں تھے۔

ان کے برخلاف جب حضرت نوحؑ دنیا میں آئے تو تمام روئے زمین پر صرف کافر تھے اہلِ ایمان کا وجود نہیں تھا، اس اعتبار سے حضرت نوحؑ دنیا میں آنے والے پہلے نبی تھے جن کا واسطہ صرف کافروں سے تھا۔ اس اشکال کے کچھ اور جواب بھی علما نے لکھے ہیں، لیکن وہ زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔ اس مقام پر ایک خاص نکتہ کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے، کہ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ جب تمام لوگ ابتدائی اور سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس اور پھر یکے بعد دیگرے ایک ایک نبی کے پاس جائیں گے یہاں تک کہ آخر میں ہمارے نبی جناب رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کریں گے اور رسول اکرم ﷺ ان کی درخواست کو قبول کر لیں گے۔ تو سوال یہ ہے کہ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوگا کہ وہی ان کے دلوں میں کسی "شفاعت" کرنے والے کے پاس جانے کا خیال ڈالے گا اور یہ خیال حضرت آدمؑ کے بارے میں ہوگا کہ وہی ان لوگوں کے دلوں میں رسول اکرم ﷺ کا خیال ڈال دے اور ایک ایک نبیوں کے پاس جانے کے بجائے صرف جناب رسول اکرم ﷺ ہی کی خدمت میں پہنچ جائیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس طولِ عمل میں اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی حکمت پوشیدہ ہوگی اور وہ یہ کہ رسول اکرم ﷺ کا سب سے افضل و برتر ہونا تمام مخلوق کے سامنے ظاہر ہو جائے، اگر یہ نہ ہو تو لوگ ابتدائی مرحلہ ہی میں رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچ کر "شفاعت" کی بات کریں اور رسول اکرم ﷺ ان کی "شفاعت" کر دیں تو یہ احتمال باقی رہے گا کہ دوسرے بھی "شفاعت" کی جرأت رکھتے ہوں گے، اگر کسی اور نبی سے بھی "شفاعت" کی درخواست کی جاتی تو وہ بھی شفاعت کر دیتا۔ لیکن جب وہ لوگ ایک ایک نبی کے پاس جا کر ان سے "شفاعت" کی درخواست کریں گے اور ہر ایک "شفاعت" سے انکار کر دے گا اور پھر آخر میں آپ ﷺ سے درخواست کی جائے گی جس کو آپ ﷺ قبول کر کے ان کا مقصد پورا کر دیں گے تو رسول اکرم ﷺ کا سب سے عالی مرتبہ ہونا اور بارگاہِ کبریائی میں کمال قرب رکھنا واضح

طور پر ثابت ہو جائے گا، اور ہر ایک پر یہ عیاں ہو جائے گا کہ جناب رسول اکرم ﷺ کے مرتبہ اور درجہ کا کوئی اور نبی نہیں ہے۔ پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہمارے نبی رسول اکرم ﷺ تمام مخلوق حتیٰ کہ انسانوں فرشتوں اور تمام انبیاء تک پر فضیلت رکھتے ہیں کیوں کہ "شفاعت" جو اتنا بڑا درجہ اور اتنا اہم کام ہے کہ کوئی بھی خواہ وہ فرشتہ یا پیغمبر ہی کیوں نہ ہو اس کی جرأت و حوصلہ نہیں کرے گا جو صرف اور صرف رسول اکرم ﷺ کریں گے۔

حضرت نوحؑ نے اپنی لغزش کا ذکر کیا اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کو مسلسل جھٹلانے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی سزا میں دنیا والوں پر پانی کا عذاب ہوا اور تمام روئے زمین پر ہلاکت خیز پانی ہی پانی پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت نوحؑ اپنے گھر والوں اور اپنے ماننے والوں کی ایک مختصر تعداد کو لے کر ایک کشتی میں بیٹھ گئے تاکہ وہ سب طوفانی سیلاب کی ہلاکت خیزی سے محفوظ رہیں۔ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو کافروں کے ساتھ تھا، بلایا اور کہا کہ تم کافروں کا ساتھ چھوڑ دو اب بھی ایمان لے آؤ اور میرے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ، مگر ان کا وہ بیٹا نہ مانا اور آخر کار دوسرے تمام لوگوں کے ساتھ وہ بھی غرق ہو گیا۔ اس موقع پر حضرت نوحؑ نے اپنے اس بیٹے کے حق میں غرقابی سے نجات کی دعا مانگی تھی اور بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا تھا کہ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ وَ اِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَقُّ وَاَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِيۡنَ. "اے میرے پروردگار! میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، اس کو نجات دے دے بیشک آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور آپ احکم الحاکمین ہیں۔" اللہ تعالیٰ سے حضرت نوحؑ کی یہ درخواست چوں کہ ایک ایسا امر تھا جس کو انہوں نے جانے بوجھے بغیر ظاہر کیا تھا اور اس بات کی تحقیق نہیں کی تھی کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا مانگنی چاہیے یا نہیں؟ اس لیے ان پر بارگاہ خداوندی سے عتاب نازل ہوا کہ نوح ہم سے وہ چیز نہ مانگو جس کی حقیقت کا تمہیں علم نہیں ہے اور جس کے بارے میں تم نہیں جانتے کہ وہ چیز مانگنی چاہیے یا نہیں۔

اور حضرت ابراہیمؑ دنیا میں تین مرتبہ جھوٹ بولنے کا ذکر کریں گے۔ حضرت

ابراہیمؑ اپنی جن تین باتوں کو "جھوٹ" سے تعبیر کریں گے حقیقت میں ان پر جھوٹ کا اطلاق نہیں ہو سکتا، گو ظاہری حیثیت کے اعتبار سے وہ جھوٹ کی صورت رکھتی ہوں، لیکن انبیاء جس عالی مرتبہ کے ہوتے ہیں اور ان کا جو سب سے اونچا مقام ہوتا ہے اس کے پیش نظر ان کی اس طرح کی باتوں کو بھی جو ان کے مقام سے فروتر ہوں، بارگاہ رب العزت میں نظر انداز نہیں کیا جاتا، اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ: حسنات الابرار سیئات المقربین. بعض باتیں نیکوں کے حق میں تو نیکیاں ہوتی ہیں لیکن مقربین کے حق میں برائیاں ہوتی ہیں۔ رہی بات یہ کہ وہ تین باتیں کیا تھیں جن کو حضرت ابراہیمؑ "جھوٹ" کے طور پر اپنی لغزش بتائیں گے تو ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ ایک دن حضرت ابراہیمؑ کی قوم اپنے کسی میلے میں تماشہ دیکھنے آبادی سے باہر جانے لگی تو ابراہیمؑ نے ارادہ کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گا اور جب یہ سب لوگ چلے جائیں گے تو ان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ان کے بت توڑ دوں گا۔ جن کو یہ پوجتے ہیں اور میری بار بار کی تنبیہ کے باوجود بت پرستی سے باز نہیں آتے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگوں کو جانا ہو تو جاؤ میں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا، کیوں کہ میں بیمار ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ دیکھنے میں ظاہری طور پر بیمار نہیں تھے، اور ان کا یہ کہنا کہ "میں بیمار ہوں۔" بظاہر جھوٹ سمجھا جا سکتا ہے، لیکن اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ان کی یہ بات "جھوٹ" میں شمار نہیں ہو سکتی کیونکہ جب انہوں نے یہ بات کہی تھی تو یہ مراد رکھ کر کہی تھی کہ تمہارے کفر و شرک اور تمہاری غلط حرکتوں نے میرے دل کو دکھی کر دیا ہے اور میں تمہارے غم میں اندرونی طور پر بیمار ہوں۔ دوسری بات یہ کہ قوم کے لوگوں کے میلے میں چلے جانے کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے ان کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا اور جب ان لوگوں نے واپس آ کر دیکھا کہ آپؑ نے بتوں کو توڑ دیا ہے۔ تو انہوں نے جو جواب دیا تو ان کا یہ جواب بھی اپنی ظاہری حیثیت میں ایک جھوٹ نظر آتا ہے، لیکن یہاں بھی یہی صورت حال ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات اس مراد کے ساتھ کہی تھی کہ یہ جو بڑا بت ہے یہ تمہاری عبادت و تعظیم کے لئے ایک ممتاز و منفرد حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اس کا [illegible] بات کا

باعث بنا کہ میں دوسرے چھوٹے بتوں کو توڑ دوں یا اس بات سے حضرت ابراہیمؑ کا اس سے مقصد ان لوگوں کا مذاق اڑانا اور ان کو شرمندہ کرنا تھا کہ جس بت کو تم سب سے بڑا مانتے ہو اور سب سے زیادہ اس کی عبادت کرتے ہو اس کی لاچاری اور بے وقعتی کا یہ عالم ہے، کہ اس کے ساتھی بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا گیا مگر وہ کسی بت کو بچا نہ سکا ایسی صورت میں کیا یہ بت تمہاری پرستش کا مستحق ہو سکتا ہے؟ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص تو بہت زیادہ خوشخط ہو اور اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص بہت زیادہ بدخط ہو، اور وہ بدخط شخص خوشخط شخص کی کسی لکھی ہوئی تحریر کو دیکھ کر کہے کہ کیا یہ تحریر تم نے لکھی ہے اور خوشخط شخص اس کے جواب میں کہے کہ جی نہیں، یہ تو تم نے لکھی ہے کہ اس جواب کے ذریعہ وہ یہی واضح کرتا ہے کہ تم تو ایسی اچھی تحریر نہیں لکھ سکتے، پھر یہاں میرے علاوہ اور کون لکھنے والا ہو سکتا ہے؟ تیسری بات یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بیوی یعنی حضرت سارہؓ کو ایک بدکار کافر کے ہاتھ سے بچانے کے لئے کہا تھا کہ یہ عورت میری بہن ہے یہ بات بھی بظاہر ”جھوٹ“ کے دائرہ میں آتی ہے، لیکن اگر اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ ایک مومن کی مومنہ بیوی بہرحال اس کی دینی بہن ہوتی ہے، اور یہ بات کہنے سے حضرت ابراہیمؑ کی مراد بھی یہی تھی کہ یہ میری دینی بہن ہے، تو اس میں جھوٹ کا اطلاق کیسے ہو سکتا ہے، ویسے یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت سارہؓ حضرت ابراہیمؑ کی چچا زاد بہن تھی، اس اعتبار سے بھی ان کا حضرت سارہؓ کو بہن کہہ دینا کوئی ”جھوٹ“ نہیں تھا۔

اب لوگ حضرت عیسیٰؑ کی طرف آئے، دوسرے انبیاء کے برخلاف حضرت عیسیٰؑ ”شفاعت“ کی درخواست لے کر آنے والوں کے سامنے اپنے کسی عذر کو بیان نہیں کریں گے، اور نہ اپنی کسی لغزش کا ذکر کریں گے، اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اس وقت اپنا عذر، بیان کرنے میں توقف شاید اس لئے کریں گے کہ وہ اس تہمت کی وجہ سے جو عیسائیوں کی طرف سے ان کو اللہ کا بیٹا کہے جانے کی صورت میں ان پر تھوپی گئی ہے، اس درجہ شرمندہ ہوں گے کہ وہ اپنی خاموشی ہی کو زبان حال سے عذر بنا لیں گے۔ ویسے بعض

روایتوں میں ان کے کچھ عذر نقل بھی کیے گئے ہیں۔

بہر حال اصل بات یہ ہے کہ "شفاعت" کا درجہ صرف ہمارے نبی رسول اکرم ﷺ کو حاصل ہوگا جو سید المرسلین اور امام النبیین ہیں تو آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء اور رسول "شفاعت" کے مقام پر کھڑا ہونے اور بارگاہ رب العزت میں "شفاعت" کرنے سے عاجز وقاصر ہیں، ان کو یہ بلند و بالا مرتبہ عطا ہی نہیں ہوا ہے لہٰذا "شفاعت" کی درخواست لے کر آنے والوں کے سامنے انہیں کوئی عذر بیان کرنے کی ضرورت تو نہیں ہوگی، اور وہ سب یا ان میں سے کچھ انبیاءؑ کوئی عذر بیان بھی کریں گے تو اس کا تعلق صرف ظاہری طور پر اپنی صوابدید سے ہوگا، اسی لئے دوسری حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ سارے انبیاءؑ کوئی عذر بیان کئے بغیر صرف یہی کہیں گے کہ ہم عظیم الشان امر کے اہل نہیں ہیں۔

"جن کے اگلے پچھلے سارے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیے ہیں۔" اس جملے کے سلسلے میں واضح رہے کہ تمام ہی انبیاء "معصوم عن الخطا" یعنی گناہوں سے محفوظ ہیں چہ جائیکہ جناب رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی۔ کہ آپ ﷺ تو بدرجہ اولیٰ اس سے پاک و منزہ ہیں، کہ کسی گناہ کی نسبت بھی آپ ﷺ کی طرف ہو، پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں یہ کہنا کہ "ان کے اگلے پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دئے ہیں۔" کیا معنی رکھتا ہے؟ ....

اس بارے میں علماء نے مختلف باتیں کہی ہیں اور اس جملہ کی متعدد تاویلیں منقول ہیں، لیکن زیادہ واضح تاویل یہ ہے کہ یہ جملہ دراصل بارگاہ رب العزت کی جانب سے رسول اکرم ﷺ کے عظیم اعزاز اور رسول کریم ﷺ کی برتر فضیلت کے اظہار کا ذریعہ ہے قطع نظر اس امر کے کہ رسول اکرم ﷺ سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور اس کی بخشش کی جائے، اس کو مثال طور پر یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ: "جب کوئی مرد مطلق اور بادشاہ اپنے کسی خاص مصاحب کو ہر حالت میں اپنا مطیع و فرمانبردار پرکھ لیتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے تو اپنے دوسرے مصاحبوں اور رعایا کے لوگوں کے درمیان اس خاص مصاحب کی امتیازی اور خصوصی

حیثیت کو ظاہر کرنے کے لئے اس سے یہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں معاف کیا خواہ تم نے کچھ ہی کیا ہو اور آئندہ تم جو کرو وہ بھی معاف، تم پر کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں۔

"اور میں در رب العزت پر پہنچ کر اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا۔" یہ جملہ حدیث کی اس عبارت کا آزاد ترجمہ ہے اگر اس عبارت کا لفظی ترجمہ کیا جائے تو یوں ہوگا کہ پس میں اپنے پروردگار کے پاس اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت طلب کروں گا۔ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ "اس کے مکان" سے مراد اس کی طرف سے عطا ہونے والے اجر و ثواب کی جگہ یعنی جنت ہے۔ لیکن یہ مراد محتمل ہے، زیادہ واضح تاویل وہ ہے جو تورپشتیؒ نے بیان کی ہے۔

انہوں نے لکھا ہے کہ: "پروردگار کے پاس اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے" سے مراد یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے یہ اجازت مانگیں گے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کو اس مقام میں داخل ہونے کی اجازت عطا کرے۔ جہاں کسی کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے جہاں پہنچ کر جو بھی عرض و دعا کی جائے، اس کا مقبول و منظور ہونا یقینی ہے اور جہاں پہنچ کر کھڑے ہونے والے اور پروردگار کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں ہے، اور یہ وہ مقام ہے۔ جس کو "مقام محمود" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اسی کو "مقام شفاعت" بھی کہتے ہیں۔ رہی بات یہ کہ پروردگار تو مکان و لا مکان کی قید سے پاک ہے، اس کو جہاں بھی پکارا جائے اور جس جگہ بھی اس سے عرض و دعا کی جائے، وہ وہیں موجود ہے اور وہیں سنتا اور دیکھتا ہے۔ تو پھر اس کی کیا ضرورت ہوگی کہ رسول اکرم ﷺ میدان حشر میں جس جگہ لوگوں کی شفاعت کی درخواست قبول کریں گے وہاں سے چل کر اس مقام خاص پر بارگاہ رب العزت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کریں گے، اور پھر عرض و معروض کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موقف یعنی میدان حشر کہ جہاں لوگ ٹھہرے ہوں گے در اصل ایک ایسے ملکی نظام کی طرح ہوگا جو کسی باقاعدہ اور مہذب حکومت کے تحت ہو، جہاں ہر شخص کے مرتبہ و درجے کے مطابق طریق کار اور نظم عمل کا اصول کارفرما ہو۔

چنانچہ اس وقت رسول اکرم ﷺ "شافع" کی حیثیت رکھتے ہوں گے اور "شافع" کا حق یہ ہے کہ وہ اعزاز و اکرام کی جگہ آ کر کھڑا ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کے دل میں یہ بات ڈالے گا کہ وہ اس جگہ سے چل کر جو خوف و ہولناکی اور وحشت و گھبراہٹ سے گھری ہوگی، اس جگہ آئیں گے جو آپ ﷺ کے اعزاز و اکرام کا مقام ہے، تا کہ وہاں اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ عرض و معروض کر سکیں۔

اور اس حمد و تعریف کے ساتھ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا... الخ سے آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اس وقت میں جن الفاظ، جس اسلوب اور جس انداز میں اللہ رب العزت کی تعریف و توصیف بیان کروں گا وہ کیا ہوگا۔ اس وقت اس کا علم مجھے بھی نہیں ہے، وہ سب کچھ مجھے اسی وقت سکھایا اور بتایا جائے گا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اس موقع اور اس مقام کی مناسبت سے جس قدر وسعت و گہرائی رکھتی ہے اس کا ادراک یہاں کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اسی اعتبار سے اس مقام کو "مقام حمد" اور "مقام محمود" کہتے ہیں۔ حدیث کے اس جزو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص کسی سے سفارش کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے اس سفارش قبول کرنے والے کی تعریف و توصیف کرے تا کہ اس کا قرب اور اس کی توجہ حاصل کر سکے اور قبول سفارش سے نوازا جائے۔

"پھر میں شفاعت کروں گا" کے ضمن میں قاضیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی خوب خوب حمد بیان کریں گے اور پھر اس حمد و ثناء کے بعد شفاعت کی اجازت پا کر امتی امتی کہنا شروع کریں گے۔

اور میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی ..." کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے یہ متعین فرما دے گا کہ ایسے ایسے گناہ گاروں کی شفاعت کرو، مثلاً وہ فرمائے گا کہ اپنی امت کے ان لوگوں کی شفاعت کرو جو زنا کار تھے یا جو بے نمازی تھے اور یا جو شراب نوش تھے۔ چنانچہ میں اسی تعین کے ساتھ شفاعت کروں گا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں

گے کہ میں نے زانیوں کے حق میں تمہاری سفارش قبول کی، پھر فرمائے گا کہ میں نے بے نمازیوں کے حق میں تمہاری شفاعت کی۔ اسی پر دوسرے طبقوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ ”اس جماعت کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کراؤں گا۔۔۔۔“ اس جگہ پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث کے شروع میں تو یہ مذکور ہے کہ شفاعت کی درخواست کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کو میدان حشر میں محصور کیا گیا ہوگا اور وہاں کی تنگی اور کرب و ہولناکی سے تنگ آ کر رسول اکرم ﷺ کی سفارش چاہیں گے تاکہ آپ ﷺ انہیں اس جگہ کی پریشانیوں اور ہولناکیوں سے نجات دلائیں۔

لیکن یہاں حدیث کے ایک جز میں جب بارگاہ خداوندی میں رسول اکرم ﷺ کی سفارش کرنے اور رسول اکرم ﷺ کی سفارش قبول ہونے کا ذکر آیا، اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”میں اس جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا“

تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سے ”شفاعت“ کی درخواست کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جنہیں دوزخ میں بھیجا جا چکا ہوگا؟۔۔۔ اس کے جواب دو ہیں ایک تو یہ کہ شاید اہل ایمان کے دو طبقے ہوں گے ایک طبقہ کو تو جو اپنے گناہوں کے سبب سزا کا مستوجب ہوگا میدان حشر میں محصور کیے بغیر دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ اور دوسرا طبقہ رسول اکرم ﷺ سے ”شفاعت“ کی درخواست کرے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ ”شفاعت“ کے ذریعے اس طبقہ کو اس بدترین حالت سے کہ جس میں وہ گرفتار ہوگا، نجات دلا کر جنت میں پہنچائیں گے اور پھر اس کے بعد رسول اکرم ﷺ اس طبقہ کے حق میں جماعت در جماعت کر کے ”شفاعت“ فرمائیں گے، جو دوزخ میں ڈالے جا چکے ہوں گے، اور حضور ﷺ متعدد دفعوں میں ان کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کروائیں گے۔

اس کا حاصل جواب یہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس حدیث میں یہاں صرف اسی ایک طبقہ کا ذکر فرمایا ہے اور اختصار کلام کے طور پر دوسرے طبقہ کے ذکر کو حذف فرما دیا ہے کیوں کہ اس ایک طبقہ کو نجات دلانے کے ذکر سے دوسرے طبقہ کو نجات دلانا بطریق اولیٰ

مفہوم ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں یہاں نار یعنی آگ کا لفظ منقول ہے جس کا ترجمہ "دوزخ" کیا گیا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ نار یعنی آگ سے مراد "دوزخ" نہ ہو بلکہ وہ سخت جلس، تپش اور گرمی مراد ہو جو میدان حشر میں سورج کے بہت قریب آجانے کی وجہ سے وہاں محسوس کی جائے گی اور "نکلوانے" سے اس حدیث کی مراد اس تپش اور گرمی سے لوگوں کو چھٹکارا دلانا ہو۔ اس صورت میں حدیث کی اس عبارت "فاخرجهم من النار وادخلهم الجنة" کا مفہوم یہ ہوگا کہ میں شفاعت قبول ہونے کے بعد درگاہ رب العزت سے باہر آؤں گا اور لوگوں کو سخت ترین تپش اور گرمی سے چھٹکارا دلا کر جنت تک پہنچاؤں گا۔ یہ جواب اگرچہ ایک ایسی وضاحت ہے جس پر مجازی اسلوب کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہی جواب حقیقت امر کے بہت قریب ہے اور حدیث کے اصل موضوع کے نہایت مناسب، کیوں کہ اس ارشاد گرامی میں جس "شفاعت" کا ذکر ہو رہا ہے اس سے "شفاعت عظمیٰ" مراد ہے، جس کو رسول اکرم ﷺ نے ایک ارشاد "آدم ومن دونه تحت لوائي يوم القيامة" کے بموجب مقام محمود اور لواء حمد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس "شفاعت عظمیٰ" کا اصل مقصد تمام مخلوق کو میدان حشر کی پریشانیوں اور ہولناکیوں سے چھٹکارا دلانا ہے، جہاں وہ حساب و کتاب کے انتظار میں کھڑے ہوں گے اور ان کا حساب و کتاب جلد کرنا ہوگا۔ نیز یہی وہ "شفاعت" ہے جو صرف رسول اکرم ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔

اور حدیث یا میں آنے والے ارشاد کے مطابق کہ یہی وہ مقام محمود ہے ..... الخ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت میں رسول اکرم ﷺ کے لئے جس "مقام محمود" کا وعدہ کیا ہے وہ اسی "شفاعت عظمیٰ" کا مقام ہے جو آپ ﷺ کے سوا کسی اور کو عطا نہیں ہوگا۔ واضح رہے کہ اس مقام کی صفت لفظ "محمود" کے ساتھ یا تو اس اعتبار سے ہے کہ اس مقام پر کھڑا ہونے والا اس کی تعریف کرے گا اور اس کو سراہے گا، یا اس اعتبار سے ہے کہ رسول اکرم ﷺ اس مقام پر کھڑے ہو کر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کریں گے اور یا

اس اعتبار سے کہ وہ مقام عطا ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کی تعریف و توصیف تمام اولین و آخرین مخلوق کی زبان پر ہوگی۔ (معارف الحدیث جلد پنجم)

حدیث بالا کی مزید تشریح

اور صاحب معارف الحدیث حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے اچھوتے انداز میں تشریح کرتے ہیں کہ مسند کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ وہاں ایک ہفتہ تک سجدہ میں پڑے رہیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کو فرمایا جائے گا کہ: "اے محمدؐ! سر اٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو، تمہاری سنی جائے گی، اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری مانی جائے گی۔" پس میں کہوں گا: "اے پروردگار! میری امت میری امت! یعنی میری امت پر آج رحم فرمایا جائے اور اس کو بخش دیا جائے۔ پس مجھ سے کہا جائے گا، جاؤ اور جس کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو نکال لو، پس میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا یعنی جس کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا، اس کو نکال لاؤں گا۔ اور پھر اللہ کی بارگاہ کرم کی طرف لوٹوں گا اور پھر انہی الہامی محامد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا، اور اللہ تعالیٰ کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔" پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا: "اے محمدؐ! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری شفاعت مانی جائے گی۔" پس میں عرض کروں گا: "اے پروردگار! میری امت میری امت! پس مجھ سے کہا جائے گا، جاؤ اور جس کے دل میں ایک ذرہ یعنی رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو نکال لو، پس میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا یعنی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا، اس کو نکال لاؤں گا۔ اور پھر اللہ کی بارگاہ کرم کی طرف لوٹوں گا اور پھر انہی الہامی محامد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا، اور اللہ تعالیٰ کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔" پس اللہ

تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا: "اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری شفاعت مانی جائے گی۔" پس میں عرض کروں گا: "میرے رب! میری امت میری امت!" پس مجھ سے کہا جائے گا، جاؤ اور جس کے دل میں ایک رائی کے دانے سے کم سے کمتر بھی ایمان ہو، اس کو بھی نکال لو، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پس میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا یعنی جس کے دل میں رائی کے دانے سے کم سے کمتر بھی ایمان نور رکھا ہوگا، ان کو نکال لاؤں گا۔ اور اس کے بعد چوتھی دفعہ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کرم کی طرف لوٹ آؤں گا اور پھر انہی الہامی محامد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا، اور اللہ تعالیٰ کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔" پس مجھ سے فرمایا جائے گا: "اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری شفاعت مانی جائے گی۔" پس میں عرض کروں گا: "اے پروردگار مجھے اجازت دے دیجئے ان سب کے حق میں کہ جنہوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا ہو۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "یہ کام تمہارا نہیں ہے، لیکن میری عزت و جلال اور میری عظمت و کبریائی کی قسم، میں خود دوزخ سے ان لوگوں کو نکال لوں گا، کہ جنہوں نے "لا الٰہ الا اللّٰہ" کہا ہوگا۔" (بخاری، مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں چند باتیں تشریح طلب ہیں۔

(۱)...... حدیث میں جَو کے برابر، رائی کے دانہ کے برابر اور رائی کے دانہ سے کم سے کمتر، دل میں ایمان ہونے کا جو ذکر ہے اس سے مراد نورِ ایمان کے خاص خاص درجے ہیں، جن کا ادراک ہم کو تو نہیں ہوتا، لیکن حضور ﷺ کی بصیرت اس وقت اس کا ادراک کر لے گی، اور حضور ﷺ ان درجوں والوں کو اللہ کے حکم سے نکال لائیں گے۔

(۲) .... حدیث کے آخری حصے میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ اپنی امت کے لئے تین دفعہ "شفاعت" فرمانے کے بعد چوتھی دفعہ حق تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ مجھے ان لوگوں کے بارے میں اجازت دی جائے جنہوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا ہو۔

اس کا مطلب بظاہر یہ ہے جن لوگوں نے حضور ﷺ کی دعوت توحید کو قبول کرلیا اور ایمان لے آئے لیکن دوزخ سے نجات پانے اور جنت میں جانے کے لئے جو اور اعمال کرنے چاہیے تھے وہ انہوں نے بالکل نہیں کئے، تو مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ آخر میں ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرنے کی اجازت چاہیں گے جس کے پاس کسی درجہ کا خالی ایمان اور توحید کا اعتقاد تو ہوگا لیکن عمل توحید سے وہ بالکل خالی ہوں گے۔ بخاری و مسلم ہی کی ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں ٹھیک اسی گروہ کے حق میں "لم یعملوا خیرًا قط" کے الفاظ آئے ہیں، جن کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "لیس ذالک لک" یعنی ان مسکینوں کی جہنم سے نکالنے کا کام میں نے آپؐ کے لئے نہیں رکھا، یہ مطلب ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے لئے یہ سزاوار اور مناسب نہیں ہے، بلکہ یہ کام میری عزت و جلال اور میری عظمت و کبریائی اور شان "فعال لما یرید" کے لئے ہی سزاوار ہے، اس لئے اس کو میں خود ہی کروں گا۔ اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لا کر احکام کی تعمیل بالکل نہیں کی، ایسوں کو دوزخ سے نکالنا پیغمبر کے لئے مناسب نہیں ہے اس درجہ کا عفو و درگزر اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲)…… معلوم ہوتا ہے اس روایت میں اختصار سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اسی حدیث کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں آدم علیہ السلام کے بعد اور ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اہل محشر کے نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا ذکر ہے جو اس میں نہیں ہے۔ نیز اس میں صرف اپنی امت کے حق میں رسول اکرم ﷺ کی "شفاعت" کا ذکر ہے، حالانکہ قرین قیاس یہ ہے کہ پہلے رسول اکرم ﷺ عام اہل محشر کے لئے حساب اور فیصلہ کی شفاعت فرمائیں گے، جس کو "شفاعت کبریٰ" کہتے ہیں، پھر جب حساب کے نتیجہ میں بہت سے آپ کے امتی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کی طرف بھیج دیئے جائیں گے تو رسول اکرم ﷺ ان کو دوزخ سے نکالنے اور جنت میں داخل کرانے کے

لئے "شفاعت" فرمائیں گے۔ واللہ اعلم۔

(۴) ..... اہل محشر کے جو نمائندے کسی شفیع کی تلاش میں نکلیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے دل میں ڈالیں گے کہ وہ پہلے آدم علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر ان کی رہنمائی اور مشورہ سے نوح علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر اسی طرح ابراہیمؑ، موسیٰ اور عیسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوں یہ سب منجانب اللہ اس دن اس لئے ہوگا کہ عملی طور پر سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اس "شفاعت" کا منصب اور "مقام محمود" اللہ تعالیٰ کے آخری نبی رسول اکرم ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔ بہر حال اس دن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ کی عظمت اور رفعت مقام کے برسر محشر اظہار کے لئے ہو۔ (کذا فی معارف الحدیث)

آپ ﷺ کی "شفاعت" سے متعلق ایک اور حدیث

آپ ﷺ کی شفاعت سے متعلق ایک اور حدیث بخاری و مسلم سے پیش خدمت ہے چنانچہ حضرت انس کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو میدان حشر میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ عجب اضطراب اور افراتفری کے عالم میں ہوں گے۔ یعنی وہاں کی سختی، تنگی اور ہولناکی سے بیتاب ہو کر ادھر ادھر بھاگے پھریں گے اور آپس میں صلاح مشورہ کریں گے کہ اس ہولناکی سے چھٹکارے کی کیا راہ نکالی جائے؟)۔

چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آپ اپنے پروردگار سے "شفاعت" کر دیجئے۔ کہ وہ ہمارے حساب و کتاب کا حکم جاری فرما دے اور ہمیں اجر و ثواب یا عذاب دے کر ہمارا معاملہ ایک طرف کرے۔ حضرت آدمؑ جواب دیں گے کہ: "میں "شفاعت" کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم حضرت ابراہیمؑ کے پاس جاؤ وہ اللہ کے دوست ہیں۔ اور تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں۔" وہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جائیں گے اور ابراہیمؑ جواب دیں گے: میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم لوگ حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ وہ اللہ کے کلیم ہیں۔ اور تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں۔ وہ لوگ حضرت

موسیٰ کے پاس آئیں گے اور حضرت موسیٰ بھی یہی جواب دیں گے کہ: میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم لوگوں کو حضرت عیسیٰ کے پاس جانا چاہئے جو اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ اور تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس آئیں گے اور حضرت عیسیٰ بھی یہی جواب دیں گے کہ: میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں تمہیں محمد ﷺ پاس جانا چاہئے، وہی تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تب لوگ میرے پاس آئیں گے۔ اور مجھ سے شفاعت کی درخواست کریں گے میں ان سے کہوں گا کہ ہاں بے شک میں "شفاعت" کا اہل ہوں کہ یہ کام میں کر سکتا ہوں کسی اور کے بس میں نہیں ہے۔ پھر میں بارگاہ رب العزت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا، مجھے پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ میرے دل میں اپنی حمد و ثنا کے الفاظ ڈالے گا جس کے ذریعہ اس وقت میں اللہ کی حمد و ثناء کروں گا۔ اور حمد و ثناء کن الفاظ اور کن اسلوب میں ہوگی اس وقت مجھے معلوم نہیں ہے، بہر حال جب میں اس کی بارگاہ میں پیش ہوں گا اور اس کو دیکھوں گا تو میں سجدہ میں گر پڑوں گا، اور میں اللہ تعالیٰ کی وہی حمد و ثناء بیان کروں گا۔ پس مجھ سے کہا جائے گا: "اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو تمہاری شفاعت مانی جائے گی۔" پس میں سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد عرض کروں گا: "میرے پروردگار! میری امت کو بخش دیجئے، میری امت پر رحم فرمائیے، یا یہ مطلب ہے کہ اے میرے پروردگار! میں اپنی امت کے بارے میں آپ سے "شفاعت" طلب کرتا ہوں۔ پس مجھ سے کہا جائے گا: "جاؤ اور اس کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں ایک جَو برابر بھی ایمان ہو۔" پس میں جاؤں گا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کروں گا اور اس کے بعد پھر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گا اور پھر میں انہی الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا۔ "پس مجھ سے کہا جائے گا: "اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، میں تمہاری شفاعت قبول

کروں گا۔" میں عرض کروں گا: "میرے پروردگار! میری امت کو بخش دیجئے، میری امت پر رحم فرمایئے۔ مجھ سے کہا جائے گا: "جاؤ اور اس کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں ذرہ برابر یا رائی کے برابر بھی ایمان ہو۔" پس میں جاؤں گا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کروں گا اور اس کے بعد پھر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گا اور پھر میں انہیں الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا۔" پھر مجھ سے کہا جائے گا: "اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، میں تمہاری شفاعت قبول کروں گا۔ میں عرض کروں گا: میرے پروردگار! میری امت کو بخش دیجئے، میری امت پر رحم فرمایئے۔ پس مجھ سے کہا جائے گا: جاؤ اور ہر اس شخص کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں رائی کے ادنیٰ سے ادنیٰ دانے کے برابر بھی ایمان ہو۔ پس میں جاؤں گا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کروں گا اور اس کے بعد پھر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گا اور پھر میں انہی الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر مجھ سے پوچھا جائے گا: "اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، میں تمہاری شفاعت قبول کروں گا۔" میں عرض کروں گا: "اے پروردگار! اب مجھے اجازت دے دیجئے ان سب کے حق میں کہ جنہوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا ہو۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "نہیں بلکہ اپنی عزت و جلال اور میری عظمت و کبریائی کی قسم، میں خود دوزخ سے ان لوگوں کو نکال لوں گا کہ جنہوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا ہو گا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ "جس کے دل میں جو برابر بھی ایمان ہو" واضح رہے کہ اس طرح کے جملوں یعنی جس کے دل میں جو برابر، جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو۔ کی توضیح و تاویل میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں اور یہ اختلافات اقوال پر مبنی ہے جو اصل ایمان کی بحث کے سلسلہ میں ان کے درمیان پایا جاتا ہے۔ یہ ایک لمبی چوڑی بحث ہے اس موقع پر صرف اتنا بتا دینا ضروری

ہے کہ مذکورہ جملوں میں جس چیز کو جو یا رائی کے برابر فرمایا گیا ہے اس سے حقیقی ایمان مراد نہیں ہے بلکہ از قسم خیر و بھلائی وہ چیز مراد ہے جو ایمان کے ثمرات و نتائج، ایمان کی روشنی اور عرفان کے نور سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اس چیز پر حقیقت ایمان کا اطلاق اس لئے نہیں کیا جا سکتا کہ اصل ایمان جو تصدیق قلبی یعنی خدا کو دل سے ماننے اور ایسے ہی اقرار لسانی زبان سے سچا اقرار کرنے کا نام ہے، ایک ایسا جوہر ہے جس کو اجزاء اور حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس پر کمی و زیادتی کا اجراء ہو سکتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل ایمان یعنی نفس تصدیق قلبی اور یقین دلی نہ تو گھٹتا بڑھتا ہے اور نہ اس کو کسی مقدار یا حصہ میں بانٹا جا سکتا ہے۔ پس جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے اور اس پر کمی و بیشی کا اطلاق ہو سکتا ہے اگر ان کے اس قول کو اچھے اور برے اعمال کے اعتبار سے ایمان کے ثمرات و درجات میں کمی و زیادتی پر محمول کیا جائے تو اس صورت میں معلوم ہوگا کہ مذکورہ مسئلہ سے متعلق علماء کے درمیان درحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ ان کے اختلافی اقوال محض لفظی اختلاف اور صوری نزاع ہے۔

"جس کے دل میں رائی کے ادنیٰ سے ادنیٰ دانہ کے برابر بھی ایمان ہے" یہ دراصل حق تعالیٰ کی طرف سے انتہائی فضل و کرم کا اظہار ہوگا کہ اس شخص کو بھی دوزخ سے نکال لو جو ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا مومن ہے۔

"جس نے "لا الہ الا اللہ" کہا" کا مطلب یہ ہے کہ میں ان لوگوں کی بھی شفاعت چاہتا ہوں جن کے نامۂ اعمال میں اس کلمہ طیبہ کے علاوہ اور کوئی بھی نیکی نہیں ہے اور ملا علی قاری کی وضاحت کے مطابق اگرچہ انہوں نے اپنے ایمان کی حالت میں یا ایمان لانے کے بعد اپنی پوری زندگی میں کلمہ طیبہ بھی صرف ایک ہی مرتبہ کیوں نہ زبان سے ادا کیا ہو۔

حاصل یہ کہ حضور ﷺ آخری مرتبہ جن لوگوں کی شفاعت کریں گے وہ اس درجہ کے مومن ہوں گے کہ ان کے نامۂ اعمال میں کوئی بھی نیکی اور کوئی بھی اچھا کام نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی کبھار اپنی زبان سے کلمہ طیبہ ادا کیا ہوگا بلکہ بعض تو

ایسے بھی ہوں گے جن کی زبان پر پوری عمر میں صرف ایک ہی مرتبہ کلمہ طیبہ آیا ہوگا اور ان کے بارے میں یہ شفاعت بھی اس امید پر کرنا چاہیں گے کہ زبان سے "لا الہ الا اللہ" کہنا بھی بہر حال ایک نیکی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی بھی نیکی خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی اور کتنے ہی کم درجہ کی کیوں نہ ہو، ضائع نہیں جانے دیں گے، بلکہ اول یا آخر اس کا اجر ضرور دیں گے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے کہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ "یعنی جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں جائے گا۔"

طیبیؒ نے یہ کہا ہے کہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس حدیث میں "جَو اور رائی وغیرہ کی مقدار کے برابر" کے ذریعہ جس چیز کا اشارہ کیا گیا ہے اس سے وہ اصل ایمان مراد نہیں ہے جس کو تصدیق قلبی سے تعبیر کیا جاتا ہے بلکہ اس ایمان کے علاوہ کچھ اور مراد ہے اور وہ کچھ اور از قسم کی نیکی و بھلائی وہ چیز ہے جو ایمان کے ثمرہ کے طور پر دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور حدیث بالا میں فرمایا گیا کہ نہیں اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ جس شخص کے نامہ اعمال میں "لا الہ الا اللہ" کہنے کے علاوہ اور کوئی بھی نیکی نہیں ہے اس کو دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کا حق بھی گو آپ ﷺ کو حاصل ہے، اور آپ ﷺ شوق سے ایسے شخص کی شفاعت بھی کیجئے ہم اس کو قبول کریں گے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کو دوزخ سے نکلوانا حضور ﷺ کے ذمہ نہیں ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ بے شک ہم اس شخص کو بھی دوزخ سے نکالیں گے مگر ایسا ہم آپ کی شفاعت کی وجہ سے نہیں کریں گے بلکہ اس وجہ سے کریں گے کہ اپنے فضل و کرم کو ظاہر کرنے کے لئے ہم خود اس کو دوزخ سے نکالنا پسند کرتے ہیں۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس مومن کے دوزخ سے نکالے جانے کا معاملہ کہ جس نے اپنی پوری عمر میں کوئی بھی نیکی و بھلائی نہیں کی ہے، شفاعت کے دائرہ سے باہر ہوگا بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ کی "شفاعت" قبول کرنے کا وعدہ خداوندی

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ نے اپنی

مجلس میں لوگوں کے سامنے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں یہ بیان کرنے کے لئے کہ وہ قیامت کے دن اپنی امت کے متعلق بارگاہ رب ذوالجلال میں کیا کیا عرض کریں گے یہ آیت پڑھی: رَبِّ اِنَّھُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ اور آیت کا بقیہ حصہ یہ ہے: وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے کہ: "میرے پروردگار یہ بت بہت سے لوگوں کی گمراہی کا سبب بنے ہیں، پس ان لوگوں میں سے جنہوں نے میری اطاعت قبول کی ہے، یعنی توحید، اخلاص اور توکل کو اختیار کیا وہ میرے اپنے اور میرے تابعدار ہیں اور جنہوں نے میری نافرمانی کی ہے تو، تو معاف کرنے والا رحیم ہے۔" پھر رسول اکرم ﷺ نے اسی سلسلے میں حضرت عیسیٰؑ کے تعلق سے یہ آیت پڑھی جس میں یہ بیان ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنی امت کے حق میں پروردگار سے کیا عرض کریں گے؟: اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ اور آیت کا بقیہ حصہ یہ ہے: وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ اور پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے: "اگر تو ان کو عذاب میں مبتلا کرے تو بہرحال وہ تیرے ہی بندے ہیں۔" یعنی تو ان کا مطلق مالک ہے وہ تیرے حکم کے خلاف کر ہی کیا سکتے ہیں اور ان کو عذاب میں مبتلا کرنے سے تجھ کو کون روک سکتا ہے؟ اور اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔ یعنی تجھ پر کوئی غالب نہیں ہے، تو جو چاہے حکم کر سکتا ہے، کوئی بھی تیرے حکم کو پس پشت ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا، پھر یہ تیری حکمت و دانائی میں بھی ذرہ برابر شبہ نہیں، تو ہر ایک کے بارے میں وہی حکم کرتا ہے، جس کا وہ مستوجب ہوتا ہے اور وہی جگہ دیتا ہے، جہاں کا وہ سزاوار ہے۔

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ: "پروردگار! میری امت کو بخش دے، میری امت پر رحم فرما۔" اور یہ دعا کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ رونے لگے۔ فوراً اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو حکم دیا کہ محمد یعنی رسول اکرم ﷺ کے پاس جاؤ، اور حالانکہ اے جبرائیل تمہارا رب خوب جانتا ہے اس کو کچھ متعلق دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر رسول اکرم ﷺ کی دلجوئی اور پروردگار کی عنایت و قرب کے اظہار کی خاطر ان سے

پوچھو کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ یہ حکم سنتے ہی حضرت جبرائیل رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور رسول اکرم ﷺ سے رونے کا سبب پوچھا، رسول اکرم ﷺ نے انہیں اپنے الفاظ میں بتایا کہ اپنی امت کے بارے میں خوف خداوندی نے مجھ پر رقت طاری کر دی ہے پھر حضرت جبرائیل بارگاہ کبریائی میں واپس گئے اور صورت حال عرض کی اور تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور کہو کہ جب وقت آئے گا تو ہم یقیناً آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ کو ہرگز رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ (مسلم)

تشریح...... "یہ دعا کرتے وقت حضور ﷺ رونے لگے یعنی حضور ﷺ نے اپنی امت کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی "شفاعت" کو یاد کیا تو پھر فوراً حضور ﷺ کو اپنی امت کا خیال آ گیا، اور اس خوف سے حضور ﷺ پر رقت طاری ہو گئی کہ نامعلوم امت کے لوگوں کا کیا حشر ہوگا؟ کہیں ان کو تو عذاب خداوندی میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں اپنی امت کی بخشش کی دعا فرمائی۔"

آپ ﷺ کو اپنی امت کے بارے میں راضی وخوش کر دیں گے ـــــ "اور آپ ﷺ راضی اور خوش کس صورت میں ہوں گے؟ اس کے متعلق بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں اس وقت تک راضی وخوش نہیں ہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ میری امت کے ایک ایک فرد کو بخش نہیں دے گا۔" "سبحان اللّٰہ" اس امت کے لئے اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ ضرورت صرف یہ ہے کہ حقیقی معنی میں جناب رسول اکرم ﷺ کا امتی بنا جائے، جناب رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ایمان کے عقیدے کو ہر حال میں درست رکھا جائے، مشکل جو ہے صرف یہی ہے اور کچھ نہیں ہے۔

اس حدیث میں کئی اہم باتیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی امت سے کس قدر تعلق ہے اور حضور ﷺ اپنی امت پر کتنے زیادہ شفیق ومہربان ہیں۔ نیز حضور ﷺ اپنی امت کے لوگوں کی اصلاح وفلاح کی طرف کس طرح ہر وقت متوجہ رہتے تھے۔ دوسری اور سب سے بڑی بات اس امت مرحومہ کے لئے بشارت ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ

سے وعدہ فرمایا کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی اور خوش کردیں گے۔ تیسری بات رسول اکرم ﷺ کا عظیم المرتبت ظاہر ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کی ”شفاعت“ سے متعلق ایک اور حدیث

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ کی خدمت میں پکا ہوا گوشت لایا گیا اس میں سے ہاتھ کا گوشت آپ ﷺ کو پیش کیا گیا جو آپ ﷺ کو بہت پسند ومرغوب تھا، آپ ﷺ نے اس میں سے دانتوں سے نوچ نوچ کر کھایا، اور پھر فرمانے لگے کہ ”میں قیامت کے دن جب کہ لوگ دو جہان کے پروردگار کا فیصلہ سننے کے انتظار میں کھڑے ہوں گے، تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔ اس دن سورج لوگوں کے سروں کے بہت قریب ہوگا اور لوگوں کی حالت مسلسل کھڑے رہنے، گرمی کی تپش وتیزی اور وہاں کے ہولناک ماحول کے اثر سے اس قدر کربناک اور غم وفکر سے بوجھل ہوگی کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں گے، یعنی صبر واستقامت پر قادر نہیں ہوں گے۔ اور نہایت بےچینی وپریشانی کے عالم میں ایک دوسرے سے کہتے پھریں گے، کہ آخر تم کسی ایسے شخص کی تلاش کیوں نہیں کرتے جو تمہارے پروردگار سے تمہاری سفارش کردے۔ اور جو تمہیں اس کرب واذیت کی حالت سے نجات عطا کردے، چنانچہ لوگ حضرت آدمؑ کے پاس آئیں گے۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے یا خود رسول کریم ﷺ نے شفاعت کے سلسلے میں حدیث کے وہی اجزاء بیان کیے جو پہلے ایک حدیث میں بیان کیے جاچکے ہیں، کہ لوگ یکے بعد دیگرے تمام انبیاء کے پاس جاکر شفاعت کی درخواست کریں گے اور وہ سب جواب دیں گے کہ ہم اس کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اور پھر وہ لوگ شفاعت کی درخواست لے کر میرے پاس آئیں گے یہ ذکر کرنے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: میں لوگوں کے پاس سے روانہ ہوں گا اور عرش کے نیچے آؤں گا اور وہاں بارگاہ رب العزت میں اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد اور بہترین ثنا کے وہ الفاظ واسلوب منکشف کردیں گے جو مجھ سے

پہلے اللہ تعالیٰ نے کسی پر منکشف نہیں کئے ہوں گے۔ یعنی اس موقع کے لئے میرے دل میں اپنی حمد وثنا کے الفاظ اور آداب حضوری کے وہ طریقے القا فرمائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی اور کو القا نہیں کئے ہوں گے بلکہ وقت سے پہلے مجھ کو بھی ان کا کوئی علم نہیں ہوگا۔ جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں اس کا بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ پھر پروردگار فرمائیں گے کہ محمدؐ! اپنا سر اٹھاؤ، جو چاہتے ہو مانگو میں دوں گا اور جو شفاعت کرنا چاہتے ہو کرو میں قبول کروں گا۔ یہ سن کر میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا: "میرے پروردگار! میری امت کو بخش دیجئے۔" تب کہا جائے گا کہ "اے محمدؐ! آپ اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن سے حساب نہیں لیا جائے گا اور جو حساب کے بغیر جنت کے مستحق ہیں جنت کے دائیں طرف کے دروازوں سے جنت میں داخل کر دیجئے۔ اور وہ لوگ اس دروازے کے علاوہ دوسرے اطراف کے دروازوں کے استعمال کے حق میں بھی لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔ اس کے بعد جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، جنت کے دروازوں میں ہر ایک دروازے کے دونوں کواڑوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا کہ مکہ اور ہجر کے درمیان ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: ..... حدیث بالا میں ارشاد فرمایا گیا کہ میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، اس میں لوگوں کا اطلاق پوری نوع انسانی پر ہے جس میں انبیاء بھی شامل ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے: یعنی قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ اور یہ بات حضور ﷺ نے اس اعتبار سے ارشاد فرمائی کہ اس توقیر و عزت کی بنا پر کہ جو جناب رسول اکرم ﷺ کو بارگاہ خداوندی میں سب سے زیادہ قرب محبوبیت کی وجہ سے حاصل ہوگی۔ اس دن ہر ایک آپ ﷺ کی شفاعت کا محتاج ہوگا، جب سب لوگ نہایت مضطرب ہوں گے تو آخر میں رسول اکرم ﷺ ہی کے پاس شفاعت کی درخواست لے کر آئیں گے اور صرف آپ ﷺ ہی ان کی شفاعت کا حوصلہ کریں گے۔ اور حدیث میں فرمایا کہ عرش الٰہی کے نیچے آؤں گا، یہ جملہ حضرت انس

سے نقل کی جانے والی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں اپنی پروردگار کے گھر میں آنے کے الفاظ ہیں، پس ان دونوں کے درمیان تطبیق یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا گھر جنت ہے اور جنت عرش الٰہی کے نیچے ہی ہے، لہٰذا دونوں حدیثوں کے الفاظ میں مفہوم کے اعتبار سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

"میرے پروردگار میری امت کو بخش دیجئے"۔ ان الفاظ کو تین بار کہنا یا تو عرض کو زیادہ سے زیادہ اہم اور قابل توجہ بنا کر پیش کرنے کے لئے ہوگا جیسا کہ جب کوئی شخص اپنے حاکم و آقا سے کسی اہم مقصد کی بار آوری چاہتا ہے، تو وہ اپنی عرض کو اس کے سامنے بار بار دہراتا ہے، یا ان الفاظ کو بار بار دہرانے سے گناہ گاروں کے طبقوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوگا، جیسا کہ پیچھے گزرنے والی حدیث میں بیان ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کی ایک دفع کی شفاعت کسی ایک طبقہ کے ساتھ مختص ہوگی اور پھر دوسری مرتبہ کی شفاعت کسی دوسرے طبقہ کے ساتھ، اور اسی طرح متعدد دفعوں میں سب کی شفاعت پوری ہوگی۔

اور حدیث میں فرمایا کہ جنت کے دائیں طرف کے دروازے سے الخ یعنی ان لوگوں کے اعزاز و تکریم کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے از راہ عنایت جنت کے دائیں طرف کا دروازہ انہی لوگوں کے لئے مخصوص ہوگا۔ اس کے علاوہ کسی اور کو اس دروازے سے داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس دروازے کے علاوہ باقی اور جو تمام دروازے ہوں گے وہ دوسرے لوگوں کے لئے مشترک ہوں گے اور مذکورہ لوگ بھی ان دروازوں کو استعمال کرنے کا حق رکھیں گے۔

"ہجر" ایک جگہ ہے جو جزیرہ نما عرب کے مشرقی ساحل پر سعودی عرب کے اس علاقہ میں واقع ہے جس کو اب "احساء" کہا جاتا ہے، اور پہلے زمانے میں "بحرین" اسی علاقہ کو کہتے تھے۔ بہر حال اس جملہ کا مقصد جنت کے دروازوں کی چوڑائی اور وسعت کو بیان کرنا ہے کہ جنت کے ہر دروازے کی چوڑائی اس فاصلہ کے بقدر ہے جو "مکہ" اور "ہجر" کے درمیان ہے۔ لیکن اس سے مراد تحدید و تعیین ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ تخمیناً فرمایا گیا ہے۔ تاکہ

دروازے کی چوڑائی اور وسعت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اور ہاں جہاں تک حقیقت حال کا تعلق ہے وہ کچھ اور ہی ہے۔ (مظاہر حق)

قیامت کے دن شفاعت وغیرہ سے متعلق کچھ اور باتیں

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن مجلس نبوی میں کچھ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہاں دیکھو گے۔" پھر رسول اکرم ﷺ نے دیدار الٰہی کی ثبوت کو واضح کرنے کے لئے سوال کیا کہ: کیا تم لوگ دوپہر کے وقت جب کہ آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہو، سورج کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ یا کوئی تکلیف محسوس کرتے ہو؟ اور کیا تم لوگ شفاف چودھویں رات میں، جب کہ آسمان پر بادل کا کوئی ایک ٹکڑا بھی نہ ہو، چاند کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ اور تکلیف محسوس کرتے ہو؟" لوگوں نے عرض کیا کہ "ہرگز نہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر قیامت کے دن تم اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں بھی کوئی رکاوٹ، تکلیف محسوس نہیں کرو گے۔ ہاں جیسا کہ تم ان دونوں یعنی سورج و چاند میں سے کسی کو دیکھنے میں رکاوٹ و تکلیف محسوس کرتے ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن برپا ہوگا، اور تمام مخلوق میدان محشر میں جمع ہوگی۔ تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ جو طبقہ دنیا میں جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اسی کے پیچھے رہے۔ چنانچہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں اور انصاب کو پوجتے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہیں بچے گا اور سب کے سب دوزخ میں جا گریں گے۔ کیوں کہ انصاب اور بت کہ جن کی پوجا ہوتی تھی، دوزخ میں پھینکے جائیں گے۔ لہٰذا ان کے ساتھ ان کی پوجا کرنے والے بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب ان لوگوں کے سوا کوئی موجود نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے وہ خواہ نیک ہوں یا بد تمام جہانوں کا پروردگار ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا کہ تم کس کے منتظر ہو؟ ہر طبقہ اس چیز کے پیچھے چلا جا رہا ہے جس کی وہ عبادت کرتا تھا تو تم

پھر یہاں کیوں کھڑے ہو تم بھی کیوں نہیں چلے جاتے؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ:

ہمارے پروردگار! ہم نے دنیا میں ان لوگوں سے جو دنیا میں غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اب اپنے معبودوں کے پیچھے پیچھے دوزخ میں چلے جائیں گے پوری طرح جدائی اختیار کر رکھی تھی، حالانکہ ہم اپنی دنیوی ضرورتوں میں ان لوگوں کی مدد و اعانت کے ضرورت مند تھے لیکن ہم نے کبھی ان کی صحبت و ہمنشینی کو گوارہ نہیں کیا۔ اور نہ کبھی ان کی اتباع کی بلکہ ہمیشہ ان کے مد مقابل رہے اور صرف تیری رضا کی خاطر ان سے جنگ و جدل کرتے رہے۔ پس اب جب کہ ہم ان کے کسی طرح سے ضرورت مند بھی نہیں ہیں اور ان سے کوئی مفاد بھی وابستہ نہیں تو ہم ان کے ساتھ کیسے چلے جاتے؟"۔

اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں یہاں یوں نقل کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، یہ کہیں گے کہ ہم یہاں سے اس وقت تک نہیں جائیں گے کہ جب تک ہمارا پروردگار ہمارے پاس نہیں آئے گا، یعنی جب تک وہ ہم پر اس طرح تجلی نہ فرمائے گا کہ جس کے سبب ہم اس کو پہچان لیں گے کہ یہی ہمارا پروردگار ہے اور جب ہمارا پروردگار اپنی تجلی وصفات کے اظہار کی صورت میں جس کے سبب ہم اس کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں ہمارے پاس آئیں گے تو ہم اس کو اچھی طرح پہچان لیں گے۔

اور حضرت ابوسعید خدری کی روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کیا تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان کوئی نشانی ہے جس کے ذریعے تم اس کو پہچان لوگے؟ وہ کہیں گے کہ: ہاں نشانی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھولی جائے گی اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو جو دنیا میں کسی کو دکھانے سنانے اور کسی خوف اور لالچ کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اپنے نفس کے تقاضے یعنی اخلاص وعقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا تھا۔ اور ہر وہ شخص کہ جو دنیا میں کسی خوف یا لوگوں کو دکھانے یا سنانے کے لئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا تھا، اللہ تعالیٰ اس کی کمر کو پورا تختہ بنا دے گا۔ یعنی اس کی پیٹھ و کمر کی ہڈیوں کے جوڑ بالکل ختم کر دیئے جائیں گے۔ اور اس کی پوری پیٹھ ایک تختہ بن جائے گی تا کہ وہ جھک نہ

سکے اور نہ سجدہ کر سکے۔ چنانچہ وہ سجدہ میں جانے کے لئے جھکنا چاہے گا، تو چت گر پڑے گا۔ پھر دوزخ کے اوپر اس کے بیچوں بیچ پل صراط رکھ دیا جائے گا، اور شفاعت کی اجازت عطا کی جائے گی۔

چنانچہ تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کے حق میں طلب استقامت وسلامتی کے لئے یہ دعا کریں گے کہ: اے اللہ! ان کو پل صراط کے اوپر سے سلامتی سے گزار دے۔ ان کو دوزخ میں گرنے سے محفوظ رکھ۔ پس مسلمان لوگ پل صراط کے اوپر سے اس طرح گزریں گے کہ بعض تو پلک جھپکتے گزر جائیں گے، بعض کوندے کی طرح نکل جائیں گے، بعض ہوا کے جھونکے کی مانند بعض پرندوں کی اڑان کی مانند گزریں گے۔ پس ان میں سے کچھ مسلمان تو وہ ہوں گے جو دوزخ کی آگ سے بالکل سلامتی اور نجات پائے ہوئے ہوں گے۔ یعنی پل صراط سے گزرنے کے وقت ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ اور کچھ مسلمان ایسے ہوں گے جو زخم کھا کر نکلیں گے، اور دوزخ کی آگ سے نجات پائیں گے۔ نیز کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو پارہ پارہ کئے جائیں گے اور دوزخ میں دھکیل دئے جائیں گے۔

یہاں تک کہ جب مومن دوزخ کی آگ سے نجات پالیں گے، تو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی شخص ظاہر ثابت شدہ کے حصول میں اتنی شدید جدوجہد اور تگ و دو نہیں کرتا جتنی شدید جدوجہد مومن قیامت کے دن اپنے بھائیوں کی نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کریں گے جو دوزخ میں ہوں گے۔ وہ مومن کہیں گے کہ: ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ہمارے ساتھ حج کرتے تھے یعنی ان کی نماز ہماری نمازوں کی طرح ہوتی اور ان کا حج ہمارے ہی حج کے طریقے سے ہوتا تھا پس تو ان کو بھی دوزخ سے نجات دیدے۔ ان سے کہا جائے گا کہ: جاؤ اور جن لوگوں کو تم اپنی مذکورہ شہادت کی روشنی میں پہچانتے ہو انہیں دوزخ سے نکال لو۔ پس دوزخ کی آگ پر ان کی صورتوں کو حرام کر دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ مومن بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لیں گے۔ پھر کہیں گے کہ: ہمارے پروردگار! جن لوگوں

کو تو نے دوزخ سے نکالنے کا حکم دیا تھا یعنی اہل نماز، اہل زکوٰۃ اور اہل حج وغیرہ ان سب میں سے اب دوزخ میں کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ: اچھا پھر جاؤ اور ہر اس شخص کو بھی دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں تم دینار برابر بھی نیکی پاؤ۔ پس وہ مومن جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے: اب ہر اس شخص کو بھی دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں آدھے دینار کے برابر بھی نیکی پاؤ۔ پس وہ مومن جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ: جاؤ اور اب اس شخص کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں تم از قسم نیکی ذرہ برابر بھی کوئی چیز پاؤ پس وہ مومن جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے اور کہیں گے کہ: پروردگار! ہم نے دوزخ میں بھلائی کو باقی نہیں رہنے دیا ہے یعنی دوزخ میں اب کوئی ایسا شخص باقی نہیں بچا ہے جس کے دل میں اصل ایمان کے علاوہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی اور ذرہ برابر بھی بلکہ ذرہ سے بھی کمتر کوئی نیکی ہو خواہ اس نیکی کا تعلق اعمال سے ہو یا افعال قلب سے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: فرشتوں نے شفاعت کر لی اور پیغمبروں نے بھی شفاعت کر لی اور مومنوں نے بھی شفاعت کر لی) اور ان سب کی شفاعت کا تعلق ان لوگوں سے تھا جن کا نامہ اعمال میں کوئی نہ کوئی نیکی ضرور تھی خواہ وہ نیکی ذرہ برابر یا اس سے کمتر درجہ ہی کی کیوں نہ ہو اور اس طرح اب ایسی کوئی ذات باقی نہیں رہ گئی ہے۔ جو خود بھلائی پہنچانے یا بھلائی پہنچانے والے سے سفارش کے ذریعہ کسی کے ساتھ رحم و مروت اور عنایت و ہمدردی کا معاملہ کرے۔ لیکن ابھی ارحم الراحمین کی ذات باقی ہے۔ جس کی رحمت جس کا کرم اور جس کی عنایت ہر ایک پر سایہ فگن ہے اور اس کی رحمت و عنایت کے اثرات کے مقابلہ پر ہر ایک کی رحمت و عنایت ہیچ ہے اور یہ فرما کر اللہ تعالیٰ دوزخ میں سے اپنی مٹھی بھر کر ان لوگوں کو نکال لے گا جنہوں نے کبھی بھی کوئی چھوٹی یا بڑی نیکی کی ہی نہیں ہوگی یہ لوگ دوزخ میں جلتے رہنے کی وجہ سے کوئلہ بن چکے ہوں گے۔

چنانچہ ان لوگوں کو اس نہر میں ڈالا جائے گا جو جنت کے دروازوں کے سامنے ہے

اور جس کو نہر حیات کہا جائے گا اور پھر یہ لوگ اس نہر سے اس طرح ترو تازہ نکلیں گے جیسے دانہ سیلاب کے کوڑے کچرے میں اگتا ہے۔ یعنی جس طرح سیلابی کوڑے کچرے میں پڑا ہوا دانہ بہت جلد اُگ آتا اور خوب ہرا بھرا معلوم ہوتا ہے، اسی طرح یہ لوگ بھی اس نہر میں غوطہ دلائے جانے کے بعد نہایت تیزی کے ساتھ بہتر جسمانی حالت میں واپس آجائیں گے اور خوب ترو تازہ اور توانا معلوم ہوں گے۔

نیز یہ لوگ اس نہر سے موتی کی مانند پاک وصاف باہر آئیں گے، ان کی گردنوں میں مہریں لگی ہوئی ہوں گی۔ چنانچہ جب اہل جنت ان لوگوں کو ان کی امتیازی علامتوں کے ساتھ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو خدائے رحمان کے آزاد کئے ہوئے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم کے تحت، اس امر کے باوجود جنت میں داخل کیا ہے کہ نہ انہوں نے دنیا میں کوئی نیک عمل کیا تھا اور نہ انہوں نے کم سے کم افعال قلب ہی کی صورت میں، کوئی نیکی کر کے آگے بھیجی تھی اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان آزاد لوگوں سے کہا جائے گا کہ: بلکہ جنت میں تم جو کچھ دیکھ رہے ہو یعنی تمہاری حد نظر تک تمہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں نظر آرہی ہیں نہ صرف یہ بلکہ ان ہی جیسی اور بہت سی نعمتیں بھی، یہ سب تمہارے لئے ہیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح..... حدیث بالا میں ارشاد فرمایا کہ "ہاں دیکھوں گے۔" سیوطیؒ نے اپنی تالیفات میں لکھا ہے کہ قیامت کے دن موقف میں یعنی میدان حشر میں کہ جہاں ساری مخلوق کھڑی ہوگی مرد و عورت ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، یہاں تک کہ بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ تو دیدار منافقوں اور کافروں کو بھی حاصل ہوگا۔

لیکن پھر فوراً ان کو محجوب کر دیا جائے گا تاکہ وہ ہمیشہ اس دیدار کی حسرت اور اپنی محرومی کے غم میں مبتلا رہیں تاہم منافقوں اور کافروں کو دیدار حاصل ہونے کی یہ بات زیادہ واضح نہیں ہے، بلکہ اس میں کلام ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں یہ آیا ہے کہ: كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ "یعنی ہرگز نہیں، یقیناً کفار اس دن اپنے رب کے دیدار سے

محروم ہوں گے۔"

اور جہاں تک جنت میں حق تعالیٰ کے دیدار کا سوال ہے تو اس بارے میں علامہ سیوطی نے کہا ہے کہ اہل جنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہاں حق تعالیٰ کا دیدار ہر امت کے نبیوں، رسولوں، صدیقوں اور اس امت محمدی (ﷺ) کے افراد میں سے تمام مومن مردوں کو حاصل ہوگا۔ امت محمدی کی عورتوں کے سلسلے میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کو وہاں دیدار نصیب نہیں ہوگا۔ دوسرا یہ کہ ان کو بھی وہاں دیدار نصیب ہوگا مگر تمام دنوں میں نہیں بلکہ چند مخصوص دنوں میں مثلاً عید وغیرہ کے دنوں میں۔ فرشتوں کے بارے میں بھی دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ وہ اپنے رب کو نہیں دیکھیں گے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ وہ بھی اپنے رب کا دیدار کیا کریں گے اسی طرح جنات کے بارے میں بھی اختلافی اقوال ہیں۔

کیا تم لوگ دوپہر کے وقت الخ اس سوال کے ذریعہ جناب رسول اکرم ﷺ نے اس امر کا اشارہ فرمایا کہ جو چیز عام طور پر مشکل نظر آتی ہے اور لوگ اس کے دیدار کے متمنی ہوتے ہیں اس کو دیکھتے ہیں تو دھکا پیل اور مشقت و ضرر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جس طرح آفتاب و ماہتاب کو دیکھنے میں کسی قسم کی مشقت و ضرر اور تکلیف و رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیدار کے وقت کسی طرح کے دھکا پیل اور مشقت و ضرر کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ ہاں جیسا کہ تم لوگ ان دونوں میں سے کسی کو دیکھنے میں رکاوٹ و تکلیف محسوس کرتے ہو۔

دراصل یہ جملہ تعلیق بالمحال کے طور پر پچھلے جملے کو زیادہ سے زیادہ زوردار بنانے کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم سورج و چاند کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ تکلیف محسوس کرتے ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں بھی رکاوٹ تکلیف محسوس کرو گے۔ لیکن جب یہ بات طے ہے کہ ان دونوں چاند و سورج میں سے کسی کو بھی دیکھنے میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ رکاوٹ و تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تو جان لو کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں کوئی ادنیٰ سی

رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔ ضمنی طور پر یہ بات کردینا ضروری ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ یہاں جس دیدار الٰہی کے بارے میں ذکر ہے وہ اس دیدار الٰہی کے علاوہ ہے جو جنت میں اہل ایمان کو بطور اعزاز و اجر نصیب ہوگا۔ یہ دیدار تو محض امتحان و آزمائش کے طور پر ہوگا تا کہ دنیا میں جن لوگوں نے اللہ کی عبادت کی تھی، اور جن لوگوں نے غیر اللہ کو اپنا معبود بنایا۔ ان دونوں کے درمیان فرق و امتیاز ہوجائے اس سے معلوم ہوا کہ آخرت میں بھی بندوں کو امتحان آزمائش میں مبتلا کرنے کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ حساب وکتاب کے بعد ہر ایک کے حق میں آخری فیصلہ نہ ہوجائے گا کہ کون اجر و جزا کا سزاوار ہے اور کون عذاب کا مستوجب ہے۔

پس آخرت اگرچہ دار جزا (بدلہ کا گھر) ہے لیکن کبھی کبھی وہاں امتحان و آزمائش کا مرحلہ بھی پیش آئے گا جس طرح کہ یہ دنیا اگرچہ امتحان و آزمائش کا گھر ہے۔ لیکن یہاں بھی کبھی اجر و بدلہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ۔ اور تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ دراصل تمہاری شامت اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔

"جو لوگ۔ اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں اور انصاب کو پوجتے تھے" اس جملہ میں انصاب دراصل "نصب" کی جمع ہے، اور نصب اس پتھر کو کہتے ہیں جو کسی خاص جگہ پر خاص مقصد کے لئے گاڑا اور نصب کیا جائے کہ اس کی پوجا ہو، اس کو ڈنڈوت کیا جائے اور اس کے سامنے قربت و بندگی جیسے منت اور چڑھاوے کی نیت سے جانور ذبح کیا جائے، پس ہر چیز کہ جو اس مقصد کے لئے نصب کی جائے اور اس کی پرستش و تعظیم کا عقیدہ رکھا جائے خواہ وہ پتھر ہو یا لکڑی اور یا کوئی دوسری چیز، وہ "نصب" ہی کہلائے گی۔

حدیث بالا میں ارشاد فرمایا گیا کہ "تو تمام جہانوں کا پروردگار ان کے پاس آئے گا" یعنی اپنے کمال اقرب کے ساتھ ان پر تجلی ڈالے گا یہ تو اس جملہ کی سیدھی سی تاویل ہے۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ "آنا" پروردگار کی صفات میں سے ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے

کلام پاک میں اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے اور حدیث مقدس میں بھی اس کا اسی طرح اس کی ذات کی طرف منسوب ہونا ذکر ہے۔ نیز ہم اس کی حقیقت و کیفیت جانے بغیر چوں کے تو اس پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اس بات کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کی ذات پاک اس نقل و حرکت سے منزہ ہے جو "آنے" میں ہوتی ہے۔

پس یہ بات متشابہات میں سے ہے اور ہم پر ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں زیادہ نہ الجھیں بلکہ حقیقت حال کا علم بس اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اس جملہ کی کچھ اور توجیہیں کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ "آنے" سے مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ آئے گا۔ یا یہ کہ ان لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا۔ جیسا کہ اگلے جملہ سے اشارۃً یہ بات مفہوم بھی ہوتی ہے۔ "تب اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھول جائے گی" کے بارے میں بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ "پنڈلی کے کھلنے" سے مراد خوف و دہشت اور گھبراہٹ دونوں کا جمع ہو جانا ہے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ "پنڈلی کھلنے" سے مراد ایک عظیم نور کا ظاہر ہونا ہے یا یہ کہ فرشتوں کی جماعت کا ظاہر ہونا مراد ہے۔ لیکن سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس بارہ میں بھی توقف ہی کیا جائے اور اس جملہ کی کوئی تاویل کرنے کے بجائے اس کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کر دیا جائے۔

حدیث میں جہاں اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھلنے، لوگوں کو سجدہ کا حکم ملنے، اور پھر کچھ لوگوں کے سجدہ کرنے اور کچھ لوگوں کے سجدہ پر قدرت نہ ہونے کا حکم ہے وہاں پر علامہ نوویؒ نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے، کہ حدیث کے اس جزء سے بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ آخرت میں منافقین بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گمان کوئی بنیاد نہیں رکھتا، کیونکہ حدیث کے مذکورہ الفاظ میں یہ صراحت نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے منافقین بھی مشرف ہوں گے، بلکہ اس موقع پر صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے سامنے کہ جن میں مخلص مومن بھی ہوں گے اور منافق بھی اپنا حجاب ہٹا دے گا اور پھر امتحان و آزمائش کے لئے سب کو سجدہ کا حکم ملے گا۔ پس جو شخص مخلص ہوگا، وہ سجدہ کرے گا، اور جو

شخص منافق ہوگا، وہ سجدہ نہیں کر سکے گا۔ اس بات سے یہ بات ہرگز لازم نہیں آتی ہے کہ منافق بھی اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔

حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ "پس مسلمان لوگ گزریں گے" یعنی اس پل صراط کے اوپر سے تمام لوگ اس طرح گزریں گے کہ دنیا میں جو شخص عقیدہ و ایمان عمل و کردار اور دین و شریعت پر استقامت کے اعتبار سے جس درجہ کا رہا ہوگا اس کے مطابق آسانی کے ساتھ یا دشواری کے ساتھ اس مرحلہ کو پار کرے گا جس کی طرف حدیث کے اگلے جملہ میں اشارہ ہے پس وہ پل صراط گویا دین و شریعت کے صراط مستقیم کی طرح ہے جو معنوی طور پر تلوار کی دھار سے زیادہ باریک ہے اور جس پر چلنا دشوار ہے لیکن ساتھ ہی صراط مستقیم اس قدر روشن اور واضح ہے کہ جو صدق نیت اور اخلاص قلب کے ساتھ چلنا چاہے اس کے لئے کوئی دشواری نہیں ہے۔

"اور کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو ٹھوکر کھا کر نکلیں گے اور دوزخ کی آگ سے نجات پائیں گے....." کا مطلب ایک تو یہ ہے جو مسلمان گناہ گار ہوں گے وہ اس پل صراط پر سے گزرنے میں سخت دشواری اور تکلیف و اذیت کا شکار ہوں گے۔ مثلاً پل صراط کے دونوں طرف جو فولادی آنکڑے ہوں گے وہ ان کو زخمی کریں گے ان کا راستہ روکیں گے ان کے جسم کو چھیلیں گے لیکن وہ مسلمان زخمی ہو کر اور چھل چھلا کر کسی نہ کسی طرح پل صراط کو پار کر ہی لیں گے اور جنت میں پہنچ جائیں گے۔ اس طرح وہ لوگ دوزخ میں نہیں گریں گے، بلکہ پل صراط کے اوپر ہی تکلیف اور مشقت اٹھا کر نجات پا جائیں گے۔ یہ مطلب ظاہر حدیث کے اسلوب کے زیادہ مطابق ہے اور ترجمہ میں اسی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ پہلے تو پل صراط پر اس کے آنکڑوں سے زخمی ہوں گے سخت پریشانیوں سے دوچار ہوں گے اور پھر دوزخ میں گرائے جائیں گے جہاں وہ اپنے گناہوں کے بقدر سزا پانے کے لئے ایک مدت تک رہیں گے اور پھر ان کو دوزخ کی آگ سے نجات دے کر جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

"نیز کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو پارہ پارہ کر دیئے جائیں گے اور دوزخ میں دھکیل دیئے جائیں گے۔" یہاں گناہ گار مسلمانوں کا ذکر ہے جن کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے بہرحال دوزخ کے سپرد کیا جائے گا۔

چنانچہ یہ لوگ نہ صرف پل صراط پر گزرتے وقت سخت زخمی، تباہ حال اور مصیبت زدہ ہوں گے بلکہ ان کو دوزخ میں بھی گرا دیا جائے گا تاکہ وہ وہاں اس وقت تک عذاب پاتے رہیں جب تک ان کا خدا چاہے۔

"یہاں تک کہ جب مؤمن دوزخ کی آگ سے نجات پالیں گے الخ" اس جملہ میں لفظ "حتی" (یہاں تک کہ) اس مرحلے کے ذکر کی غایت ہے جس میں تمام مؤمن پل صراط پر سے گزریں گے، اور پھر ان میں سے کچھ لوگ تو پل کو پار کر جائیں گے اور کچھ لوگ دوزخ میں جا گریں گے۔ لیکن علامہ طیبی یہ کہتے ہیں کہ لفظ "حتی" دراصل "مکدوش فی نار جہنم" (وہ لوگ جو پارہ پارہ ہو کر جہنم میں گر جائیں گے۔) کی غایت ہے۔ اس صورت میں پوری عبارت کا ترجمہ کچھ یوں ہوگا کہ "نیز کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو پارہ پارہ کئے جائیں گے اور دوزخ میں دھکیل دیئے جائیں گے اور پھر آخر کار ان کو بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد یا کسی کی شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دوزخ سے نجات مل جائے گی۔

پس قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے الخ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ گار مؤمن ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب میں مبتلا نہیں رہیں گے، اور نہ صرف یہ کہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد آخر کار دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ بلکہ وہ جنت میں پہنچنے کے بعد ان دوسرے مؤمنوں کی بھی "شفاعت" کریں گے اور بارگاہ رب العزت میں ان لوگوں کو عذاب سے چھٹکارا دلانے کی سخت ترین جدوجہد کریں گے جو لوگ اپنے گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے اس وقت تک دوزخ سے چھٹکارا نہیں پا سکے ہوں گے۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے ارشاد "پس قسم

ہے اس ذات کی الخ" کے ذریعہ واضح فرمایا۔

اس حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ "تم میں سے کوئی بھی شخص ظاہر و ثابت شدہ حق کے اصول میں الخ" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر تمہارا کوئی حق بالکل ظاہری دلائل و شواہد کے ذریعہ واجب ہوتا ہے اور تم اس حق کو پانے کا بہر صورت استحقاق رکھتے ہو تو اس شخص سے اپنا وہ حق حاصل کرنے کے لئے تم جتنا شدید مطالبہ و تقاضا کرتے ہو اور اس کے حصول کی جد و جہد میں جس طرح سعی و کوشش کی آخری سے آخری حد تک چلے جاتے ہو، اس سے بھی شدید تمہارا مطالبہ اس دن بارگاہ رب العزت میں اپنے ان مسلمان بھائیوں کی نجات کے لئے ہوگا جو دوزخ میں پڑے ہوں گے اور تم ان کو وہاں سے نکلوانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے عرض و معروض اور درخواست و شفاعت میں سعی و کوشش کی آخری سے آخری حد تک چلے جاؤ گے۔

"پس دوزخ کی آگ پر ان صورتوں کو حرام کر دیا جائے گا" کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کو اس بات سے منع کر دیا جائے گا کہ وہ ان اہل ایمان کو اس طرح جلائے یا نقصان پہنچائے کہ ان کے چہرے مسخ ہو جائیں اور وہ پہچان میں نہ آسکیں۔ حاصل یہ کہ اس وقت تک جو اہل ایمان دوزخ میں ہوں گے ان کے چہرے نہ تو جلیں گے اور نہ سیاہ ہوں گے لہٰذا ان کی شفاعت کرنے والے مؤمن اس علامت کے ذریعہ ان کو آسانی کے ساتھ پہچان لیں گے اور دوزخ سے نکلوا لیں گے۔

"جس کے دل میں تم دینار کے برابر بھی نیکی پاؤ" یہاں اور اسی طرح آگے کے جملہ میں "نیکی" سے مراد وہ چیز ہے جو اصل ایمان سے زائد ہوگی۔ کیونکہ اصل ایمان کہ جس کو تصدیق کہتے ہیں ایک ایسا جوہر ہے جو اجزاء اور حصوں میں ناقابل تقسیم ہے اور اس پر کمی بیشی وغیرہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جس نیکی کو اجزاء اور حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یا جس پر کمی بیشی کا اطلاق ہوتا ہے وہ اصل ایمان سے زائد اور ایمان کے نتیجہ و ثمرہ کے طور پر ایک الگ شے ہوتی ہے پس دل میں دینار برابر یا آدھے دینار برابر نیکی ہونے کا" مطلب یہ ہے کہ

جن کے پاس معمولی درجہ کا بھی ایسا عمل صالح ہو کہ جس کے فعل کا تعلق دل سے ہے جیسے ذکر خفی (دل میں اللہ کو یاد کرنا) یا کسی غریب و مسکین پر شفقت کرنا یا خوف الٰہی اور نیت صادقہ وغیرہ تو ان کو دوزخ سے نکلوالو۔

جنہوں نے کبھی کوئی نیکی کی ہی نہیں ہوگی، یہاں بھی (نیکی) سے مراد وہ چیز ہے جو اصل ایمان سے زیادہ ہو، پس یہ لوگ کہ جن کو ارحم الراحمین محض اپنی خصوصی رحمت کے تحت دوزخ سے نکالے گا اپنے پس افعال قلب میں سے بھی کوئی چھوٹی یا بڑی نیکی نہیں رکھتے ہوں گے البتہ اصل ایمان (یعنی تصدیق) کے حامل ضرور ہونگے اور ان لوگوں کی شفاعت کی اجازت کسی کو حاصل نہیں ہوگی۔

"ان کی گردنوں میں مہریں لگی ہوئی ہوں گی" اس جملہ میں "مہر" سے مراد سونے وغیرہ کا زیور ہے جو گلے میں لٹکایا جاتا ہے، حاصل یہ کہ علامت کے طور پر ان کے گلوں میں کچھ مخصوص قسم کے ہار پڑے ہونگے جن کے ذریعہ وہ دوسرے لوگوں سے ممتاز نظر آئیں گے۔

(بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

آپ ﷺ کی شفاعت کی مزید وضاحت

اب ذیل میں ہم حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کی مایہ ناز کتاب سیرت النبیؐ سے کچھ اقتباس نقل کر رہے ہیں، جن میں حضور ﷺ کی شفاعت کو ان حضرات نے اپنے انداز میں تحریر کیا ہے، انشاء اللہ ان اقتباسات کے مطالعے سے بھی فائدہ ہوگا ملاحظہ فرمایئے۔

عرصہ دارو گیر محشر میں جب جلال الٰہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہوگا اور گناہگار انسانوں کو امن کا کوئی سایہ نہیں ملے گا، اس وقت سب سے پہلے فخر موجودات، باعث تخلیق کائنات، سید ولد آدم، خاتم الانبیاء و رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں میں لوائے حمد لے کر اور سر مبارک پر تاج شفاعت رکھ کر گناہگاروں کی دستگیری فرمائیں گے۔

لفظ "شفاعت" اصل لغت میں شفع سے نکلا ہے، جس کے معنی جوڑا بننے، ایک کیساتھ دوسرے کے ہونے کے ہیں، چونکہ شفاعت اصل میں یہی ہے کہ "کسی درخواست کنندہ اور عریضہ گزار کے ہم آہنگ ہو کر کسی بڑے کے سامنے اُس کی عرض و درخواست کو قبول کر لینے کی خواہش کا اظہار کرے"۔ آپ ﷺ کی شفاعت بھی یہی ہوگی کہ آپؐ گناہگاروں کی زبان بن کر ان کی طرف سے خداوند ذوالجلال کے اذن سے اُس کے سامنے اُن کی بخشائش و مغفرت کی درخواست پیش کریں گے۔ سورۂ اسراء میں ہے۔ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا "قریب ہے کہ خدا تجھے مقام محمود میں اٹھائے"۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تمام صحیح روایتوں میں متعدد صحابہ کبارؓ سے منقول ہے کہ مقام محمود سے مراد رتبہ شفاعت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ نے شفاعت کے تمام واقعات بیان کر کے یہ آیت بالا تلاوت کی، پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا "یہی وہ مقام محمود ہے جس کا تمہارے پیغمبر سے وعدہ فرمایا گیا ہے"۔ صحیح مسلم میں ہے کہ بصرہ کے کچھ خوارج جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو دائمی جہنمی سمجھتے ہیں یعنی ان کے حق میں شفاعت کے اثر کے قائل نہیں، مدینہ منورہ آئے، یہاں مسجد نبویؐ میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ صحابی قیامت کے واقعات بیان کر رہے تھے، اُن میں سے ایک صاحب نے بڑھ کر کہا "اے رسول اللہ ﷺ کے صحابی! آپ کیا فرما رہے ہیں؟ خدا تو قرآن میں یہ کہہ رہا ہے"۔ یہ کہہ کر قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی، جس کا یہ مطلب ہے کہ دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں ڈال دیئے جائیں گے۔ کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِیْدُوْا فِیْهَا۔ حضرت جابرؓ نے پوچھا تم نے قرآن پڑھا ہے۔ اُس نے جواب دیا ہاں، فرمایا تم نے اس مقامِ محمود کا حال سنا ہے جس میں خدا تعالیٰ تمہارے پیغمبر کو مبعوث کریگا، اُس نے کہا ہاں سنا ہے۔ فرمایا تو یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ محمود ہے جس کے ذریعہ سے خدا دوزخ سے جس کو نکالنا چاہے گا نکالے گا۔ یہ سن کر ایک کے سوا باقی سب اپنے اپنے عقیدۂ باطل سے تائب ہو گئے اور بولے کہ کیا یہ بوڑھا صحابی رسول پر جھوٹ بولے گا۔

بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ہر امت اپنے اپنے پیغمبر کے پیچھے چلے گی اور کہے گی کہ اے رسول خدا! خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے۔ یہاں تک کہ شفاعت کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گا، یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود میں اٹھائے گا۔ جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا مانگے کہ اے خدا! جو پوری دعا اور کھڑی ہونے والی نماز کا مالک ہے، محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت اور وہ مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا تو قیامت کے دن اسکے لئے میری شفاعت اترے گی۔ پھر فرمایا ہے کہ مجھ کو دیگر انبیاء پر چند فضیلتیں عطا ہوئیں، ان میں سے ایک یہ کہ مجھے شفاعت عطا کی گئی۔ (یعنی شفاعت اولیں) مؤطا امام مالک اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے متعدد طریقوں سے یہ متفقہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر نبی کو ایک مقبول دعا مانگنے کا موقع دیا گیا تو انھوں نے وہ دعا مانگ لی اور وہ قبول کر لی گئی لیکن میں نے اپنی دعا کا یہ موقع قیامت کے دن کیلئے چھپا رکھا ہے اور وہ اپنی امت کی شفاعت ہے۔ فرمایا کہ میں سب سے پہلا شفیع ہوں گا اور سب سے پہلا وہ شخص جس کی شفاعت قبول کی جائیگی۔ اور فرمایا کہ "میں پہلا ہوں گا جو جنت کی شفاعت کرے گا۔ اس دن جب دنیا کی گناہ گاریاں اپنی عریاں صورت میں نظر آئیں گی اور آدم کی اولاد ترساں ولرزاں کسی شفیع کی تلاش میں ہوگی، کبھی آدمؑ کا سہارا ڈھونڈے گی، کبھی نوحؑ اور ابراہیمؑ کو یاد کریگی، کبھی موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بے تابانہ لپکے گی مگر ہر جگہ نفسی نفسی کی آواز بلند ہوگی، بالآخر شفیع المذنبین سید الاولین والآخرین آگے بڑھیں گے اور تسکین کا پیام سنائیں گے۔

حدیث کی اکثر کتابوں میں خصوصاً صحیح بخاری میں اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت حذیفہؓ سے متعدد طریقوں سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی مجلس میں بیان فرمایا کہ قیامت کے ہولناک میدان میں لوگوں کو ایک شفیع کی تلاش ہوگی، لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی

طرف پہنچیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں، خدا نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کرنے کا حکم دیا، آپ خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجئے۔ وہ جواب دیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں، میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی، آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہ ہوا تھا اور نہ ہوگا، نفسی! نفسی (اے میری جان! اے میری جان) لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ روئے زمین کے پہلے پیغمبر ہیں، خدا نے آپ کو شکر گزار بندہ کا خطاب دیا ہے، آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجئے! وہ کہیں گے، ہمارا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا، مجھ کو ایک مستجاب دعا کا موقع عنایت ہوا تھا وہ اپنی قوم کی تباہی کیلئے مانگ چکا۔ نفسی نفسی! تم ابراہیم کے پاس جاؤ۔ مخلوق ان کے پاس جائے گی اور اپنی وہی درخواست پیش کرے گی کہ آپ تمام انسانوں میں خدا کے دوست ہوئے، اپنے پروردگار سے شفاعت کیجئے۔ وہ بھی کہیں گے، میرا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا، نفسی نفسی! تم موسیٰ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے موسیٰ"! آپ خدا کے پیغمبر ہیں، خدا نے اپنے پیام وکلام سے آپ کو لوگوں پر برتری بخشی ہے، اپنے خدا سے ہمارے لئے سفارش کیجئے، کیا آپ ہماری مصیبتوں کو نہیں دیکھتے"؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے کہ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا، نفسی نفسی! تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ حضرت عیسیٰ کے پاس جا کر لوگ کہیں گے کہ اے عیسیٰ! آپ خدا کے وہ رسول ہیں جس نے گہوارہ میں کلام کیا اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے، وہ بھی کہیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا۔ نفسی نفسی! تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ مخلوق آپ ﷺ کے پاس آئے گی اور کہے گی اے محمد ﷺ! آپ خدا کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہیں جس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہیں، آپ ﷺ اپنے

پروردگار سے ہماری شفاعت کیجئے۔ آپ ﷺ اٹھ کر عرش کے پاس جائیں گے اور اذن طلب کریں گے۔ اذن ہوگا تو سجدہ میں گر پڑیں گے تو آپ ﷺ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائیگا جو کسی اور کیلئے نہیں کھولا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپ ﷺ کے دل میں القا فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کو القا نہ ہوئے۔ آپ دیر تک سربسجود رہیں گے، پھر آواز آئے گی "اے محمد ﷺ! سر اٹھاؤ، کہو! سنا جائے گا، مانگو! دیا جائے گا، شفاعت کرو! قبول کی جائے گی۔ عرض کریں گے الٰہی! امتی امتی! خداوند! میری امت میری امت! حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو نجات ہے۔ آپ ﷺ خوش خوش جائیں گے اور اس کی تعمیل کر کے اور پھر حمد و ثنا کر کے عرض گزار ہونگے اور سجدے میں گر پڑیں گے، پھر صدائے غیب آئے گی اے محمد ﷺ! سر اٹھاؤ، کہو! سنا جائے گا، مانگو! دیا جائے گا، شفاعت کرو! قبول کی جائے گی۔ عرض کریں گے الٰہی! امتی امتی! خداوند! میری امت میری امت! حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں چھوٹی سے چھوٹی رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو بھی دوزخ سے نکالوں گا۔ آپ ﷺ پھر جا کر واپس آئیں گے اور گزارش کریں گے اور حمد و ثنا کر کے سجدے میں گر پڑیں گے۔ پھر ندا آئے گی اے محمد ﷺ! سر اٹھاؤ، کہو! سنا جائے گا، مانگو! دیا جائے گا، شفاعت کرو! قبول کی جائے گی۔ عرض کریں گے جس نے بھی تیری یکتائی کی گواہی دی اس کی شفاعت کا اذن عطا ہو۔ صدا آئے گی اس کا اختیار تم کو نہیں۔ لیکن مجھے اپنی عزت و کبریائی اور اپنی عظمت و جبروت کی قسم ہے، میں دوزخ سے ہر اس شخص کو نکالوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لئے دوسرا معبود نہیں بنایا، من قال لا الہ الا اللہ۔ کمزور انسانوں کو تسکین کا یہ پیام محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کس نے سنایا، یقیناً یہ صرف اور صرف آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے۔ (بحوالہ سیرت النبی ج۳)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۸۳

رسول اکرم ﷺ کی نبوت کا کارنامہ سب سے عظیم کارنامہ ہے

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے تراسی نمبر خصوصیت آپ کے سامنے ہے جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کی نبوت کا کارنامہ سب سے عظیم کارنامہ ہے۔ اور دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے حضور ﷺ کے مقدس روضہ مبارک کے سامنے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے۔ اسے میں اپنے لئے بہت بڑی سعادت سمجھتا ہوں کہ صاحب خصوصیت ﷺ میرے سامنے آرام فرما ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے روضے کے سامنے بیٹھ کر ان کی خصوصیت پر لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے، البتہ اپنے اللہ سے یہ دعا ضرور کرتا رہوں گا کہ یارب قدوس جس طرح آپ نے اپنے محبوب ﷺ کے قدموں میں بٹھا کر محبوب ﷺ سے متعلق لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اسی طرح اپنے محبوب ﷺ کے دین پر عمل کرنے اور دین کو ساری دنیا میں پھیلانے کے لئے اپنی جان، مال، وقت قربان کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نبوت کا کارنامہ سب سے عظیم کارنامہ ہے، اگرچہ دیگر انبیاء کرامؑ نے بھی اپنے اپنے دور میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں لیکن جب ہمارے نبی ﷺ کے کارناموں کی بات آتی ہے تو بے شک یہ کارنامے تمام کارناموں سے اونچے نظر آتے ہیں، جس کی گواہی خدا کا قرآن خود جابجا دیتا نظر آتا ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل سے ان کارناموں کو ملاحظہ فرمائیں گے جو کہ ہمارے حضور ﷺ

کی خصوصیات کا عظیم مظہر ہیں۔ اور انشاء اللہ حضور ﷺ کے ان کارناموں کو پڑھ کر ضرور ہمارے ایمان میں اضافہ ہوگا اور ہمارے عشقِ رسول کو جلا ملے گی انشاء اللہ۔ اور دعا گو بھی ہوں کہ یا خداوندِ قدوس مجھے بھی اور تمام امت کو بھی اپنے محبوب ﷺ کی سیرت و صورت اپنانے کی توفیق عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین۔

تراسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اس عنوان کے ذیل میں ہم سب سے پہلے مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ایک تقریر پیش کر رہے ہیں اسکے بعد کچھ دوسرے مضامین پیش کریں گے انشاء اللہ، چنانچہ علامہ ندوی کاروانِ مدینہ میں رقم طراز ہیں کہ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی و نبوت کے ذریعے اپنے پیغمبروں کو انسانوں کی اصلاح و تکمیل پر مامور فرمایا اور ان حضرات نے اپنی دعوت و محنت کا موضوع انسان کو بنایا۔ انبیاء علیہم السلام کی بصیرت پر اللہ تعالیٰ نے یہ نکتہ فاش کیا کہ اس دنیا کی قسمت اور اس کی آبادی و ویرانی کا فیصلہ انسان پر معلق ہے۔ اگر حقیقی انسان موجود ہے تو یہ اپنی سب ویرانیوں اور بے سروسامانیوں کے ساتھ آباد و معمور ہے اور اگر حقیقی انسان موجود نہیں تو یہ دنیا اپنی ساری رونقوں اور اپنے ساز و سامان کے ساتھ ایک ویرانہ اور خرابہ سے بہتر نہیں۔ اس دنیا کی بدقسمتی آلات و وسائل کی کمی اور فقدان سے نہیں، بلکہ ان کے غلط استعمال سے ہے۔ دنیا کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اس کو انسان کی غلط اندیشی اور بے راہ روی نے تباہ کیا۔ آلات و وسائل نے اس تباہی اور ہلاکت خیزی میں صرف اضافہ کیا۔

پھر انسان اپنی عظمت، اپنی وسعت، اپنی مرکزیت اور اپنی حکیمانہ صفت کے اعتبار سے کہیں زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کے سعی و محنت اور توجہ و خدمت کا موضوع بنایا جائے۔ یہ کائنات پُر اسرار، بڑی پُر از عجائبات، بڑی حسین و جمیل، بڑی عریض و طویل ہے۔ انسان کی فطرت کے اسرار و عجائبات اس کے مخفی خزانوں اور دفینوں اس کے قلب کی

وسعتوں، اس کے دماغ کی بلند پروازیوں، اس کی روح کی بیتابیوں اور گرم جوشیوں، اس کی غیر مختتم تمناؤں اور نا آسودہ حوصلوں اور اس کی غیر محدود صلاحیتوں کے سامنے اس کی کوئی حقیقت نہیں، ایسی کئی دنیائیں اس کے قلب کی وسعتوں میں، اور یہ سارے سمندر اس کے دل کی گہرائیوں میں گم ہو جائیں، پہاڑ اس کے یقین کا، آگ اس کی محبت کے سوز کا، سمندر اس کے قطرۂ اشک کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس کی حسنِ سیرت کے سامنے دنیا کا ہر حسن ماند ہے۔ اس کے عزم و ارادہ کے آگے ہر طاقت سرنگوں ہے۔ اس انسان میں صحیح یقین، صحیح خواہش اور صحیح ملکات اور اخلاق کا پیدا کرنا اور اس سے خلافتِ الٰہی کا کام لینا نبوت کا اصل کارنامہ ہے۔ ہر نبوت نے اپنے دور میں یہ کارنامہ انجام دیا اور ایسے افراد تیار کیے جنہوں نے اس دنیا کو نئی زندگی بخشی اور زندگی کو جو انسان کی خود فراموشی اور غلط اندیشی سے بے معنی ہو گئی تھی با معنی بنایا۔ نبوت کے ان کارناموں جو تمام زندگی کی پیشانی پر درخشاں و تاباں ہیں سب سے روشن کارنامہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ ہے جس کی سب سے زیادہ تفصیلات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ مردم سازی و آدم گری کے اس کام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کامیابی عطا فرمائی وہ آج تک کسی انسان کو حاصل نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ نے جس سطح سے تعمیرِ انسانیت کا کام شروع کیا اس سطح سے کسی پیغمبر اور کسی مصلح اور کسی مربی کو شروع کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی تھی یہ وہ سطح تھی جہاں حیوانیت کی سطح ختم ہوئی تھی اور انسانیت کی سرحد شروع ہوئی تھی اور جس سطح پر آپ نے اس کام کو پہنچایا اس سطح تک بھی کبھی تعمیرِ انسانیت کا کام نہیں پہنچا تھا جس طرح آپ ﷺ نے انسانیت کی انتہائی پستی سے کام شروع کیا، اسی طرح انسانیت کی آخری بلندی تک اس کام کو پہنچایا۔ آپ کے تیار کیے ہوئے افراد میں سے ایک ایک نبوت کا شاہکار ہے اور نوعِ انسانی کے شرف و افتخار کا باعث، انسانیت کے مرقع میں بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین و جمیل، اس سے زیادہ دلکش و دل آویز تصویریں نہیں ملتی جو ان کی زندگی میں نظر آتی ہے ان کا پختہ یقین، ان کا گہرا علم، ان کا سچا دل، ان کی بے تکلف زندگی، ان کی بے نفسی، خدا ترسی، ان کی

پاکبازی و پاکیزگی، ان کی شفقت و رافت اور ان کی شجاعت و جلادت، ان کا ذوقِ عبادت اور ان کا شوقِ شہادت، ان کی شہسواری اور ان کی شب زندہ داری، ان کی سیم و زر سے بے پروائی، اور ان کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل اور ان کا حسنِ انتظام دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، نبوت کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے انسانی افراد تیار کیے، ان میں سے ایک ایک فرد ایسا تھا جو اگر تاریخ شہادت پیش نہ کرتی اور دنیا اس کی تصدیق نہ کرتی تو ایک شاعرانہ تخیل اور ایک فرضی افسانہ معلوم ہوتا، لیکن وہ تاریخ کی ایک حقیقت ہے، وہ ایک ایسا انسانی وجود تھا جس میں نبوت کے اعجاز نے متضاد اوصاف و کمالات پیدا کر دیے تھے۔

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب عہدِ کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل
ساقیِ اربابِ ذوق، فارسِ میدانِ شوق بادہ ہے اس کا رحیق، تیغ ہے اس کی اصیل

یہ فرد جب تیار ہو گیا تو یہ بندگی اور زندگی کے ہر میدان میں کارآمد، مستعد اور لائق ثابت ہوا اور جو خدمت اس کے سپرد کی گئی اس نے اپنی اہلیت اور صلاحیت اور اپنی فرض شناسی اور احساسِ ذمہ داری اور اپنے اخلاص اور جذبۂ خدمت کا ثبوت دیا، اس کو اگر فیصلہ اور عدالت کا کام سپرد کیا گیا تو وہ بہترین قاضی اور لائق ترین جج ثابت ہوا، جس نے ترازو کے تول فیصلے کیا، وہ اگر فوجوں کا سپہ سالار اور قائد مقرر ہوا تو اس نے اپنی جنگی قابلیت، بیدار مغزی اور شجاعت اور مہارت کا ثبوت دیا، اگر فوجوں کی کمان اس کے حوالے کر دی گئی تو ایک مستعد اور کارگزار اور ایک جری اور جانباز سپاہی ثابت ہوا، اگر اس کو فوجوں کی قیادت کے منصب سے معزول کر دیا گیا تو اس کی پیشانی پر ناگواری کی ایک شکن اور اس کی زبان پر شکایت کا ایک حرف نہیں آیا اور لوگوں نے اس کی مستعدی اور جوش و نشاط میں کوئی فرق محسوس نہیں کیا، اگر وہ نوکروں کا آقا اور محکمے کا افسر تھا تو ایک فراخ دل اور شفیق آقا اور ایک خیر خواہ اور محبت

کرنے والا بزرگ خاندان، اور اگر وہ مزدور پیشہ تھا تو وہ ایک فرض شناس، مستعد مزدور تھا جس کو اپنی مزدوری کے اضافہ سے زیادہ کام کے اضافہ کی فکر تھی۔ وہ فرد اگر فقیر تھا تو قنیع، صابر وقانع اور اگر غنی تھا تو غنی شاکر اور محسن، وہ اگر عالم تھا تو علم کو عام کرنے اور لوگوں کو خدا کا راستہ بتلانے کا حریص اور اپنے علم کی تقسیم میں فیاض اور اگر طالب علم تھا تو علم صحیح کے حصول کا شائق اور اس کو اعلیٰ درجہ کی عبادت سمجھ کر اس کی طلب میں منہمک اور اس کے لیے بڑی سے بڑی محنت اور بڑی سے بڑی خدمت کرنے والا تھا، اور اگر وہ کسی شہر کا حاکم تھا تو راتوں کو پہرہ دینے والا اور دن کو انصاف کرنے والا تھا، غرض یہ فرد انسانی معاشرہ کے جس مقام اور جس محاذ پر تھا نگینہ کی طرح جڑا ہوا تھا۔

دنیا کی سب سے زیادہ نازک اور خطرناک ذمہ داری (حکومت) جب اس کے سپرد ہوئی تو اس نے زہد و فقر اور ایثار و قربانی اور جفاکشی و سادگی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ دنیا محو حیرت رہ گئی اور ابھی تک اس کے تحیر میں کوئی کمی نہیں آئی، آپ ہمارے ساتھ خلافت راشدہ کے ان واقعات کو پڑھ لیجیے۔ عہد صدیقی کا مورخ لکھتا ہے:

ایک روز حضرت ابوبکرؓ کی بیوی نے شیرینی کی فرمائش کی۔ جواب دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں انہوں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں روزمرہ میں سے کچھ دام بچا کر جمع کر لوں فرمایا جمع کرو۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ کو دیے کہ شیرینی لا دو، پیسے لے کر کہا معلوم ہوا کہ یہ خرچ ضرورت سے زیادہ ہے لہٰذا بیت المال کا حق ہے، چنانچہ وہ پیسے خزانے میں جمع کر دیے اور اسی قدر اپنا وظیفہ کم کر دیا۔"

آپ نے بہت سی مملکتوں کے بادشاہوں اور بہت سی جمہوریتوں کے سربراہوں کے سرکاری دوروں کی روداد سنی ہوگی اور ان کے شاہانہ اہتمام اور کر و فر کا تماشہ دیکھا ہوگا۔ ساتویں صدی مسیحی کے سب سے بڑے طاقتور فرمانروا حضرت عمرؓ کے سرکاری دورہ (سفر شام) کی روداد مورخ کی زبان سے سنیے۔ مولانا شبلی اپنی شہرہ آفاق تصنیف الفاروق میں ۱۶ھ کے سفر بیت المقدس کا حال بیان کرتے ہوئے مستند عربی تاریخوں کے حوالے سے

لکھتے ہیں:۔

ناظرین کو انتظار ہوگا کہ فاروق اعظمؓ کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا، کس سروسامان سے ہوگا؟ لیکن یہاں نقارہ و نوبت، خدم و حشم، لاؤ لشکر ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا، سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین و انصار تھے۔ تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظمؓ نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا۔ معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سم گھس کر تمام ہو گئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر اتر پڑے۔ لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا۔ حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو اچھل کرنے لگا۔ فرمایا کمبخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی؟ یہ کہہ کر اتر پڑے اور پیادہ پا چلے۔ بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمرؓ کا لباس اور سروسامان جس معمولی حیثیت کا تھا اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے، چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ پوشاک حاضر کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے۔"

اسی طرح دوسرے سفر شام کا بھی مطالعہ کیجئے مؤرخ رقمطراز ہے کہ حضرت عمرؓ نے شام کا قصد کیا، حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے۔ یرفا ان کا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریب پہنچے۔ کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہوئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ فرماتے کہ تمہارے آگے۔ اسی حیثیت سے ایلہ میں آئے اور یہاں دو ایک روز قیام کیا۔ گزی کا کرتہ جو زیب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا، مرمت کے لیے ایلہ کے

پادری کے حوالے کیا۔ اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا کرتہ پیش کیا۔ حضرت عمر نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔

خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی سیرت کے مختلف پہلو اور ان کے محاسن اخلاق کتابوں میں متفرق و منتشر موجود ہیں۔ ان سب کو جمع کرکے آپ اپنے ذہن میں ایک فرد کی مکمل زندگی اور پوری تصویر تیار کرسکتے ہیں۔ لیکن خوش قسمتی سے ان میں سے ایک (سیدنا علی بن طالب) کا پورا اخلاقی سراپا اور ان کی زندگی کی تصویر ہمارے لٹریچر میں موجود ہے۔ اس کو پڑھیے اور دیکھیے کہ ایک انسان کی سیرت و اخلاق کی اس سے زیادہ حسین و دلکش تصویر اور کیا ہوسکتی ہے۔ اور نبوت نے اپنی تعلیم و تربیت اور اپنی مردم سازی و کیمیا گری کے کیسے یادگار نمونے چھوڑے ہیں۔ ان کی خدمت میں شب و روز رہنے والے ایک رفیق ضرار بن ضمرہ اس طرح ان کی تصویر کھینچتے ہیں:

”بڑے بلند نظر، بڑے عالی ہمت، بڑے طاقتور، جچی تلی گفتگو فرماتے۔ حق و انصاف کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ زبان و ذہن سے علم کا سرچشمہ ابلتا، ہر ہر ادا سے حکمت ٹپکتی، دنیا اور بہار دنیا سے وحشت تھی، رات اور رات کی تاریکی میں خوش رہتے، آنکھیں پرآب، ہر وقت فکر و غم میں ڈوبے ہوئے، رفتار زمانہ پر متعجب، نفس سے ہر وقت کی طلب، کپڑا وہ مرغوب جو موٹا جھوٹا ہو، غذا وہ مرغوب جو غریبانہ اور سادہ ہو، کوئی امتیازی شان پسند نہیں کرتے تھے۔ جماعت کے ایک فرد معلوم ہوتے تھے، ہم سوال کرتے تو یہ جواب دیتے، ہم حاضر خدمت ہوتے تو سلام و مزاج پرسی میں پہل کرتے، ہم مدعو کرتے تو دعوت قبول فرماتے لیکن اس قرب و مساوات کے باوجود رعب کا یہ عالم تھا کہ بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی، سلسلۂ سخن کا آغاز کرنا مشکل ہوتا، اگر کبھی مسکراتے تو دانت موتی کی لڑی معلوم ہوتے، دینداروں کی عزت اور مساکین سے محبت کرتے۔ لیکن اس تواضع و مسکنت کے باوجود کسی طاقتور اور دولت مند کی مجال نہ تھی کہ ان سے کوئی غلط فیصلہ کروالے یا ان سے کوئی رعایت حاصل کرلے اور کمزور کو ہر وقت ان کے عدل و انصاف کا بھروسہ تھا۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان کو ایک ایسی حالت میں دیکھا کہ رات نے اپنی ظلمت کے پردے ڈال دیئے تھے اور ستارے ڈھل چکے تھے۔ آپ اپنی مسجد کے محراب میں کھڑے تھے، داڑھی مٹھی میں تھی، اس طرح تڑپ رہے تھے جیسے سانپ نے ڈس لیا ہو، اس طرح رو رہے تھے، جیسے دل پر چوٹ لگی ہو، اس وقت میرے کانوں میں ان کے یہ الفاظ گونج رہے ہیں۔ "اے دنیا! اے دنیا! کیا تو میرا امتحان لینے چلی ہے اور مجھے بہکانے کی ہمت کی ہے، دور ہو جا اور کسی کو فریب دے، میں نے تو تجھے ایسی تین طلاقیں دی ہیں جن کے بعد رجعت کا کوئی سوال نہیں، تیری عمر کوتاہ، تیرا عیش بے حقیقت، تیرا خطرہ زبردست، ہائے زادِ راہ کس قدر کم ہے، سفر کتنا طویل اور راستہ کتنا وحشت ناک ہے"

نبوت کا یہ کارنامہ زمانہ بعثت اور پہلی صدی ہجری کے ساتھ مخصوص نہیں، آپ کی تعلیمات نے اور آپ کے صحابہ کرام نے زندگی کے جو نمونے چھوڑے تھے وہ مسلمانوں کی ہر دور کی نسلوں اور وسیع عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں ہر شعبۂ زندگی اور صنفِ کمال میں عظیم انسان پیدا کرتے رہے جن کی انسانی بلندی شک وشبہ اور اختلافات سے بالاتر ہے، اس لازوال مدرسۂ نبوت کے فضلاء اور تربیت یافتہ (جنہوں نے صرف اسی مدرسہ سے انسانیت واخلاق اور خدا شناسی اور انسان دوستی کا سبق لیا تھا) اپنے اپنے زمانہ کی زیب و زینت اور انسانیت کے شرف و عزت کا باعث ہیں، کسی مورخ اور کسی بڑے سے بڑے مصنف اور محقق کی یہ طاقت نہیں کہ ان لاکھوں اہلِ یقین اور اہلِ معرفت کے ناموں کی صرف فہرست بھی پیش کر سکے جو اس تعلیم کے اثر سے مختلف زمانوں اور مختلف مقامات میں پیدا ہوتے رہے، پھر ان کے مکارم اخلاق، ان کی بلند انسانیت، ان کے روحانی کمالات کا احاطہ تو کسی طرح ممکن نہیں، ان کے حالات کو (جو کچھ بھی تاریخ محفوظ کر سکی ہے) پڑھ کر عقل حیران ہوتی ہے کہ یہ خاکی انسان روحانی ترقی، نفس کی پاکیزگی، حوصلہ کی بلندی، انسان کی ہمدردی، طبیعت کی فیاضی، ایثار و قربانی، دولت دنیا سے بے نیازی، سلاطین وقت سے بے خوفی، خدا شناسی و خود داری اور معنوی حقیقتوں پر ایمان ویقین کے ان حدود اور بلندیوں تک بھی پہنچ سکتا

ہے؟ ان کے یقین نے لاکھوں انسانوں کے دلوں کو یقین سے بھر دیا، ان کے عشق نے لاکھوں انسانوں کے سینوں کو عشق کی حرارت اور سوز سے گرم و روشن کر دیا، ان کے اخلاق نے خونخوار دشمنوں کو جاں نثار اور لاکھوں حیوان صفت انسانوں کو حقیقی انسان بنا دیا، ان کی صحبت اور ان کے فیض و تاثیر نے خدا طلبی اور خدا ترسی اور انسان دوست کا عام ذوق پیدا کر دیا، پاک و ہند اس بارے میں بڑے خوش نصیب ہیں کہ وہ اپنے آغوش میں بکثرت ایسے مردان خدا کو لیے ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے عہد میں انسانیت کو بلند اور انسان کا نام روشن کیا تھا۔ بادشاہوں کی صف میں بھی جو کشور ستانی اور ملک گیری اور عیش کوشی کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے اس تعلیم نے ایسے درویش صفت اور زاہد سیرت بادشاہ پیدا کیے جنہوں نے زہد و ایثار کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کی نظیر تاریک الدنیا درویشوں اور گوشہ نشین فقیروں کے یہاں بھی مشکل ہے تاریخ اسلام کے ہر دور اور عالم اسلام کے ہر گوشہ میں ایسی شخصیتیں ملتی ہیں کہ بقول اقبال ۔

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب   سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں

"مدرسہ نبوت" کے ان فیض یافتہ سلاطین میں جن کی فہرست طویل ہے آپ صرف سلطان صلاح الدین ایوبی کا حال پڑھیں، چھٹی صدی ہجری میں مشرق وسطی کے اس بڑے حکمران (جو کردستان کے پہاڑوں سے لے کر صحرائے نوبہ تک حکومت کرتا تھا) کے متعلق اس کا سیکریٹری قاضی ابن شداد شہادت دیتا ہے:۔

"زکوٰۃ فرض ہونے کی ساری عمر نوبت نہیں آئی، اس لئے کہ انہوں نے کبھی اتنا پس انداز ہی نہیں کیا، جس پر زکوٰۃ فرض ہو، ان کی ساری دولت صدقات و خیرات میں خرچ ہوئی۔ صرف سینتالیس درہم ناصری اور ایک سونے کا سکہ چھوڑا، باقی کوئی جائیداد و ملکیت کوئی مکان، باغ، گاؤں، زراعت نہیں چھوڑی، ان کی تجہیز و تدفین میں ایک پیسہ بھی ان کی میراث سے صرف نہیں ہوا، سارا سامان قرض سے کیا گیا، یہاں تک کہ قبر کے لئے گھاس کے پولے بھی قرض سے آئے، کفن کا انتظام ان کے وزیر و کاتب قاضی فاضل نے کسی جائز و

حساب ذریعے کیے۔”

انسانی ہمدردی، شرافت نفس، عالی حوصلگی کے اعتبار سے بھی سلطان تاریخ کے عظیم ترین انسانوں میں شمار ہونے کے قابل ہے، بیت المقدس کی فتح کے موقع پر عیسائی فاتحین کے برخلاف جنہوں نے ظلم و سفاکی کی ایک نظیر قائم کر دی تھی، سلطان نے جس شفقت و مروت اور جس احسان و فیاضی کا مظاہرہ کیا، اس کا ذکر کرتے ہوئے ان کا مغربی سوانح نگار اسٹنلی لین پول لکھتا ہے۔

”اگر سلطان صلاح الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیاب کیا تو صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت شجاعت میں یکتا اور بے مثل شخص تھا۔“ (بحوالہ سلطان صلاح الدین)

آپ نے جہاں مشرق وسطیٰ کے ایک عظیم الشان حکمران کے احسان و فیاضی کا واقعہ ملاحظہ فرمایا اب خود اپنے قریبی ملک کے ایک مسلمان بادشاہ کا واقعہ بھی سنتے چلیے جو خلوص و فیاضی، ایثار اور بلند حوصلگی کا ایک اور نمونہ ہے۔ یہ دسویں صدی ہجری کے ایک طاقتور فرمانروا مظفر حلیم سلطان گجرات کا واقعہ ہے کہ جس نے محمود شاہ خلجی کی مدد کے لئے (جو باغیوں کے ہاتھوں تخت و تاج سے محروم ہو گیا تھا اور اس کی سلطنت پر اس کے نمک خواروں نے قبضہ کر لیا تھا) مانڈو پر حملہ کیا تھا اور اس کو فتح کر لیا تھا، واقعہ مورخ گجرات کی زبان سے سنیے

تسخیر قلعہ کے بعد جس وقت مظفر حلیم اندر داخل ہوا اور امرائے ہم رکاب نے شاہان مالوہ کے سامان تجمل اور خزائن و دفائن کو ملاحظہ کیا اور اس ملک کی سرسبزی اور شادابی پر اطلاع پائی تو انہوں نے جسارت کر کے مظفر شاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس جنگ میں تقریباً دو ہزار سوار نامور درجہ شہادت کو پہنچے ہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ اس قدر نقصان اٹھانے کے بعد پھر ملک کو اسی بادشاہ کے حوالے کر دیا جائے جس کی سوء تدبیری سے مندو ہاتھ سے

نے اس پر قابو پالیا تھا۔ بادشاہ نے یہ سنتے ہی سیر موقوف کی اور قلعہ سے باہر نکل کر محمود شاہ کو ہدایت فرمائی کہ اس کے ہمرکاب لوگوں میں سے کسی کو اندر نہ جانے دے، محمود نے باصرار تمام اس بات کی التجا کی کہ بادشاہ چند روز قلعہ کے اندر آرام فرمائیں مگر مظفر شاہ نے اس التجا کو قبول نہ فرمایا اور بعد کو خود ظاہر کیا کہ میں نے یہ جہاد محض خداوند برحق کی رضامندی حاصل کرنے کو کیا تھا، مجھ کو امراء کی تقریر سے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ مبادا کوئی خطرہ فاسد میرے دل میں پیدا ہو اور میرا خلوص نیت برباد ہو جائے۔ میں نے محمود پر کچھ احسان نہیں کیا، بلکہ خود محمود کا مجھ پر احسان ہے کہ اس کی وجہ سے مجھ کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔"

ہم یہ نہیں کہتے کہ سارے سلاطین و فرمانروا جو اسلامی عہد میں گزرے وہ نور الدین وصلاح الدین ناصر الدین محمود اور سلطان مظفر حلیم کا نمونہ تھے، لیکن آپ کو جن فرمانرواؤں میں انسانی بلندی، خدا ترسی، فقر و زہد، ایثار و قربانی اور شفقت و رحمت کی یہ شان نظر آتی ہے اور ان میں سے جو اپنے زمانہ کی سطح سے بلند، بادشاہوں کی روایات سے الگ اور زمانے سے نرالے دکھائی دیتے ہیں وہ صرف نبوت کے فیض اور دینی جذبہ کا نتیجہ ہیں، آپ اگر ان کی زندگی اور سوانح حیات کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو سراغ لگانے کی ضرورت نہیں پڑے گی کہ ان سب کا تعلق واتصال (تعلیم و تربیت، تعلق و محبت اتباع واطاعت کے ذریعے) اسی ایک سرچشمۂ ہدایت سے تھا جس نے ہر دور میں عظیم انسان پیدا کیے خواہ ان کا زمانہ کتنا ہی دور ہو، دراصل یہ سب اسی درسگاہ نبوت کے فیض یافتہ ہیں جس نے تعمیر انسانیت کا کام سب سے وسیع پیمانہ پر اور سب سے اعلیٰ سطح پر انجام دیا اور جس کا فیض اب بھی انسانیت کے چراغ کو روشن کیے ہوئے ہے اور جہاں کہیں روشنی ہے اسی ایک چراغ کا پرتو ہے۔

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

ہماری جدید تہذیب اور موجودہ فکری قیادت معاشرۂ انسانی کی ذمہ داریاں سنبھالنے والے افراد تیار کرنے اور انسان کی سیرت سازی میں بڑی طرح ناکام رہی ہے، وہ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرسکتی ہے، وہ فضا میں سفر کرنے کے لیے محفوظ و سریع السیر آلات

تیار کر سکتی ہے، وہ انسان کو چاند اور ستاروں پر پہنچا سکتی ہے، وہ ذرّی طاقت سے بڑے بڑے کام لے سکتی ہے، وہ ملک سے غریبی دور کر سکتی ہے، وہ علم و ہنر کو آخری نقطۂ عروج پر پہنچا سکتی ہے، وہ پوری کی پوری قوم اور ایک ملک کی آبادی کو خواندہ اور تعلیم یافتہ بنا سکتی ہے، اس کی ان کامیابیوں اور فتوحات سے کسی انکار کی گنجائش نہیں، لیکن وہ صالح اور صاحب یقین افراد پیدا کرنے سے بالکل عاجز ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی ناکامی اور بدقسمتی ہے اور اسی وجہ سے صدیوں کی محنتیں ضائع و برباد ہو رہی ہیں اور ساری دنیا مایوسی اور انتشار کا شکار ہے اور اب اس کا سائنس اور علم پر سے بھی اعتقاد اٹھ رہا ہے، اندیشہ ہے کہ دنیا میں ایک شدید رد عمل کی تحریک اور علم و تمدن کے خلاف بغاوت کے دور کا آغاز نہ ہو جائے، فاسد افراد نے مقصود اور صالح وسائل و ذرائع کو بھی فاسد بلکہ آلۂ فساد و تخریب بنا دیا ہے، فاسد و کمزور تختوں سے کوئی صالح اور مضبوط سفینہ تیار نہیں ہو سکتا، یہ بالکل مغالطہ اور خام خیالی ہے کہ فاسد تختے علیحدہ علیحدہ فاسد، کمزور اور ناقابل اعتماد ہیں لیکن جب ان کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے اور ان سے کوئی سفینہ تیار کیا جائے تو ان کی قلب ماہیت ہو جاتی ہے اور وہ صالح بن جاتے ہیں، رہزن اور چور علیحدہ علیحدہ تو رہزن اور چور ہیں، لیکن جب وہ اپنی جماعت بنائیں تو وہ پاسبانوں اور ذمہ دار انسانوں کی ایک مقدس جماعت ہے، نئی فکری قیادت نے جو افراد دنیا کو عطا کیے ہیں وہ ایمان و یقین سے خالی، ضمیر انسانی سے محروم، حاسۂ اخلاقی سے تہی دست، محبت و خلوص کے مفہوم سے ناآشنا، انسانیت کے شرف و احترام سے غافل ہیں، وہ تو لذت و منفعت کے فلسفہ سے واقف ہیں یا صرف قوم پرستی اور وطن دوستی کے مفہوم سے آشنا ہیں۔ اس نوعیت اور صلاحیت کے افراد خواہ جمہوری نظام کے سربراہ ہوں یا اشتراکی نظام کے ذمہ دار کبھی کوئی صالح معاشرہ، پرامن ماحول اور خدا ترس و پاکباز سوسائٹی قائم نہیں کر سکتے اور ان پر خدائی مخلوق اور انسانی کنبہ کی قسمت کے بارے میں کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

اس دنیا میں صالح ترین افراد اور صالح ترین معاشرہ صرف نبوت نے تیار کیا ہے

اور اس کے لیے قلب کو بدلنے اور گرمانے، نفس کو جھکانے اور جمانے، جنگی و سپاہ گری کی محبت اور گناہ و بدی سے نفرت پیدا کرنے، مال و زر، ملک و سلطنت، عزت و وجاہت اور ریاست و تفوق کی سحر انگیز ترغیبات کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا کرنے کی صلاحیت ہے اور وہی افراد جو ان صلاحیتوں کے مالک ہوں دنیا کو ہلاکت سے اور تہذیب کو تباہی سے بچا سکتے ہیں۔

نبوت نے دنیا کو سائنس نہیں دی، ایجادیں نہیں عطا کیں، اس کو نہ اس کا دعویٰ ہے نہ ایسا نہ کرنے پر شرمندگی اور معذرت، اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس دنیا کو افراد عطا کیے جو خود صحیح راستہ پر چل سکتے ہیں اور دنیا کو چلا سکتے ہیں اور ہر اچھی چیز سے خود نفع اٹھا سکتے ہیں اور دوسروں کو پہنچا سکتے ہیں اور جو ہر قوت اور نعمت کو ٹھکانے لگا سکتے ہیں، جو اپنی زندگی کے مقصد سے واقف اور اپنے پیدا کرنے والے سے آشنا ہیں اور اس کی ذات سے استفادہ کرنے اور اس سے مزید نعمتیں حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، انہیں کا وجود انسانیت کا اصل سرمایہ اور انہیں کی تربیت نبوت کا اصل کارنامہ ہے۔ (کاروانِ مدینہ)

آپ ﷺ نے انسانیت کا سر اونچا کر دیا

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی ایک اور مضمون میں اس عنوان سے متعلق کچھ اس طرح سے لکھتے ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں کثرت سے افراد اور جماعتیں گزری ہیں جنہوں نے انسانیت کی خدمت کی ہے اور دنیا کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا ہے۔ اس موقع پر وہ سب تاریخ کی سطح سے ابھر آتے ہیں اور اپنے کو انسانیت کا معمار و خدمت گزار کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور وہ امیدوار ہوتے ہیں کہ ان کو بھی اس معیار سے جانچا اور پرکھا جائے گا، یہ ٹھیک ہے ان کو بھی موقع دینا چاہیے اور ان کی خدمات و احسانات کا موازنہ کرنا چاہیے کہ کون اس معیار پر پورا اترتا ہے۔ سب سے پہلے ہمارے سامنے ایک سنجیدہ اور باوقار گروہ آتا ہے، یہ حکما و فلاسفہ کی جماعت ہے، ان میں یونان کے بڑے بڑے فلسفی بھی ہیں اور ہندوستان کے بلند پایہ حکیم بھی۔ ہمارا ذہن حکمت فلسفہ سے شروع سے مرعوب رہا ہے، ہم

ان کو دیکھ کر کہہ اٹھے ہیں کہ انھوں نے انسانیت کا سر اونچا کیا ہے اور اس کا دامن موتیوں سے بھر دیا ہے۔ لیکن تعصبات اور عقیدت مندی سے ذرا آزاد ہو کر غور کیجیے کہ کیا ان کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے اور کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ انسانیت کے حق میں رحمت ثابت ہوئے ہیں؟ میں پوچھتا ہوں کہ انسانیت نے ان سے کیا پایا، اس کی کونسی پیاس تھی جو انھوں نے اس کے کس درد کا مداوا کیا؟ غور کرنے پر ہم کو مایوسی ہوتی ہے۔ ذرا آپ فلسفہ کا مطالعہ کیجیے اور فلاسفہ کی زندگی پر نظر ڈالیے۔ صاف معلوم ہوگا کہ فلسفہ زندگی کے کس سمندر میں ایک مختصر سا جزیرہ تھا، ایک محفوظ جگہ تھی، ایک محدود دائرہ تھا۔ یہ حکماء و فلاسفہ اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں، خدا کی دی ہوئی طاقتیں اس محدود دائرے کے اندر صرف کر رہے تھے۔ انسانیت کے وہ مسائل جن کو ذرا دیر کے لیے بھی ٹالا نہیں جا سکتا اور جو فوری حل کے محتاج ہیں، جن کے بغیر انسانیت کی گاڑی ایک قدم بھی نہیں چل سکتی، ان حکماء نے نہ ان مسائل کو چھیڑا، نہ ان سے بحث کی اور نہ ان مسائل میں انسانیت کی کوئی مدد کی، وہ اپنے اس علمی جزیرے کے اندر عافیت کی زندگی گزارتے رہے۔ لیکن انسانیت تو ان چھوٹے چھوٹے جزیروں میں بند نہیں تھی، یونان جہاں فلاسفہ بہت گزرے ہیں، اس یونان میں بھی سارے کے سارے فلسفی تو نہیں تھے۔ ان فلسفیوں نے کواکب اور سیارات سے تو بحث کی اور فلکیات پر موشگافیاں کیں، مگر زندگی کے لیے کیا ہدایت دی اور علمی طبقہ کو چھوڑ کر دوسرے طبقات کی کیا رہنمائی کی؟ اور زندگی میں رہتے ہوئے بھی زندگی سے بے تعلق تھے، انھوں نے اپنے گرد علم و حکمت کا ایک حصار کھینچ لیا تھا اور صرف چند علمی مسائل سے تعلق رکھا تھا۔ یہ ایک سیاسی دور ہے اور ہمارا ملک اب آزاد ہے، شاید آپ اس مثال سے فلاسفہ کی صحیح پوزیشن سمجھ سکیں۔ دیکھیے آپ کے ملک میں مختلف بیرونی ممالک کے سفارت خانے ہیں، کوئی امریکی سفارت خانہ ہے، کوئی روسی سفارت خانہ ہے، کوئی مصر کا ہے، کوئی ایران کا۔ ان سفارت خانوں کے اندر بھی زندگی اور حرکت ہے، ان کے اندر بھی بہت سے لوگ لکھتے پڑھتے رہتے ہیں، بڑے بڑے فاضل اور سیاسی مبصر بھی ہیں لیکن ان کو ہمارے اندرونی مسائل سے کوئی

دلچسپی نہیں ہمارے آپس کے تعلقات اور باہمی کشاکش سے کوئی واسطہ نہیں، یہاں کی غریبی، امیری، اخلاقی ترقی اور انحطاط سے ان کو بحث نہیں، ان کا محدود و مخصوص کام ہے اور وہ صرف وہی کام انجام دیتے ہیں، اس لیے وہ یہاں ہو کر بھی ایسے ہیں گویا وہ یہاں نہیں ہیں ۔ بس اسی طرح حکمت وفلسفہ ایک غیر ملکی سفارت خانے کی طرح قائم تھا اور یہ حکماء اور فلاسفہ ان سفارت خانوں کی چار دیواری کے اندر علم وحکمت کی نمائندگی کر رہے تھے، اور زندگی کے مسائل سے بے تعلق تھے۔

دوسری جماعت جو اس سلسلے میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ ادباء وشعراء کی جماعت ہے ہم کو اور آپ کو ادب وشاعری کا ذوق ہے اور ہم ادب وشعر کی تحقیر نہیں کرتے، لیکن بے ادبی معاف! کیا ادباء وشعراء نے بھی انسانیت کے دکھ کا علاج نہیں کیا۔ انہوں نے ہمارے لئے تفریح کا سامان باہم پہنچایا، ہمارے ادب وزبان کو مالا مال کیا لیکن انسانیت کی اصلاح کا دردِ سر مول نہیں لیا اور نہ یہ ان کے بس کی بات تھی، زندگی بنتی اور بگڑتی رہی، انسانیت گرتی اور سنبھلتی رہی اور یہ اپنے میٹھے میٹھے بول سناتے رہے، اس کی مثال یوں سمجھیں کہ لوگ اپنی اپنی مصیبتوں میں مبتلا ہوں، کہیں لڑائی جھگڑا ہو رہا ہو، کہیں زندگی کے مسائل درپیش ہوں اور کوئی بانسری بجانے والا بڑی سُریلی آواز میں بانسری بجاتا گزر جائے۔ آپ تھوڑی دیر کے لئے اس کا لطف لے سکتے ہیں، آپ اس کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں مگر اس ترنم سے آپ زندگی کے مسائل تو حل نہیں کر سکتے اور نہ اس سے کوئی پیغام حاصل کر سکتے ہیں۔ شعروادب ہماری زندگی کے لیے کتنا ہی ضروری کیوں اور اس سے ہماری روح کی بالیدگی اور ہمارے دماغ کو کیسی ہی تازگی حاصل ہو، لیکن یہ ہمارے مسائل کا حل اور ہمارے درد کی دوا تو نہیں، پھر ان ادباء وشعراء کو کسی چیز پر اصرار بھی نہیں تھا۔ وہ کسی مقصد کے لیے جدوجہد بھی نہیں کرتے تھے اور نہ اس کے لیے قربانیاں کرنا ان کے بس کی بات تھی اور اصلاح وانقلاب اس کے بغیر ہوا نہیں کرتا۔

تیسرا گروہ جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ فاتحین کا ہے جنہوں نے ملکوں کو فتح کیا اور

اپنے زور شمشیر سے قوموں کو تسخیر کیا اس گروہ سے بھی ہم اچھے خاصے مرعوب ہیں۔ ان کی تلواروں کی جھنکار ابھی تک ہمارے کانوں میں آرہی ہے۔ بظاہر ان کے شور سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے انسانیت کی بڑی خدمت کی مگر ان کے نام کیساتھ کون سی تاریخ وابستہ ہے ؟ کیا عدل وانصاف کی، پرورش کی وسخا کی؟ سکندر کا نام آتا ہے تو اس کے مظالم کی داستان تازہ ہو جاتی ہے، کیا وہ انسانیت کا محسن تھا، اس نے یونان سے ہندوستان تک تمام ملکوں کو زیرو زبر کر دیا، ملک کے ملک اس کی وجہ سے امن وامان اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے اس کے چلے جانے کے بعد بھی سینکڑوں برس تک یہ ملک سنبھل نہ سکے۔ یہی حال تیمور، چنگیز خان اور دوسرے بڑے بڑے فاتحین کا ہے، فاتح چاہے اپنے ملک کا محسن ہو یا اپنی قوم کے لئے رحمت ہو مگر دوسری قوموں کے لیے عذاب اور مصیبت ہے۔

چوتھا گروہ ان لوگوں کا آتا ہے جو ملک کے آزاد کرانے والے ہیں اور قومی لیڈر ہیں ۔ اس گروہ کا جب نام آتا ہے تو احترام سے ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں۔ حقیقتاً انہوں نے اپنے ملک کے لیے بڑا کام کیا مگر اس ملک کے باہر بسنے والے انسانوں کے لیے کیا کیا آپ ابراہیم لنکن کے نام سے واقف ہوں گے وہ جدید امریکہ کا معمار تھا، مگر بتائیے کہ ہندوستان، مصر، عراق اور ان جیسے اور ملکوں کو اس سے کیا فائدہ پہنچا؟ تاریخ پر نظر کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس نے ایک امپیریلسٹ طاقت پیدا کر دی اور دنیا کی غلامی کی زنجیر میں ایک اور کڑی کا اضافہ کر دیا۔ سعد زاغلول کون تھا؟ مصر کا محسن اور وہاں کی تحریک آزادی کا سب سے مشہور رہنما، مگر مصر سے باہر اس نے کیا کیا اور اس کا ہم پر کیا احسان ہے؟ یہ قوم پرستی تو دراصل دوسرے ملکوں اور قوموں کے لیے مصیبت ہے اس لیے اس کی بنیاد ہی اپنی قوم کی برتری اور دوسری قوموں کی تحقیر پر ہے اور اکثر اس کو اپنی قوم کا پایہ بلند کرنے کے لیے دوسری قوموں کو غلام بنانا پڑتا ہے۔

پانچواں گروہ وہ ہے جو سائنسدان کہلاتا ہے جس نے نئی نئی ایجادیں کیں اور بہت سی کارآمد چیزیں بنائیں۔ بلاشبہ اس گروہ نے انسانوں کی بڑی خدمت کی۔ یہ تمام ایجادیں

جو ہمارے کام آتی ہیں جیسے بجلی، ہوائی جہاز، ریل اور ریڈیو انھیں سائنسدان حضرات کی مرہونِ منت ہے، اس کے لیے انھوں نے بڑی محنتیں کیں، اور اس میں شک نہیں کہ یہ انسانوں کے بڑے کام آ رہی ہیں مگر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایجادیں تنہا کافی نہیں، ان ایجادوں کیساتھ اگر نیک ارادے نہ ہوں، صبر و ضبط نہ ہو، خدمتِ خلق کا جذبہ نہ ہو، اس سے اگر انسانیت کے ضروری مسائل حل نہ ہوں تو بتایئے کہ یہ ایجادیں انسان کے لیے رحمت ہیں یا زحمت؟ انھوں نے یہ ایجادیں تو انسان کو دے دیں مگر ان کے استعمال کا صحیح جذبہ نہیں دیا، وہ ذہن و ضمیر پیدا نہیں کیے جو ان سے فائدہ اٹھائے اور ان کو ٹھکانے لگائے۔ اور ان سے غلط کام لینے سے پرہیز کرے، گزشتہ دو جنگوں کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اخلاقی تربیت اور خدا ترسی کے بغیر یہ ایجادیں اور یہ وسائل انسانیت کے حق میں قہر و عذاب ہیں، رحمت و رحمت نہیں، میں ان سائنس دانوں کی تحقیر نہیں کرتا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ یہ ایجاد کا کارنامہ نیک مقاصد، اخلاقی طاقت اور دماغی توازن کے بغیر محسن نہیں ابھرا ہے، جب تک انسان کے دل میں نیک خواہش نہ ہو اور خود اس کے اندر نیک کام کرنے کی تحریک اور تقاضا نہ پیدا ہو اس کو وسائل و آلات، مواقع و امکانات اور سہولتیں اور آسانیاں نیک نہیں بنا سکتیں، فرض کیجیے میرے جیب دینے کو روپیہ بھی ہے لینے کو بہت سے محتاج بھی ہیں، میرا کوئی ہاتھ نہیں پکڑتا مگر میرے اندر فیاضی کا جذبہ اور مدد کرنے کی خواہش نہیں تو مجھے کون دینے پر آمادہ کر سکتا ہے؟

اب ایک دوسرا گروہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ پیغمبروں کا گروہ ہے۔ یہ گروہ ایجادات و اکتشافات کا دعویٰ نہیں کرتا نہ وہ علوم میں مہارت کا مدعی ہے نہ اس کو ادب و شاعری پر ناز ہے۔ وہ اپنے متعلق مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے نہ بے ضرورت خاکساری سے، وہ بڑی صفائی اور سادگی سے کہتے ہیں کہ دنیا کو وہ تین چیزیں عطا کرتے ہیں (1) صحیح علم (۲) اس علم پر یقین (۳) اس علم پر عمل کرنے اور اس یقین کے مطابق زندگی گزارنے کا جذبہ اور خواہش، یہ ہے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کی تعلیم

کا نچوڑ۔ اب میں بتاتا ہوں وہ صحیح علم کیا ہے جو پیغمبر انسانوں کو دیتے ہیں، وہ علم اس کا کہ دنیا کو کس نے بنایا؟ پیغمبر یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کو کس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا؟ اس کے معلوم کیے بغیر ہمارا ہر قدم غلط ہے، ہم کو اس دنیا کی کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں، اس لیے اس زندگی میں جو کچھ ہو رہا ہے چلنا پھرنا، کھانا پینا، وہ سب اس عظیم کل کا ایک حقیر جز ہے، جب تک کہ ہم کو اس کائنات کا مرکز معلوم نہیں اور ہم اس کے مقصد کلی سے اتفاق نہیں رکھتے کہ ہم کو اس کے اجزاء سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ اس کے بغیر تو روٹی کا ایک ٹکڑا توڑنا حرام ہے، ہم بھی اس کائنات کا ایک حقیر جز ہیں اور غلہ کا جو دانہ ہم استعمال کرتے ہیں وہ بھی اس مجموعہ کی ایک بہت حقیر کسر اور ایک ادنیٰ ذرہ ہے۔ بلکہ ہم جس سیارہ (زمین) پر بس رہے ہیں وہ بھی اس کائنات کا حقیر ذرہ ہے۔ ہماری اس زمین کی اس نظام فلکی میں کیا حیثیت ہے؟ اگر آپ کو وہ نسبت معلوم ہو جائے جو آپ کی اس سرزمین اور سورج کے درمیان ہے یا دوسروں ستاروں اور ثوابت سے ہے تو آپ کو اپنے وجود سے بھی شرم آنے لگے گی اور اپنے عظیم الشان وطن سے بھی۔ آپ کے اور اس کائنات کے دوسرے اجزاء کے درمیان کس نے ربط پیدا کیا؟ اسی خالق کائنات نے اور اسی مقصد کلی نے! اگر آپ اس خالق کائنات کو نہیں جانتے یا نہیں مانتے اور اس مقصد کلی سے آپ کو اتفاق نہیں ہے تو آپ کو اس کائنات کے کسی ذرے یا دوسرے جز سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ اگر روٹی کا وہ ٹکڑا جو آپ کے ہاتھ میں ہے آپ سے سوال کرے کہ میں نے تو اپنے خالق کو پہچان لیا اور اس کے حکم کے مطابق میں نے اپنے مخدوم (انسان) کے لیے اپنے وجود کو قربان کر دیا۔ لیکن اے انسان! تو نے اپنے خالق کو جانا نہ اس کی بندگی کی، تجھے مجھ سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟!! اسی طرح اس دنیا کی کسی چیز کا استعمال غلط ہے جب تک یہ جان نہ لیا جائے کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟ مگر یہ عجیب زبردستی ہے کہ آج دنیا میں تمام کام ہو رہے ہیں، بازار میں چہل پہل ہے، تعلقات قائم ہو رہے ہیں، سواریاں چل

رہی ہیں، بڑے بڑے کام ہو رہے ہیں مگر کسی کو یہ معلوم کرنے کی فرصت نہیں کہ جس دنیا میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اس کا پیدا کرنے والا کون ہے۔ اس کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ جب پیغمبر دنیا میں تشریف لائے انسانیت کی گاڑی بے مقصد جا رہی تھی۔ فلاسفہ، علماء، ادباء، شعراء، فاتحین حکمرانوں، کاشتکاروں اور تاجروں کو اپنے کاموں سے فرصت نہ تھی، حاکم بھی تھے اور محکوم بھی تھے، ظالم بھی تھے اور مظلوم بھی تھے مگر سب اصل مقصد سے غافل اور اپنے پیدا کرنے والے سے ناواقف، ان چھوٹے چھوٹے بالشتیوں جیسے انسانوں میں ایک بلند قامت انسان آتا ہے اور جن لوگوں کے ہاتھ میں انسانیت کی باگ ڈور تھی، ان سے سوال کرتا ہے کہ جواب دو کہ تم نے انسانوں پر یہ کیا ظلم کیا ہے کہ ان کو اپنے مالک اور اس دنیا کے بادشاہ سے ہٹا کر اپنا غلام بنا لیا ہے؟ تم کو کیا حق تھا کہ نابالغ انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر تم نے اس کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے؟ اے ظالم ڈرائیور تو نے مسافروں سے پوچھے بغیر زندگی کی گاڑی کس طرف چلانی شروع کر دی؟ وہ زندگی کے قلب و ضمیر میں کھڑے ہو کر انسانیت کو خطاب کرتا ہے اور اس کو پکارتا ہے، اس کے سوال کو ٹالا نہیں جا سکتا، اس کی دعوت اور اس کی پکار پر دو گروہ ہو جاتے ہیں: ایک اس کی بات مانتا ہے، ایک انکار کرتا ہے، دنیا کو ان دونوں راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

پیغمبر کبھی نہیں کہتے کہ ہم قدرت کے راز ہائے سربستہ کا انکشاف کرنے آئے ہیں، ہم طبعی طاقتوں کو مسخر کرنے آئے ہیں، ہم کچھ نئی ایجادیں کریں گے، وہ جغرافیہ و معدنیات میں مہارت کا دعویٰ نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس دنیا کے بنانے والے اور اس کی ذات وصفات کا صحیح علم عطا کرتے ہیں جو ہم کو اس دنیا کے مالک نے اور انسان کے خالق نے عطا کیا ہے اور اب ہمارے ہی ذریعہ سے دوسروں کو مل سکتا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اس دنیا کا بنانے والا ایک ہے اور اسی کی مرضی و حکمت سے یہ دنیا چل رہی ہے، وہ بلا شرکت غیرے اس کو چلا رہا ہے، یہ دنیا بے مقصد پیدا نہیں کی گئی اور نہ بے مقصد چل رہی ہے۔ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہوگی جس میں اس پہلی زندگی کا حساب دینا ہوگا، وہاں اچھے اعمال کا

انعام ملے گا، بُرے اعمال کی سزا ملے گی، قانون لانے والے اور خدا کا منشا بتلانے والے پیغمبر ہیں جو ہر ملک اور ہر قوم میں آئے اور خدا کا پیغام لائے، خدا کا راستہ ان کے بغیر مل نہیں ہوسکتا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن پر تمام پیغمبر متفق ہیں ان میں کسی کا اختلاف نہیں فلاسفہ حکماء میں سخت اختلاف ہے، ان میں سے دو بھی کسی ایک بات پر متفق نہیں لیکن یہاں کسی ایک بات پر بھی دو پیغمبروں میں اختلاف نہیں۔

لیکن تنہا علم کے لیے یقین ضروری نہیں، آج ہماری معلومات کتنی زیادہ ہیں مگر ہمارا یقین کتنا کم ہے، علم ہمیشہ یقین پیدا نہیں کرتا، قدیم زمانہ کے فلاسفہ میں سے بہت سے یقین سے محروم تھے اور شک کے مریض۔ آج بھی ان کا علم یقین پیدا کرنے کے بجائے الٹا شک پیدا کرتا ہے، آج بھی بڑے بڑے صاحب علم یقین کو ترستے ہیں، انبیاء علیہم السلام تنہا صحیح علم نہیں دیتے تھے اس پر یقین بھی عطا کرتے تھے، علم بڑی دولت ہے مگر اس پر یقین اس سے بڑی دولت ہے، علم بغیر یقین کے زبان کی ورزش ہے، دماغ کا تعیش اور دل کا نفاق۔ پیغمبروں نے اپنے ماننے والوں کو صحیح علم عطا کیا اور مضبوط یقین، انھوں نے جو کچھ جانا اس کو مانا پھر اپنے کو اس پر قربان کر دیا، ان کے دماغ اس علم سے روشن ہوئے اور ان کے دل اس یقین سے طاقتور، ان کے یقین کے قصے تاریخ میں پڑھیے، ان کے یقین کے نتائج اپنی گردو پیش کی دنیا میں دیکھیے، آج اگر یقین ہوتا تو بد اخلاقی کیوں ہوتی؟ ظلم کیوں پھیلتا؟ رشوت کا بازار کیوں گرم ہوتا؟ کیا یہ تمام خرابیاں اس لیے ہیں کہ علم نہیں، لوگوں کو معلوم نہیں کہ چوری جرم ہے؟ رشوت حرام ہے؟ گرہ کٹی بد اخلاقی ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے؟ ہم تو دیکھتے ہیں جہاں علم زیادہ ہے وہاں خرابیاں بھی زیادہ ہیں، جو لوگ رشوت کی برائی پر کتاب لکھ سکتے ہیں اور اس کی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں، وہ زیادہ رشوت لیتے ہیں، جو چوری کی خرابی سے اور اس کے انجام سے زیادہ واقف ہیں وہ چوری زیادہ کرتے ہیں، گرہ کٹوں کو دیکھیے ان میں بہت سے ایسے ملیں گے جو گرہ کٹی کے الزام میں کئی کئی بار سزا بھگتے ہوئے ہوتے ہیں، کیا ان سے زیادہ کوئی گرہ کٹی کے انجام اور سزا سے واقف ہوگا، اگر صرف علم کافی ہوتا تو چوری کی سزا کے بعد

چوری چھوٹ جاتی اور ایک بار جرم کرنے اور سزا بھگتنے کے بعد کوئی چوری نہ کرتا لیکن ایسا نہیں ہو رہا ہے۔

معلوم ہوا علم تنہا کافی نہیں۔ بے شک علم ضروری اور یقین ضروری مگر اس کی کیا ضمانت کہ عمل کا تقاضا بھی پیدا ہوگا۔ بہت سے لوگ جانتے ہیں اور یقین بھی رکھتے ہیں کہ شراب بڑی چیز ہے اور اس کے نقصانات کا تجربہ بھی ہے، یقین بھی، مگر پیتے ہیں، آپ کے شہر میں بہت سے ڈاکٹر حکیم ہوں گے جو بد پرہیزی کرتے ہیں، ان کو یقین ہوتا ہے کہ بد پرہیزی خطرناک ہے، مگر وہ بد پرہیزی کر گزرتے ہیں، بات یہ ہے کہ عمل کا تقاضا نہیں ہوتا، دماغ کے اندر پرہیزی کی خواہش اور بد پرہیزی سے نفرت نہیں ہوتی، بلکہ بد پرہیزی کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اس خواہش کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

انبیاء کرام علم و یقین کے ساتھ یہ تیسری طاقت بھی عطا کرتے ہیں، یعنی اپنے علم و یقین پر عمل کرنے کی رغبت اور اپنی غلط خواہشات کا مقابلہ کرنے کی طاقت، اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم و یقین سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، ان کا ضمیر ان کی نگرانی کرتا ہے اور غلط کام کرنے کے وقت ان کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ ہر پیغمبر نے یہ تینوں دولتیں اپنے اپنے زمانہ والوں اور اپنی اپنی امتوں کو عطا کیں اور ان کی بدولت لاکھوں انسانوں کی زندگی بن گئی اور زندگی کی چولیں اپنی جگہ پر آ گئیں۔ انسانیت پر حقیقی احسان انہیں پیغمبروں کا ہے، اللہ کا درود و سلام ہو ان پر کہ انہوں نے انسانیت کی دستگیری کی اور اس کو عین وقت ہلاکت سے بچا لیا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ دولتیں دنیا سے ناپید ہونے لگیں، علم صحیح گم ہو گیا، یقین کا چراغ بجھ گیا، نیک عمل کی خواہش مردہ ہو گئی، چھٹی صدی مسیحی آئی تو یہ تینوں دولتیں اتنی نایاب ہو چکی تھیں کہ ان کا سراغ لگانا مشکل تھا، پورے پورے ملک اور پورے پورے براعظم میں بھی ڈھونڈنے سے ایک اللہ کا بندہ نہ تھا جو علم صحیح اور ایمان قوی کی دولت سے مالا مال ہو، انبیاء کا لایا ہوا دین اور پھیلایا ہوا یقین سمٹتے سمٹتے ایک نقطہ بن گیا تھا۔ شک و بے عملی کی ظلمتوں میں علم و یقین کا یہ نور اس طرح کہیں کہیں چمکتا تھا جیسے برسات کی

اندھیری رات میں جگنو چمکتے ہیں، اہل یقین کا ایسا قحط تھا کہ ایران کا ایک نوجوان سلمان فارسی یقین اور حسن عمل کی تلاش میں نکلتا ہے تو ایران سے شام اور وہاں سے حجاز پہنچ جاتا ہے اور ان تین ملکوں میں اس کو صرف چار صاحب یقین ملتے ہیں۔

اس گھٹا ٹوپ اندھیرے اور اس عالمگیر ظلمت میں خدا کا آخری پیغمبر آتا ہے وہ ان تینوں دولتوں کو اتنا عام کر دیتا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنی عام نہیں ہوئی تھیں، یہ جو دولت کسی کسی سینہ اور کسی کسی سفینہ میں تھی جو گھروں سے نکل کر گلیوں میں بھی اور گلیوں سے نکل کر شہروں میں بھی نہیں پھیلی تھی وہ گھر گھر عام ہو جاتی ہے اور مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتی ہے:

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

وہ ان تینوں حقیقتوں کی تلقین ہی نہیں کرتا، ان کا صور پھونک دیتا ہے، دنیا میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی کان والا ایسا نہیں جو کہہ سکے کہ اس نے اس صور کی آواز نہیں سنی اور جس نے نہیں سنی اس کے کان کا قصور ہے، اس کے اعلان کا قصور نہیں، آج دنیا کا کون سا گوشہ ہے جہاں اشهد ان لا اله الا الله اور اشهد ان محمدا رسول الله کا ترانہ سننے میں نہیں آتا، جب دنیا کی تمام آوازیں تھک کر سو جاتی ہیں، جب جیتے جاگتے شہر پر موت کی سی نیند طاری ہو جاتی ہے، جب زبانوں پر قفل پڑ جاتے ہیں، اس وقت بھی کانوں میں یہی صدا آتی ہے، خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں۔

آج ریڈیو کے ذریعے دنیا کے کونہ کونہ میں آواز پہنچتی ہے اور گھر گھر پیغام پہنچ جاتا ہے لیکن کیا کسی ریڈیو نے خواہ وہ امریکہ کا ہو یا برطانیہ کا، کسی حقیقت کو کبھی اس طرح دنیا میں عام کیا ہے جس طرح یہ علم عام ہوا ہے جس کی صدا نبی امی نے کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر لگائی تھی، انسان کبھی ترنگ میں آتا ہے اور خاص خصوصیت کے ساتھ کچھ کہنے لگتا ہے، اسی ہی ترنگ میں قرآن نے انسانوں کی طرف سے اپنے مالک کی بارگاہ میں عرض کیا تھا:

قرآخر اب فرشتے ذکر سکتے بود

اگر آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ غلام عرض کرے تو کیا بیجا ہے کہ خدایا تیری خدائی برحق! تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالق اور اس ساری دنیا کا خالق و مالک اور ہر شے پر قادر ہے! لیکن کیا تیرے بندوں اور تیری مخلوقات میں سے کسی نے تیرا نام اس طرح پھیلایا اور دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا جس طرح تیرے بندے اور پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ یہ کوئی بے ادبی اور سرکشی نہیں، اس میں بھی تعریف اسی خدا کی ہے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیغمبر بھیجا اور ان کو اپنا نام پھیلانے اور اپنا دین چمکانے کی یہ طاقت اور توفیق عطا فرمائی!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے میدان میں جب اپنی ۱۴-۱۵ سال کی کمائی اللہ کے دین کی مدد کے سامنے رکھ دی اور ۳۱۳ کو ایک ہزار کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا تو زمین پر سر رکھ کر اپنے مالک سے یہی کہا تھا کہ "اے اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دینے کا فیصلہ فرماتا ہے تو قیامت تک تیری عبادت نہ ہو سکے گی۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی جو صدا لگائی تھی اس سے دنیا کا کوئی مذہب، کوئی فلسفہ اور کوئی دماغ غیر متاثر نہیں رہا، جب سے دنیا نے سنا کہ انسان کے لیے خدا کے سوا کسی اور کے سامنے جھکنا ذلت اور عار ہے، خدا نے فرشتوں کو آدم کے سامنے اس لیے جھکایا کہ سب سجدے اس کی اولاد پر حرام ہو جائیں، وہ سمجھ لے کہ اس کارخانۂ قدرت کے بندے ہمارے سامنے جھکا دیئے گئے تو ہم کو اس دنیا کی کسی چیز کے سامنے جھکنا کب زیب دیتا ہے، جب سے دنیا نے توحید کی حقیقت اور انسان نے اپنی یہ حیثیت سنی اس وقت شرک خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو گیا۔ اس کو احساسِ کمتری نے گھیر لیا۔ آپ کو بعثتِ نبوی کے بعد اس کے لب و لہجہ میں فرق محسوس ہوگا۔ اب وہ اپنے عمل پر نازاں نہیں، وہ اس کی تاویل اور فلسفیانہ تعبیر کرتا ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ توحید کی آواز نے دل میں گھر کر لیا ہے۔

پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم و یقین کے ساتھ وہ طاقت بھی پیدا کر کے دکھا دی جس میں ہزار پولیس، سینکڑوں عدالتوں اور بیسیوں حکومتوں سے زیادہ طاقت

یعنی ضمیر کی طاقت، نیکی کی رغبت، گناہ سے نفرت اور نفس کا خود احتساب۔

یہ اسی طاقت کا کرشمہ تھا کہ ایک صحابی جن سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے وہ بے تاب ہو جاتے ہیں۔ ضمیر چٹکیاں لینے لگتا ہے اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: حضور ﷺ! مجھ کو پاک کر دیجئے، آپ رخِ انور پھیر لیتے ہیں وہ اسی طرف کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ دوسری طرف رخ کر لیتے ہیں، وہ اس طرف آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، آپ تحقیق کرواتے ہیں کہ ان کی دماغی حالت خراب تو نہیں؟ جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحیح الدماغ آدمی ہیں تو آپ ان کو سزا دلواتے ہیں۔ کس چیز نے ان کو سزا پر آمادہ کیا اور کون سی چیز ان کو کھینچ کر لائی؟

آگے چلیے غامدیہ ایک ان پڑھ عورت تھیں کسی دیہات کی رہنے والی وہ ایک گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں، نہ کوئی دیکھنے والا تھا نہ سننے والا مگر ان کے دل میں ایک تڑپ تھی جو ان کو چین نہ لینے دیتی تھی، ان کو کھانے پینے میں مزا نہ آتا تھا، وہ کھانا کھاتی تو دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، ناپاک کا کیا کھانا پینا! تمہیں پہلے پاک ہونا چاہیے، اس گناہ کی سزا کے بغیر ممکن نہیں، وہ خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ان کو پاک کر دیا جائے اور اس پر اصرار کرتی ہیں، یہ معلوم کر کے کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے آپ فرماتے ہیں کہ اس بچے کا کیا قصور، اس کی جان تمہارے ساتھ کیوں جائے؟ جب ولادت ہو جائے تو آنا، خیال کیجئے ان کو ضرور اس میں کچھ عرصہ لگا ہوگا، کیا انہوں نے کھایا پیا نہ ہوگا کیا زندگی نے خود ان سے تقاضہ نہ کیا ہوگا، کیا خود کھانے پینے کی لذت نے زندگی کی رغبت نہ پیدا کی ہوگی اور ان کو نہ سمجھایا ہوگا کہ اب وہ حضور ﷺ کے پاس جانے کا ارادہ فسخ کر دیں مگر وہ اللہ کی بندی پکی رہی اور کچھ عرصے کے بعد بچے کو لے کر آئی اور عرض کیا کہ حضور ﷺ میں اس سے فارغ ہو گئی، اب میری طہارت میں کیوں دیر ہو؟ فرمایا نہیں نہیں! ابھی اس کو دودھ پلاؤ جب دودھ چھوٹے تب آنا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کو دو برس تو ضرور لگے ہوں گے، یہ دو برس کیسی آزمائش کے تھے، نہ پولیس تھی، نہ نگرانی تھی، نہ مچلکہ، نہ ضمانت، کتنے خیال اس کو آئے ہوں

گے۔ بچہ کی معصوم صورت اس کو جینے کی دعوت دیتی ہوگی، اس کی مسکراہٹ زندگی کی خواہش پیدا کرتی ہوگی اور بچہ اپنی زبان بے زبانی سے کہتا ہوگا کہ اماں میں تو تیری ہی گود میں پلوں گا اور تیری انگلی پکڑ کر چلوں گا! مگر اس کا ضمیر کہتا تھا نہیں، تیری ماں ناپاک ہے، اس کو سب سے پہلے پاک ہونا ہے، دل کا یقین کہتا تھا کہ احکم الحاکمین کے یہاں جانا ہے، وہاں کی سزا سخت ہے، وہ پھر حاضر ہوئی روٹی کا ٹکڑا بچے کے منہ میں ہے اور کہتی ہے یا رسول اللہ! دیکھیے اس بچہ کا دودھ بھی چھوٹ گیا اور وہ روٹی کھانے کے قابل ہو گیا۔ اب میری پاکی میں کیا دیر ہے؟ آخر خدا کی اس سچی اور پکی بندی کو سزا دی جاتی ہے اور حضور ﷺ خوشنودی کا پروانہ عطا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اس اکیلی کی توبہ کو اگر سارے مدینہ میں تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لیے کافی ہو۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا۔

میں پوچھتا ہوں کہ وہ کیا چیز تھی جو بغیر ہتھکڑی بیڑی کے بغیر مچلکہ ضمانت کے بغیر پولیس کے اس کو کھینچ کر لاتی ہے اور سزا کے لیے اصرار کرواتی ہے؟ آج ہزار پڑھے لکھے، قابل فاضل مرد اور عورتیں ہیں جن کا علم اور تصنیفات کا یقین ان کو غلط کام سے باز نہیں رکھ سکتا اور اچھے کام پر آمادہ نہیں کر سکتا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو یہی تینوں انمول موتی عطا کیے، علم صحیح، یقین کامل اور نیکی کا تقاضہ بھی، دنیا کو نہ اس سے قیمتی سرمایہ ملا، نہ کسی نے اس پر آپ سے بڑھ کر احسان کیا۔

دنیا کے ہر انسان کو فخر کرنا چاہیے کہ ہماری نوع انسانی میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس سے انسانیت کا سر اونچا اور نام روشن ہوا، اگر آپ ﷺ نہ آتے تو دنیا کا نقشہ کیا ہوتا اور ہم انسانیت کی شرافت اور عظمت کے لیے کس کو پیش کرتے؟ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر انسان کے ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ سے اس دنیا کی رونق اور نوع انسانی کی عظمت ہے، وہ کسی قوم کی ملک نہیں، ان پر کسی ملک کا اجارہ نہیں، وہ پوری انسانیت کا سرمایہ فخر ہیں، کیوں آج کسی

ملک کا انسان فخر و مسرت کے ساتھ یہ نہیں کہتا کہ میرا اس نوع سے تعلق ہے، جس میں محمد رسول ﷺ جیسا انسان کامل پیدا ہوا؟

آج انسانوں کا کون سا طبقہ ہے، جس پر آپ ﷺ کا براہ راست یا بالواسطہ احسان نہیں، مردوں پر آپ ﷺ کا احسان نہیں؟ کہ آپ ﷺ نے ان کو مردانگی اور آدمیت کی تعلیم دی، کیا عورتوں پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپ ﷺ نے ان کے حقوق عطا کئے اور ان کے لیے ہدایتیں اور وصیت فرمائی۔ آپ نے فرمایا "جنت ماؤں کے قدموں نیچے ہے" کیا کمزوروں پر آپ ﷺ کا احسان نہیں؟ کہ آپ ﷺ نے ان کی حمایت کی اور فرمایا کہ "مظلوم کی بددعا سے ڈرو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں، خدا کہتا ہے کہ میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں" کیا طاقتوروں اور حکمرانوں پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپ نے ان کے حقوق و فرائض بھی بتلائے اور حدود بھی بتلائے اور انصاف کرنے والوں اور خدا سے ڈرنے والوں کو بشارت سنادی کہ بادشاہ منصف رحمت کے سایہ میں ہوگا، کیا تاجروں پر آپ کا احسان نہیں؟ کیا آپ نے تجارت کی فضیلت اور اس پیشے کی شرافت بتلائی اور خود تجارت کر کے اس پیشے کی عزت بڑھائی، کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ سچے اور راست گفتار اور دیانتدار تاجر جنت میں قریب ہوں گے، کیا آپ کا مزدوروں پر احسان نہیں، کہ آپ نے تاکید فرمائی، کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو، کیا جانوروں تک پر آپ کا احسان نہیں، کہ آپ نے فرمایا کہ ہر وہ مخلوق جو جگر رکھتی ہے اور جس میں احساس و زندگی ہے اس کو آرام پہنچانا اور کھانا کھلانا بھی صدقہ ہے۔ کیا ساری انسانی برادری پر آپ کا احسان نہیں، کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپ شہادت دیتے تھے کہ خدایا تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں، کیا ساری دنیا پر آپ کا احسان نہیں، کہ سب سے پہلے دنیا نے آپ ہی کی زبان سے سنا کہ خدا کسی قوم و نسل و برادری کا نہیں سارے جہانوں اور دنیا کے سب انسانوں کا ہے۔ جس دنیا میں آریوں کا خدا، یہودیوں کا خدا، مصریوں کا خدا، ایرانیوں کا خدا کہا جاتا تھا وہاں "الحمد للہ رب العالمین" کی حقیقت کا اعلان ہوا اور اس کو نماز کا جز بنادیا گیا۔

ہماری آپ کی دنیا میں حکماء و فلاسفہ بھی آئے، ادباء و شعراء بھی، فاتح و کشور کشا بھی سیاسی قائد اور قومی رہنما بھی، موجدین و مکتشفین (سائنٹسٹ) بھی مگر کس کے آنے سے دنیا میں وہ بہار آئی جو پیغمبروں کے آنے سے؟ پھر سب سے آخر سب سے بڑے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے آئی، کون اپنے ساتھ وہ شادابی، وہ برکتیں وہ رحمتیں نوع انسانی کے لیے وہ دولتیں اور انسانیت کے لیے وہ نعمتیں لے کر آیا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے؟ (کاروان مدینہ از علامہ ابوالحسن ندوی)

فرائض رسالت میں آنحضرت ﷺ کی کامیابی تمام انبیاءؑ پر فائق ہے

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی شفیع صاحبؒ اپنی کتاب پیغمبر امن و سلامت میں لکھتے ہیں کہ ہمارے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سید المرسل اور امام الانبیاء قرار دینے کی بڑی وجہ بھی اصلاح خلق کے بارہ میں آپ کی وہ حیرت انگیز کامیابی ہے جو تمام انبیاء سابقین کے مقابلہ میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ میدان حشر میں حسب تصریحات حدیث نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام انبیاء سابقین کی امتوں سے زیادہ بھی ہوگی اور فائق بھی۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کا زمانہ وہ انتہائی ظلمت و گمراہی کا زمانہ تھا جس میں تقریباً پورا عالم انسانیت مشرق سے لے کر مغرب تک خدا سے اپنا رشتہ یکسر توڑ چکا تھا۔ انسان خدا و آخرت کو بھلا کر دنیا کے عام جانوروں کی طرح صرف پیٹ بھرنے اور چند روزہ راحت و لذت حاصل کر لینے کو ہی اپنی معراج کمال سمجھ بیٹھا تھا۔ قرآن کریم نے ان کے اسی حال کو بیان فرمایا رَضُوۡا بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَاطۡمَاَنُّوۡا بِہَا یعنی یہ لوگ صرف دنیا کی زندگی پر مگن ہو گئے اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے۔ اور حقیقت شناس اہل بصیرت کے نزدیک ان کی مثال اس وقت اس بچے کی سی تھی، جو ایک کروڑ روپے کے چیک کو پھینک کر ایک ٹافی پر راضی ہو جائے۔ حقیقت شناس لوگوں کی نظر میں صرف دنیا پر مٹنے والے لوگ سب کے سب نابالغ بچے ہیں جو حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ علامہ رومیؒ نے خوب

فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ دنیا کی رنگینیوں میں مست ہو کر خدا اور آخرت کو بھلا دینے والا رنگین پردوں کو اپنا محبوب سمجھ بیٹھا ہے یہاں ضرورت ہوتی ہے کسی حقیقت شناس صاحب بصیرت کی جو اس کی نگاہ کو ان پردوں سے آگے بڑھا کر مقصود اصلی تک پہنچا دے۔ مولانا جامیؒ نے فرمایا کہ اور جب کوئی ان رنگین پردوں کا فریب خوردہ حقیقت سے روشناس ہو جاتا ہے تو بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی   مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

اس وقت اس کو محسوس ہو جاتا ہے کہ میں نے جس چیز کو اپنا محبوب بنایا ہوا تھا وہ ایک فریب تھا محبوب اس سے ورا الورا تھا

کبھی مجنوں جو بصیرت تجھے حاصل ہو جائے   تو نے لیلیٰ جسے سمجھا ہے وہ محمل ہو جائے

غرض خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بعثت وہ زمانہ ہے جب تقریباً ساری دنیا خدا، آخرت اور معاد کا سبق قطعاً بھلا کر صرف معاش کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔ انسان اپنی اصلی حیثیت کو بھلا کر زیادہ سے زیادہ ایک ہوشیار جانور بن کر رہ گیا تھا جو اپنی ہوشیاری سے دوسرے جانوروں پر حکومت کرتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئینہ حقیقت نما دکھلا کر ان کو ان کی اصلی صورت و شکل اور اس کے تقاضوں سے آگاہ کیا جس کا حاصل خدا شناسی اور خدا پرستی ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تصور معاد کے بغیر معاش بھی کبھی ہموار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ان کے معاش میں بھی طرح طرح کی ناہمواریاں ظلم و جور، چوری ڈاکہ، بدمعاشی، عیاشی، بے حیائی بری طرح چھا گئی تھی۔

یہ وہ ظلمت کدہ زمین اور ظلم و ظلمت سے لبریز فضا تھی جو سید المرسلین فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کے لیے مخصوص ہوئی۔ پھر اس وقت کی دنیا اگرچہ خدا اور آخرت کو ساری ہی بھلا چکی تھی۔ مگر انسانی معاشرت، تہذیب اور تعلیم کے اعتبار سے اس کے خطوں میں نہ مساوات تھی۔ مصر و شام، ہند و چین معاشی علوم و فنون میں اور اس کے ساتھ میں انبیاء سابقین کی لائی ہوئی تہذیب کے مٹے ہوئے آثار میں دوسرے ملکوں اور خطوں سے ممتاز

تھے۔ خصوصاً ملک شام میں انبیاء بنی اسرائیل اس کثرت سے مبعوث ہوئے تھے کہ مٹتے مٹتے بھی ان کی تعلیم کے بعض آثار وہاں قائم تھے۔

مگر رب العزت نے اپنے آخری رسول ﷺ کی پیدائش اور بعثت کے لیے ان سب مذہب اور تعلیم یافتہ ممالک سے ہٹ کر اس خطے کا انتخاب فرمایا جو نہ زراعتی ملک ہے نہ تجارتی نہ صنعتی اور تعلیمی بلکہ اس ملک کے باشندوں کا امتیاز ہی یہ تھا کہ امّی (یعنی اَن پڑھ) کہلاتے تھے۔ انہیں میں آپ ﷺ پیدا ہوئے انہیں میں جوان ہوئے انہیں میں مبعوث ہوئے۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ (پ ۲۸) اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپ کے امی کمال کو واضح فرمایا ہے کیوں کہ کسی ماہر بڑے ڈاکٹر کا کمال اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جب اس کو کسی سسکتے ہوئے قریب المرگ مریض کا علاج کرنا پڑے اور وہ اس میں کامیاب ہو۔ اہل عرب عموماً جاہل تھے۔ بجز ان چند افراد کے جو ملک شام وغیرہ میں جا کر کچھ تعلیم حاصل کر آتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بھی کہیں موقع نہیں ملا کہ کسی تعلیمی جگہ میں چند روز قیام کر کے وہیں سے کچھ سیکھ لیں۔

اس لیے آنحضرت ﷺ کا بھی اہلی وصف امّی ہونا تھا۔ یہ یاد رہے کہ امّی کے معنی اَن پڑھ کے ہیں۔ یعنی جس نے کسی انسان سے پڑھا نہ ہو۔ اس کے لیے لازم نہیں کہ وہ بے علم ہو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی سب سے پہلی نازل ہونے والی سورت اقرأ میں یہ بتلا دیا ہے کہ علم حاصل ہونے کی جیسے ایک صورت معروف و مشہور یہ ہے کہ استاد اور قلم کے ذریعہ حاصل کیا جائے۔ اسی طرح ایک صورت یہ بھی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بدون ان واسطوں کے براہِ راست علم عطا فرما دے۔ اسی لئے سورۂ مذکورہ میں۔ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ کے بعد۔ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ فرما کر اس دوسری قسم کی طرف اشارہ فرما دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اُمّی تھے آپ نے کسی معلّم یا استاد سے کچھ نہیں سیکھا مگر حق تعالیٰ نے آپ کی تعلیم کا خود تکفل فرمایا اور آپ کو تمام علوم اولین و آخرین کے خزانے عطا فرما دیئے۔

اُمّی لوح خوانِ ما لا ثی نقد یثرب سلالہ بطحا

آپ ﷺ کی زبان مبارک پر علم و حکمت کے وہ راز کھلے جن کو سن کر دنیا کے عقلاء فلاسفر حیران رہ گئے آپ کی ہدایات اور تعلیمات خود ہی معجزہ اور بہت بڑا معجزہ بن کر لوگوں کے سامنے آئیں کہ ان کو سننے والا یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تصنیف نہیں بلکہ علیم و خبیر کی دی ہوئی ہدایات ہیں۔

آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کی حیرت انگیز خصوصیات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف علم کے خزانے عطا فرمائے گئے بلکہ تعلیم و تربیت کے وہ انداز بھی آپ کو سکھلا دیئے گئے جن سے کام لے کر آپ ﷺ نے ان جاہل، نا سمجھ، خود رائے، مغلوب الغضب، جنگجو لوگوں کو انسان کامل کا پیکر بنا دیا۔ اور یہ قریب الموت بیمار نہ صرف شفایاب ہوئے بلکہ دنیا کے لیے مسیحا ثابت ہوئے۔ دنیا کے انصاف پسند غیر مسلم بھی آج تک ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سیاست اور عدل و انصاف کا لوہا ماننے پر مجبور ہیں۔ مسٹر گاندھی کا وہ ہدایت نامہ ابھی تک بہت لوگوں کو یاد ہوگا جو انہوں نے اپنے کانگریسی وزراء کو لکھا تھا جس میں یہ ہدایات درج تھی کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جیسی حکومت کرو۔ اور جب اس بیان سے ہم مذہب بعض ہندوؤں نے غیرت عصبیت کی بنا پر یہ اعتراض کیا کہ آپ نے ہندو مصلحین میں سے کسی کا نام نہیں لیا تو مسٹر گاندھی نے اس کا جواب بھی اپنی انصاف پسندی سے یہ دیا کہ ہندو مصلحین کی حکایات زمانہ قبل از تاریخ کی کہانیاں ہو کر رہ گئی ہیں، زمانہ تاریخ میں مجھے ابوبکرؓ و عمرؓ سے بہتر حکومت کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

یہ ابوبکرؓ و عمرؓ بھی اسی قوم امیین کے افراد تھے۔ یہاں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ ان کے یہ علمی اور عملی اخلاقی کمالات کہاں سے آئے یہ نہ کسی تعلیم گاہ کے فاضل تھے نہ کسی آکسفورڈ یونیورسٹی کے سند یافتہ۔ انہوں نے صرف نبی الانبیاء حکیم الحکماء کی چند روزہ صحبت پائی تھی جو کچھ سیکھا انہیں سے سیکھا۔ ؎

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم اور عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم تو خلافت راشدہ کے اعضاء ہیں اس کی وجہ سے تمام دنیا کی نظریں ان پر پڑتی ہیں لیکن جن لوگوں نے عرب کے حالات قبل از اسلام اور بعد از اسلام کا کبھی موازنہ کیا ہو وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک صحابی آپ کا مستقل معجزہ ہے ان کی علمی عملی اخلاقی کایا پلٹ بلاشبہ معجزہ ہی ہو سکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی عمر شریف کے چالیس سال تو ایسی خاموشی اور یکسوئی میں گزرے کہ مکے کے باشندے آپ کی ثقاہت و امانت اور شرافت نفس کے تو ایسے قائل تھے کہ پورے مکے میں آپ کا لقب امین مشہور تھا۔ مگر کسی بازار کی میلے کسی ہنگامے میں کبھی شرکت نہ فرمائی۔

شعر و شاعری عرب کی فطری چیز تھی ہر مرد و عورت شعر کہتا اور اس کو اپنے قومی جلسوں میں سناتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان امتیاز کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ظاہری وجہ شہرت سے بھی الگ رکھا اور قرآن میں فرما دیا۔ **فما عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ** ”یعنی ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا اور شعر گوئی آپ ﷺ کے لیے شایان شان بھی نہ تھی۔“ غرض چالیس سال تو بالکل خاموشی اور یکسوئی میں گزرے اس کے بعد جب آپ کو عہدہ نبوت و رسالت عطا ہوا۔ وحی الٰہی کا فیضان ہوا تو تاریخ شاہد ہے کہ زمانہ نزول وحی کے ابتدائی تیرہ سال جو مکہ میں گزرے ہیں وہ آپ کے اور آپ کے رفقاء مسلمانوں کے لیے انتہائی محنت اور صبر آزما تھے۔

جہاں بلند آواز سے اذان دینے پر قدرت نہ تھی، جہاں دوستی کے جواب میں دشمنی، خیر خواہی کے جواب میں پتھراؤ، کلمہ حق کے جواب میں گالیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان حالات میں کوئی اصلاحی اسکیم کتنے قدم چل سکتی اور بڑے سے بڑا مصلح اعظم کیا کر سکتا تھا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد صلاحیت اور حکمت و دانشمندی اور خلق خدا کی ہمدردی و خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ انتھک کوشش اور مایوس کن حالات سے مایوس نہ ہونا

ایسے اوصاف تھے جو بالآخر میدان جیت کر رہے۔

مکی دور زندگی انہیں حالات میں گزرا مدینہ طیبہ کی ہجرت کے بعد کا دس سالہ دور ایسا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے سکون واطمینان کا اور تعمیری پروگراموں کو بروئے کار لانے کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن یہی دس سالہ دور ہے جس میں بدر واحد، خندق وخیبر، فتح مکہ وحنین سے عظیم الشان معرکے اور اسی طرح کے ستائیس غزوات ہوئے جن میں خود سرور کائنات بہ نفس نفیس شریک ہوئے اور سینتالیس وہ معرکے ہیں جن میں خود تشریف نہیں لے گئے صحابہ کرام کو بھیجا گیا جن کو سرایا کہا جاتا ہے ستائیس غزوات اور سینتالیس سرایا کل چوہتر معرکے ہیں جو ان دس سال میں سر کرنے پڑے۔ اس میں دوسری قوموں سے معاہدات اور ان کی طرف سے عہد شکنی کے واقعات بھی سامنے آئے۔ اگر دنیا اور اقوام دنیا کے حالات سے موازنہ کیا جائے تو کیا کسی کو کوئی تصور ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے زخموں میں گھری ہوئی کوئی حکومت اپنے اس دس سالہ دور میں بھی کوئی تعمیری پروگرام بروئے کار لا سکتی ہے۔ لیکن دنیا کی آنکھوں نے دیکھا کہ اسی دس سالہ عہد نبوی ﷺ میں پورا جزیرۃ العرب اسلام کے زیر نگین آ گیا تھا اس کی ہر بستی اذان اور تلاوت قرآن کی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ اور اس کے ہر صوبے اور ہر خطے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال بڑے آب وتاب سے اسلامی قانون جاری کر رہے تھے۔

پورے قلمرو اسلامی میں عدل وانصاف مفت اور فوری اور جبری تھا۔ امن وامان کا یہ عالم کہ جس خطے میں صدیوں سے کسی کو آزادانہ سفر ممکن نہ تھا۔ ایک کمزور بڑھیا اس میں بڑی آزادی کے ساتھ سفر کرتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی آپ ہی کے عہد میں پوری ہو گئی تھی کہ ایک وقت آنے والا ہے جب کہ ایک آدمی صنعاء یمن سے حضر موت تک تنہا سفر کرے گا۔ اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ جس ملک میں کسی کی بہو بیٹی کی عزت محفوظ نہ تھی وہاں غیر محرم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ لوگ جن کا پیشہ رہزنی تھا وہ عام لوگوں کے اموال کے نگران اور محافظ بن گئے تھے۔ فتح فارس سے لے کر

حدود شام تک تو یہ امن و سلامتی اور سکون و اطمینان خود عہد نبوی میں پہنچ چکا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر پچیس سال گزرنے نہ پائے کہ یہ اسلامی نظریہ اور نظام آپ کے صحابہ کرام کے ہاتھوں اپنی برقی رفتار سے بڑھ کر پورے عالم میں پھیل چکا تھا۔

اسلام کی اس حیرت انگیز ترقی سے تو موافق و مخالف ساری دنیا ہی حیرت زدہ ہے یورپین مورخین کی کتابیں اس پر اظہار حیرت سے پُر ہیں۔ کچھ متعصب لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب ان کو کچھ سمجھ میں نہ آیا تو یہی کہنے لگے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے اور یہ ایسا جھوٹ ہے کہ شاید اس آسمان کے سائے میں ایسا بڑا جھوٹ کوئی نہ بولا گیا ہوگا۔ ساری باتوں سے قطع نظر کر کے کوئی پوچھے کہ جن لوگوں کو تلوار کی جھنکار اور تیروں کی بوچھاڑ کے سائے میں اسلام کا حلقہ بگوش بنالیا گیا ہو کیا ان کی یہی شان ہوتی ہے جو قرن اول کے عام مسلمانوں میں مشاہد کی جاتی تھی کہ اللہ اور اس کے رسول اور اسلام کے ایسے فدائی ہیں کہ اس کے مقابلہ میں نہ مال و دولت کی پرواہ ہے، نہ بیوی بچوں کی، نہ اپنے تن من کی، اور کوئی پوچھے کہ تلوار کا کام تو اسلام کے بالکل آخری دس سالوں میں ہوا ہے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے جو اسلام کی اشاعت اور اس میں داخل ہونے والوں کی کثرت نے قریش مکہ کو خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت کونسی تلوار چل رہی تھی ہاں اسلام سے روکنے کے لیے ہر تلوار اور ہر طاغوتی قوت پوری سرگرمی سے میدان میں آئی ہوئی تھی بلال حبشیؓ کے سینہ پر پتھر رکھ کر اس کو خدا کہنے سے روکا جاتا تھا۔ سلمان فارسیؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پوچھنے پر طمانچے لگائے جاتے تھے صہیبؓ رومی پر تیروں کی بوچھاڑ ہوتی تھی۔ ہر مسلمان ہونے والے پر کوئی ستم نہ تھا جو نہ توڑا جاتا ہو۔ مگر اللہ کے بندے تھے جو ان طاغوتی قوتوں کے زیر سائے موت سے کھلایاں کرتے ہوئے مسلمان ہو رہے تھے۔ ہاں یہ بھی سوچئے کہ تلوار تو جبھی چلی ہوگی جب تلوار چلانے والوں کا کوئی جتھہ کوئی قوت پیدا ہوگئی ہوگی تو کوئی پوچھے کہ ان تلوار چلانے والوں کو کس تلوار نے اسلام کا ایسا فدائی بنا دیا تھا کہ سر کو کفن باندھ کر ہر میدان میں سربکف کھڑے نظر آتے تھے حقیقت یہ ہے کہ اس سفید جھوٹ کی تردید کرنا بھی

ہی کی توہین ہے۔

ہاں اسلام کی حیرت انگیز ترقی کو ممکن ہے کہ کچھ ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ سراسر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اسباب وتدبیر کا اس میں کچھ دخل نہیں لیکن غور کیا جائے تو یہ صحیح نہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بے شمار اور اپنی جگہ یقینی ہیں اور ان فتوحات میں بھی ان کا ظہور کھلا ہوا ہے لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ایک معجزہ اور خرق عادت تھا جو ہو چکا اب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نظریہ اور نظام درجۂ اسباب میں بھی ایسی چیزیں ہیں کہ جب ان کو پورا پورا عمل میں لایا جائے تو اس کے یہی آثار وبرکات ہر زمانے اور ہر ملک میں رونما ہو سکتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

ہمیں اپنے اس مقالہ میں درحقیقت یہی دکھلانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ جس نے عام دنیا کو ایک صحیح نظریہ اور مستحکم عادلانہ نظام دیا ہے۔ وہ بجائے خود دنیا کی امن وسلامتی کا ضامن ہے اس کی مزید توضیح کے لیے آیئے ذرا اس نظام کا تجزیہ کر کے دیکھیں کہ اس میں وہ کونسی روح ہے جس کے جلو میں دنیا کی امن وسلامتی گردش کرتی جاتی ہے۔ یاد رکھئے! کسی عالم گیر تحریک اصلاح کے لیے یہ ظاہر ہے کہ کسی کی انفرادی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی اجتماعی کام کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ اس میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے ہر قوم وملت میں جب کوئی اصلاحی تحریک اٹھائی جاتی ہے تو اس کے پیچھے قوم کی اجتماعی قوت ہی کام کرتی ہے۔

لیکن یہاں ایک دھوکہ بڑے بڑوں کو لگ جاتا ہے اور عام دنیا اسی دھوکہ کی شکار ہے جس کی وجہ سے ان کی اجتماعی کوششیں عالمگیر اصلاح کے معاملہ میں ناکام ہو جاتی ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اجتماع اور اجتماعی قوت کا کوئی الگ وجود نہیں ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہو یا زمین سے اگتا ہو بلکہ افراد کے مجموعے کا نام اجتماع اور ان کی مجموعی طاقت اجتماعی

طاقت ہوتی ہے۔ اگر کسی قوم کے افراد صحیح نہیں تو ان کا اجتماع بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ بوسیدہ و ناکارہ افراد کی جمعیت کوئی اصلاحی کام نہیں کر سکتی بلکہ اس کو باقی نہیں رکھ سکتی۔ افراد کا وجود اجتماع میں ایسا ہے جیسے مشین میں اس کے پرزوں کا۔ جب پرزے ہی درست نہ ہوں تو مشین کی فٹنگ کیسے درست ہو سکتی ہے اور کسی طرح فٹ بھی کر دیا تو وہ دیر تک چل نہیں سکتی۔

حکیم الحکماء خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گر کو سمجھا اور اختیار فرمایا ہے کہ کوئی اجتماعی کام کرنے سے پہلے افراد سازی کا کام سب سے زیادہ اہم ہے اور درحقیقت یہی کام سب سے زیادہ مشکل بھی ہے۔ ایک فرد کے ذہن کو صحیح نظریے پر ہموار کرنا پھر اس کے اعمال و اخلاق اس نظریے کے مطابق ڈھالنا بڑا وقت اور بڑی محنت چاہتا ہے۔ عطاء نبوت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کل تیئیس سال باقی ہے جس میں سے مکی دور کے تیرہ سال پورے صرف اسی افراد سازی کے کام میں صرف ہوئے ہیں۔

مکی اور مدنی دور کا تجزیہ کرنے والے بعض حضرات اس کو ضعف و قوت کی دو حالتوں میں تقسیم کر کے مکی دور کو ضعف کا اور مدنی کو قوت کا دور قرار دیتے ہیں اور احکام و واقعات کو اس کے تابع کرتے ہیں۔

لیکن غور کیا جائے تو صرف ضعف و قوت ہی تفاوت احکام کا سبب نہیں بلکہ دوسری حکمتیں بھی اس میں مستور ہیں۔ ورنہ مشرکین مکہ کی زیادتیوں کا جواب تو مقابلہ ضعف کے باوجود مکہ میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ بظاہر حکمت یہی تھی کہ مکی دور میں افراد سازی کا کام پیش نظر تھا۔ کوئی اجتماعی کام خواہ دفاع کا ہو یا اقدام کا اس کی تکمیل سے پہلے صحیح نہ تھا۔ جب تک کسی مشین کے پرزے درست نہ ہوں تو ان سے کوئی مشین اور فیکٹری کیسے تیار کی جا سکتی ہے۔

آپ ﷺ کا پہلا کارنامہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں امن اور اطمینان و سکون کے علمبردار ہو کر تشریف لائے تو آپ کی نظر حقیقت شناس اس پر پڑی کہ یہ کام نہ تنہا کسی حکومت و سلطنت

سے ہو سکتا ہے۔ نہ صرف قانون اور قانونی مشینری سے۔ جب تک انسان کو صحیح معنوں میں انسان نہ بنایا جائے اور اس کو صحیح انسانیت سے روشناس نہ کیا جائے اس وقت تک یہ دنیا ظلم و جور، قتل و غارت گری، بے حیائی و بد معاشی کا جہنم ہی بنی رہے گی۔ کیوں کہ حکومت کوئی کام اپنے اعوان و انصار ہی کے ذریعے عمل میں لا سکتی ہے۔ اور کوئی قانون خود کار مشین نہیں ہوتا کہ خود بخود چلے بلکہ اس کو نافذ کرنے والے انسان ہی ہوتے ہیں۔ جب انسان صحیح معنی میں انسان نہ ہوں تو کوئی قانون اور کوئی دستور اور کوئی حکومت فساد کی اصلاح، جرائم کا سد باب اور دنیا میں امن و امان پیدا نہیں کر سکتی۔ اس لیے مکی دور کے تیرہ سال پورے اس افراد سازی کے کام پر صرف کیے گئے جس میں پیغمبرانہ حکمت کے ساتھ کچھ انسانوں کو انسان کامل بنایا گیا۔

یہ افراد سازی کا کام مکہ مکرمہ کے ایک گمنام گوشے میں ایک چھوٹے سے مکان کے اندر ہوتا تھا جو دار ارقم کے نام سے موسوم صفا مروہ کے درمیان واقع تھا۔ اور حالیہ توسیع حرم سے پہلے تک موجود محفوظ تھا۔ عمر ابن خطاب ؓ اسی مکان پر ننگی تلوار لیے ہوئے پیغمبر امن و سلامتی کا قصہ ختم کرنے کے قصد سے آئے اور پھر اسلام کے حلقہ بگوش ہو کر آپ کی غلامی کی سعادت لے کر لوٹے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرح کسی خاص قوم یا خاص خطۂ ملک یا خاص زمانہ کے رسول بن کر نہیں آئے تھے بلکہ آپ کی بعثت اور دعوت پوری دنیا کے جن و انس کے لیے تا قیامت پیدا ہونے والی نسلوں کے لئے عام تھی۔ اور فرض منصبی آپ کو یہ سپرد تھا کہ پورے عالم کی اصلاح کر کے سب انسانوں کو دنیا میں امن و سکون اور عزت و عافیت کی زندگی عطا کریں اور ان کو اس قابل بنائیں کہ آخرت میں اپنے رب کے سامنے سرخرو ہو کر وہاں کی دائمی راحت کے وارث بنیں۔ اس مقصد کے لیے سب سے پہلا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ انسانوں کا ایک مثالی معاشرہ پیدا کرنا تھا جو اس عظیم مقصد میں آپ کے دست و بازو بنیں اور آئندہ اس بار گراں کو خود سنبھالنے کے قابل

ہوں یہ افراد سازی کا عظیم الشان کام جو دار ارقم کے گمنام گوشے میں شروع ہوا تھا اس کا مختصر عنوان تو انسان کو انسان کامل بنانا ہے۔ اور اس کی تفصیل وتشریح وہ پورا قرآن ہے جو مکی دور نبوت میں نازل ہوا جس کی ہدایات کا تجزیہ کرنے سے چند چیزیں نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہیں جن کو انسان کامل بنانے میں خاص دخل ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت (۲) فکر آخرت (۳) دنیا کی چند روزہ زندگی اور اس کی راحت وکلفت کی حقیقت کا انکشاف۔ (۴) مخلوقات کے ساتھ معاملے میں ان کے حقوق کی پوری ادائیگی اور اپنے حقوق سے چشم پوشی۔ ان کی ایذاؤں پر عفو ودرگزر اور اپنی طرف سے ہر حال میں ان کی خیر خواہی اور ہمدردی۔

مکی دور نبوت کی تمام سورتوں اور آیتوں کو بغور مطالعہ کیجئے تو ان میں انہیں اصولوں کی تعلیم وتلقین اور معجزانہ انداز سے انسان کے ذہن ان کے لئے تیار کرنے کا اہتمام پایا جائے گا۔

ابتداء وحی کے وقت کی ابتدائی سورتوں کو پڑھئے تو ان میں سب سے زیادہ زور ذکر اللہ کی کثرت اور حسن عبادت پر دیا گیا ہے اور اس پر کہ تمام پیش آنے والے واقعات و حالات سب اللہ تعالیٰ کے اذن ومشیت کے تابع ہیں اس کے بغیر کسی دوست و دشمن کی مجال نہیں کہ کسی کو کوئی نفع یا نقصان پہنچائے۔ اور یہ کہ اپنے تمام کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کیا جائے۔ قیامت کے حساب وکتاب اور جزاء وسزا جنت ودوزخ کی فکر سے کسی وقت غافل نہ ہوں۔ اور یہ کہ دنیا کی زندگی اور اس کی ہر راحت وتکلیف فانی ہے اس پر زیادہ دھیان نہ دیا جائے بلکہ بقدر ضرورت وحاجت روائی اس کو رکھا جائے۔ زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کا ذکر وعبادت اور اس کو راضی کرنا ہو اور اس راستے میں جتنی مشکلات پیش آئیں مردانہ وار ان کو عبور کیا جائے۔ اور جو مصائب سامنے آئیں ان پر صبر وثبات سے کام لیا جائے۔ لوگ اگر تمہارے حقوق ادا نہ کریں یا تم پر ظلم کریں تو تم چشم پوشی اور عفو ودرگزر سے کام لو۔ اور ان کی خیر خواہی کو کسی حال میں نہ چھوڑو۔ ان کے جو حقوق تمہارے ذمہ ہیں ان کو

پورا پورا ادا کرے۔ سورۂ اقراء، فاتحہ، مزمل، مدثر جو بالکل ابتدائی سورتیں ہیں ان کا ترجمہ ہی پڑھ لیجیے تو اس کی پوری تصدیق ہو جائے گی۔ اور خلاصہ ان تمام تعلیمات کا یہ ہے کہ انسان کے رخ کو ایک خدا کی طرف پھیر کر اس کے تمام ارادوں اور خواہشات کو حق تعالیٰ کی مرضی کے تابع بنا دیا جائے۔ جس طرح اس کی عبادت صرف اللہ کے لیے ہے۔ اسی طرح اس کے تمام دنیاوی کاروبار، کھانا پینا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا اور جینا مرنا، دوستی دشمنی حب و بغض بھی مرضی مولا کے تابع ہو جائے۔

ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین کا یہی مطلب ہے حدیث میں اسی کو کمال ایمان کی علامت بتلایا گیا ہے۔ من احب للہ وابغض للہ فقد استکمل ایمانہ (الحدیث) (یعنی جس شخص نے اپنی محبت بھی اللہ کے لیے وقف کر دی اور بغض و دشمنی بھی اسی کے لیے اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا) اسی صفت کے حاصل ہونے سے انسان انسان کامل اور پورے عالم کے لئے وجہ سکون و اطمینان بنتا ہے۔ یہی وہ انسان ہوتا ہے جس سے نہ کسی چوری اور بدمعاشی کا اندیشہ، نہ دھوکہ فریب یا ایذا رسانی کا خطرہ۔ نہ کسی عصبیت اس کے پاس آتی ہے، نہ دولت دنیا کی ہوس نے اس کے ذہن و دل کو بیمار کر رکھا ہے۔ اس کو تو حق ہی کی فکر لگی ہے کہ لوگوں سے اپنے حقوق وصول کرنے کی بھی فرصت نہیں دوسروں کے حقوق غصب کرنے کا احتمال کہاں۔

تو خود چہ جائے جنگ و جدل نیک و بد　　　کیں رم از صلح ہم می رود

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ساری دنیا سے مختلف ایک نظریہ لے کر تشریف لائے اور پورے عالم میں اس نظریہ کو عام کرنے اور سب کو اس کے زیر اثر چلانے کی مہم ساتھ لائے آپ نے اس عظیم مقصد کے لیے نہ ٹینک اور ہوائی جہاز بنائے، نہ فقط مشین گنیں اور ایٹم بم اور نہ عالم گیر اداروں کی انجمن اور جماعت سازی کی فکر فرمائی۔ بلکہ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جس قدر انسان آپ کے ساتھ لگ سکے ان کو روحانیت پر فرشتہ خصلت بلکہ فرشتوں سے بالاتر ایک مخلوق بنا دیا جو نتیجہ تھا قرآن کریم کی تعلیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی تربیت کا۔

قرآن و رسول کی تعلیم و تربیت سے جو مقدس گروہ پیدا ہوا حق تعالیٰ نے اس کا نام حزب اللہ رکھ کر ان کی فلاح دنیا و آخرت کی ضمانت دے دی اُولٰئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یہ اللہ کا گروہ ہے خوب سن لو کہ اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔"

اس حزب اللہ کی صفات اور خصوصیات قرآن کریم نے مختلف سورتوں میں مختلف عنوانات سے بیان فرمائی ہیں۔ اس گروہ حزب اللہ کی خصوصیات اور صفات پر مشتمل قرآن کریم کی آیات بے شمار ہیں ان آیات سے اس گروہ کی خصوصیات کا ایک خاکہ سامنے آجاتا ہے جس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گروہ کی تعلیم و تربیت کس نصاب اور کن خطوط پر فرمائی تھی اور آج کوئی شخص یا جماعت اگر اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو اور صحیح انسان اور اچھے افراد پیدا کرنا چاہے تو ان کو یہ کام کس طرح اور کن اصول پر انجام دینا چاہیے۔

ان آیات سے حزب اللہ کی خصوصیات کا جو خاکہ حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے:

(آیات سورۂ بقرہ سے)

(۱) اللہ تعالیٰ، روز آخرت، ملائکہ، قرآن اور تمام انبیاء پر کامل ایمان۔

(۲) اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں کی امداد اور غلاموں کی رہائی پر اپنا محبوب مال خرچ کرنا۔

(۳) نماز قائم کرنا (یعنی اس کے آداب و شرائط کے موافق ادا کرنا)

(۴)...... مال کی زکوٰۃ واجبہ ادا کرنا۔

(۵) کسی سے جو معاہدہ ہو جائے اس کو پورا کرنا۔

(۶) مصیبت اور فقر و فاقے اور دشمن دین سے جنگ کے وقت ثابت قدم رہنا

یہ چھ خصوصی اوصاف ہیں جن کے حاملین کو قرآن کی زبان میں صادقین اور متقین کا

خطاب دیا گیا ہے۔

(سورۂ مؤمنین کی آیات سے)

(۷)... نماز میں خشوع۔ یعنی غیر ضروری حرکات سے سکون خواہ حرکت جسمانی ہو یا ذہنی اور فکری۔

(۸) لغو سے اعراض و پرہیز۔ لغو سے مراد ہر وہ کام، کلام اور مجلس ہے جس میں دین یا دنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

(۹) ... باطنی پاکی کا اہتمام۔ یعنی عقائد فاسدہ اور اخلاق مذمومہ سے اپنے قلب کو پاک کرنا۔

(۱۰)... اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا۔ بجز ان صورتوں کے جن کی بذریعہ نکاح وغیرہ اللہ نے اجازت دی ہے۔

(۱۱)..... اپنے ہر عہد و پیمان پر مضبوطی سے قائم رہنا۔

(۱۲)... سب نمازوں کی پابندی اور احترام۔

(سورۂ نور کی آیات سے)

(۱۳)... اللہ کی یاد، نماز اور ادائے زکوٰۃ کا ایسا اہتمام جو دنیا کی ساری فکروں پر غالب ہو اور دنیا کے ہر کاروبار کے ساتھ قائم رہے۔

(۱۴)..... روز قیامت اور اس کے حساب کا خوف۔

(۱۵)... اپنی چال ڈھال میں تواضع اور عجز بندگی کو سامنے رکھنا۔ تفاخر اور تکبر سے پرہیز کرنا۔

(۱۶) لڑنے جھگڑنے والوں کے ساتھ سلامت روی کا معاملہ کرنا۔

(۱۷) رات کے اکثر حصے کو رکوع و سجدے اور عبادت میں گزارنا۔

(۸)... عذاب جہنم سے پناہ مانگنا۔

(۱۹)..... خرچ کرنے میں اعتدال سے کام لینا کہ نہ اپنی وسعت سے زیادہ خرچ

کریں اور نہ کنجوسی سے کام لیں۔

(۲۰)...... اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک یا برابر نہ ٹھہرانا۔

(۲۱)...... ناحق کسی کو قتل نہ کرنا۔

(۲۲)...... زنا اور بدکاری سے مکمل پرہیز کرنا۔

(۲۳)...... جھوٹ کے قریب اور گناہ کی مجالس میں شریک نہ ہونا۔

(۲۴)...... اگر کسی بیہودہ کام یا مجلس سے سابقہ پڑ جائے تو شریفانہ انداز سے گزر جانا۔

(۲۵) اللہ تعالیٰ کے احکام و آیات کو صحیح سمجھنے کی فکر کرنا ان پر اندھا دھند عمل کرنے سے بچنا۔

(۲۶)...... اپنے ساتھ اپنے اہل و عیال کی اصلاح کے لیے کوشش اور دعا کرنا۔

(سورۂ فتح کی آیات سے)

(۲۷)...... کفر و کافر کے مقابلے میں سخت اور دلیر ہونا اسلام اور مسلمانوں کے مقابلے میں رحم و کریم ہونا۔

(۲۸) عام اوقات کا (جو ضرورت سے فارغ ہوں) مشغلہ ہی نماز اور رکوع سجدہ ہونا۔

(۲۹) ان کے چہروں میں نماز کے آثار و علامات موجود ہونا۔

(۳۰)...... تمام معاملات میں صرف اللہ کی رضا جوئی کا اہتمام کرنا۔

یہ ہیں وہ اوصاف اور خصوصیات جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن ان پڑھ لوگوں میں پیدا کیے جن کی اعتقادی، عملی، علمی، اخلاقی یا تمدنی کوئی کل سیدھی نہ تھی۔ جس کو دیکھ کر اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر صحابی آپ کا زندہ اور چلتا پھرتا معجزہ ہے تو کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ یہ تمام اوصاف کمال اور اخلاق حسنہ اسی توحید و رسالت اور خوف آخرت کے پھل پھول ہیں جو اسلام کے بنیادی

نظریہ کی حیثیت سے ان حضرات کے قلوب میں سمویا گیا تھا۔

دار ارقم کو اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ کہو یا سب سے پہلی خانقاہ اسی میں اس قدسی گروہ کی ابتداء ہوئی اور اسی میں ان پر یہ صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) چڑھا۔ اور یہی وہ رنگ ہے جو کسی رنگ سے محروم نہیں ہوتا یہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کارنامہ اور اسلام کا پہلا سرمایہ اور اصلی طاقت ہے جس نے برقی رفتار سے دنیا کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔

آپ ﷺ کا دوسرا کارنامہ ماحول یا سوسائٹی کی اصلاح

یہاں تک کچھ افراد آہستگی کے ساتھ بنائے گئے جو نظریہ اسلام کے رنگ میں پختہ ہو کر نظام اسلام کے عمود بنے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو مہم تھی وہ صرف مکہ یا حجاز والوں ہی کی اصلاح کی نہ تھی بلکہ پوری دنیا کے مشرق و مغرب اور موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے آپ کی دعوت عام تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جتنے افراد دشمنوں کے نرغہ اور ہر طرح کے مصائب و تکلیف کو برداشت کر کے اس وقت تیار ہوئے تھے۔ وہ پورے عالم کی ہمہ گیر اصلاح کا کام پورا نہیں کر سکتے تھے۔

اس لیے اب دوسرا قدم اس صبغۃ اللہ کو عام کرنے اور حزب اللہ کے افراد بڑھانے اور پھیلانے کی طرف اٹھایا گیا۔ وہ بھی عام دنیا کے مروجہ طریقوں سے مختلف ایک انوکھے انداز سے خالص فطری اصول پر اس طرح اٹھایا گیا کہ اس حلقہ کے ہر تربیت یافتہ شخص پر فرض کر دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے ماحول کو اپنے رنگ کے مطابق بنانے میں اپنی پوری کوشش اور پوری توانائی کو خرچ کرے۔ اور اس راہ میں جان و تن کی بازی لگا دے۔ اور جو ہر کوشش و تدبیر کے بعد بھی ہم رنگ نہ ہو اس سے اپنی برات اور قطع تعلق کا اعلان کر کے اس کو اپنے ماحول سے علیحدہ کر دے۔

تجربہ شاہد ہے کہ کسی فرد یا قوم کے بننے اور بگڑنے کا اصل مدار اس کے ماحول اور

سوسائٹی پر بھی ہوتا ہے۔ انسان فطرتاً اس سے متاثر ہو کر غیر شعوری طور پر بھی اس کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ جب تک انسان کا ماحول درست نہ ہو تو کوئی تعلیم و تربیت کام نہیں دیتی اور اپنے ماحول اور گردوپیش میں ایک بھی غیر جنس کا آدمی ہو تو وہ بھی ماحول کو درست کرنے میں سنگ گراں بن جاتا ہے جیسا کہ حکیمانہ مقولہ ہے: کہ

از مصاحب ناجنس احتراز کنید

اسی لیے قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص پر یہ ذمہ داری عائد کر دی کہ وہ جس طرح اپنے عمل کی اصلاح کی فکر کرے اسی طرح اپنے اہل وعیال اور خاص احباب کی اصلاح کے لیے بھی ایسی ہی کوشش کرے۔ قرآن کریم نے فرمایا: "قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا" یعنی "بچاؤ" اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے" اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته یعنی تم میں سے ہر ایک اپنے کنبہ پر نگران اور ذمہ دار ہے اور قیامت کے روز اس سے اپنے اعمال کی پرسش کے علاوہ اپنے اہل وعیال کے اعمال کا بھی سوال ہوگا۔ اہل وعیال کی اصلاح کی ایک قسط یہ بھی تھی کہ نئے پیدا ہونے والے بچوں کو شروع ہی سے ایسی تربیت دی جائے کہ ان کے قلب و دماغ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے رنگے ہوئے ہوں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی حکیم الحکماء سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصول وضع فرمائے وہ بھی ایسے فطری اور موثر ہیں کہ بغیر کسی مشقت کے بچے کی نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کا ذہنی اور اخلاقی ارتقا خود بخود ہوتا چلا جائے۔ سب سے پہلا کام جو بچے کی پیدائش کے متصل ماں باپ پر لازم کیا وہ یہ ہے کہ اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جائے۔ نرے فلسفہ طبعی کے پرستار تو کہیں گے کہ فضول حرکت ہے جو بچہ ابھی اپنی ماں کی زبان بھی نہیں سمجھتا اس کے کان میں حی علی الصلوة، حی علی الفلاح کے عربی جملے ڈالنے سے کیا فائدہ۔ مگر حقیقت شناس سمجھتے ہیں کہ یہ الفاظ درحقیقت ایمان کا بیج ہیں جو کان کے راستے سے بچے کے دل میں ڈالا گیا ہے اور یہی بیج پرورش پا کر کسی وقت تناور

درخت بنے گا۔

دوسرا کام یہ کہ جب بچہ زبان کھولنے لگے تو اس کو سب سے پہلے اللہ کا نام سکھاؤ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بچوں کی زبان کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه سے کھلواؤ اور یہی کلمہ موت کے وقت ان کو یاد دلاؤ۔ (رواہ الحاکم عن ابن عباس) گویا دنیا میں دخول و خروج اسی کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ہی کے ساتھ ہونا چاہیے۔

پھر جب کچھ سمجھنے بوجھنے کے قابل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت اس کے دل نشین کرے۔ اور سنت کے مطابق ادب و تہذیب سکھائے۔ بچے کے سامنے جھوٹ بولنے غیبت کرنے سے خود بھی پرہیز کرے کہ بچہ ان بری چیزوں کا عادی نہ بن جائے۔ بچے کے ہاتھ سے اچھے کاموں میں خرچ کرائے کہ بخل اس کی طبیعت میں جگہ نہ پائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھے اخلاق سے بہتر کوئی دولت نہیں بخشی۔ اور فرمایا کوئی شخص اپنے بچے کو ادب و تہذیب سکھائے یہ اس سے بہتر ہے کہ ہر روز بقدر ایک صاع کے مساکین پر صدقہ کیا کرے۔ (ترمذی و طبرانی)

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کی یہ دعا مذکور ہے۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ۔ یعنی اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیبیوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا آنکھوں کی ٹھنڈک یہ ہے کہ ان کو اللہ کی اطاعت میں لگا ہوا دیکھے۔ اس طرح ہر شخص پر اس کے متعلقین کی اصلاح کی ذمہ داری ڈال کر اور اس کو اصلاح و تربیت کے کل اصول سکھا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر گھر کو ایک تعلیم گاہ بنا دیا جس میں غیر شعوری طور پر ہر چھوٹا بڑا گنج انسانیت کے آداب نہ صرف جانتا ہے بلکہ عملاً اس کا خوگر بنتا ہے۔ ([illegible] تعمیر حسن سلامت)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۸۴

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صحابہ جیسی عظیم جماعت عطا فرمائی

قابلِ احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے چوراسی نمبر خصوصیت شروع کی جا رہی ہے جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صحابہ ؓ جیسی عظیم جماعت عطا فرمائی" جیسا کہ پہلے بھی آپ پڑھتے آ رہے ہیں اور یہاں بھی عرض کروں کہ اس خصوصیت کو بھی اللہ کے فضل سے میں نے روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے، وہ عظیم روضہ جہاں میرے آقا ﷺ کے ساتھ دو فرشتہ صفت ساتھی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت سیدنا عمر فاروق ؓ آرام فرما ہیں اور میں یہاں بیٹھ کر ان صحابہ ؓ کی شان میں اپنے قلم کو چلا رہا ہوں اور آقا ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کے بارے میں اپنے لکھے گئے مضامین کو فائنل ترتیب دے رہا ہوں، بحمد اللہ یہ میرے لئے بہت بڑی سعادت کی بات ہے اور اس پر میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کا جس قدر شکر ادا کروں کم ہے، خداوند قدوس میری اس کاوش کو قبول و منظور فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی یہ خصوصیت بھی بہترین خصوصیت ہے، جس خصوصیت سے دیگر انبیاء کرام ؑ کے دامن خالی نظر آتے ہیں اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر نبی کے صحابہ ہوا کرتے تھے اور بڑے ایمان والے اپنے انبیاء کے لئے گردنیں کٹوانے والے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور ﷺ کو جو صحابہ ؓ کی جماعت عطا فرمائی تھی اس کا مقابلہ دیگر امتوں کے برگزیدہ لوگ بھی نہیں کر سکتے ہمارے آقا ﷺ کے ایک ایک ساتھی کی شان بڑی اونچی اور نرالی ہے جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں گے، جسے ہم نے عین قرآن و حدیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے، دیکھئے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام جیسا دین کا شوق اور جذبہ عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت سے متعلق تفصیلی مضامین ملاحظہ فرمائیے۔

چوراسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن میں آپ ﷺ کے صحابہؓ کا ذکر خیر

آیت نمبر ۱ لَقَدْ تَابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا کَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ. وَعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا، حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْهِ، ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا، اِنَّ اللّٰہَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ. (التوبۃ: ۱۱۷، ۱۱۸)

ترجمہ: اللہ مہربان ہوا نبی پر، اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے، پھر مہربان ہوا ان پر، بیشک وہ ان پر مہربان ہے رحم والا۔ اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا، یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہوگئیں ان پر ان کی جانیں، اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف، پھر مہربان ہوا ان پر تا کہ وہ پھر آئیں بے شک اللہ مہربان رحم والا۔

آیت نمبر ۲ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا. وَّمَغَانِمَ کَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا، وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا. (الفتح: ۱۸، ۱۹)

ترجمہ: تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے، جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے، پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا، پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔"

آیت نمبر۳..... وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا، ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (التوبہ ۱۰۰)

ترجمہ... اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے، اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ، کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں، رہا کریں ان ہی میں ہمیشہ یہ ہے بڑی کامیابی۔

آیت نمبر۴... لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ، وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ، وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (الحشر ۸، ۹)

ترجمہ... واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے، جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے، اور اپنے مالوں سے، ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل، اور اس کی رضامندی اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ وہ لوگ وہی ہیں سچے اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں، ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے، اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے۔

آیت نمبر۵... اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ، ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ، ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ، وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (الزمر)

ترجمہ ..... اللہ نے اتاری بہتر بات کتاب آپس میں ملتی، دہرائی ہوئی، بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے، پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر۔ یہ ہے راہ دینا اللہ کا، اس طرح دیتا ہے جس کو چاہے اور جس کو راہ بھلائے اللہ اس کو کوئی نہیں سمجھانے والا۔

آیت نمبر ۶ ..... اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ. تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ. فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ، جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. (السجدہ ۱۵-۱۷)

ترجمہ ..... ہماری کتابوں کو وہی مانتے ہیں کہ جب ان کو سمجھائے ان سے گر پڑیں سجدہ کر کر، اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اور بڑائی نہیں کرتے۔ جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا رکھی ہے ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک، بدلا اس کا جو کرتے تھے۔

آیت نمبر ۷ ..... وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ. وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ. وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ. وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ. (الشوریٰ ۳۶-۳۹)

ترجمہ ..... اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے واسطے ایمان والوں کے جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے اور جو لوگ کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی سے اور جب غصہ آوے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔ اور جنہوں نے حکم مانا اپنے رب کا اور قائم کیا نماز کو اور کام کرتے ہیں مشورہ سے آپس کے۔ اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ کہ جب ان پر ہووے چڑھائی تو وہ بدلا لیتے ہیں۔

آیت نمبر ۸۔۔۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ، فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ، وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۔ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ (الاحزاب ۲۳، ۲۴)

ترجمہ۔۔۔ ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے، پھر کوئی تو ان میں پورا کر چکا اپنا ذمہ۔ اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھ رہا اور بدلا نہیں ایک ذرہ۔ تا کہ بدلہ دے اللہ سچوں کو ان کے سچ کا اور عذاب کرے منافقوں پر اگر چاہے یا توبہ ڈالے ان کے دل پر، بے شک اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

آیت نمبر ۹۔۔۔ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ ۔ (الزمر ۹)

ترجمہ۔۔۔ بھلا ایک جو بندگی میں لگا ہوا ہے رات کی گھڑیوں میں، سجدے کرتا ہوا اور کھڑا ہوا خطرہ رکھتا ہے آخرت کا اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہربانی کی۔ تو کہہ کوئی برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ۔"

پہلی کتابوں میں آپ ﷺ اور صحابہؓ کا ذکر خیر

عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے حضور ﷺ کی وہ صفات بتائیں جو توریت میں آئی ہیں۔

انھوں نے فرمایا "بہت اچھا خدا کی قسم! توریت میں بھی حضور ﷺ کی وہی صفات بیان ہوئی ہیں جو قرآن میں ہیں۔"

چنانچہ توریت میں ہے "اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور امیوں کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے، نہ آپ سخت گو ہیں نہ بازاروں میں شور

کرنے والے ہیں اور نہ آپ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ لوگ "لا الہ الا اللہ" کہہ کر ٹیڑھے کو سیدھا کر لیں گے۔ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دیں گے۔" (بخاری)

حضرت وہب بن منبہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں داؤدؑ کو یہ وحی فرمائی کہ: "اے داؤدؑ! تمہارے بعد عنقریب ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد اور محمد (ﷺ) ہوگا۔ وہ سچے اور سردار ہوں گے میں ان سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا اور نہ ہی وہ مجھے کبھی ناراض کریں گے۔ اور میں نے ان کی اگلی پچھلی تمام لغزشیں کرنے سے پہلے معاف کر دی ہیں اور رسول اکرم ﷺ کی امت میری رحمت سے نوازی ہوئی ہے۔ میں نے ان کو وہ نوافل عطا کیے جو انبیاء کو عطا کیے اور ان پر وہ چیزیں فرض کیں۔ حتیٰ کہ وہ قیامت کے دن میرے پاس اس حال میں آئیں گے کہ ان کا نور انبیاء کے نور جیسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرمایا کہ اے داؤد میں نے محمد ﷺ کو اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے حضرت کعبؓ سے فرمایا کہ مجھے حضور ﷺ اور آپ کی امت کی صفات بتائیں۔

انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب (توریت) میں ان کی یہ صفات پاتا ہوں کہ احمد (ﷺ) اور ان کی امت اللہ کی خوب تعریف کرنے والے ہیں۔ اچھے برے ہر حال میں "الحمد للہ" کہیں گے اور چڑھائی پر چڑھتے ہوئے "اللہ اکبر" کہیں گے اور نیچائی پر اترتے ہوئے "سبحان اللہ" کہیں گے۔

ان کی اذان آسمانی فضا میں گونجے گی۔ وہ نماز میں ایسی دھیمی آواز سے اپنے رب سے ہمکلام ہوں گے۔ جیسے چٹان پر شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ اور فرشتوں کی صفوں کی طرح ان کی نماز میں صفیں ہوں گی، اور نماز کی صفوں کی طرح ان کی میدان جنگ میں صفیں ہوں گی، اور جب اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے چلیں گے تو مضبوط نیزے لے کر فرشتے ان کے آگے پیچھے ہوں گے، اور جب وہ اللہ کے راستے میں صف بنا کر

کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر ایسے سایہ کئے ہوں گے۔ (آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا) جیسے کہ گدھ اپنے گھونسلے پر سایہ کرتے ہیں۔ اور میدان جنگ سے یہ لوگ کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اس جیسی ایک اور روایت بھی منقول ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ: "ان کی امت اللہ کی خوب تعریف کرنے والی ہوگی، ہر حال میں "الحمدللہ" کہیں گے اور ہر چڑھائی پر چڑھتے ہوئے "اللہ اکبر" کہیں گے۔ (اپنی نمازوں کے اوقات کے لئے) سورج کا خیال رکھیں گے پانچوں نماز اپنے وقت پر پڑھیں گے اگرچہ کوڑے کرکٹ والی جگہ پر ہوں میان کمر پر لنگی باندھیں گے، اور وضو میں اپنے اعضاء کو دھوئیں گے۔" (بحوالہ حیات الصحابہ جلد اول)

صحابہ کرامؓ حقیقی مومن تھے

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں مؤمنوں کی جتنی خصوصیات صفات اور اخلاق بیان کئے ہیں اور ان کے لئے جتنی بھی بشارتیں اور عظمتیں ذکر کی ہیں وہ ساری خصوصیات اور صفات سب سے پہلے صحابہ کے لئے ثابت ہوگی بعد میں کسی اور کے لئے ہوں گی اگر قرآن یہ بتاتا ہے کہ مؤمن سچے ہیں، نیکوکار ہیں ان کے ساتھ اللہ ہے مؤمنوں کے لئے اجر کریم ہے، اجر کبیر ہے، اجر عظیم ہے۔

مؤمنوں کے لئے مغفرت ہے، بشارت ہے، جنت ہے، ہدایت ہے، راحت ہے، عزت ہے، مؤمنوں پر اللہ کی رحمت ہے، ان کے لئے اللہ کی محبت ہے، وہ اللہ کی جماعت ہیں وہ بھائی بھائی ہیں۔

مؤمن اللہ سے ڈرنے والے ہیں اسکے سامنے جھکنے والے اور گڑگڑانے والے ہیں تو یہ ساری باتیں عالم کے لئے بعد میں محدث، مفسر عابد و زاہد کے لئے بعد میں مجاہد قطب اور ابدال کے لئے بعد میں ثابت ہوگی۔

سب سے پہلے یہ بشارتیں اور علامتیں صحابہ کرامؓ کے لئے ثابت ہوں گی۔ کیونکہ سب سے پہلے مومن صحابہؓ ہیں باقی سب بعد میں مومن ہیں بلکہ صاف بات تو یہ ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ مومن نہیں ہیں؟ تو دنیا میں کوئی بھی مومن نہیں۔ سوچئے تو سہی اگر ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ وعلیؓ مومن نہ ہوں تو کیا ماوشما مومن ہو سکتے ہیں؟

وہ شخص کتنا احمق ہے جو اپنے زمین بوس جھونپڑے کا تو ڈھنڈورا پیٹتا ہے مگر آسمان کی بلندی کا انکار کرتا ہے، یا جسے اپنے چراغ کی روشنی پر تو بڑا گھمنڈ مگر آفتاب جہانتاب کی روشنی اسے دکھائی نہیں دیتی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسا وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں ایمان سچائی اور عدل وانصاف کے لئے رتی برابر جگہ بھی نہ ہو یا جسے صحابہؓ کی قربانیوں ان کے مجاہدوں ان کے اخلاق اور صفات کا علم نہ ہو۔

اگر کوئی سوال کرے کہ صحابہ کون تھے؟ اس سوال کا سیدھا سا جواب تو یہ ہے کہ وہ مومنین سابقون تھے۔ وہ مسلمین اولون تھے۔ مگر اس سوال سے جواب کا حق ادا نہیں ہوگا جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ وہ کیسے مومن تھے کیسے مسلمان تھے؟ ان کا ایمان کیسا تھا؟ انہوں نے ایمان کی خاطر کیا کیا قربانیاں دیں؟ ان کی زندگیوں میں کیسا انقلاب آیا؟ ان کی راتیں کیسے گزرتی تھیں۔ ان کے دن کہاں بسر ہوتے تھے۔

آخر ان کے اندر وہ کونسی بات پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے انہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی گئی اور "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کا سرٹیفکیٹ عطا فرما دیا گیا اور یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ ساری دنیا کے عابد، زاہد اور مجاہد مل کر بھی ایک صحابیؓ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔

بے شک ایمان تو ہم بھی سینوں میں رکھتے ہیں لیکن صحابہ کے ایمان کی بات ہی کچھ اور تھی، ہم نے ایمان کے لئے کوئی قربانی نہیں دی ہم مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہمارا نام مسلمانوں والا رکھ دیا گیا اور ہم مسلمان ہو گئے، ہمارے ماحول میں مسلمان کہلانا یا ہونا مشکل نہیں۔

لیکن صحابہ کرامؓ نے جس ماحول میں اسلام قبول کیا اس ماحول میں اسلام قبول کرنا موت کو، مصیبتوں کو، تکلیفوں کو اور جبر و تشدد کو دعوت دینا تھا۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے یہ سب دیکھتے ہوئے جانتے بوجھتے ہوئے ایمان قبول کیا، اور جناب رسول اکرم ﷺ کا ڈنکے کی چوٹ پر ساتھ دیا۔ معاف کیجئے گا، میں تو کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر ہم آپ ﷺ کے زمانے میں ہوتے تو کیا ہوتا؟

ویسے تو ظاہر ہے کون مسلمان ہوگا جسکے دل میں حسرت نہ اٹھتی ہو کہ اے کاش میں نے کائنات کے سردار کے منور، مقدس، مطہر اور حسین و جمیل سراپا کی زیارت کی ہوتی، مگر دل میں خیال آتا ہے کہ اگر ہم جیسے کمزوروں کو آپ ﷺ کا مبارک زمانہ نصیب ہوتا اور ہمیں بھی ویسے ہی مصائب کا سامنا کرنا پڑتا جیسے مصائب اور مخالفتوں کا صحابہ کرامؓ کو سامنا کرنا پڑا تو کیا واقعی ہم استقامت کا ثبوت دیتے؟ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تو سب کچھ ہے، وہ چاہے تو کمزور سی چڑیا کو ہاتھی سے لڑنے کی جرأت عطا کرسکتا ہے۔ مگر بظاہر جب اپنی کمزوری پر نظر جاتی ہے تو ان مصائب کے سامنے ڈٹے رہنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے اور ان مظالم کے تصور سے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے وہ سارے مظالم برداشت کیے اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر تزلزل واقع نہیں ہوا۔

صحابہ کرامؓ کی مظالم و مصائب میں استقامت

حضرت بلالؓ کو کفار نے لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا، لڑکے ان کو مکے کی پہاڑیوں میں گھسیٹتے پھرتے لیکن ان کی قوت ایمانی میں کسی قسم کا ضعف نہیں آیا۔

حضرت خبابؓ ام انمار کے غلام تھے وہ اسلام لائے تو ام انمار نے لوہا گرم کر کے ان کے سر پر رکھا ایک دن حضرت عمرؓ نے ان کی پیٹھ دیکھی تو کہا کہ آج تک ایسی پیٹھ میری نظر سے نہیں گزری۔

حضرت خبابؓ نے جواب دیا کہ ”کفار نے انگاروں پر لٹا کر مجھ کو گھسیٹا تھا۔“

حضرت صہیبؓ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کفار لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں چھوڑ دیتے تھے۔ لیکن دھوپ کی شدت سے ان کی حرارت اسلام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی تھی۔

کفار حضرت ابو فکیہؓ کے پاؤں میں بیڑی ڈال کر دھوپ میں لٹا دیتے پھر پشت پر پتھر کی چٹانیں رکھ دیتے، یہاں تک کہ وہ مختل الحواس ہو جاتے۔ ایک دن امیہ نے ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں کو ان کے گھسیٹنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے راہ میں ایک گبریلا جا رہا تھا، امیہ نے استہزاءً کہا: "تیرا پروردگار یہی تو نہیں ہے؟" بولے "میرا اور تیرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔"

اس پر اس نے زور سے اس کا گلا گھونٹا لیکن اس کے بے درد بھائی کو (جو اس وقت اس کے ساتھ تھا) اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی، اور اس نے کہا "اس کو اور اذیت دو۔"

حضرت سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ تھی ایک دن کفار نے ان کو دھوپ میں لٹا دیا تھا۔ اسی حالت میں آپ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا: "صبر کرو صبر تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے۔" لیکن ابوجہل کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور اس نے برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا۔ چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا۔

حضرت عمرؓ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اس قدر مارا کہ تمام بدن لہولہان ہو گیا، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرو، میں تو اسلام لا چکی ہوں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے جب خانہ کعبہ میں اسلام کا اعلان کیا تو ان پر کفار ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے زمین پر لٹا دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب اول اول خانہ کعبہ میں قرآن مجید کی چند آیتیں بآواز بلند پڑھیں تو کفار نے ان کو اس قدر مارا کہ چہرے پر نشان پڑ گئے، لیکن انہوں نے صحابہؓ سے کہا کہ "اگر کہو تو کل پھر اسی طرح بآواز بلند قرآن کی تلاوت کروں۔"

ان اذیتوں کے علاوہ کفار ان غریبوں کو اور بھی مختلف طریقوں سے ستاتے تھے، پانی میں غوطے دیتے تھے، مارتے تھے، بھوکا پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ ضعف سے بے چارے بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں اکثر یا تو لونڈی غلام تھے یا غریب لیکن ان کے علاوہ بہت سے دولت مند اور معزز لوگ بھی کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ رہ سکے۔

حضرت عثمانؓ نہایت معزز شخص تھے لیکن جب اسلام لائے تو خود ان کے چچا نے ان کو رسی سے باندھ دیا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ جب اسلام لائے تو ان کا چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر لٹا دیتا تھا پھر نیچے سے ان کی ناک میں دھواں دیتا تھا۔ حضرت عمر کے چچا زاد بھائی سعید بن زیدؓ اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ دیا۔ حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ اور حضرت سلمہ بن ہشامؓ اسلام لائے تو کفار نے دونوں کے پاؤں کو ایک ساتھ باندھ دیا۔

حضرت ابو بکرؓ اسلام لائے تو ایک تقریر کے ذریعے دعوت اسلام دی کفار نے نامانوس آواز سنی تو ان پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ حضرت ابو بکرؓ کے قبیلے بنو تیم کو ان کی موت کا یقین آ گیا اور وہ ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے گئے شام کے وقت ان کی زبان کھلی تو بجائے اس کے کہ اپنی تکلیف بیان کرتے آپ ﷺ کا حال پوچھا اب ان کے لوگ بھی ان سے الگ ہو گئے۔

لیکن ان کو اپنے اسی محبوب کے نام کی رٹ لگی رہی بالآخر لوگوں نے ان کو رسول اکرم ﷺ تک پہنچا دیا آپ ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو ان کے اوپر گر پڑے، ان کا بوسہ لیا اور سخت رقت طبع کا اظہار فرمایا۔

صبر و استقامت کی یہ بہترین مثالیں تھیں اور صحابہ کرامؓ میں خود اہل کتاب تک ان کے معترف تھے۔

چنانچہ استیعاب میں ہے کہ جب صحابہ کرامؓ شام میں گئے تو ایک اہل کتاب نے ان کو دیکھ کر کہا کہ عیسیٰ ابن مریم کے وہ اصحاب جو آروں سے چیرے اور سولی پر لٹکائے گئے ان

سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے والے تھے۔

حضرت ام شریکؓ ایمان لائیں تو ان کے اعزہ واقارب نے ان کو دھوپ میں کھڑا کر دیا، اور اس حالت میں روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے تھے، اور پانی تک نہیں پلاتے تھے۔ جب اس طرح تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ: "جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو۔" وہ اس قدر بدحواس ہو گئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب ہی نہ سمجھ سکیں اب ان لوگوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید کا انکار مقصود ہے۔ بولیں "خدا کی قسم میں اسی عقیدہ پر قائم ہوں۔"

صحابہ کرامؓ کو ایمان کی خاطر صرف جسمانی تکلیفوں ہی کا سامنا نہیں کرنا پڑا بلکہ انہیں عزیزانہ تعلقات کی بھی قربانی دینی پڑی، بہن بھائی چھوڑنے پڑے ماں باپ نے منہ موڑ لیے بیوی بچے روٹھ گئے۔ لیکن صحابہؓ کے ایمانی قدم پیچھے نہیں ہٹے حالانکہ انسان کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ وہ بھوک پیاس، بیماری اور فقر وفاقہ کی سختی برداشت کر سکتا ہے لیکن خون کے رشتے نہیں توڑ سکتا۔

لیکن ان عظیم انسانوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے رشتہ جوڑنے کی خاطر باقی تمام رشتے توڑ دیے۔ پھر صرف یہی نہیں کہ ایمان کی وجہ سے یہ خونی رشتے ہی ٹوٹ گئے ہوں بلکہ یوں بھی ہوا کہ جن سے خون اور نسل کے رشتے تھے انہوں نے ایمان قبول کرنے کے جرم کی وجہ سے اپنے ہاتھوں سے کوڑے مارے تن کے کپڑے تک چھین لیے ہاتھوں اور پیروں میں زنجیریں ڈال دیں اور کھانا پینا بند کر دیا۔ ذرا تصور کیجیے جب باپ کوڑے مارتا ہوگا، اور بھائی لباس چھین کر کہتا ہوگا "جا محمدؐ سے مانگ لے۔" تو دل پر کیا گزرتی ہوگی!! اپنوں کے دیے ہوئے زخم کا درد کچھ سوا ہوتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ جب اسلام لائے تو ان کی ماں نے قسم کھائی کہ جب تک وہ اسلام کو نہ چھوڑیں گے، وہ ان سے نہ بات چیت کریں گی نہ کھانا کھائیں گی اور نہ پانی پئیں گی۔

چنانچہ انہوں نے قسم پوری کی یہاں تک کہ تیسرے دن کے فاقہ میں بے ہوش ہو گئیں لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ پر اس کا کچھ اثر نہ پڑا اور انہوں نے اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا کہ: "اگر تمہارے قالب میں ہزاروں جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے ہر جان نکل جائے تب بھی میں اس دین کو نہیں چھوڑوں گا۔"

حضرت خالدؓ بن سعید اسلام لائے تو ان کے باپ نے ان کو سخت سرزنش کی، کوڑے مارے، قید کیا، کھانا پینا بند کر دیا اور اپنے دوسرے لڑکوں کو ان سے بات چیت کرنے سے منع کر دیا۔ لیکن انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی معیت نہ چھوڑی اور آخرکار حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی ولا تمسکوا بعصم الکوافر "کافرہ عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو۔" اور اس کے ذریعے صحابہ ؓ کو حکم دیا گیا کہ مکہ میں ان کی جو کافرہ عورتیں ہیں ان کو چھوڑ دیں تو حضرت عمر ؓ نے اسی وقت اپنی دو کافرہ بیویوں کو طلاق دے دی۔ بہت سی صحابیاتؓ اپنے اپنے شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے دین سے برگشتہ نہ ہوئی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ما نعلم ان احدا من المهاجرات ارتدت بعد ایمانها "ہم کو ایسی مہاجر عورتوں کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر پھر مرتد ہو گئی ہوں۔"

جسمانی تکلیفوں اور عزیزوں کی بے رخی کے ساتھ ایک اور خوفناک اژدھا تھا جس کا سامنا ایمان والوں کو کرنا پڑا۔ اس اژدھا کو غربت و افلاس کہتے ہیں جو بڑے بڑے سورماؤں کے کس بل نکال کر سیدھا کر دیتا ہے۔ لوگ اس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی عزت و ناموس تک کا سودا کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں کتنے ہی لوگ ہیں جو پیٹ کی خاطر ایمان تک دے دیتے ہیں۔ مگر اس نیلگوں آسمان نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں کہ بھوک کی وجہ سے ان کے پیٹ کمر کو لگ جاتے تھے۔ کئی کئی وقت ان کے منہ میں ایک لقمہ تک نہیں جاتا تھا۔ مگر راہِ وفا میں ان کے قدم ڈگمگاتے نہیں تھے۔ حضرت عتبہ بن غزوان کا بیان ہے کہ میں ساتواں مسلمان

ہوں، اس وقت یہ حالت تھی کہ ہم لوگ درخت کے پتے کھا کر گزر اوقات کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ہمارے جبڑے پھٹ گئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اکرم ﷺ کے داماد تھے لیکن فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ ایک بار گھر میں آئے تو دیکھا حضرت حسن ؓ اور حسین ؓ رو رہے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ سے پوچھا: ''یہ کیوں رو رہے ہیں؟'' حضرت فاطمہؓ بولیں: ''بھوک سے بےتاب ہیں۔''

حضرت علی ؓ گھر سے نکلے تو بازار میں ایک پڑا ہوا دینار پایا، اس کا آٹا اور گوشت خریدا، لیکن محبت رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ اس حالت میں بھی رسول اللہ ﷺ کو مدعو کیے بغیر کھانا نہیں کھایا۔

حضرت مصعب بن عمیر ؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو کفن تک میسر نہ تھا، بدن پر صرف ایک چادر تھی اسی کا کفن بنایا گیا لیکن وہ اس قدر مختصر تھی کہ سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے پاؤں چھپاتے تھے تو سر پر کچھ نہیں رہتا تھا، بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''چادر سے سر کو اور پاؤں کو گھاس سے چھپا دو۔''

لیکن اور شہدائے احد کو یہ بھی نصیب نہ تھا اس لئے ایک چادر میں متعدد صحابہ ؓ دفن کیے گئے۔

اکثر صحابہ ؓ کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا جس کو گلے سے باندھ لیتے تھے کہ تہبند اور کرتا دونوں کا کام دے۔ ایک صحابی ؓ نے حضور ﷺ سے دریافت فرمایا کہ: ''ایک کپڑے میں نماز جائز ہے یا نہیں؟'' ارشاد ہوا: اولکلکم ثوبان ''کیا تم میں ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں؟''

مہاجرین کو کپڑے کی اس قدر تکلیف تھی کہ جب قرآن مجید کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے تھے تو باہم مل جل کر بیٹھتے تھے۔ تاکہ ایک جسم دوسرے جسم کی پردہ پوشی کر سکے۔ ان بزرگوں کے پاؤں میں جوتے نہ تھے، موزے نہ تھے سر پر ٹوپی نہ تھی اور بدن پر کرتہ نہ تھا۔ چنانچہ ایک بار حضرت سعد بن عبادہ ؓ بیمار ہوگئے تو تمام صحابہ کرام ؓ ان کی

حالت میں ان کی عیادت کو گئے۔

کیا منظر ہوگا جب وہ اللہ والے جن کے قدموں کی خاک جنت کی مٹی سے افضل ہے، بازار سے ننگے سر اور ننگے بدن گزرتے ہونگے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منکر، قرآن کے منکر مذاق اڑاتے ہوں گے پھبتیاں کستے ہوں گے۔

ارے اس لئے آبائی دین چھوڑا تھا کہ یوں غربت وافلاس کی زندگی گزارو تمہیں کیا دیا اس نئے دین اور نئے نبی کی غلامی نے؟ ... "آؤ ہمارے پاس تمہیں نہال اور مالا مال کردیں گے۔" کعب بن اشرف نے حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کو، عاص بن وائل نے حضرت خباب ؓ کو، اور شاہ غسان نے حضرت کعب بن مالک ؓ کو لالچ ہی کے ذریعے اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا تھا۔

لیکن وہ لوگ کچھ عجیب ہی قسم کے تھے نہ انہیں ظلم وستم حق سے برگشتہ کرسکا، نہ عزیزوں کی جفا کاریاں ان کے ارادوں میں تزلزل پیدا کرسکیں، نہ وطن کی جدائی ان سے ایمان چھین سکی، نہ تحریص وترغیب انہیں حضور ﷺ سے بے وفائی پر آمادہ کرسکی اور نہ ہی مشرکوں کی پھبتیاں انہیں اپنے کئے پر شرمندہ کرسکیں۔

صحابہ کرامؓ میں قربانی کا بے پناہ جذبہ

صحابہ کرامؓ کے دل میں اسلام کے لئے سب کچھ قربان کردینے کا ایسا جذبہ تھا کہ تاریخ میں کسی لیڈر، کسی قائد، کسی گروہ، کسی جماعت اور کسی مذہبی یا سیاسی رہبر کے ماننے والے میں نہیں پایا جاتا۔ ان کی سب سے بڑی خواہش اللہ کے راستے میں شہادت تھی ان میں سے ہر ایک دل میں شہادت کا بے تاب جذبہ لئے ہوئے تھا وہ اس موقع کی تلاش میں رہتے تھے جب اللہ کی راہ میں ناک کان اور گردن کٹوانے کی سعادت حاصل ہو۔

جناب رسول اکرم ﷺ پر ایک حبشی ایمان لایا اور آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت پر آمادگی ظاہر کی آپ ﷺ نے اس کو بعض صحابہ ؓ کے سپرد کردیا جن کے اونٹ وہ چرایا کرتا تھا۔ لیکن

جب ایک غزوہ میں مال غنیمت ہاتھ آیا اور حضور ﷺ نے اس کا بھی حصہ لگایا تو اس نے کہا: ''میں اس لئے ایمان نہیں لایا میں اسلئے حلقۂ اسلام میں داخل ہوا ہوں کہ میرا حلق میں تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنت میں داخل ہوں۔'' تھوڑی دیر بعد معرکۂ کارزار گرم ہوا تو وہ ٹھیک حلق پر تیر کھا کر شہید ہوا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کو آپ ﷺ کے سامنے لائے۔ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''اس نے خدا کی تصدیق کی تو خدا نے بھی اس کی تصدیق کی۔'' یہ کہہ کر خود اپنا جبہ کفن کیلئے عنایت فرمایا۔

غزوۂ احد میں ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا: ''اگر میں شہید ہو جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟'' ارشاد ہوا کہ: ''جنت میں'' کھجوریں ہاتھ میں تھیں، ان کو پھینکا اور لڑ کر شہید ہو گئے۔

غزوۂ بدر میں جب مشرکین مکہ کے قریب آ گئے تو حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا: ''اٹھو! اور وہ جنت لو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔'' حضرت عمیر بن الحمام انصاریؓ نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آسمان و زمین کے برابر؟''

ارشاد ہوا ''ہاں''۔ بولے: ''واہ واہ۔'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''واہ واہ کیوں کہتے ہو؟'' بولے: ''صرف اس امید میں کہ شاید میں بھی اس میں داخل ہو سکوں۔''

حضور ﷺ کا ارشاد ہوا کہ: ''تم داخل ہو گے'' اس سوال کے جواب کے بعد انہوں نے جھولی سے کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر شوق شہادت نے جوش مارا اور بولے کہ ''اتنا وقت بھی جس میں یہ کھجوریں کھا سکوں، میرے لئے بہت ہے۔'' یہ کہہ کر کھجوروں کو ایک طرف پھینکا میدان میں گئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

حضرت انسؓ کے چچا غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس لئے ہمیشہ یہ کانٹا ان کے دل میں کھٹکتا تھا۔ غزوۂ احد پیش آیا تو اس میں اس جانبازی کا ساتھ لڑ کر شہید ہوئے کہ ان کی بہن کا بیان ہے کہ تیر، نیزے اور تلوار کے اسی (۸۰) سے زیادہ زخم جسم پر تھے، میں نے صرف انگلیوں سے ان کو پہچانا۔

ایک بار ایک صحابیؓ نے معرکۂ جنگ میں یہ روایت کی کہ: "جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ کے نیچے ہیں۔" ایک صحابیؓ اٹھے اور کہا تم نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ بولے: "ہاں....." وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے رفقاء کے پاس آئے اور سلام کر کے رخصت ہوئے، تلوار کا میان توڑ کر پھینک دیا، اور دشمن کی صف میں گھس کر لڑے، اور شہید ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کو طاعون ہوا، رسول اللہ ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے تو آثار موت ہو چکے تھے، عورتیں رونے پیٹنے لگیں، ان کی صاحبزادی رو رہی تھیں اور کہتی تھیں کہ: "مجھے تو توقع یہ تھی کہ آپ شہید ہوں گے آپ نے جہاد کا سامان بھی مکمل کر لیا تھا۔" آپ ﷺ نے فرمایا "ان کو نیت کا ثواب مل چکا۔"

حضرت عمرو بن الجموحؓ ایک بوڑھے اور لنگڑے صحابی تھے، غزوۂ بدر میں حضور ﷺ نے لنگڑے پن کی وجہ سے ان کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا تھا لیکن غزوۂ احد میں انہوں نے بیٹوں سے کہا کہ مجھے میدان جہاد میں جانے دو، سب نے کہا: آپ کو تو رسول اللہ ﷺ نے معاف کر دیا ہے۔ بولے افسوس تم نے مجھے بدر میں جنت سے محروم رکھا اور اب احد میں بھی محروم رکھنا چاہتے ہو؟ یہ کہہ کر روانہ ہوئے، جب لڑائی کا وقت آیا تو بولے، یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں شہید ہو جاؤں تو اسی طرح لنگڑاتا ہوا جنت میں پہنچ جاؤں گا؟ ارشاد ہوا "ہاں..." یہ سن کر آگے بڑھے، لڑے اور شہید ہوئے۔

گرامی قدر قارئین! آپ نے دیکھا ان کے اندر اسلام کے لئے قربان ہو جانے کا کس قدر جذبہ تھا، یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں بے تاب رہتے تھے کہ کب موقع ملے اور کب وہ جان کا نذرانہ اپنے مالک کے حضور پیش کریں۔

رسول اکرم ﷺ کی محبت واطاعت اور صحابہ کرامؓ

محترم قارئین! آپ نے عوام کو اپنے قائدین سے، شاگردوں کو اپنے استادوں سے، بچوں کو اپنے والدین سے اور مریدوں کو اپنے پیروں سے محبت کرتے دیکھا ہوگا۔ آپ

نے اس بارے میں داستانیں بھی سنی ہوں گی اور واقعات بھی نظروں سے گذرے ہوں گے۔ لیکن وہ محبت وعقیدت جو صحابہ کرام ؓ کو رسول اللہ ﷺ سے تھی اس کی نظیر تاریخ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔

محبت وعقیدت کے ساتھ ادب اور احترام اور ادب واحترام کے ساتھ اتباع اور اطاعت میں بھی صحابہ اپنی مثال آپ تھے۔

حضرت اُسید بن حضیر ؓ ایک شگفتہ مزاج صحابی تھے، ایک روز وہ ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ان کے پہلو میں ایک چھڑی سے کونچ دیا، انہوں نے اس کا انتقام لینا چاہا، آپ اس پر راضی ہو گئے لیکن انہوں نے کہا کہ آپ کے بدن پر قمیص ہے حالانکہ میں برہنہ تھا۔ آپ نے قمیص بھی اٹھائی قمیص کا اٹھانا تھا کہ وہ آپ ﷺ سے لپٹ گئے، پہلو چومے اور کہا: ”یارسول اللہ! یہی مقصود تھا۔“

حضرت زاہر ؓ ایک بدوی صحابی تھے جو رسول اللہ ﷺ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، آپ ﷺ بھی ان سے محبت رکھتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ ”زاہر ہمارے بدوی ہیں اور ہم ان کے شہری ہے۔“

ایک دن وہ اپنا سودا فروخت کر رہے تھے، آپ نے پیچھے سے آ کر ان کو گود میں لے لیا۔ انہوں نے کہا: ”کون ہے؟ چھوڑ دو۔“ لیکن مڑ کر دیکھا اور معلوم ہوا کہ آپ ہیں تو اپنی پشت کو بار بار آپ کے سینے سے چمٹاتے تھے اور تسکین نہیں ہوتی تھی۔

ایک دن آپ ﷺ نے وضو کیا اور پانی بچ گیا، تو تمام صحابہ کرام ؓ نے لے کر جسم پر مل لیا۔

ایک بار آپ ﷺ سر منڈوا رہے تھے، صحابہ کرام ؓ نے آپ ﷺ کو گھیر لیا، حجام سر مونڈتا جاتا تھا اور صحابہ کرام ؓ اوپر ہی اوپر بالوں کو اچک لیتے تھے۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو محذورہ ؓ کی پیشانی پر ہاتھ پھیر دیا اس کے بعد انہوں نے عمر بھر نہ سر کے اگلے بال کٹوائے اور نہ مانگ نکالی بلکہ اس کو بطور تبرک یادگار

کے قائم رکھا۔

غزوۂ خیبر میں آپ ﷺ نے ایک صحابیہؓ کو خود دستِ مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا، وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آپ ﷺ کی ایک قمیص، ایک تہبند، ایک چادر اور موئے مبارک تھے، انہوں نے وفات کے وقت وصیت کی کہ یہ کپڑے کفن میں لگائے جائیں اور موئے مبارک منہ اور ناک میں بھر دیے جائیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کے چند بال حضرت ام سلمہؓ نے بطور یادگار کے محفوظ رکھے تھے، اور جب کوئی شخص بیمار ہوتا تھا تو ایک برتن میں پانی بھر کر بھیج دیتا تھا اور حضرت ام سلمہؓ اس میں بالوں کو دھو کر واپس بھیج دیتی تھیں۔ جس کو وہ شفا حاصل کرنے کے لئے پی جاتا تھا اور اس سے غسل کر لیتا تھا۔

ادب کا یہ عالم تھا کہ بغیر طہارت کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور حضور ﷺ سے مصافحہ کرنا گوارا نہ کرتے۔ مدینے کے کسی راستے میں آپ ﷺ سے حضرت ابوہریرہؓ کا سامنا ہو گیا، ان کو نہانے کی ضرورت تھی گوارا نہ کیا کہ اس حالت میں آپ کے سامنے آئیں اس لئے آپ کو دیکھا تو کترا گئے اور غسل کر کے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: ''ابوہریرہ! کہاں تھے؟'' بولے: ''میں پاک نہ تھا اس لئے آپ کے پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا۔''

آپ ﷺ کے سامنے بیٹھتے تو فرطِ ادب سے تصویر بن جاتے احادیث میں اس حالت کا نقشہ ان الفاظ سے کھینچا گیا ہے۔ کانما علی رؤسھم الطیر ''یعنی صحابہؓ آپ ﷺ کے سامنے اس طرح بیٹھتے تھے گویا ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہوں۔

ادب کے مارے آپ کے سامنے چلنا پسند نہیں کرتے، ایک سفر میں حضرت ابن عمرؓ ایک سرکش اونٹ پر سوار تھے جو رسول اللہ ﷺ سے آگے نکل جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو

ڈانٹا کہ کوئی آپ سے آگے نہ بڑھنے پائے۔

ایک شخص کا نام محمد تھا، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک آدمی اس کو گالیاں دے رہا ہے، بلا کر کہا کہ دیکھو تمہاری وجہ سے محمد کو گالی دی جا رہی ہے، اب تا دم مرگ تم اس نام سے نہیں پکارے جا سکتے۔

چنانچہ اسی وقت ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا پھر بنو طلحہ کے پاس پیغام بھیجا کہ جو لوگ اس نام کے ہوں سب کے نام بدل دیئے جائیں، اتفاق سے وہ لوگ سات آدمی تھے اور ان کے سردار کا نام محمد تھا لیکن انہوں نے کہا: ”خود رسول اللہ ﷺ ہی نے میرا نام محمد رکھا ہے۔“ بولے: ”اب میرا اس پر کچھ زور نہیں چل سکتا۔“

محبت و عقیدت اور ادب و احترام کے ساتھ وہ اطاعت میں بے مثال تھے، ہماری طرح زبان سے محبت کے خالی دعوے کرنے والے انسان نہیں تھے بلکہ وہ حقیقی اور سچے عاشق تھے۔ جنہوں نے حضور ﷺ کی غلامی میں اپنی مرضی، اپنی خواہش اپنا آرام، اپنا خیال اور اپنی سوچ سب کچھ قربان کر دیا تھا وہ زندگی کے ہر باب میں آپ کی اطاعت کے لئے آمادہ اور تیار رہتے تھے۔

آپ ﷺ نے ایک صحابیؓ کو ایک رنگین چادر اوڑھے دیکھا تو فرمایا: ”یہ کیا ہے؟“ وہ سمجھ گئے کہ آپ نے ناپسند فرمایا وہ فوراً گھر میں آئے اور اس چادر کو چولھے میں ڈال دیا۔

وہ چادر کسی دوسرے کے استعمال میں آ سکتی تھی، عورتیں پہن سکتی تھیں، گھر کے کسی کام میں آ سکتی تھی مگر ان کی سوچ یہ تھی کہ جو چیز سرورِ کون و مکاں ﷺ کی ناراضگی کا سبب بنی وہ باقی ہی کیوں رہے؟

حضرت خریم اسدیؓ ایک صحابی تھے جو نیچی تہبند باندھتے تھے اور لمبے بال رکھتے تھے۔ ایک روز آپ ﷺ نے فرمایا: ”خریم اسدیؓ کتنا اچھا آدمی تھا، اگر لمبے بال نہ رکھتا اور نیچی تہبند نہ باندھتا؟“ ان کو معلوم ہوا فوراً قینچی منگوائی اس سے بال کترے اور تہبند اونچی کر لی۔ کوئی تاویل نہیں، کوئی حجت نہیں، کوئی عذر پیش نہیں کیا بس آقا کا حکم تھا فوراً تعمیل کر

ڈالی۔

حضرت حذیفہؓ کے سامنے مدائن کے ایک رئیس نے چاندی کے برتن میں پانی پیش کیا، انہوں نے اس کو اٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا کہ "میں نے اس کو منع کیا تھا یہ باز نہ آیا، جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔"

جس چیز سے آقا نے منع فرمایا ہے۔ وہ چیز ہمارے استعمال میں کیسے آسکتی ہے؟ اور میں نے اسے ایک دفعہ بتایا تھا تو پھر یہ ہی پیالہ میرے پاس کیوں لے کر آیا؟

ایک بار آپ راستے سے گزر رہے راہ میں ایک بلند خیمہ نظر سے گزرا تو فرمایا یہ کس کا ہے، لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا، آپ کو یہ شان و شوکت ناگوار ہوئی مگر اس کا اظہار نہیں فرمایا۔

کچھ دیر بعد انصاری بزرگ آئے اور سلام کیا لیکن آپ نے ناراضگی سے منہ پھیر لیا۔ بار بار یہی واقعہ پیش آیا تو انہوں نے دوسرے صحابہؓ سے آپ کی ناراضگی کا سبب معلوم ہوا تو انہوں نے خیمہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ گویا صحابہ کو زبان سے کہنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی تھی وہ تو بس آقا کے چہرے کی سلوٹوں، چہرے کی رنگت اور آپ کے سکوت و تعلیم ہی سے آپ کی مرضی اور آپ کا منشا معلوم کرتے تھے، اور جب نبوت کی مرضی اور منشا معلوم ہو جاتا تھا تو پھر وہ تعمیل میں لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کرتے تھے۔

اصل میں انہیں حضور ﷺ فداہ امی وابی کی ہر بات ہر ارشاد اور ہر پیشگوئی پر ایسا یقین تھا کہ شاید ہمیں آسمان کے بلند ہونے، زمین کے پست ہونے، دن کے روشن ہونے، رات کے تاریک ہونے بلکہ اپنے وجود پر بھی ویسا یقین نہ ہو۔ ان کا یقین تھا کہ ہر بات جھوٹی ہو سکتی ہے ہر خبر غلط ہو سکتی ہے مگر جو بات آقا کے منہ سے نکلی اور جو خبر آقا نے دی ہو وہ جھوٹ اور غلط نہیں ہو سکتی ہے۔

انہیں یہ بھی یقین تھا کہ ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی اور صرف نبی کی سچی غلامی اور نبی کے حکم کی اتباع اور ماننے میں ہے۔

ایک بار حضرت عمران بن حصین ؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ "اہل وعیال کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے۔" اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ اگر ایک خراسان میں مر جائے اور اہل وعیال یہاں پر ماتم کریں تو کیا آپ کے خیال میں اس پر خراسان میں عذاب ہوگا، بولے رسول اللہ ﷺ نے جو خبر دی ہے وہ حق ہے اور تو جھوٹ بکتا ہے۔

ایک بار آپ ﷺ نے کسی بدو سے گھوڑا خریدا اور قیمت ادا کرنے کے لئے اس کو ساتھ لے چلے لیکن آپ ﷺ تیزی سے آگے بڑھ گئے اور بدو پیچھے رہ گیا، لیکن جن لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ نے گھوڑا خرید لیا ہے وہ بدو سے بھاؤ تاؤ کرنے لگے خریداروں کو دیکھ کر بدو نے آپ ﷺ کو پکار کر کہا، لینا ہو تو لیجئے ورنہ میں گھوڑے کو فروخت کر ڈالتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا "تم نے تو اس کو میرے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے۔"

بدو نہیں گواہ ہو تو لائیے حضرت خزیمہ بن ثابت اگر چہ بیع کے وقت موجود نہ تھے، تاہم کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تم نے آپ کے ہاتھوں گھوڑا فروخت کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا "خزیمہ! تم تو اس وقت موجود نہ تھے جب میرا بدو کے ساتھ سودا ہوا تھا پھر تم نے یہ شہادت کیوں کر دی؟

عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی تصدیق کی بنا پر گویا وہ یوں کہنا چاہتے تھے کہ جب ہم عالم بالا کی خبروں کے بارے میں آپکی تصدیق کرتے ہیں اور آپکو سچا جانتے ہیں تو اس چھوٹی سی خبر میں ہم آپکی تصدیق کیوں نہیں کریں گے؟

چنانچہ حضرت خزیمہ ؓ کو صحابہ ؓ میں یہ منفرد شرف حاصل ہوا، کہ حضور ﷺ نے ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا۔

صحابہ کی کس کس ادا کا تذکرہ کیا جائے حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی ہر ادا مثالی اور ہر بات بے نظیر تھی، ان کا ایمان ان کا یقین، ان کی صداقت، ان کی دیانت، ان کا ایثار، ان کا جذبۂ جہاد ان کی فیاضی ان کے معاملات، ان کی عفت وطہارت، ان کی نمازیں اور ان کا صدقہ وخیرات ہر چیز بے مثال تھی۔ آج ہمارے پاس جو کچھ ہے یہ تو حقیقت میں نقل ہے،

اصل تو صحابہؓ کے ہاں تھی۔

ہماری تقریریں اثر سے خالی، ہماری دعائیں روح سے خالی، ہماری نمازیں خشوع سے خالی، ہماری عبادتیں مغز سے خالی اور ہمارا صدقہ و خیرات اخلاص سے خالی ہے۔ آج ہماری مسجد میں کوئی ایک نمازی ایسا نظر نہیں آتا جس کی نماز خشوع و خضوع والی ہو، کوئی ایک بندہ ایسا دکھائی نہیں دیتا جس کی آنکھیں خوف آخرت سے آنسو بہاتی ہوں مگر وہ کیسا قابل رشک وقت تھا جب ہر نمازی خشوع و خضوع کا پیکر ہوتا تھا، جب ہر مومن کی آنکھیں بارش برساتی تھیں، اور دل کی وادی کو سیراب کرتی تھیں۔

آج یہ وادی بنجر ہو چکی ہے یہاں روحانیت کے پھول کے بجائے مادیت کے کانٹے اگ آئے ہیں، اگر ہم چاہتے ہیں کہ نماز سے وہ فوائد اور برکتیں حاصل ہوں جن کا وعدہ اللہ کے سچے رسول نے کیا ہے تو پھر صحابہ ؓ جیسی نماز پڑھنے کی کوشش کیجئے، ان کی نمازوں کا حال احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ اس خشوع و خضوع کے ساتھ نماز اور قرآن پڑھتے کہ ان پر شدت سے گریہ طاری ہو جاتا اور کفار کی عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر پڑتا۔

حضرت عمر ؓ نماز میں اس شدت سے روتے کہ پچھلی صف کے لوگ رونے کی آواز سنتے۔ حضرت عبداللہ بن شداد کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا لیکن حضرت عمر ؓ کے رونے کی آواز سنتا تھا۔

حضرت تمیم داری ؓ ایک رات تہجد کے لئے کھڑے ہوئے تو صرف ایک آیت یعنی "ام حسب الذین اجترحوا السیئات الخ" کی قرأت میں صبح کر دی اسی کو بار بار پڑھتے تھے، رکوع کرتے تھے، سجدے میں جاتے تھے اور روتے تھے۔

محبوب سے محبوب چیز بھی اگر صحابہؓ کی حضوری نماز میں خلل انداز ہوتی تو وہ ان کی نگاہ میں مبغوض ہو جاتی۔

ایک دن حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے ایک چڑیا اڑتی ہوئی آئی اور چونکہ باغ بہت گھنا تھا اور کھجوروں کی شاخیں باہم ملی ہوئی تھیں پھنس گئی اور نکلنے کی راہ ڈھونڈنے لگی ان کو باغ کی شادابی اور اس کی اچھل کود کا منظر بہت پسند آیا اور اس کو تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے۔

پھر نماز کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ یاد نہ آیا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں؟ دل میں کہا کہ اس باغ نے فتنہ پیدا کیا۔ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا "یا رسول اللہ ﷺ! میں اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں۔"

اس خشوع و خضوع کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ حضرت انسؓ رکوع کے بعد قیام میں دونوں سجدوں کے درمیان اس قدر دیر لگاتے کہ لوگ سمجھتے کہ کچھ بھول گئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو معلوم ہوتا تھا کہ ستون کھڑا ہے۔ ایک دن رکوع میں اس قدر جھکے رہے کہ ایک شخص نے "سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء" اور "مائدہ" جیسی طویل سورتوں کی تلاوت کر ڈالی لیکن انہوں نے اس درمیان سر نہ اٹھایا۔

آپ نے بہت سارے نمازی ایسے دیکھے ہوں گے جو نماز تو پابندی سے پڑھتے ہیں مگر معاملات میں کمزور ہوتے ہیں، کم تولتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں۔ ایسے ہی نمازی حقیقت میں نماز کو بدنام کرتے ہیں۔ مگر صحابہ کرامؓ کی خشوع و خضوع والی طاقت اور نمازیں انہیں گناہوں سے روکتی تھیں، ان کے معاملات کی صفائی کو دیکھ کر ہزاروں لوگوں نے ایمان قبول کیا۔ دور صحابہ میں یہ چیز اتنی عام ہو گئی تھی کہ غلام، لونڈیاں اور عام چرواہے تک دیانت داری کی زندگی بسر کرتے تھے۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ کے اطراف سے نکلے ایک غلام جو بکریاں چرا رہا تھا انہوں نے اس کو کھانے پر بلایا۔ لیکن اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے

جوں اب انہوں نے اس کے ورع و تقویٰ کا امتحان لیجئے کو کہا ان بکریوں میں سے ایک بکری فروخت کر دو ہم تمہیں قیمت بھی دیں گے اور افطار کرنے کے لئے گوشت بھی لیکن اس نے کہا بکریاں میری نہیں ہیں میرے آقا کی ہیں۔ انہوں نے کہا تمہارا آقا کیا کرے گا؟ اب چرواہے نے پیٹھ پھیری اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا: "تو خدا کہاں چلا جائے گا؟"

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اس فقرے پر محو ہو گئے۔ اور بار بار اس کو دہرانے لگے، مدینہ میں پلٹ آئے تو اس کو اس کے آقا سے مع بکریوں کے خرید کر آزاد کر دیا اور بکریاں اس پر ہبہ کر دیں۔

ان حضرات کی یہ سوچ کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے انہیں ہر طرح کی خیانت اور بے اختیاری سے محفوظ رکھتی تھی، اور آج ہمارے اندر یہی سوچ نہیں رہی ہے ہم نے جگہ جگہ اس مضمون کے کتبے لٹکا رکھے ہیں کہ "خدا دیکھ رہا ہے۔" لیکن یہ مضمون ہماری فکر و نظر میں پیدا نہیں ہو سکا۔ صحابہ کرامؓ نے اس مضمون کے کتبے تو نہیں لٹکائے مگر اللہ کے ہر وقت ہر جگہ دیکھنے کا یقین ان کے رگ و ریشہ میں سمایا ہوا تھا اور یہی یقین تھا جو بڑی بڑی آزمائشوں میں ان کے قدموں میں لغزش نہیں آنے دیتا تھا۔

ایک بار حضرت ابی بن کعبؓ نے سو اشرفیوں کا توڑا پایا اور کمال دیانت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سال تک مالک کی جستجو میں منادی کرتے رہو۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔ دوسرے سال پھر حاضر خدمت ہوئے، آپ ﷺ نے پھر یہی حکم دیا وہ حکم بجالائے پھر تیسرے سال آئے، آپ ﷺ نے پھر یہی ارشاد فرمایا، جب اب کے بھی مالک نہیں ملا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بحفاظت رکھو، اگر مالک مل گیا تو خیر ورنہ خرچ کر ڈالو۔

ایک صحابی کی اونٹنی گم ہو گئی اور انہوں نے دوسرے صحابی سے کہہ دیا کہ ملے تو پکڑ لینا، ان کو اونٹنی مل گئی لیکن اس کا مالک کہیں چلا گیا انہوں نے اونٹنی اپنے یہاں رکھ چھوڑی کہ مالک آئے تو حوالے کر دوں اسی اثناء میں اونٹنی بیمار پڑ گئی، بیوی نے کہا ذبح کر ڈالو۔ فقر و فاقہ

کی یہ حالت تھی کہ مردار کھانے پر مجبور تھے۔

چنانچہ اونٹنی مرگئی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کا گوشت کھانے کی اجازت بھی دے دی لیکن کمال دیانت سے ذبح کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ مالک آیا تو انہوں نے تمام سرگذشت کہہ سنائی اس نے کہا ذبح کیوں نہیں کر ڈالا؟ بولے: "تم سے شرم آتی تھی۔"

وہ دوسروں کا حق تو کیا کھاتے ان کا حال تو یہ تھا، کہ وہ اپنا حق بھی دوسروں کے لئے چھوڑ دیتے تھے، خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلانا، خود پیاسے رہ کر دوسروں کو پلانا انہیں بڑا اچھا لگتا تھا۔

ایک بار ایک فاقہ زدہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا، اتفاق سے آپ ﷺ کے گھر پانی کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا "آج کی شب کون اس مہمان کا حق ضیافت ادا کرے گا؟" ایک انصاری یعنی ابو طلحہؓ نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ میں۔" چنانچہ ان کو ساتھ لے کر گھر آئے بی بی سے پوچھا کچھ ہے؟" بولیں "صرف بچوں کا کھانا ہے۔" بولے بچوں کو تو کسی طرح بہلا دو جب میں مہمان کو گھر لے آؤں تو چراغ بجھا دو اور میں اس پر یہ ظاہر کروں گا کہ ہم بھی ساتھ کھا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ صبح کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ رات خدا تمہارے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا اور یہ آیت نازل فرمائی ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة "وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں گو وہ خود تنگ دست ہوں۔"

ایک غزوہ میں حضرت عکرمہؓ، حضرت حارث بن ہشامؓ اور حضرت سہیل بن عمروؓ زخم لگ کر زمین پر پڑے اور اس حالت میں حضرت عکرمہؓ نے پانی مانگا، پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہیلؓ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں بولے پہلے ان کو پلاؤ، حضرت سہیلؓ کے پاس پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت حارث بن ہشامؓ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے، بولے ان کو پلا دو۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ گیا اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دی۔

حضرت سعد بن عبادہؓ کے قلعہ کے اوپر سے روزانہ ایک آدمی پکارتا کہ جس کو گوشت اور چربی کی خواہش ہو وہ یہاں آئے۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے تو زیادہ تر وہی کھانا تیار کروا کے بھیجتے تھے۔ اصحاب صفہ کے معاش کا زیادہ تر دارومدار ان ہی کی فیاضی پر تھا۔ چنانچہ جب شام ہوتی تو اور صحابہ ان میں سے ایک یا دو کو لے جاتے لیکن وہ اسی آدمیوں کو لے جا کر کھانا کھلاتے تھے۔

([illegible])

عہدِ صحابہؓ کی دلکش تصویر

قرآن مجید نے صحابہؓ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ”وہ کافروں کے لئے تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل“ ان کی زندگی ان کے آپس کے تعلقات ان کا ایک دوسرے کے ساتھ سلوک و باہمی محبت اکرام واحترام پاسداری اور ادائے حقوق کے واقعات اس آیت قرآنی کی تائید کرتے ہیں۔ اس کے خلاف جو بھی بیان کیا گیا ہے یا بیان کیا جائے وہ قرآن کی تکذیب تاریخ کی تغلیط اور تربیت نبوی ﷺ کے بارے میں بدگمانی اور تشکیک کے مترادف ہے۔ بطور دلیل یہ واقعات ملاحظہ کریں:۔

بخاری شریف کی روایت ہے، عقبہ بن حارث کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عصر کی نماز پڑھی پھر باہر نکل کر ٹہلنے لگے، آپؓ نے حضرت حسنؓ کو دیکھا کہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسے اپنے کندھے پر بٹھالیا اور فرطِ محبت سے کہا: ”میرا باپ قربان ہو، یہ تو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہیں حضرت علیؓ کے مشابہ نہیں۔“ حضرت علیؓ کن رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔

ابن سعد حضرت جعفر سے روایت کرتے ہیں وہ حضرت محمد باقر سے وہ امام زین العابدین سے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس یمن کے حلے آئے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں

میں تقسیم کر دیئے وہ یہ پوشاک پہن کر مسجد نبوی میں آئے، آپ روضہ اور منبر کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے لوگ آتے سلام کرتے اور دعا دیتے اتنے میں حسنؓ و حسینؓ مکان سے باہر نکلے ان کے جسم پر کوئی حلہ نہیں تھا۔

حضرت عمرؓ افسردہ اور اداس بیٹھے ہوئے تھے، لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا میں ان بچوں کی وجہ سے مغموم ہوں کہ ان کے بدن کے مطابق کوئی حلہ نہیں تھا سب بڑی عمر والے کے لئے تھے۔ پھر آپ نے یمن اپنے عامل کو لکھا کہ حسنؓ و حسینؓ کے لئے دو حلے بھیجو اور تاخیر نہ کرنا، اس نے فوراً دو پوشاکیں بھیجیں۔ آپ نے اپنے ہاتھوں سے ان دونوں کو پہنایا۔ تب اطمینان ہوا۔ ایسی اور مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں لیکن ہم اختصاراً انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

ان خصوصیات کی بنا پر یہ پہلا اسلامی معاشرہ جس کی بنیاد صحبت نبوی تربیت ایمانی اور تعلیمات قرآنی پر پڑی تھی ایک بے خار انسانی گلدستہ بن گیا جس کا ہر پھول اور ہر پتی اس کے لئے باعث زینت تھی۔ مختلف قبائل مختلف خاندانوں اور مختلف حیثیتوں کے افراد ایک خوش اسلوب متحد القلوب خاندان میں تبدیل ہو گئے اور اسلام کی انقلاب انگیز اور رسول اللہ ﷺ کی معجزانہ صحبت نے ان کو شیر و شکر بنا دیا۔

اس موقعہ پر خواجہ الطاف حسین حالی کی شہرہ آفاق مسدس کا ایک اقتباس نقل کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اس معاشرہ کی بولتی ہوئی تصویر کھینچی گئی ہے۔

یہ تصویر مبنی بر حقیقت ہونے کے ساتھ ساتھ ایسی دلکش و دل آویز ہے اس کی پوری نسل انسانی کے وسیع اور عظیم مرقع میں پیغمبروں کی سیرت و تاریخ کے بعد سب سے اجلی اور اونچی جگہ دینی چاہیے۔

مولانا حالی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور خلافت راشدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت   ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت   نبی نے کیا خلق سے قصد رحلت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

سب اسلام کے حکم بردار بندے   سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبی کے وفادار بندے   یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے
رہ کفر و باطل سے بیزار بندے
نشہ میں مے حق کے سرشار بندے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے   کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکام دیں پر جھکا دینے والے   خدا کے لئے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط اک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا   تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا   خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا
یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت   نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت   فقیر اور غنی سب کی تھی ایک جیسی حالت
لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہباں   ہو گلہ کا جیسے نگہباں چوپاں
سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں   نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں

کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

رقابت میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی   فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خودبخود آگ ان کی   شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی

جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

کفایت جہاں چاہیے واں کفایت   سخاوت جہاں چاہیے واں سخاوت
بچی اور تلی دشمنی اور محبت   نہ بے وجہ الفت نہ بے وجہ نفرت

جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی
رکا حق سے جو رک گئے اس سے وہ بھی

قرآن مجید احادیث صحیح اور مستند تاریخ کی روشنی میں اسلامی معاشرہ کے جو خد و خال اس کا جو سراپا اور نقشہ اور اس سے آگے بڑھ کر اس کا مذاق و مذاق سامنے آتا ہے اس سے نہ صرف اولین مسلمان اور آغوش نبوت کے پروردہ اور درس گاہ نبوی کے تربیت یافتہ لوگوں کی ایک ایسی بڑی تعداد میں افراد انسانی کی ایک حسین اور دلکش تصویر سامنے آتی ہے جس سے بہت کم تعداد میں بھی اور صدیوں کے فرق اور مکان و زماں کے تفاوت سے بھی کوئی ایسی معیاری اور مثالی جماعت نظر نہیں آتی اس جماعت سے انسانی فطرت کی خیر قبول کرنے کی صلاحیت، اس کی ترقی، پاکیزگی بلند پروازی ایسے وسیع امکانات جہاں انسانوں کی ذہانت پہنچنی مشکل ہے۔ مخلص اور مؤید من اللہ مصلحین و مربیوں کی کوشش محنت کی کامیابی کا ثبوت ملتا ہے اور انسانیت کو خود اپنے اوپر ناز کرنے اور ہر دور کے انسانوں کو فخر و مباہات کا حق حاصل ہوتا ہے کہ ان کی جنس اور نوع میں ایسے بلند پایہ انسان پیدا ہوئے جن میں ہر ایک بقول اقبال۔   خاکی و نوری نہاد بندۂ مولیٰ صفات

کا مصداق تھا۔ اس سے فرد انسانی احساس کہتری مردم بیزاری اور مایوسی کے

امراض سے شفا پاتا ہے۔ صحیح خطوط پر کام کرنے والوں کا حوصلہ بلند ہوتا ہے اور انبیاء و مرسلین سے عمومیت کے ساتھ اور سید المرسلین خاتم النبیین رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے خصوصیت کے ساتھ عظمت و عزت راسخ ہوتی ہے۔

آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کے نتائج کو دیکھ کر ایمان بالغیب ایمان شہودی بن جاتا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے بہت صحیح لکھا ہے۔ مجموعی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کے بعد افراد انسانی کا کوئی مجموعہ اور انسانوں کی کوئی نسل صحابہ کرام ؓ سے بہتر سیرت و کردار کی نظر نہیں آتی۔ (تحریر مطالعہ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی)

صحابہ کرام ؓ نے آپ ﷺ کے لئے سب کچھ لٹادیا

صحابہ کرامؓ کے سینوں پر انوار رسالت براہ راست پڑے تھے انہوں نے اپنے گھر بار اپنا مال و منال اپنا سب کچھ حضور ﷺ کی خاطر لٹادیا۔

صدیق اکبرؓ کو دیکھئے ابھی اسلام کا آغاز تھا۔ مکے کی بستی کافروں سے بھری ہوئی تھی حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کی محبت سے سرشار تھے۔ آپ ﷺ سے التجا کی کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں لوگوں کو اعلانیہ آپ ﷺ کی رسالت کی اطلاع دوں اور آپ ﷺ سے فیضیاب ہونے کی دعوت دوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "اے ابوبکرؓ! ذرا صبر سے کام لو، ابھی ہم تعداد میں کم ہیں۔"

حضرت ابوبکر ؓ پر غلبہ حال طاری تھا انہوں نے پھر اصرار کیا حتیٰ کہ حضور ﷺ نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بے خوف و خطر لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دی۔ البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں فکان اوّل خطیب دعا الی اللہ والی رسولہ۔ "حضور ﷺ کی بعثت کے بعد حضرت ابوبکرؓ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا۔"

مشرکین مکہ آپ ؓ پر ٹوٹ پڑے آپ ؓ کو سخت پیٹا اور روندا، عتبہ بن ربیعہ نے

آپ ؓ کے چہرے پر بے تحاشا تھپڑ مارے، آپ ؓ قبیلہ بنو تیم سے تھے آپ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی تو وہ دوڑے ہوئے آئے مشرکین سے انہیں چھڑا کر ان کے گھر چھوڑ آئے حضرت ابوبکر صدیقؓ بے ہوش تھے اور لوگوں کا خیال تھا کہ وہ جانبر نہ ہو سکیں گے وہ دن بھر بے ہوش رہے شام ہوئی تو آپ کو ہوش آیا، آپ کے والد ابو قحافہ اور آپ کے قبیلے کے لوگ آپ کے پاس کھڑے تھے، ہوش میں آتے ہی پہلی بات انہوں نے یہ کی کہ "رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟"

ان کے قبیلے کے لوگ برہم ہوئے اور انہیں ملامت کی کہ جس کی وجہ سے یہ ذلت ورسوائی تمہیں اٹھانی پڑی اور یہ مار پیٹ تمہیں برداشت کرنا پڑی ہوش میں آتے ہی تم پھر اسی کا حال پوچھتے ہو۔ ان اندھوں کو کیا خبر تھی کہ ان کی خاطر سختیاں جھیلنے میں جو لذت ہے وہ دنیاداروں کو پھولوں کی سیج پر اور بستر پر حاصل نہیں ہوتی ہے۔

اے جفاہائے تو خوشتر ز وفائے دگراں

ان کے قبیلے کے لوگ مایوس ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور ان کی ماں ام الخیر سے کہہ گئے کہ جب تک محمد (ﷺ) کی محبت سے یہ باز نہ آجائے اس کا بائیکاٹ کرو اور اسے کھانے پینے کو کچھ نہ دو ماں کی مامتا تھی جی بھر آیا کھانا لا کر سامنے رکھ دیا اور کہا کہ دن بھر کے بھوکے ہو کچھ کھا لو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا "ماں! خدا کی قسم میں کھانا نہیں چکھوں گا اور پانی کا گھونٹ تک نہیں پیوں گا جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نہ کر لوں۔"

حضرت عمرؓ کی بہن ام جمیل آ گئیں اور بتایا کہ حضور ﷺ بخیریت ہیں اور دار ارقم میں تشریف فرما ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ زخموں سے چور تھے چلنے کے قابل نہ تھے اپنی ماں کے سہارے سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان پر جھک پڑے اور انہیں چوما، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سخت گریہ طاری تھا۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ صدیق

اکبر حضور ﷺ کی محبت میں اپنے جسم اور اپنی جان کی سب تکلیفیں بھول گئے۔

صحابہ کرام حضور ﷺ کی زیارت کو ترستے تھے آپ ﷺ نے مرض الموت میں جب پردہ اٹھا کر دیکھا اور صحابہ کرامؓ کو نماز کی حالت میں دیکھ کر مسکرائے تو صحابہ کرامؓ میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں ’’ہم نے حضور ﷺ کے مکھڑے سے زیادہ حسین منظر نہیں دیکھا ہے۔ کچھ عاشقان رسول ﷺ ایسے بھی تھے جن کو اپنی آنکھیں محض اس لئے عزیز تھیں کہ ان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوتی ہے۔

نازم بچشم خود جمال تو دیدہ است

ایک صحابیؓ کی آنکھیں جاتی رہیں، لوگ عیادت کو آئے تو کہنے لگے یہ آنکھیں تو مجھے اس لئے عزیز تھیں کہ ان سے آپ ﷺ کی زیارت ہوتی تھی جب وہی نہ رہے تو ان آنکھوں کے جانے کا غم کیا ہے؟۔ کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین تو ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے روز روز کا جھگڑا ہی چکا دیا تھا۔ زندگی کا سب کاروبار چھوڑ چھاڑ کر حضور ﷺ کی خدمت کے لئے وقف ہو گئے تھے، حضرت بلال کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ آپ ﷺ کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا آپ ﷺ کے گھر کا سب کام کاج حضرت بلالؓ ہی کرتے تھے دنیا کے سب دھندوں کو خیرباد کہہ چکے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی آپ سفر کے لئے تشریف لے جاتے ساتھ ہو لیتے، آپ کو جوتیاں پہناتے آپ کی جوتیاں اتارتے سفر میں آپ کا بچھونا مسواک، جوتا اور وضو کا پانی ان ہی کے پاس ہوتا تھا اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو صحابہ کرامؓ سوادِ رسول (ﷺ) کہتے تھے یعنی حضور ﷺ کے میر ساماں تھے۔

حضرت ربیعہ اسلمیؓ سارا دن آپ ہی کی خدمت میں رہتے تھے جب آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر کاشانۂ نبوت میں تشریف لے جاتے تو آپؓ باہر دروازے پر بیٹھے رہتے کہ شاید آپ ﷺ کو کوئی کام پڑ جائے اور میرے بھاگ جاگ اٹھیں اور حضور ﷺ کی

خدمت کی سعادت نصیب ہو جائے۔

ایک دن حضور ﷺ نے ربیعہؓ سے فرمایا: ’’ربیعہ! تم شادی کیوں نہیں کرتے؟‘‘ کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! شادی کی تو آپ (ﷺ) کا آستانہ مجھ سے چھوٹ جائے گا۔ مگر حضور ﷺ نے بار بار اصرار کیا اور وہ مجبور ہو گئے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ آپ کے مستقل خدمت گزار تھے آپ ﷺ سفر پر جاتے تو حضرت عقبہ بن عامرؓ پیدل آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلتے اور آپ ﷺ کی اونٹنی ہانکتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ کو ان کی والدہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت کے لئے بچپن ہی میں وقف کر گئیں تھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی بارگاہ رسالت میں ہمیشہ حاضر رہتے۔

عشق و شیفتگی کی یہی کیفیت تھی جس کی وجہ سے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتے رہے۔ وہ صرف مصیبتیں جھیلتے ہی نہ تھے بلکہ ان مصیبتوں میں ایک لذت اور غرور محسوس کرتے تھے۔

محبت کا یہ جذبہ ان میں ایسی سرشاری پیدا کرتا تھا کہ جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت انہیں محسوس ہی نہیں ہوتی تھی۔ صحابہؓ میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جن کی عمر اتنی نہ ہوئی کہ وہ اسلام کی غربت کے ساتھ ساتھ اسلام کے عروج و اقبال کا زمانہ بھی دیکھتے اور عدیؓ بن حاتم کی طرح کہہ سکتے: کُنْتُ فِي مَنْ فَتَحَ كُنُوزَ كِسْرىٰ ’’میں ان لوگوں میں سے تھا۔ جنہوں نے کسریٰ کے خزانوں کو کھولا۔‘‘ تاہم جب دنیا سے گئے، تو اس عالم میں گئے، کہ ان سے زیادہ عیش و خوشحالی میں شاید ہی کسی نے دنیا چھوڑی ہو۔

بدر و احد کے شہیدوں کا حال پڑھو، ایمان لانے کے بعد جو کچھ بھی حصہ میں آیا وہ دن رات کی کاوشوں اور مصیبتوں کے سوا کیا تھا؟ وہ اسلام کی فتح یابیوں اور کامرانیوں سے پہلے ہی دشمنوں کی تیغ و سناں سے چور میدان جنگ میں قدم توڑ رہے تھے مگر دیکھو کہ پھر بھی ان کے دل کی شادمانیوں کا کیا حال تھا۔

جنگ احد میں سعد ؓ بن ربیع کو لوگوں نے دیکھا کہ زخمیوں میں پڑے دم توڑ

رہے ہیں۔ پوچھا "کوئی وصیت اگر کرنی ہو تو کردو۔" کہا "اللہ کے رسول ﷺ کو میرا اسلام پہنچا دینا اور میری قوم سے کہہ دینا کہ راہ خدا میں اپنی جانیں نثار کرتے رہیں۔

عمارہؓ بن زیاد زخموں سے چور جانکنی کی حالت میں تھے کہ خود حضور ﷺ سرہانے پہنچ گئے اور عمارہؓ کے بھاگ جاگ اٹھے۔

فرمایا: "عمارہ! کوئی آرزو ہو تو کہو۔" عمارہ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹ کر آپ کے قدموں کے قریب کر دیا اور درد بھری آواز میں بولے: "میری آرزو یہ ہے کہ جان نکلتے وقت آپؐ کے چہرے پر میری نظریں جمی ہوئی ہوں اور میری نظروں میں آپؐ کے سوا کچھ نہ ہو۔ عورتوں تک کا یہ حال تھا کہ بیک وقت انہیں ان کے شوہر بھائی اور باپ کے شہید ہو جانے کی خبر سنائی جاتی تھی اور وہ کہتی تھیں: "یہ تو ہوا مگر یہ تو بتاؤ اللہ کے رسول ﷺ کا کیا حال ہے؟..... "مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں جو شخص اقتداء کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ اصحاب رسول ﷺ کی اقتداء کرے، اس لئے کہ ان کے دل ساری امت سے زیادہ نیک اور پاک تھے، ان کے علم میں سب سے زیادہ گہرائی تھی۔ وہ سب سے کم تکلف کرنے والے تھے۔ وہ سب سے زیادہ سیدھی راہ پر تھے، ان کے حالات سب سے بہتر تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی صحبت کے لئے چن لیا تھا، پس تم ان کی قدر و منزلت کو پہچانو، اور ان کے نقش قدم پر چلو اس لئے کہ سیدھی راہ پر گامزن یہی لوگ تھے۔

صحابہ کرامؓ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سید اولین و آخرین کی صحبت کے لئے چن لیا تھا اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہوئی کہ وہ خاتم النبیین سے براہ راست فیض حاصل کریں اور حضور ﷺ خود ان کا روحانی تزکیہ کریں اور خود کتاب و حکمت کی انہیں تعلیم دیں۔

ان کی شان میں گستاخی سراسر موجب حرماں ہے، ان کے بارے میں دل میں بغض رکھنا سراسر باعث خسراں ہے، غرض یہ کہ صحابہ کرام کا ادب و احترام رکھنا ہر مسلمان پر

واجب ہے۔

۱۔ اس لئے کہ آفتاب نبوت کی شعاعیں براہ راست ان کے سینوں پر پڑی تھیں اور اس سعادت عظمیٰ میں کوئی طبقہ امت ان کا سہیم و شریک نہیں ہے۔

۲۔ صحابہ کرام نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر اپنا مال اپنا گھر بار اپنی جانیں اپنی اولاد سب کچھ نچھاور کر دیا۔

۳۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور امت کے درمیان صحابہ کرام ہی وہ واسطہ اور رابطہ ہیں جن کے ذریعے اطراف عالم میں کتاب وسنت کی تمام تعلیمات کا ابلاغ ہوا اگر ان کی ثقاہت بے داغ نہ ہوتی تو دین کی حفاظت کا کوئی امکان نہ تھا۔

(تحریر سید ابوبکر غزنوی از حیات صحابہؓ کے درخشاں پہلو)

صحابہ کرامؓ کی خصوصیات کے چند درخشاں پہلو

رسول اکرم ﷺ کے اصحابؓ سادہ لفظوں میں محض اصحاب نہ تھے بلکہ وہ خود تاریخ رسالت کا لازمی جز تھے۔ اللہ نے ان کو اس لئے منتخب کیا تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے معاون بنیں۔ وہ آپ ﷺ کے شریک کار بن کر اس ربانی مشن کو تکمیل تک پہنچائیں جو آپ کے ذریعہ پورا کیا جانا مطلوب تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اصحاب رسول کے بارے میں فرمایا "ان کو اللہ نے اپنے رسول کی صحبت کے لئے اور اپنے دین کی اقامت کے لئے چن لیا تھا۔ **اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ.**

اصحاب رسول کو ان کی کن خصوصیات نے یہ تاریخی مقام دیا، ذیل میں اس کے چند پہلو مختصراً درج کئے جاتے ہیں۔

صحابہؓ کے لئے دین کا محبوب چیز بن جانا

اصحاب رسول کی خصوصیت قرآن میں یہ بتائی گئی ہے کہ ایمان ان کے لئے ایک محبوب شے بن گیا تھا۔ (الحجرات)

محبت کسی چیز سے تعلق کا آخری درجہ ہے۔ اور جب کسی چیز سے محبت کے درجہ کا تعلق پیدا ہو جائے تو وہ آدمی کے لئے ہر چیز کا بدل بن جاتا ہے۔ اس کے بعد آدمی کا ذہن اس چیز کے بارے میں اس طرح متحرک ہو جاتا ہے کہ آدمی بغیر بتائے ہوئے اس سے متعلق ہر بات کو جان لیتا ہے۔ اس کو خواہ معروف معنوں میں کوئی نقشہ کار نہ دیا گیا ہو مگر اس کا ذہن خود بتا دیتا ہے کہ اس کو اپنی محبوب شئے کے لئے کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے (الم ۔ ۳۹)

محبت کی سطح کے تعلق کا مطلب ہے دل چسپی کی سطح کا تعلق۔ یعنی یہ کہ آدمی اسلام کے نفع نقصان کو خود اپنا نفع نقصان سمجھنے لگیں۔ اصحاب رسول (ﷺ) کو اسلام سے اسی قسم کا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ وہ اسلام کے فائدہ سے اسی طرح خوش ہوتے تھے جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے کی کامیابی سے خوش ہوتا ہے۔

اسلام کو کوئی نقصان پہنچے تو وہ اسی طرح بے چین ہو جاتے تھے جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کے متعلق ناخوش گوار خبر سن کر تڑپ اٹھتا ہے۔ اور اس وقت تک اسے چین نہیں آتا جب تک وہ اس کی تلافی نہ کرلے۔

کسی چیز سے محبت کے درجے کا تعلق پیدا ہو جائے تو آدمی کا ذہن اس کے بارے میں پوری طرح جاگ اٹھتا ہے۔ وہ اس کی خاطر ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اس کی ضرورت اور تقاضوں کو وہ بتائے بغیر جان لیتا ہے۔ اس کی بات کو پانے کے لئے کوئی نفسیاتی گرہ اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔ اس راستے میں اپنا حصہ ادا کرنے کے لئے وہ کسی چیز کو عذر نہیں بناتا۔

جب آدمی کسی معاملہ کو اپنا معاملہ سمجھ لے تو اس کے بعد اس کو نہ زیادہ بتانے کی ضرورت ہوتی اور نہ زیادہ کہنے کی۔ اس کا قلبی تعلق اس کے لئے ہر دوسری چیز کا بدل بن جاتا ہے۔ وہ کسی معاوضہ کی امید کے بغیر یک طرفہ طور پر اپنا سب کچھ اس کے لئے لٹا دیتا ہے۔ اس کی خاطر کھونا بھی اس کو پانا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی خاطر بے قیمت ہو جانا اس کی نظر میں سب سے زیادہ قیمتی ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے وہ ہر دوسری مصلحت کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

اس کے لیے وہ ہر تکلیف کو اس طرح سہہ لیتا ہے جیسے کہ وہ کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔

اصحاب رسول (ﷺ) کوئی غیر معمولی انسان نہ تھے۔ وہ کوئی ماورائے بشر مخلوق نہیں تھے۔ ان کی خصوصیت صرف یہ تھی کہ "محبت" کے درجہ کا تعلق جو عام انسانوں کو صرف اپنے آپ سے ہوتا ہے وہی تعلق ان کو دین و ایمان سے ہو گیا تھا۔ عام آدمی اپنے مستقبل کی تعمیر کو جو اہمیت دیتا ہے وہی اہمیت وہ اسلام کے مستقبل کی تعمیل کو دینے لگے تھے۔

وہ دین کے لئے اپنا حصہ ادا کرنے کو اتنا ہی ضروری سمجھنے لگے تھے جتنا کوئی شخص ذاتی دلچسپی کے معاملہ میں اپنے آپ کو اور اپنے اثاثہ کو استعمال کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ ان کی یہی خصوصیت تھی کہ وہ تاریخ کے وہ گروہ بنے جس نے اسلام کو عظیم ترین کامیابی کے مقام تک پہنچایا۔

صحابہؓ نے پیغمبر ﷺ کو آغاز تاریخ میں پہچانا

صحابہؓ کی یہ انوکھی صفت تھی کہ انہوں نے اپنے ایک معاصر رسول (ﷺ) کو پہچانا اور اس کا ساتھ دیا۔ یہ کام اتنا مشکل ہے کہ انسانی تاریخ میں جماعت کی سطح پر صرف ایک بار پیش آیا ہے۔ قدیم تاریخ کے ہر دور میں یہ قصہ پیش آیا کہ رسولوں کے مخاطبین نے ان کا انکار کیا اور ان کا مذاق اڑایا۔

بائبل میں ہے کہ: "تم نے میرے نبیوں کو ناچیز جانا۔" یہ نبیوں کو ناچیز جاننے والے کون لوگ تھے؟ یہ وہ لوگ تھے، جو وحی و رسالت کو مانتے تھے۔ نبیوں کے نام پر ان کے یہاں ادارے قائم تھے اور بڑے بڑے جشن ہوتے تھے۔ مگر یہ سب قدیم نبیوں کے نام پر ہوتا تھا۔ جہاں تک وقت کے نبی کا سوال تھا اس کے لئے ان کے پاس استہزاء و تمسخر کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہود نے حضرت مسیحؑ کا انکار کیا، حالانکہ وہ موسیٰؑ کو مانتے تھے۔ نصاریٰ نے حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا، حالانکہ وہ حضرت مسیحؑ کی پرستش کی حد تک عزت کرتے تھے۔ اسی طرح قریش نے رسول اللہ ﷺ پر پتھر مارے اور آپ کو گھر سے نکالا، حالانکہ وہ حضرت

ابراہیم کے وارث ہونے پر فخر کرتے تھے۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم نبی کی نبوت تاریخی روایات کے نتیجہ میں ثابت شدہ نبوت بن جاتی ہے۔ وہ کسی قوم کے قومی اثاثہ کا ایک لازمی جز ہوتی ہے۔ کسی قوم میں آنے والا نبی اس کے بعد کی نسلوں کے لئے ایک طرح کا مقدس ہیرو بن جاتا ہے۔ اس کو ماننا اپنے قومی تشخص کو قائم کرنے کے ہم معنی ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے نبی کو کون نہیں مانے گا۔ مگر وقت کے نبی کی نبوت ایک متنازعہ نبوت ہوتی ہے۔ وہ التباس کے پردہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کو ماننے کے لئے ظاہر کا پردہ پھاڑ کر حقیقت کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اس کا ساتھ دینے کے لئے اپنی انا کو ذبح کرنا ہوتا ہے۔ اس کے مشن کی راہ میں اپنا سرمایہ خرچ کرنا ہوتا ہے جس کا برحق ہونا ابھی اختلافی ہو، جس کے بارے میں تاریخ کی تصدیقات ابھی ثبت نہ ہوئی ہوں۔ صحابہ کرام ؓ وہ لوگ تھے جنہوں نے معاصر رسول (ﷺ) کو اس طرح مانا جس طرح کوئی شخص تاریخی رسول کو مانتا ہے۔

غزوۂ خندق میں جب محاصرہ شدید ہوا اور معمولی ضروریات کی فراہمی مشکل ہوگئی تو ایک مسلمان کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ: "محمد ﷺ ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ ہم کسریٰ اور قیصر کے خزانے حاصل کریں گے اور اب یہ حال ہے کہ ہمارا ایک شخص بیت الخلاء جانے کے لئے بھی محفوظ نہیں۔" یہ درست ہے، غزوۂ خندق کے وقت رسول اللہ ﷺ کا وعدہ محض ایک لفظی وعدہ تھا۔ آج یہ تاریخی واقعہ بن چکا ہے۔ صحابہؓ نے اس وعدہ کے تاریخی بننے سے پہلے کی عظمت کو مانا۔ ہم آج اس وعدہ کے تاریخی واقعہ کے بعد رسول ﷺ کی عظمت کو مان رہے ہیں۔ دونوں ماننے میں اتنا زیادہ فرق ہے کہ ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت نہیں۔ آج ایک غیر مسلم محقق بھی پیغمبر اسلام کو تاریخ کا سب سے بڑا انسان کہنے پر مجبور ہے۔ مگر آپ کی زندگی میں آپ کی عظمت کو پہچاننا اتنا مشکل تھا کہ صرف وہی لوگ اس کو پہچان سکتے تھے جن کو خدا کی طرف سے خصوصی توفیق ملی ہو۔

(۳) صحابہؓ کا قرآن کو دورِ نزاع میں اپنانا

سیرت کی کتابوں میں صحابہؓ کا دعوتی طریقہ یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ قرآن کے نازل شدہ حصہ کو لے لیتے اور اس کو لوگوں کے سامنے پڑھ کر سناتے تھے۔ فعرض علیہم الاسلام وتلا علیہم القرآن۔ چنانچہ مدینہ میں جو صحابہ کرامؓ تبلیغ کے لئے گئے ان کو وہاں مقری (قرآن پڑھنے والا) کہا جاتا تھا۔ یہ بات آج کے دور میں بظاہر انوکھی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن سوچئے چودہ سو سال کی تاریخ کو حذف کر کے اسلام کے ابتدائی دور میں پہنچ جائیں، اور اس وقت کے حالات میں سے دیکھیں تو یہ ایک انوکھا واقعہ معلوم ہوگا، کہ نہ اس سے پہلے وہ کبھی جماعتی سطح پر پیش آیا ہے اور نہ اس کے بعد۔

آج جب ہم لفظ "قرآن" بولتے ہیں تو یہ ہمارے لئے ایک ایسی عظیم کتاب کا نام ہوتا ہے جس نے چودہ صدیوں میں اپنی عظمت کو اس طرح مسلم کیا ہے کہ آج کروڑوں انسان اس کو خدائی کتاب ماننے پر مجبور ہیں۔ آج اپنے آپ کو قرآن سے منسوب کرنا کسی آدمی کے لئے فخر و اعزاز کی بات بن چکی ہے۔ مگر زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کے نزدیک اس کی یہ حیثیت نہیں تھی۔ عرب میں بہت سے لوگ تھے جو یہ کہتے تھے کہ۔ محمد نے پرانے زمانے کے قصے کہانیوں کو جوڑ کر ایک کتاب بنالی ہے۔ "ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی ایک کتاب بنالیں۔" (الانفال ۳۱)

کوئی قرآن میں تکرار کو دیکھ کر کہتا کہ یہ کوئی خاص کتاب نہیں۔ "محمد کے پاس بس چند باتیں ہیں، انہیں کو وہ صبح و شام دہراتے رہتے ہیں۔" (الفرقان ۵)

ایسی حالت میں قرآن کو پہچاننا گویا مستقبل میں ظاہر ہونے والے واقعہ کو حال میں دیکھنا تھا۔ یہ ایک چھپی ہوئی حقیقت کو اس کے ثابت شدہ بننے سے پہلے پہچاننا تھا۔ پھر اپنے وقت میں قرآن کو کتاب دعوت بنالینا اور بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ کیونکہ اس کے لئے اپنی عظمت کو کھو کر دوسروں کی عظمت میں گم ہونا پڑتا ہے۔ یہ اپنے مقابلہ میں دوسری شخصیت کا

اعتراف کرنا ہے، اور وہ بھی ایسی شخصیت کا جس کی حیثیت ابھی مسلّم نہ ہوئی ہو۔ عرب کے مشہور شاعر لبیدؓ نے اسلام قبول کیا اور شاعری چھوڑ دی۔ کسی نے پوچھا کہ تم نے شاعری کیوں چھوڑ دی؟

لبیدؓ نے کہا: ابعد القرآن "کیا قرآن کے بعد بھی" آج کوئی آدمی شاعری چھوڑ کر یہ جملہ کہے تو اس کو زبردست عظمت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ مگر لبید کے قول میں اور شاعر کے قول میں کوئی نسبت نہیں کیونکہ آج کا شاعر تاریخ کے اختتام پر یہ جملہ کہہ رہا ہے جب کہ لبیدؓ نے تاریخ کے آغاز پر یہ جملہ کہا تھا۔ یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن میں ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے: لَا یَسْتَوِی مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا۔ (حدید ۱۰)

"تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا۔ ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔

(۴) صحابہؓ کا خوب مال لٹانا

ابن ابی حاتم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ کچھ ان الفاظ میں نقل کیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قرآن میں یہ آیت اتری کہ: "کون ہے؟ ... جو اللہ کو قرض حسن دے۔" تو حضرت ابو دحداح انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ: "اے خدا کے رسول ﷺ! کیا اللہ واقعی ہم سے قرض چاہتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "اے ابو دحداح! ہاں۔" انہوں نے کہا: "اے خدا کے رسول ﷺ! اپنا ہاتھ لایئے۔"

راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ ابو دحداح نے کہا کہ: "میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دے دیا۔" ان کا ایک کھجوروں کا باغ تھا جس میں

چھ سو درخت تھے۔ اس وقت ان کی بیوی ام دحداح اپنے بچوں کے ساتھ باغ میں تھیں۔ وہ باغ میں واپس آئے اور آواز دی کہ اے ام دحداح! انھوں نے کہا ہاں! ابو دحداح نے کہا باغ سے نکلو، کیونکہ اس کو میں نے اپنے رب کو قرض میں دے دیا۔ بیوی نے کہا "اے ابو دحداح! آپ کی تجارت کامیاب رہی۔" اور اس کے بعد اپنے سامان اور اپنے بچوں کو لے کر باغ سے نکل آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ابو دحداح کے لئے جنت میں کتنے ہی شاداب اور پھل دار درخت ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہ ایک نامعلوم واقعہ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام جس دین پر ایمان لائے تھے اس دین کی خاطر قربانی پیش کرنے کے لئے وہ کس قدر بے چین تھے۔ یہاں دوبارہ ذہن میں رکھئے کہ یہ واقعہ چودہ سو سال پہلے کا ہے۔ آج کوئی شخص دین پر اس قسم کا انفاق کرے تو یہ ممکن ہے کہ لاکھوں مسلمانوں کے درمیان مقبولیت کی صورت میں اس کو بہت جلد اپنے انفاق سے زیادہ بڑی چیز مل جائے گی۔

مگر اصحاب رسول کے زمانے میں صورت حال بالکل مختلف تھی۔ اس وقت دین کی راہ میں اپنا مال لٹانا ماحول میں دیوانگی کا خطاب پانے کا ذریعہ تھا۔ وہ اونچے میناروں پر نمایاں ہونے کے بجائے بنیاد کی زمین میں دفن ہونے کے ہم معنی تھا۔ اس وقت ایسا اقدام ایک ایسی تحریک کے خانہ میں لکھا جانے والا تھا جس کی صداقت ابھی مشتبہ تھی جس کی پشت پر تاریخ کی تصدیقات ابھی جمع نہیں ہوئی تھی۔ یہ ایک غیر مسلمہ میں اپنا اثاثہ پیش کرنا تھا، جب کہ آج کا آدمی ایک مسلمہ میں اپنا اثاثہ پیش کرتا ہے۔

(۵) صحابہؓ کا اپنا تاج دوسرے کے سر پر رکھنا

مدینہ میں عبداللہ بن ابی بہت عاقل اور صاحب شخصیت آدمی تھا، وہ مدینہ کا سب سے ممتاز سردار سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ مدینہ کے باشندوں کو اپنا اختلاف و انتشار ختم کرنے کا احساس ہوا تو انھوں نے عبداللہ بن ابی کو منتخب کیا کہ اس کو اپنا بادشاہ بنائیں اور اس کی

علامت کے طور پر اس کو ایک تاج پہنائیں۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۲)

عبداللہ بن ابی کی تاج پوشی کا انتظام مکمل ہو چکا تھا عین اس وقت اسلام مدینہ میں پہنچ گیا۔ مدینہ کے باشندوں نے اس کی صداقت کی گواہی دی اور اسلام گھر گھر میں پھیلنے لگا۔ اس کے بعد مدینہ کے باشندوں کا ایک نمائندہ وفد مکہ آیا اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ ﷺ کی زبان سے آپ ﷺ کا پیغام سنا۔

انہیں نظر آیا کہ مدینہ کی اجتماعی تنظیم کے لئے انہیں جو شخصیت درکار ہے وہ زیادہ بہتر طور پر محمدؐ بن عبداللہ کی صورت میں موجود ہے۔ انہوں نے مدینہ کے لوگوں کی طرف سے آپ کو پیش کش کی کہ آپ مدینہ آئیں اور وہاں ہمارے سردار بن کر رہیں۔ اسلامی تاریخ کا یہی وہ واقعہ ہے جو بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے۔

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ یہ اپنا تاج دوسرے آدمی کے سر پر رکھ دینے کے ہم معنی تھا۔ اپنی قوم یا قبیلہ سے باہر کسی آدمی کو اپنا غیر مشروط سردار بنا لینا ہمیشہ انسان کے لئے مشکل ترین کام رہا ہے اور قدیم زمانہ میں تو یہ اور بھی زیادہ مشکل تھا۔

مزید یہ کہ جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت "محمدؐ" اس پرعظیم ہستی کا نام نہ تھا جس سے ہم آج واقف ہیں۔ اس وقت محمدؐ ایک ایسے انسان تھے جن کو ان کے اہل وطن نے نکال دیا تھا۔ جن کے ساتھ قومی عصبیت اور تاریخی عظمت شامل نہ ہوئی تھی۔ جو نہ صرف متنازعہ شخصیت تھے بلکہ ایک لٹے ہوئے بے گھر انسان تھے۔ جن کو اپنا سب کچھ دے دینا تھا اور ان سے پانا کچھ بھی نہ تھا۔ بیسویں صدی میں کسی برنارڈ شا کے لئے بہت آسان ہے کہ وہ پیغمبر اسلام کے لئے یورپ کی سرداری کی پیش کش کرے۔ لیکن چھٹی صدی میں کسی کے لئے یہ تصور بھی ناممکن تھا کہ وہ آپ کو مان کر آپ کو اپنا اجتماعی امام بنائیں۔

(۲) صحابہ کا اپنی محدودیت کو جاننا

رسول اللہ ﷺ طریقہ تھا کہ جب بھی کوئی معاملہ پیش آتا تو آپ ﷺ اس کے

بارے میں لوگوں سے مشورہ کرتے۔ آپ اپنے اصحاب کو جمع کرتے اور معاملہ بیان کرکے فرماتے کہ: اشیروا علیّ ایہا الناس "اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔"

آپ ﷺ بظاہر سب سے مشورہ کرتے۔ مگر عملاً ہوتا کہ کچھ دیر خاموشی رہتی اور اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوکر مختصراً اپنی رائے ظاہر کرکے بیٹھ جاتے۔ اس کے بعد حضرت عمر کھڑے ہوتے اور مختصراً بول کر بیٹھ جاتے۔ اس کے بعد معمولی طور پر کچھ لوگ بولتے اور اتفاق رائے سے فیصلہ ہو جاتا۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو آپؓ بھی اسی طرح لوگوں کو جمع کرکے مشورہ طلب کرتے، اب یہ ہوتا کہ کچھ دیر کے بعد حضرت عمرؓ کھڑے ہوتے اور مختصر طور پر اپنی رائے ظاہر کرکے بیٹھ جاتے، اس کے بعد چند لوگ بولتے اور اتفاق رائے سے فیصلہ ہو جاتا۔ حضرت عمرؓ کے بعد اصحاب کی تعداد بڑھ گئی، اور مذکورہ صورت باقی نہ رہی۔ یہ بظاہر ایک سادہ سی بات ہے مگر یہ اتنی اہم بات ہے کہ تاریخ میں کوئی دوسرا معاشرہ نہیں پایا جاتا جس نے اس کا ثبوت دیا ہو۔ یہ طرز عمل صرف اس وقت ممکن ہوتا ہے جب کہ آدمی اتنا خود شناس ہو جائے کہ وہ اپنی کمیوں اور محدودیتوں کو جاننے لگے۔ وہ دوسرے کے "ہے" کے مقابلہ میں اپنے "نہیں" سے واقف ہو جائے۔ وہ اپنے کو اس حقیقت سے دیکھنے لگے جس نظر سے دوسرا شخص اسے دیکھ رہا ہے۔

اس میں اتنا اور اضافہ کر لیجئے کہ یہ واقعہ جس ابوبکر اور عمرؓ کے ساتھ پیش آیا وہ ابوبکر اور عمرؓ وہ نہ تھے جن کو آج ہم جانتے ہیں۔ آج ہم تکمیل تاریخ والے ابوبکر اور عمرؓ کو جانتے ہیں۔ مگر وہ آغاز تاریخ والے ابوبکر اور عمرؓ کو جانتے تھے۔

اس وقت وہ اپنے معاصرین کے لیے صرف ان میں سے ایک تھے، جب کہ آج وہ ہمارے لیے گزری ہوئی تاریخ کے ستون ہیں، جن کو ہم اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کوئی ثابت شدہ واقعہ کو دیکھتا ہے۔ "ابوبکر و عمر" کو تاریخ بننے کے بعد جاننا انتہائی آسان ہے۔ لیکن "ابوبکر و عمر" کو تاریخ بننے سے پہلے جاننا اتنا ہی مشکل ہے۔ اصحاب رسول وہ لوگ تھے جو اس

مشکل ترین معیار پر پورے اترے۔

(۷) صحابہؓ کا ذمہ داری کو اپنے اوپر لے لینا

غزوۂ ذات السلاسل کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ نے اولاً ایک دستہ حضرت عمرو بن العاص کی سرداری میں بھیجا۔ یہ جگہ شام کے اطراف میں تھی۔ حضرت عمرو بن العاص نے وہاں پہنچ کر دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم کیا تو اپنا دستہ انہیں ناکافی معلوم ہوا۔ انہوں نے ایک مقام پر ٹھہر کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ موجودہ فوج ناکافی ہے مزید کمک روانہ کی جائے۔ رسول اللہ نے مہاجرین میں سے دو سو آدمیوں کا دستہ تیار کیا اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کی سرکردگی میں اس کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابوعبیدہؓ جب اپنے دستے کو لے کر منزل پر پہنچے اور دونوں دستے ساتھ ہو گئے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ دونوں دستوں کا امیر کون ہو حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ دوسرا دستہ میری مدد کے لئے بھیجا گیا ہے اس لئے اصلاً میں ہی دونوں کا امیر ہوں۔ حضرت ابوعبیدہؓ کے ساتھی اس سے متفق نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یا تو ابوعبیدہ دونوں دستوں کے مشترک امیر ہوں یا دونوں دستوں کا امیر الگ الگ رہے۔ جب اختلاف بڑھا تو ابوعبیدہ نے کہا "اے عمرو! جان لو کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے جو آخری عہد لیا وہ یہ تھا کہ آپ نے کہا کہ جب تم اپنے ساتھیوں سے ملو تو ایک دوسرے کی بات ماننا اور اختلاف نہ کرنا۔ اس لئے خدا کی قسم اگر تم میری نافرمانی کرو گے تب بھی میں تمہاری اطاعت کروں گا۔ (رواہ الحلبی، ابن ہشام)

حضرت ابوعبیدہ کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ ذمہ داری کو عمرو بن العاص پر ڈال کر ان سے لامتناہی بحث کرتے رہیں۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہتے تو وہ بہت سے ایسے الفاظ پا سکتے جن میں ان کا وجود بالکل درست اور دوسرے کا وجود بالکل باطل دکھائی دے۔ مگر اس کے بجائے انہوں نے یہ کیا کہ ساری ذمہ داری خود اپنے اوپر لے لی۔ انہوں نے مسئلہ کو یک طرفہ طور پر ختم کر دیا۔

اجتماعی زندگی میں یہ چیز بے حد ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی اجتماعی زندگی چلتی ہی اس وقت ہے جب اس کے افراد میں اتنی بلندی ہو کہ وہ حقوق کی بحث میں پڑے بغیر اپنے اوپر ذمہ داری لینے کی جرأت رکھتے ہوں۔ جہاں یہ مزاج نہ ہو وہاں صرف آپس کا اختلاف جنم لیتا ہے نہ کہ آپس کا اتحاد۔

(۸) صحابہؓ کا شکایات سے اوپر اٹھ کر سوچنا

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بے حد بہادر تھے۔ ان کے اندر غیر معمولی فوجی قابلیت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لے کر حضرت ابوبکر کی خلافت تک وہ مسلسل اسلامی فوج کے سردار رہے۔ تاہم حضرت عمر فاروقؓ کو ان کی بعض عادتیں پسند نہ تھیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ ان کو سرداری کے عہدے سے ہٹا دیا جائے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے مشورہ کو نہیں مانا۔

مگر حضرت عمر فاروقؓ کو اپنی رائے پر اتنا اصرار تھا کہ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حضرت خالد بن ولید کو سرداری سے معزول کر کے ایک معمولی سپاہی کی حیثیت دے دی۔

اس وقت حضرت خالد شام کے علاقہ میں فتوحات کے کارنامے دکھا رہے تھے۔ عین اس وقت خلیفہ ثانی حضرت عمر نے انہیں معزول کر کے ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو ان کے اوپر سردار لشکر بنا دیا۔ اس کے بعد فوجیوں کی ایک تعداد حضرت خالد بن ولید کے خیمہ میں جمع ہوئی اور ان سے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ خلیفہ کا حکم نہ مانیے۔ مگر حضرت خالد بن ولید نے سب کو رخصت کر دیا اور کہا کہ میں عمر کے لئے نہیں لڑتا بلکہ عمر کے رب کے لئے لڑتا ہوں۔ وہ پہلے سردار لشکر کی حیثیت سے لڑتے تھے اور اب ایک ماتحت فوجی کی حیثیت سے لڑنے لگے۔ اس قسم کا کردار اسی وقت ممکن ہے جب کہ آدمی اتنا اونچا ہو جائے کہ وہ شکایتوں اور تلخیوں سے اوپر اٹھ کر سوچے۔ اس کا رویہ ردعمل کے طور پر نہ بنے بلکہ مثبت فکر کے

تحت ہے۔ وہ اللہ میں جینے والا ہو نہ کہ انسانی باتوں میں جینے والا۔

(۹) صحابہؓ کا قانونی حد سے آگے بڑھ کر ساتھ دینا

شعبان ۲ھ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ قریش کے تمام سرداروں کی رہنمائی میں ایک ہزار کا لشکر مدینہ کی طرف حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہا ہے۔ اس میں چھ سو زرہ پوش تھے اسی کے ساتھ ایک سو سواروں کا خصوصی دستہ بھی شامل تھا۔ یہ ایک بہت ہی نازک وقت تھا۔ آپ نے مدینہ کے انصار اور مہاجرین کو جمع کیا اور ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے یہ سوال رکھا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے۔ حسب معمول اولاً مہاجرین کے ممتاز افراد اٹھے اور انہوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول ﷺ! آپ کا رب جس بات کا حکم دے رہا ہے اس کی طرف بڑھئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم یہود کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑیں، ہم یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ آپ اور آپ کا خدا چل کر لڑیں، ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے ہم آپ کا ساتھ چھوڑنے والے نہیں ہیں۔" مگر رسول اللہ ﷺ مہاجرین کی اس قسم کی تقریر کے باوجود بار بار یہ فرما رہے تھے کہ اشیروا علیّ ایھا الناس "لوگو! مجھے مشورہ دو۔"

چنانچہ سعد بن معاذ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول ﷺ! شاید آپ کا رخ ہماری طرف ہے۔ آپ نے کہا: "ہاں......" اس پر سعد بن معاذ نے انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا: "ہم آپؐ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی، اور اس بات کی گواہی دی کہ جو کچھ آپ لائے ہیں، وہ حق ہے، اور اس پر آپ سے سمع وطاعت کا پختہ عہد باندھ چکے ہیں۔ پس اے خدا کے رسول ﷺ! آپ جو کچھ چاہتے ہیں اس کو کر گزریئے، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمیں لے کر سمندر کے سامنے جا پہنچیں اور اس میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں گھس جائیں گے۔ ہم میں سے ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم کو ہرگز یہ گوارا

نہیں ہے کہ آپ ہمیں لے کر کل کے دن دشمن سے ٹکرا جائیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ مقابلہ کے وقت سچے اترنے والے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھا دے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپ ہم کو لے کر چلیں۔ (سیرت ابن ہشام) انصار کے قائد کی اس تقریر کے بعد اقدام کا فیصلہ کر لیا۔

بدر کی جنگ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا بار بار انصار کی طرف رخ کرنا بے سبب نہ تھا۔ اس کا ایک خاص پس منظر تھا۔ ابن ہشام اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے: اور ایسا اس لئے ہوا کہ انصار نے جب عقبہ میں بیعت کی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ اے خدا کے رسول ﷺ! ہم آپ کی ذمہ داری سے بری ہیں یہاں تک کہ آپ ہمارے دیس میں پہنچ جائیں۔ جب آپ ہمارے پاس آجائیں گے تو آپ ہماری ذمہ داری میں ہوں گے اور ہم آپ کا دفاع کریں گے جس طرح ہم اپنے لڑکوں اور عورتوں کا دفاع کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ انصار کہیں سمجھتے ہوں کہ ان پر آپ کی مدد کرنا اس وقت ہے جب آپ کا دشمن مدینہ پہنچ کر حملہ کرے۔ ان پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اپنی بستی سے دور جا کر مقابلہ کریں۔ (سیرۃ ابن ہشام)

انصار کی بیعت قدیم عربی اصطلاح کے مطابق بیعت نساء (دفاعی بیعت) تھی۔ اس کے مطابق مدینہ سے ۸۰ میل دور بدر کے مقام پر جا کر لڑنا ان کے لئے ضروری نہ تھا۔ مگر انصار نے اس کو اپنے لئے عذر نہیں بنایا۔ وہ قانونی حد کو توڑ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور بدر کے میدان میں جا کر قربانی پیش کی۔

(۱۰) صحابہؓ کا اختلاف سے بچ کر اصل نشانہ پر لگے رہنا

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے سامنے تقریر کی اور فرمایا کہ: "اللہ نے مجھ کو تمام انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پس تم میری طرف سے اس ذمہ داری کو ادا کرو، خدا تم پر رحم کرے اور تم لوگ اختلاف نہ کرنا جس طرح عیسیٰ بن

مریم کے حواریوں نے اختلاف کیا۔ انہوں نے اپنے حواریوں کو اسی چیز کے لئے پکارا جس کی طرف میں تم کو پکار رہا ہوں۔ پس جس کا مقام دور تھا اس کو وہاں جانا گوارہ ہوا تو عیسیٰ بن مریم نے اللہ تعالیٰ سے اس کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے کہا کہ: "اے خدا کے رسول! ہم آپ کی ذمہ داری کو ادا کریں گے، آپ ہم کو بھیجیں جہاں آپ چاہیں۔"

اجتماعی کام میں رکاوٹ ڈالنے والی سب سے بڑی چیز اختلاف ہے۔ مگر صحابہ کرامؓ کو اللہ کے خوف نے احتسابِ نفس بنا دیا تھا کہ وہ اختلافات سے بلند ہو کر اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں لگے رہتے تھے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عرب میں اور اطراف عرب میں آپ ﷺ کی منشا کے مطابق اسلام کی دعوت پوری طرح پہنچائی۔ آپ کی وفات کے بعد وہ مال و جاہ کے حصول پر نہیں پڑے بلکہ اطراف کے ملکوں میں پھیل گئے۔ ہر صحابی کا گھر اس زمانہ میں ایک چھوٹا سا مدرسہ بنا ہوا تھا جہاں وہ اللہ کی رضا کے لئے لوگوں کو عربی سکھاتے اور قرآن و سنت کی تعلیم دیتے۔ اس زمانہ میں ایک طرف مسلمانوں کا ایک طبقہ فتوحات اور سیاسی انتظامات میں لگا ہوا تھا۔ عام طریقہ کے مطابق اصحابِ رسول کو اپنا سیاسی حصہ لینے میں سرگرم ہونا چاہئے تھا۔ مگر وہ اس سے بے پروا ہو گئے، انہوں نے اسلامی فتوحات کے ذریعہ پیدا ہونے والی فضا کو تبلیغ دین کے لئے استعمال کیا۔

اس طرح ان کے اور ان کے شاگردوں کے خاموش پچاس سالہ عمل کے نتیجے میں وہ جغرافی خطہ وجود میں آیا جس کو عرب دنیا کہا جاتا ہے، جہاں لوگوں نے نہ صرف اپنے دین کو بدلا بلکہ ان کی زبان اور تہذیب بھی بدل گئی۔

(۱۱) صحابہؓ کا پچھلی نشست پر بیٹھنے کے لئے راضی ہونا

رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو سب سے پہلا مسئلہ خلافت کا انتخاب تھا۔ انصار بنو ساعدہ کی چوپال (سقیفہ) میں جمع ہو گئے۔ اس وقت سعد بن عبادہ انصار کے سب سے

زیادہ ابھرے ہوئے سردار تھے۔ چنانچہ انصار میں بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ سعد بن عبادہ کو خلیفہ مقرر کیا جانا چاہئے۔ مہاجرین کو یہ خبر ملی تو ان کے ممتاز افراد تیزی سے چل کر مذکورہ مقام پر پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کرتے ہوئے کہا "اے انصار! تم نے اپنی جس فضیلت کا ذکر کیا اس کے تم اہل ہو مگر عرب اس معاملہ (امارت) کو قریش کے سوا کسی اور قبیلہ کے بارے میں نہیں جانتے، وہ عربوں میں نسبت اور مقام کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں۔ میں تمہارے لئے ان دو آدمیوں (عمر اور ابوعبیدہ بن الجراح) میں سے کسی ایک پر راضی ہوں۔ تم دونوں میں سے جس سے چاہو بیعت کر لو۔" (سیرت ابن ہشام)

اس کے بعد حضرت عمر اٹھے اور انہوں نے فوراً حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور پھر تمام مہاجرین نے بیعت کی، اس کے بعد انصار نے بھی حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، تاہم انصار کے ایک طبقہ کے لئے یہ واقعہ اتنا سخت تھا کہ ایک شخص نے مہاجرین سے کہا کہ "کہ تم لوگوں نے سعد ابن عبادہ کو قتل کر دیا۔"

انصار نے اسلام کے لئے بے پناہ قربانیاں دی تھیں۔ انہوں نے اسلام کے بے یار و مددگار قافلہ کو اس وقت پناہ دی، جب کہ انہیں اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود انصار اس فیصلہ پر راضی ہو گئے کہ اقتدار میں ان کا حصہ نہ ہو اور خلیفہ صرف مہاجرین (قریش) میں سے منتخب کیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے پیچھے بہت گہری مصلحت تھی۔

قریش سینکڑوں سال سے عرب کے قائد بنے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں اگر کسی غیر قریشی کو خلیفہ مقرر کیا جاتا تو اس کے لئے اجتماعی نظم کو سنبھالنا ناممکن ہو جاتا۔ یہ انصار کی حقیقت پسندی تھی کہ انہوں نے اپنی اس کمی کو جانا اور یک طرفہ فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ تاہم یہ حقیقت پسندی کی اتنی نایاب قسم ہے کہ اس کی کوئی دوسری مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

(۱۲) صحابہؓ کا غیر جذباتی فیصلہ کرنے کی طاقت رکھنا

احد کی لڑائی اسلام کی تمام جنگوں میں سب سے زیادہ سخت لڑائی تھی۔ قریش کے تمام جنگی جوان غصہ میں بھرے ہوئے مسلمانوں کے اوپر ٹوٹ پڑے تھے۔ عین اس وقت جب قتل وخون کا معرکہ گرم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار ہاتھ میں لی اور کہا کہ "کون اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لے گا؟" کچھ لوگ آپ کی طرف بڑھے مگر آپ نے انہیں تلوار نہ دی۔ پھر ابودجانہؓ سامنے آئے اور پوچھا کہ اے خدا کے رسول اس تلوار کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "تم اس سے دشمن کو مارو یہاں تک کہ اس کو ٹیڑھا کر دو۔" ابودجانہ نے کہا کہ میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے انہیں تلوار دے دی۔

حضرت ابودجانہؓ تلوار لے کر چلے۔ اس وقت ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ اکڑ کر چلنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا اس قسم کی چال خدا کو پسند نہیں سوا ایسے موقع کے۔

ابودجانہؓ نے اپنے سر پر لال کپڑا باندھ لیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ موت سے بے خطر ہو کر جنگ کے لیے نکل پڑے ہیں۔ وہ انتہائی بہادری کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ جو بھی ان کے سامنے آتا وہ ان کی تلوار کا نشانہ بن جاتا۔ اس کے بعد ایک حیرت انگیز واقعہ ہوا۔ جس کو خود ابودجانہؓ نقل کرتے ہیں: "میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ بری طرح دشمنوں کو جنگ پر ابھار رہا تھا۔ میں اس کی طرف لپکا، جب میں نے اس پر تلوار اٹھائی تو اس نے کہا "یا ویلاہ" (ہائے تباہی) اب میں نے جانا کہ یہ ایک عورت ہے۔ تو میں نے خدا کے رسول ﷺ کی تلوار کو اس سے پاک رکھا کہ میں اس سے کسی عورت کو قتل کروں۔ (سیرت ابن ہشام)

اس واقعہ کو ایک صحابیؓ ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں "پھر میں نے دیکھا کہ ان کی تلوار ہند بنت عتبہ کے سر پر اٹھی ہے مگر اس کے بعد انہوں نے اپنی تلوار اس سے ہٹا لی۔"

جنگ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات میں سے ایک ہدایت یہ تھی کہ

عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو نہ مارا جائے۔ حضرت ابو دجانہ نے عین قتل و خون کے ہنگامہ میں اس کو یاد رکھا اور اپنی چلتی ہوئی تلوار کو درمیان سے روک لیا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصحابؓ رسول ﷺ کو اپنے جذبات پر کتنا زیادہ قابو تھا۔ ان کے افعال ان کے شعور کے ماتحت تھے نہ کہ ان کے جذبات کے ماتحت۔ وہ انتہائی اشتعال انگیز موقع پر انتہائی ٹھنڈا فیصلہ کر سکتے تھے۔ وہ غصہ اور انتقام کی آخری حد کو پہنچ کر بھی اچانک اپنا رخ دوسری طرف پھیر سکتے تھے۔ یہ بظاہر ایک سادہ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن عملاً یہ بات اتنی زیادہ مشکل ہے کہ اس پر کوئی ایسا شخص ہی قادر ہو سکتا ہے، جو خدا سے اس طرح ڈرنے والا ہو گویا خدا اپنے تمام جلال و جبروت کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا ہوا ہے، اور وہ اس کو اپنی کھلی ہوئی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔

(۱۳) صحابہؓ کا درخت کی طرح آگے بڑھنا

قرآن میں انجیل اور تورات کے دو حوالوں کا ذکر ہے۔ تورات کا حوالہ صحابۂ کرامؓ کے انفرادی اوصاف سے متعلق ہے۔ اس کے بعد انجیل کے حوالے سے ان کی اجتماعی صفت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: "اور انجیل میں ان کی مثال یوں ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو۔ اس نے نکالا اپنا انکھوا۔ پھر اس کو مضبوط کیا۔ پھر وہ موٹا ہوا۔ پھر اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا۔ اچھا لگتا ہے کسانوں کو تاکہ منکروں کا دل ان سے جلائے۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔" (الفتح آخر)

موجودہ انجیل میں یہ تمثیل ان لفظوں میں ہے: "اور اس نے کہا، خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے، اور وہ بیج اس طرح اگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے، پہلے پتی، پھر بالیں، پھر بالوں میں تیار دانے۔ پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے۔ کیوں کہ کاٹنے کا وقت آ پہنچا۔" (مرقس ۴، ۲۲-۲۶)

انجیل اور قرآن کی اس تمثیل میں یہ بتایا گیا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں کے اصحاب کا اجتماعی ارتقاء درخت کی مانند ہوگا۔ اس کا آغاز بیج سے ہوگا، پھر وہ دھیرے دھیرے بڑھے گا اور اپنا تنا مضبوط کرتے ہوئے اوپر اٹھے گا۔

یہاں تک کہ فطری رفتار سے تدریجی ترقی کرتے ہوئے اپنا کمال کو پہنچ جائے گا، اس کی ترقی اتنی شاندار ہوگی کہ ایک طرف اہل ایمان اس کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوں گے اور دوسری طرف دشمن دانت پیس رہے ہوں گے، کہ اس کا معاملہ اتنا مضبوط ہے کہ اس کے خلاف ہمارا کچھ بس نہیں چلتا۔

اسلام کو درخت کی طرح ترقی دینے کے لئے خدا کا یہ منصوبہ تھا جو صحابہ کرامؓ کے ذریعہ انجام پایا، تاہم یہ کوئی آسان معاملہ نہ تھا۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ وہ جلد بازی کے بجائے صبر کو اپنا طریقہ بنائیں۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ فوری محرکات کے تحت وہ کوئی اقدام نہ کریں۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ وہ اپنے ذوق پر چلنے کے بجائے قوانین فطرت کی پیروی کریں۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ وہ اس سے بے پرواہ ہو کر کام کریں کہ نتیجہ ان کی زندگی میں سامنے آئے یا ان کے بعد۔ ''درخت اسلام'' کو اگانے کے لئے ضرورت تھی کہ وہ اپنے جذبات کو کچلیں اور اپنی امنگوں کو دفن کریں۔ صحابہ کرامؓ نے یہ سب کچھ کیا۔ انہوں نے کسی تحفظ کے بغیر اپنے آپ کو خدائے حکیم کے حوالہ کر دیا۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ زمین میں خدا کا دین ایک ایسے ابدی باغ کی صورت میں کھڑا ہو گیا جس کو ساری دنیا مل کر بھی مٹانا چاہے تو مٹا نہ سکے۔ (مولانا وحید الدین خاں، پیغمبر انقلاب)

آپ ﷺ سے صحابہ کرامؓ کا عشق

ذیل میں اب آپ ﷺ سے صحابہؓ کے عشق سے متعلق چند روایتیں پیش کی جا رہی ہیں جن سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ صحابہ کرامؓ کے دل میں آپ ﷺ کی کس قدر محبت تھی۔ لیجئے ملاحظہ فرمایئے:۔

روایت نمبر ا حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ ﷺ کا سر مونڈ رہا ہے۔ اور صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اور مقصد صرف یہ ہے کہ جو بال آپ ﷺ کے سر سے گرے۔ وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پڑ جائے۔ (صحیح مسلم)

روایت نمبر ۲ حضرت ام سلیمؓ جو حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ ہیں۔ اور آپ ﷺ کی پھوپھی بھی ہیں۔ آپ ﷺ کبھی کبھی دوپہر کو ان کے گھر سوتے۔ بستر چمڑے کا تھا۔ حضور ﷺ کو پسینہ بہت آیا کرتا تھا۔ حضرت ام سلیمؓ پسینے کی بوندوں کو جمع کر لیتیں اور شیشی میں احتیاط رکھ لیتی تھیں۔ نبی ﷺ نے ایسا کرتے دیکھا تو پوچھا یہ کیا؟ انہوں نے کہا عــرقک نجعله فی طیبنا وهو من أطيب الطيب "یہ حضور کا پسینہ ہے ہم اسے عطر میں ڈالتی ہیں اور یہ تو سب سے بڑھ کر عطر ہے۔" (بخاری، مسلم)

اور مسلم کی روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ جب ان سے حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس کا کیا کرتی ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا ہم اسے اپنے بچوں کے لئے باعث برکت اور تبرک سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اصبت "تم نے ٹھیک کیا۔"

بعض صحیح روایات سے تو معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ خود اپنے مبارک بالوں کو صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔

روایت نمبر ۳ صحیح بخاری باب غزوۃ الطائف میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک پانی کے برتن میں کلی کر کے حضرت ابوموسیٰ اور حضرت بلالؓ کو عطا فرمایا کہ اس کو پی لیں اور اپنے چہرے پر مل لیں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ پردے کے پیچھے یہ واقعہ دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے اندر سے آواز دے کر ان دونوں بزرگوں سے کہا اس تبرک میں سے کچھ پانی ماں یعنی ام سلمہؓ کے لئے بھی چھوڑ دینا۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ نزول حجاب کے بعد ازواج مطہراتؓ گھروں اور پردوں کے اندر رہتی تھیں۔

فائدہ: اس روایت میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ازواج مطہراتؓ بھی

رسول اللہ ﷺ کے تبرکات کی ایسی ہی مشتاق تھیں جیسے دوسرے مسلمان۔ یہ بھی آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی کی خصوصیت تھی۔ ورنہ بیوی سے جو بے تکلفی شوہر کی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے تقدس و تعظیم کا یہ درجہ قائم رہنا عادۃً ناممکن ہے۔ (معارف القرآن)

روایت نمبر ۴۔ عروہ بن مسعود ثقفی کو قریش نے صلح حدیبیہ سے پیشتر اپنا سفیر بنا کر حضور عالی میں روانہ کیا تھا۔ اسے سمجھایا گیا تھا کہ مسلمانوں کے حالات غور سے دیکھے اور عوام کو آ کر بتائے۔ عروہ نے دیکھا کہ نبی ﷺ وضو کرتے ہیں تو بقیہ آب وضو پر صحابہ یوں گرے پڑتے ہیں گویا ابھی لڑ پڑیں گے۔

حضور ﷺ کے لب (لعاب دہن) وغیرہ کو زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر روک جاتا ہے۔ جسے وہ منہ پر مل لیتے ہیں۔ حضور ﷺ کوئی حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے سب دوڑ پڑتے ہیں۔ حضور ﷺ کچھ بولتے ہیں تو سب چپ ہو جاتے ہیں۔ تعظیم کا یہ حال ہے کہ حضور ﷺ کی جانب آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ عروہ نے یہ سب کچھ دیکھا اور قوم سے آ کر بیان کیا "لوگو! میں نے کسریٰ کا دربار دیکھا اور قیصر کا دربار بھی دیکھا نجاشی کا دربار بھی دیکھا۔ مگر اصحاب محمد جو تعظیم محمد ﷺ کی کرتے ہیں، وہ تو کسی بادشاہ کو بھی اپنے ملک میں حاصل نہیں۔

روایت نمبر ۵۔ امام بخاری کا بیان ہے کہ حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہ سے عرض کیا کہ مجھے حضرت انس یا انکے گھر والوں سے حضور اقدس ﷺ کے چند موئے مبارک ملے ہیں تو انہوں نے فرمایا "اگر میرے پاس آپ ﷺ کا ایک موئے مبارک بھی ہوتا تو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتا" (صحیح بخاری کتاب الوضوء)

روایت نمبر ۶۔ ایک اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ کے پاس لوگ بیماروں کے لئے پانی بھیجتے تو آپ حضور ﷺ کے ان مبارک بالوں کو جو آپ نے ایک نلکی یا ڈبیا میں رکھے ہوئے تھے۔ اس پانی میں ہلا دیتیں اور وہ پانی پھر مریض کو پلایا

دیتیں۔ (بخاری کتاب وضو)

روایت نمبر ۷۔ امام مسلمؒ نے اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے طیالسی جبہ کو دھو کر مریضوں کو شفا کے لئے اس کا پانی پلاتی تھیں۔ "فنحن نغسلها للمرضى نستشفي بها" (صحیح مسلم کتاب اللباس)

مذکورہ بالا احادیث صحیح کتابوں سے لی گئی ہیں اور بیان شدہ احادیث میں سے چند ایک ہیں، اور یہ تمام اس بات پر دال ہیں کہ حضرت صحابہ کرامؓ حضور ﷺ سے منسوب اور ان سے وابستہ اشیاء سے بھی کس قدر محبت کرتے تھے اور ان سے تبرک بھی حاصل کرتے تھے۔

روایت نمبر ۸ ... زید بن دثنہؓ کو کفار نے پکڑ لیا اور قریش نے قتل کے لئے ان سے خرید لیا تھا۔ جب ان کو سولی دینے کے لئے چلے تو ابوسفیان بن حرب نے ان سے کہا: "زید تجھے خدا کی قسم تم چاہتے ہو کہ محمد (ﷺ) کو پھانسی دی جاتی اور تم اپنے گھر میں آرام سے ہوتے۔" زیدؓ نے کہا: "خدا کی قسم میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری رہائی کے بدلے حضور ﷺ کے پائے مبارک میں اپنے گھر کے اندر بھی کانٹا لگے۔" ابوسفیان حیران رہ گئے اور یوں کہا کہ میں نے تو کسی کو بھی نہیں دیکھا۔ جو دوسرے شخص سے اتنی محبت رکھتا ہو۔ جیسے اصحابِ محمد (ﷺ) کو رسول کریم ﷺ سے ہے۔

روایت نمبر ۹ ۔ عبداللہ بن زید صحابیؓ کا ذکر ہے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ حضور (ﷺ) مجھے اہل و عیال سے زیادہ پیارے ہیں۔ جب حضور ﷺ مجھے یاد آتے ہیں تو میں گھر میں ٹک نہیں سکتا آ جاتا ہوں اور حضور ﷺ کو دیکھ کر تسلی پاتا ہوں۔ مگر میں اپنی موت اور حضور ﷺ کی موت کا تصور کر کے کہتا ہوں کہ حضور ﷺ تو فردوسِ بریں میں انبیاءؑ کے بلند درجہ پر ہوں گے۔ میں اگر بہشت میں پہنچا بھی تو کسی ادنیٰ مقام میں ہوں گا اور وہاں حضور کا دیدار نہ پاسکوں گا۔ نبی ﷺ نے اسے یہ آیت پڑھ کر سنائی اور اس کے قلب کو تسکین عطا فرمایا: "ومن يطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليهم" جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر خدا کا انعام ہوا۔

روایت نمبر ۱۰ ایک اور صحابیؓ کا ذکر ہے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آتے تو نبی ﷺ ہی کی جانب تاک لگائے دیکھتے رہتے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کیا بات ہے؟ وہ بولے میں سمجھتا ہوں دنیا ہی میں اس دیدار کی بہار لوٹ لوں۔ آخرت میں حضور کے مقام رفیع تک تو ہماری رسائی بھی نہ ہوگی۔ اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا ومن یطع اللہ ورسولہ کو نازل فرمایا اور رسول اکرم ﷺ نے حدیث انسؓ میں صاف ہی فرما دیا من احبنی کان معی فی الجنۃ جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

اس حدیث کی ابتداء میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا "اگر تو ایسی زندگی بسر کر سکتا ہے، کہ تیرے دل میں کسی کا کینہ نہ ہو۔ تو تو ضرور ایسا ہی کر۔" پھر فرمایا "یہی میری روش ہیں۔ جس نے میری روش کو زندہ کیا۔ اس نے مجھ سے محبت کی۔ (رواہ الترمذی)

روایت نمبر ۱۱ جنگ احد کا ذکر ہے ایک عورت کا بیٹا، بھائی اور شوہر قتل ہو گئے تھے وہ مدینہ سے نکل کر میدان جنگ میں آئی۔ اس نے پوچھا کہ حضور ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بحمد اللہ وہ تو بخیریت ہیں جیسا کہ تو چاہتی ہے۔ بولی نہیں مجھے دکھا دو کہ حضور ﷺ کو دیکھ لوں۔ جب اس کی نگاہ حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک پر پڑی تو وہ جوش دل سے بول اٹھی: کل مصیبۃ بعدک جلل "آپ زندہ ہیں تو اب ہر مصیبت کی برداشت آسان ہے۔"

روایت نمبر ۱۲ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا اور اس کا بیٹا عبداللہؓ صادقین میں سے تھا۔ اس نے حضور ﷺ سے گزارش کی لوشئت لاتیتک برأسہ "اگر حضور ﷺ چاہیں تو میں اپنے باپ کا سر کاٹ کر لے آؤں۔" حضور ﷺ نے انکار فرما دیا۔

روایت نمبر ۱۳ رسول اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان غنیؓ کو مکہ مکرمہ اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ قریش نے کہا "تم بیت الحرام میں آ گئے ہو، طواف تو کر لو۔" انھوں نے جواب دیا کہ "حضور ﷺ سے پیشتر کبھی طواف نہیں کروں گا۔"

روایت نمبر ۱۴ حضرت علی المرتضیٰؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ کے ساتھ تمہاری محبت کیسی ہوتی ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا "بخدا رسول اکرم ﷺ ہم کو مال و اولاد و فرزند و مادر سے زیادہ محبوب اور اس سے زیادہ پیارے تھے جیسا کہ ٹھنڈا پانی پیاسے کو

ہوتا ہے۔

آپ ﷺ سے صحابہ کے جذبات محبت

جذبات محبت کو دیکھنا ہو تو اس وقت دیکھو جب کوئی صحابی حضور ﷺ کا ذکر کرتا ہو۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ شکل مبارک میں سب سے زیادہ خوب صورت تھے میں نے ریشم کا دیبا یا باریک کپڑا یا کوئی اور شے ایسی نہیں چھوئی جو نبی ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ میں نے کبھی کوئی کستوری یا کوئی عطر ایسا نہیں سونگھا جو نبی اکرم ﷺ کے پسینے سے زیادہ خوشبودار ہو۔"

حضرت جابر بن سمرہؓ سے کسی شخص نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار جیسا چمکدار تھا؟ تو بولے نہیں لابل کان مثل الشمس والقمر "نہیں نہیں حضور ﷺ کا مبارک چہرہ تو آفتاب و ماہتاب جیسا تھا۔"

حضرت انسؓ کہتے ہیں: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازھر اللون کان عرقہ اللؤلؤ "رسول اکرم ﷺ کا رنگ سفید روشن تھا۔ پسینے کی بوند حضور ﷺ کے چہرے پر ایسی نظر آتی تھی جیسے موتی۔"

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ "حضور ﷺ مسجد سے نکل کر گھر کو چلے تو بچوں نے حضور ﷺ کو گھیر لیا۔ حضور ﷺ ہر ایک کو پیار دیتے (پیار کرتے تھے) اس کے منہ پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ میرے رخسار پر بھی حضور ﷺ نے ہاتھ رکھا۔ میرے ٹھنڈک سی پڑ گئی اور ایسی خوشبو آئی گویا وہ ہاتھ ابھی عطر دان سے نکالا گیا تھا۔" (مسلم)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ من راٰہ بدیھۃ ھابہ ومن خالطہ معرفۃ احبہ یقول ناعتہ لم ار قبلہ ولا بعدہ مثلہ. "جو کوئی یکایک حضور ﷺ کے سامنے آ جاتا وہ دہل جاتا۔ جو پہچان کر آ بیٹھتا وہ شیدا ہو جاتا۔ دیکھنے والا کہا کرتے کہ میں نے حضور ﷺ جیسا کوئی بھی اس سے پہلے یا بعد میں نہیں دیکھا۔"

حضرت ربیع بنت معوذؓ صحابیہ ہیں ان سے عمار بن یاسرؓ کے پوتے نے کہا کہ نبی ﷺ کا

کچھ علیہ بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے فرمایا لو رأیت الشمس طالعة "اگر تو حضور ﷺ کو دیکھ لیتا تو سمجھتا سورج نکل آیا۔"

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں: "چاندنی رات تھی، حضور ﷺ حلہ حمرا اوڑھے ہوئے لیٹے تھے، میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا، کبھی حضور ﷺ پر نگاہ ڈالتا تھا۔ "فاذا هو احسن عندی من القمر" بالآخر میں نے یہی سمجھا کہ حضور ﷺ چاند سے زیادہ خوشنما ہیں۔ اس روایت میں لفظ عندی عجیب طور پر لذت دید اور ذوق نظارہ کو ظاہر کر رہا ہے۔

غالباً اسی پر ایک عربی شعر کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ: "ایسے حسین کے نظارے سے کیوں کر سیری ہو کہ جس کو تم جتنا دیکھو گے اس کا حسن اتنا ہی بڑھتا ہوا نظر آئے گا۔" وہی مبارک چہرہ جس کے دیدار سے حضرت جابرؓ کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں، حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے قلب کو منور کرتا ہے۔ حدیث ترمذی میں ہے حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں میں آپ ﷺ کو دیکھنے آیا تھا فلما استبنت وجهه عرفت ان وجهه ليس بوجه كذاب. "مجھے تو مبارک چہرہ نظر آتے ہی عرفان ہو گیا کہ جھوٹے میں یہ بات کہاں؟"

حضرت عمرؓ ایام خلافت میں رات کو گشت کے لئے نکلے، سنا کہ ایک عورت دھنک رہی ہے اور یہ اشعار پڑھ رہی ہے۔

علیٰ محمد صلوٰة الأبرار .... صلّی علیه الطّیّبون الأخیار
قد کان قوّامًا بکی بالأسحار .... یا لیت شعری و المنایا أطوار
هل تجمعنی و حبیبی الدّار

ترجمہ: "محمد ﷺ پر ابرار کے درود .... اس پر طیبون و اخیار درود پڑھ رہے ہیں
وہ تو راتوں کو جاگنے والے سحر کو رونے والے تھے ...... موت تو جیسی کی طرح آتی ہے
کاش مجھے یقین ہو جائے کہ مرنے کے بعد بھی مجھے حضور ﷺ کی زیارت ہو گی۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں بیٹھ گئے، روتے رہے اور چند دن تک صاحب فراش رہے۔ حضرت بلالؓ کو حضرت عمرؓ سیدنا بلالؓ فرمایا کرتے تھے۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت بلالؓ کا قیام ملک شام میں تھا، ایک دن ان کو حضور ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی،

ارشاد فرمایا: "بلالؓ! یہ کیا جفا ہے کہ میری زیارت کرنے کا وقت نہیں آتا" یہ خواب دیکھتے ہی حضرت بلالؓ کی آنکھ کھلی تو نہایت غمگین، خوفزدہ، پریشان تھے فوراً اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور روتے ہوئے مزار پاک پر حاضر ہوئے۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی خبر سن کر تشریف لائے اور حضرت بلالؓ سے اذان کہنے کی فرمائش کی، یہ ان سے مل کر لپٹ گئے اور صاحبزادوں کی تعمیل ارشاد میں اذان کہی، آواز سن کر گھروں سے مرد و عورتیں بے قرار روتی ہوئی نکل آئیں اور حضور ﷺ کے زمانہ کی یاد نے سب ہی کو تڑپا دیا۔ (بحوالہ [illegible])

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

* * *

خصوصیت نمبر ۸۵

رسول اکرم ﷺ کو قیامت کے دن حوضِ کوثر عطا کیا جائے گا

قابلِ احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پچاسی نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کو قیامت کے دن حوضِ کوثر عطا کیا جائے گا" الحمدللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضۂ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضۂ رسول ﷺ کے سامنے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو مکمل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ تعالیٰ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے، دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی دیگر خصوصیات کی طرح عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو قیامت کے دن حوضِ کوثر عطا کیا جائے گا جبکہ دیگر انبیاء سے متعلق یہ خصوصیت نظر نہیں آتی کہ سوائے آخری نبی ﷺ کے کسی اور نبی کو حوضِ کوثر ملے، چنانچہ حوضِ کوثر اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے نبی ﷺ کے لئے مختص فرمایا ہے، اور یہ بات ہم کوئی اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے، اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں واضح فرمایا اور حضور ﷺ کی احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے تو واضح ہوا کہ اس عظیم خصوصیت کا مظہر بھی ہمارے نبی ﷺ ہی ہیں، جیسا کہ آپ کو آنے والے اوراق میں تفصیل سے مکمل وضاحت ملے گی، ان شاء اللہ۔ لہٰذا آئیے ہم سب ملکر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو روزِ قیامت حضور ﷺ کے ہاتھوں حوضِ کوثر کا پانی پینے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) اس کے ساتھ ساتھ ہمارے لئے بھی یہ لازم ہے کہ ہم اپنے نبی ﷺ کی سنتوں پر عمل کریں، بے شک اسی میں ہماری نجات

ہے تو قارئین! لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

پچاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا انا اعطینٰک الکوثر (ترجمہ) ”بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے۔“

تشریح ...... کوثر بروزن فوعل ہے اور یہ وزن مبالغہ کے لئے آتا ہے۔ لفظ کثرت تو خود ہی فراوانی افزونی کے معنی کے لئے ہے۔ جب اسے بھی بروزن مبالغہ استعمال کیا گیا تو اس کے معنی کثرت بالائے کثرت اور فراوانی بیش از فراوانی بر افزونی تصور ہے۔

صحیح بخاری میں ہے: عن ابی بشر عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما الکوثر الخیر الکثیر الذی اعطاہ اللہ ایاہ قال ابو بشر قلت بسعید ابن جبیر ان اناسا یزعمون انہ نہر فی الجنۃ فقال السعید النہر الذی فی الجنۃ من الخیر الکثیر الذی اعطاہ اللہ ایاہ۔

ترجمہ: ابو بشر نے سعید بن جبیر سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ کوثر کے معنی وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔ ابو بشر کہتے ہیں، میں نے سعید ابن جبیر سے کہا کہ لوگوں کا گمان تو یہ ہے کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو جنت میں ہے سعید نے جواب دیا ہاں وہ جنت والی نہر بھی تو اسی خیر کثیر میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے حضور ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔

حوض کوثر کے وجود کی تصدیق صحیحین کی حدیث انسؓ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا حوض کوثر کے وجود اور عطیہ پر یقین رکھتے ہوئے بھی یہ تفسیر صحیح ہے کہ آیت زیب عنوان میں رب العلمین کی طرف سے انعامات بے حساب اور عطیات غیر محدود کی آگاہی فرمائی گئی ہے۔ اس خیر کثیر کے تحت میں بہت سی اشیا کا ذکر کیا جا سکتا ہے جیسا کہ امام فخر الدین رازی نے ذکر کیا ہے۔

منجملہ ان تمام چیزوں میں سے امت محمدیہ ہے چنانچہ آپ کی نبوت جامعہ اور ریاست عامہ اور دعوت کاملہ اور ہدایت بالغہ پہلے کب کسی کو عطا ہوئی تھی؟ اسی نبوت کے ثمرات میں سے ہے کہ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ۔ (یعنی جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔)

کا فرمان صادر ہوا اور اسی نبوت کے گلہائے رنگین میں سے ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ۔ کے منشور کی اشاعت فرمائی گئی۔ جس کا ترجمہ ہے کہ ہم نے جو رسول بھیجا وہ اس لئے بھیجا کہ اس کی اطاعت ہمارے اذن کے تحت میں کی جائے۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ صاحب کوثر وہی ہے جس کی اطاعت کا امر الٰہی جاری ہوا۔ صاحب کوثر وہی ہے جس کی اطاعت کو اطاعت ربانی فرمایا گیا۔ صاحب کوثر کی نبوت وہی ہے جس کی قدامت تاریخ بشر سے پہلے کی ہے اور جس کی نہایت انتہائے عالم سے ملی ہوئی ہے۔ رب العلمین کے کلام پر غور کیجئے وہ یہ بھی فرماتا ہے۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ اللہ کی شہادت ہے کہ اس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں۔ نیز وہ تو یہ بھی اعلان فرماتا ہے وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۔ اللہ کی یہ بھی شہادت ہے کہ محمد اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ جب رب المشرقین و رب المغربین خود شہادتین کو اپنی شہادت سے مصدق و مؤکد فرماتا ہے تو نبوت محمدیہ اور رسالت مصطفویہ کے خیر کثیر ہونے میں کیا کلام رہ جاتا ہے۔

اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کوثر سے مراد اسلام ہے وہی اسلام جس کے سوا اور کوئی دین اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبول و منظور ہی نہیں۔ وہی اسلام جس کا انبیائے عظام نے ہمیشہ اعلان فرمایا۔ وہی اسلام جو سعادت دارین کا جامع اور صلاح و فلاح ثقلین کا ذخیرہ ہے۔

اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کوثر سے مراد کثرت امت محمدیہ ہے۔ یہ کثرت حد و عد کے احاطہ سے باہر ہے اور یوماً فیوماً ترقی پذیر ہے۔ ۱۸۸۱ء میں متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد پونے چار کروڑ بیان کی جاتی ہے اور ۱۹۴۱ء کی مردم شماری میں ان کی

تعداد پونے سات کروڑ شمار میں آئی ہے۔ چالیس سال میں اکیلے ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کا قریباً دو چند ہو جانا اعداد کی رو سے ثابت ہو گیا تو دیگر اقطاع عالم میں بھی اسی نسبت کا اسی رفتار سے بڑھتے رہنا صحیح کہا جا سکتا ہے۔

بالمقابل اس کے اکثر اقوام ہیں جو گھٹ رہی ہیں اور آہستہ آہستہ عرصۂ فنا میں گر رہی ہیں یہ اسلام ہی ہے جس کا پاک درخت اپنی جڑوں کو زمین کے سوتوں تک پھیلا رہا ہے اور جو اپنی پھل دار شاخوں کے ساتھ فضائے آسمانی پر چھا رہا ہے۔

اور کوثر سے متعلق علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کوثر سے مراد قرآن حمید اور کتاب مجید ہے۔ یہ وہی خیر کثیر ہے کہ شاخہائے اشجار کی اقلام اور قطرات بحار کی مداد، جس کی مدح وثنا کے استیفاء سے عاجز ہے۔ عمر نوح اور فہم جبریل بھی اگر جمع ہو جائیں تو حصر اسرار قرآنیہ سے قاصر ہیں۔ بے شک یہی کتاب قلزم حقائق ہے اور یہی کوثر علوم ہے یہی مطلع انوار ہے اور یہی مخزن الاسرار ہے۔ معجزات انبیاء کا اظہار ایک وقت خاص میں ہوتا تھا اور پھر خود انہی کے عہد مبارک میں اس معجزہ کا وجود و شہود پایا جاتا تھا۔ موسیٰ کے عصا کا اژدہا بن جانا، پھر اژدہا کا سیرت اولیٰ پر عود کر جانا ایک ایسا نظارہ تھا جو کوہ طور کے بعد فرعون ہی کے دربار میں دیکھا گیا۔ وہی عصا بنی اسرائیل کے لئے انفجار ماء کا آلہ بنا ضرورت جاتی رہی تو وہی عصا کا عصا رہ گیا۔ پھر وہی عصا کسی دوسرے کے ہاتھ میں جا کر صرف ایک لکڑی رہ جاتا تھا۔

قرآن پاک ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہے جو خود معجزہ اور دائمی معجزہ ہے، اس کا اعجاز ہر وقت، ہر آن موجود و مشہود ہے اور ہر ایک عالم دین اس کے معجزہ ہونے کی براہین صادقہ بہ وقت ڈنکے کی چوٹ پر پیش کر سکتا ہے۔ بے شک یہ ایسی خیر کثیر ہے جس کا اعلان منجانب رب رحمن ہونا ضروری تھا۔ اور علماء نے یوں بھی فرمایا ہے کہ کوثر سے مراد وہ فضائل کثیرہ اور محامد جمیلہ اور نعوت مستحسنہ ہیں، جو وجود مصطفوی میں مندرج و منطوی تھے سلامت آدم اور استقامت نوح حلم اسمٰعیل و علم خلیل، سوز ادریس و عظمت شیث، حقانیت اسحٰق و صداقت یحییٰ یعقوب، نورانیت یوسف و صباحت صالح، ہدی ہود اور حقیقت شعیب، لطافت

ہود، عبرت عزیر، شکر سلیمان، والہ و یحییٰ، آواز داؤد، دعائے یونس، مابات ایوب، وفا یعقوب، ذکریا، الصعت ہارون، وایاب الیاس، زہد عیسیٰ، علو موسیٰ، احسانیت لقمان، انقیاد خضر، مساعی الیسع، کفالت ذوالکفل۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام

یہ ایسے الوان گوناگوں ہیں جو اسی حسن حقیقت کے پیکر نوری میں مجتمع ہیں رحمۃ للعالمین کا وہ رنگ ہے جس نے ان الوان کو اپنے اندر جمع کر لینے کے بعد اپنے رنگ خاص سے رنگین بنا دیا ہے۔

اور علماء نے کوثر سے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ کوثر سے مراد سید کثیر الخیر ہے۔ یہ معنی صاحب صراح اللغات نے تحریر کیے ہیں۔ یقیناً حضور سید ولد آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضور ﷺ کو یٰس کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔ بالیقین حضور ﷺ کثیر الخیر ہیں اور سید ہیں۔ حضور ہی وہ مشعل ہدایت ہیں کہ ظلمات کفر و شرک کو دور فرمایا۔ حضور ہی وہ سراج منیر ہیں کہ چشم کور سواد کو بینائے حقائق بنایا۔ حضور ہی وہ نور محبت ہیں کہ قلب عالم کو منور اور روح اعظم کو مستنیر فرمایا۔ حضور ہی وہ عبد کامل ہیں کہ انسانیت کو تخت سیادت پر بٹھلایا۔

الغرض عطیہ کوثر رسول اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے اور امید ہے کہ فردائے قیامت کو تشنگان جمال حضور کے زلال الطاف سے بہرہ یاب اور عطشان خشک زبان حضور کے جام کوثر سے ضرور شاد و سیراب ہوں گے۔ ان شاء اللہ (بحوالہ رحمۃ للعالمین ج ۳)

اب ذیل میں ہم حوض کوثر کے بارے میں جو کہ آپ ﷺ کو قیامت کے دن بطور خصوصیت کے عطا کیا جائے گا اسے قرآن و حدیث کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

حوضِ کوثر کی تفصیل احادیث کی روشنی میں

حدیثوں میں آخرت کی جن چیزوں کا نام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں سے یہ تین چیزیں بھی ہیں ایک حوض کوثر دوسری صراط اور تیسری میزان۔

پھر کوثر کو بعض احادیث میں حوض کے لفظ سے بھی ذکر کیا گیا ہے اور بعض میں نہر

کے الفاظ سے۔ پھر بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوثر جنت کے اندر واقع ہے اور اکثر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محل وقوع جنت سے باہر ہے اور اہل ایمان جنت میں جانے سے پہلے اس حوض پر رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں باریاب ہو کر آپ کے دست کرم سے اس کا نہایت سفید و شفاف اور بے انتہا لذیذ و شیریں پانی نوش جان کریں گے، اور تحقیق یہ ہے کہ کوثر کا اصل مرکزی چشمہ جنت کے اندر ہے اور جنت کے طول و عرض میں اس کی شاخیں نہروں کی شکل میں ہر طرف جاری ہیں۔ اور جس کو حوض کوثر کہا جاتا ہے وہ سینکڑوں میل کے طول و عرض میں ایک نہایت حسین و جمیل تالاب ہے جو جنت سے باہر ہے لیکن اس کا تعلق اسی جنت کے اندر کے چشمہ سے ہے، گویا اس میں جو پانی ہوگا وہ جنت کے اس چشمہ سے نہروں کے ذریعہ آئے گا۔ آج کل کے متمدن شہروں میں واٹر ورکس جو نظام ہے اس نے کوثر کی اس نوعیت کا سمجھنا الحمدللہ سب کے لئے آسان کر دیا۔

یہاں ایک یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ حوض کے لفظ سے عموماً لوگوں کا ذہن اسی قسم کے حوضوں کی طرف جاتا ہے جس قسم کے حوض انہوں نے عموماً دنیا میں دیکھے ہوتے ہیں، لیکن حوض کوثر اپنی معنوی کیفیات اور اپنی خوش منظری میں دنیا کے حوضوں سے اتنا ممتاز اور فائق ہوگا جتنا کہ جنت کی کسی چیز کو دنیا کی چیزوں کے مقابلے میں ہونا چاہئے۔

لغت میں "حوض" کے معنی ہیں پانی جمع ہونا اور بہنا۔ اسی لئے جو خون عورتوں کو ہر مہینہ آتا ہے۔ "حیض" کہلاتا ہے اور یہ لفظ بھی حوض ہی سے مشتق ہے یہاں حوض سے وہ "حوض" مراد ہے جو قیامت کے دن رسول اکرم ﷺ کے لئے مخصوص ہوگا اور جس کی صفات خصوصیات آنے والی احادیث سے معلوم ہوں گی۔

قرطبی نے لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے لئے دو حوض ہوں گے۔ ایک حوض تو میدان حشر میں پل صراط سے پہلے ہوگا اور دوسرا حوض جنت میں ہوگا اور دونوں کا نام کوثر ہوگا۔ واضح رہے کہ عربی میں "کوثر" کے معنی ہیں خیر کثیر یعنی بے شمار بھلائیاں اور نعمتیں، پھر زیادہ صحیح یہ ہے کہ میدان حشر میں جو حوض ہوگا وہ "پل صراط" کے مرحلے سے پہلے ہی ہوگا یہی قول

اپنی قبروں سے پیاس کی حالت میں نکلیں گے اور پہلے حوض پر آئیں گے۔ اس کے بعد میزان (یعنی اعمال کے تولے جانے) کا مرحلہ پیش آئے گا۔ اسی طرح میدان حشر میں ہر پیغمبر کا اپنا الگ حوض ہوگا جس پر ان کی امت آئے گی چنانچہ اس وقت تمام پیغمبر آپس میں فخر کا اظہار کریں گے کہ دیکھیں کس کے حوض پر زیادہ لوگ آتے ہیں ہمارے حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں امید رکھتا ہوں کہ میرے حوض پر آنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

حوض کوثر کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے حوض کی مسافت ایک مہینہ کی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حوض کوثر مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس قدر طویل ہے کہ اس کی ایک جانب سے دوسری جانب تک ایک مہینہ کی مسافت ہے) اور اس کے زاویے (یعنی گوشے) بالکل برابر ہیں (اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ وہ مربع ہے اس کا طول وعرض یکساں ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے، اور اس کی خوشبو مشک سے بھی بہتر ہے، اور اس کے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں (غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کے ستارے جیسے حسین اور چمکدار ہیں، اور ان کی کثرت کی وجہ سے جس طرح انہیں گنا نہیں جاسکتا، اسی طرح میرے حوض کے کوزے بھی بے شمار اور حسین اور چمکدار ہیں، جو اس کا پانی پیے گا اس کو پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح... ”اس کو پھر کبھی پیاس نہ لگے گی“ اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں پانی یا کسی بھی مشروب کا پینا پیاس کی وجہ سے نہیں بلکہ حصول لذت کے لئے ہوگا جیسا کہ جنت میں کوئی چیز کھانا بھوک کی بنیاد پر نہیں بلکہ از راہ تنعم ہوگا کیونکہ جنت تو وہ مقام ہے جہاں کسی کو نہ بھوک لگے گی اور نہ پیاس قرآن کریم میں اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ فرمایا گیا ہے **ان لک الا تجوع فیہا ولا تعری وانک لا تظمؤا فیہا ولا تضحی**۔ یعنی یہاں جنت میں تو تمہارے لئے (یہ آرام) ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے ہوگے

اور ننگے ہوں گے، بلاشبہ تم نہ یہاں پیاسے ہوگے اور نہ دھوپ میں تپو گے۔

اور ایک حدیث میں فرمایا کہ حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں حوض کوثر پر تمہارا میر ساماں ہوں (اور تم سے آگے جا کے تمہاری پیاس کا انتظام کرنے والا ہوں) جو میرے پاس پہنچے گا وہ آب کوثر سے پئے گا اور جو اس کو پی لے گا پھر کبھی وہ پیاس میں مبتلا نہ ہوگا، اور وہاں کچھ لوگ جن کو میں بھی پہچانوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے میری طرف آئیں گے لیکن میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی (اور انہیں میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا) تو میں کہوں گا کہ یہ آدمی تو میرے ہیں، مجھے جواب دیا جائے گا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا نئی نئی باتیں نکالیں (اور کیا نئے نئے رخنے ڈالے) تو میں کہوں گا کہ بربادی اور دوری ہو ان کے لئے جنہوں نے میرے بعد دین میں فرق ڈالا اور اس کو تبدیل کیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ...... حدیث میں جن لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ حوض کوثر پر رسول اکرم ﷺ کے پاس جانے سے روک دیئے جائیں گے، اس کا تعین مشکل ہے کہ یہ کون اور کس طبقے کے لوگ ہوں گے اور نہ اس کا معلوم کرنا ہمارے لئے ضروری ہے، اس حدیث کا خاص سبق ہمارے لئے تو بس یہ ہے کہ اگر ہم کوثر پر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے آرزومند ہیں تو مضبوطی سے اس دین پر قائم رہیں، جو رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے لائے تھے، اور اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ اور کوئی رد و بدل نہ کریں۔ (بحوالہ معارف الحدیث)

حوض کوثر کی درازی اور اس کی خصوصیت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میرے حوض یعنی "حوض کوثر" کے دونوں سروں کے درمیان کا فاصلہ ایلہ اور عدن کے درمیانی فاصلے سے زیادہ ہے اور بلاشبہ اس حوض کا پانی برف سے بھی زیادہ سفید اور شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے جس میں دودھ ملا ہوا ہو اور اس کے آبخورے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں اور یقیناً

میں دوسری امتوں کے لوگوں کو اس حوض پر آنے سے اس طرح روکوں گا اور بھگاؤں گا جس طرح کوئی شخص غیر لوگوں کے اونٹوں کو اپنے حوض پر آنے سے روکتا ہے (اور یہ روکنا اس وجہ سے ہوگا تاکہ امت محمدی ﷺ کی اس فضیلت وخصوصیت میں دوسرے لوگ شریک نہ ہوں اور اس امت کے لوگ دوسری امتوں کے لوگوں سے ممتاز ومنفرد رہیں)" صحابہ نے (یہ سن کر) عرض کیا یا رسول اللہ! (اس وقت) آپ ہمیں پہچان لیں گے؟! (یعنی تمام مخلوق کے اتنے زبردست اژدحام میں کیا آپ کے لئے ممکن ہوگا کہ اپنی امت اور دوسری امتوں کے لوگوں کے درمیان امتیاز کرلیں اور وہ کونسی علامت ہوگی جس کو دیکھ کر آپ ﷺ اپنے امتیوں کو پہچان کر حوض کوثر پر آنے دیں گے اور غیر امتیوں کو وہاں آنے سے روکیں گے؟) رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ "ہاں میں تمہیں (بڑی آسانی کے ساتھ) پہچان لوں گا" دراصل تمہاری ایک خاص علامت ہوگی جس سے دوسری امت کے لوگ محروم ہونگے، اور وہ علامت یہ ہوگی کہ جب تم میری طرف آؤ گے تو اس وقت تمہاری پیشانیاں اور تمہارے ہاتھ پاؤں وضو کی نورانیت کے سبب روشن اور چمکدار ہونگے۔"

اور مسلمؒ کی ایک روایت میں جو حضرت انسؓ سے منقول ہے یوں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "اس حوض میں سونے چاندی کے آبخورے ہونگے جو (اپنی چمک دمک اور) تعداد کے اعتبار سے آسمان کے ستاروں کی طرح دکھائی دیں گے۔" اور مسلم شریفؒ کی ہی ایک اور روایت میں حضرت ثوبانؓ سے یوں منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ سے اس حوض کے پانی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اس حوض کو لبریز رکھنے کے لئے دو زور دار پرنالے گرتے ہیں جو جنت (کی اس نہر) سے آتے ہیں (جس کا نام بھی کوثر ہے) ان میں سے ایک پرنالہ سونے کا ہے اور دوسرا چاندی کا۔"

تشریح...... "ایلہ" ایک شہر کا نام ہے جو ملک شام کا ایک ساحلی علاقہ تھا اور آج کل "اسرائیل" کی حدود میں واقع اور اس کی ایک بندرگاہ ہے جس کا موجودہ نام ایلات ہے

یہ شہر بحر احمر (جس کو بحیرہ قلزم اور انگریزی میں ریڈسی کہتے ہیں) کے شمالی سرے پر واقع ہے۔ اور عدن بحر احمر کے جنوبی سرے پر واقع ایک مشہور جزیرہ نما کا نام ہے جو کبھی یمن کا ایک شہر اور اس کی بندرگاہ تھا۔ رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ایلہ اور عدن کے درمیان جتنا فاصلہ ہے میرے حوض کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا ہے۔ واضح رہے کہ اس سلسلہ میں جو روایت منقول ہیں ان میں آپ ﷺ نے اپنے حوض کے دونوں سروں کے درمیانی فاصلے کو ظاہر کرنے کے لئے متعدد شہروں اور علاقوں کا ذکر فرمایا ہے مثلاً اس حدیث میں مابین ایلہ اور عدن کا ذکر کیا ہے جبکہ آگے آنے والی ایک حدیث میں مابین عدن اور عمان کا ذکر کیا ہے اسی طرح ایک اور حدیث میں مابین صنعاء اور مدینہ کا ذکر کیا ہے تو ان تمام حدیثوں میں مفہوم کی مطابقت و یکسانیت پیدا کرنے کے لئے یہ کہا جائے گا کہ مذکورہ شہروں کے درمیانی فاصلوں کے ذریعہ حوض کوثر کے دونوں سروں کے درمیانی فاصلہ اور اس کی درازی کو ظاہر فرمانا تحدید یعنی حد بندی کے طور پر نہیں بلکہ تمثیلاً اور تقریباً ہے۔ مطلب یہ کہ رسول اکرم ﷺ نے اس مسئلہ کی جو بھی حدیث ارشاد فرمائی اور جو اشخاص اس وقت رسول اکرم ﷺ کے مخاطب تھے ان کی سمجھ بوجھ اور ان کی ذاتی معلومات کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے سامنے محض تمثیل کے طور پر بیان فرمایا کہ میرے حوض کے دونوں سروں کا درمیانی فاصلہ تقریباً اتنا ہے جتنا فلاں دو شہروں کا درمیانی فاصلہ ہے۔ (مظاہر حق جدید جلد پنجم)

اور مولانا منظور احمد نعمانی اس حدیث کی تشریح میں یوں لکھتے ہیں کہ عدن مشہور مقام ہے اور عمان بھی شام کے علاقہ کا مشہور شہر ہے۔ بلقاء عمان کے قریب ایک بستی تھی بطور امتیاز اور شناخت کے اس حدیث میں "عمان بلقاء" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں عدن اور بلقاء کے قریب والے عمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہے آخرت میں حوض کوثر کی مسافت اتنی ہوگی اور واضح رہے کہ یہ بھی کوئی ناپی ہوئی مسافت نہیں ہے کہ ٹھیک اتنے ہی میل اور اتنے ہی فرلانگ اور اتنے ہی فٹ ہوں، بلکہ حوض کی وسعت کو سمجھانے کے لئے عرف کے مطابق یہ ایک تقریبی بات کہی گئی ہے اور مطلب یہ

ہے کہ حوض کی مسافت سینکڑوں میل کی ہوگی۔

آخر میں فرمایا گیا کہ سب سے پہلے حوض پر پہنچنے والے اور اس سے سیراب ہونے والے وہ غریب مہاجرین ہونگے جو اپنے فقر و تنگدستی اور دنیا کی بے رغبتی کی وجہ سے اس حال میں رہتے ہیں کہ ان کے سروں کے بال بے سنورے ہی رہتے بلکہ میلے کچیلے رہتے ہیں، جو اگر نکاح کرنا چاہیں تو ان کی اس حالت کی وجہ سے خوش عیش اور خوش حال گھرانوں کی بیٹیاں ان کے نکاحوں میں نہ دی جائیں، اور وہ کسی کے گھر پر جائیں تو ان کے میلے کچیلے کپڑے، اور ان کی شکل و صورت کی وجہ سے کوئی ان کے لئے اپنا دروازہ نہ کھولے، اور ان کو خوش آمدید نہ کہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے جن بندوں کا یہ حال ہو، کہ دنیا کی بے رغبتی اور دین میں انہماک اور فکر آخرت کے غلبہ کی وجہ سے اس دنیا میں وہ غریب و تنگدست ہو کر رہیں، نہ اپنی صورتوں کی بناؤ سنگار کی فکر رکھیں، نہ لباس پوشاک کی، وہ اپنی غربت اور دنیوی عیش کی اس قربانی کی وجہ سے آخرت کے انعامات میں مقدم اور فائق رہیں گے، ہمارے اس زمانے کے جو حضرات اس طرز عمل کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے تقشف، اور رہبانیت پسندی اور دین کے غلط تصور کا نتیجہ سمجھتے ہیں، چاہئے کہ وہ اس قسم کی حدیثوں پر غور کریں۔ ہر زمانہ کچھ کے امراض ہوتے ہیں جس طرح پہلے کسی زمانہ میں واقعی رہبانیت اور ترک دنیا کی غلط اور غیر اسلامی صورتوں کو اسلام کا پسندیدہ زہد بعض حلقوں میں سمجھا اور سمجھایا جاتا تھا، اسی طرح ہمارے اس زمانہ میں (شاید اس کے رد عمل میں) بعض حلقوں کا مستقل رجحان یہ ہے کہ اسلام کو اس کی تعلیمات کو اس دور کے مادہ پرستانہ اور نفس پرستانہ تقاضوں سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کیا جائے۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (بحوالہ معارف الحدیث)

حوض کوثر کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے موتیوں کے قبے ہونگے

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''میں (معراج کی رات

میں) جنت کی سیر کر رہا تھا کہ اچانک میرا گزر ایک نہر پر ہوا جس کے دونوں طرف موتیوں کے گنبد تھے میں نے پوچھا کہ جبرائیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ حوض کوثر ہے جو آپ ﷺ کو آپ کے پروردگار نے عطا کیا ہے۔ پھر جو میں نے دیکھا تو اس کی مٹی مشک تیز خوشبودار تھی۔"

(بخاری شریف)

تشریح: ---- اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایک لفظ مجوف استعمال کیا ہے چنانچہ "مجوف" کے معنی ہیں کھوکھلا "مجوف موتی کے گنبد سے مراد یہ ہے کہ حوض کوثر کے دونوں کناروں پر جو گنبد اور قبے ہیں اینٹ پتھر اور چونے گارے جیسی چیزوں سے تعمیر شدہ نہیں ہیں بلکہ ہر گنبد دراصل ایک بہت بڑا موتی ہے جو اندر سے کھوکھلا ہے اور اس میں نشست و رہائش کی جملہ آسائشیں موجود ہیں "جو آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے پروردگار نے عطا کیا ہے" کے ذریعہ آیت کریمہ انا اعطینک الکوثر کی طرف اشارہ ہے جس کی تفسیر میں بہت سے مفسروں نے کہا ہے کہ اس آیت کریمہ میں "کوثر" سے مراد "خیر کثیر اور بے شمار بھلائیاں اور نعمتوں کی کثرت" ہے جو پروردگار نے رسول اکرم ﷺ کو عطا فرمائی ہیں اس میں نبوت و رسالت قرآن کریم اور حکمت کی نعمتیں بھی شامل ہیں اور امت کی کثرت اور وہ تمام مراتب عالیہ بھی شامل ہیں جن میں ایک بہت بڑی نعمت رسول اکرم ﷺ کو آخرت میں مقام محمود، لواء حمد اور مذکورہ حوض کا عطا کیا جانا ہے۔ اس اعتبار سے اس بارہ میں کوئی منافات نہیں ہے کہ "اس سے مراد "حوض کوثر" ہے یا "خیر کثیر" مراد ہونے کی صورت میں بشمول حوض کوثر تمام ہی نعمتیں اور بھلائیاں اس میں شامل ہو جائیں گی اس طرح جبرائیل کے مذکورہ جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو جو "کوثر" عطا کیا ہے اسی میں کی چیز یہ "حوض کوثر" ہے۔ بعض مفسرین نے "کوثر" کی مراد "اولاد اور علماء امت" لکھا ہے لیکن یہ قول بھی "خیر کثیر" کے قول کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں (یعنی اولاد اور علماء امت) بھی "خیر کثیر" ہی میں داخل ہیں۔ اور مولانا منظور احمد نعمانی اس حدیث کی تشریح میں رقمطراز ہیں کہ:

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جنت میں سیر کرتے ہوئے نہرِ کوثر پر گزرنے کا جو واقعہ ذکر فرمایا ہے، غالباً یہ شبِ معراج کا ہے، اور حضرت جبرئیل نے رسول اللہ ﷺ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ ”یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے۔“ تو یہ قرآن مجید کی آیت ”إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ“ کی طرف اشارہ ہے، اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ”ہم نے آپ کو کوثر دیا“ کوثر کے اصل معنی خیرِ کثیر کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خیر کے جو خزانے عطا فرمائے، مثلاً قرآن و شریعت اور اعلیٰ روحانی صفات، اور دنیا و آخرت میں آپ کی رفعتِ شان وغیرہ وغیرہ، یہ سب بھی کوثر کے عموم میں اگرچہ داخل ہیں، لیکن جنت کی یہ نہر اور اس سے متعلق وہ حوض جو میدانِ حشر میں ہوگا (جس سے اللہ کے بے شمار بندے سیراب ہوں گے) لفظ کوثر کا خاص مصداق ہیں، یا یوں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین و ایمان کے سلسلہ کی جو بیش بہا نعمتیں عطا فرمائی تھیں، جو آپ کے ذریعے سے اللہ کے بے شمار بندوں تک پہنچیں، آخرت میں ان کا ظہور اس نہرِ کوثر اور حوضِ کوثر کی شکل میں ہوگا، جس سے اللہ کے بے شمار بندے فیض یاب اور سیراب ہوں گے۔

حوضِ کوثر کی وسعت

”حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے آگے (قیامت کے دن) میرا حوضِ کوثر (ظاہر ہونے والا) ہے جس کے دونوں کناروں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا جربا اور اذرح کا درمیانی فاصلہ ہے۔ کسی راوی کا کہنا ہے کہ جربا اور اذرح ملکِ شام میں دو بستیاں ہیں جن کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ اور ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”(اس حوض) کے دونوں کناروں پر آب خورے رکھے ہوں گے جو (چمک دمک اور کثرت کے اعتبار سے) آسمان کے ستاروں کی مانند ہوں گے، جو شخص اس حوض پر آئے گا اور اس کا پانی پیئے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح ..... بعض محققین نے لکھا ہے کہ ملکِ شام میں جربا ایک ایسی بستی کا نام ہے جو

دراصل اَذرُح کے بالکل قریب واقع ہے لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جَرباء اور اَذرُح کے درمیان تین دن کی مسافت ہے، اس صورت میں چونکہ حدیث کا مفہوم مشکل ہو جاتا ہے اس لئے محدثین نے یہ تحقیق کی ہے کہ اس حدیث کے کسی راوی کے وہم میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے وہ الفاظ نقل نہیں ہوئے جن سے حوض کوثر کی وسعت کو ظاہر کرنا مقصود تھا، چنانچہ دارقطنی کی روایت دیکھنے سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جو یوں ہے۔

یعنی میری حوض کے دونوں کناروں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا کہ مدینہ اور جرباء و اذرح کے درمیان فاصلہ ہے۔ (مظاہر حق جلد پنجم)

حوضِ کوثر پر سب سے پہلے آنے والے فقرا مہاجرین ہوں گے

"حضرت ثوبانؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میرے حوض (کوثر) کی لمبائی عدن اور عمان بلقاء کے درمیانی فاصلے کے بقدر ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اس کے آبخورے (پانی پینے کے برتن) آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں۔ جو شخص بھی ایک مرتبہ اس کا پانی پی لے گا پھر اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی، اس حوض پر پانی پینے کے لئے سب سے پہلے آنے والے لوگ فقرا مہاجرین ہوں گے یعنی فقراء مہاجرین جو (اس دنیا میں اپنے فقر و افلاس کی وجہ سے) پراگندہ بال اور پریشان حال اور پھٹے پرانے کپڑوں میں نظر آتے ہیں جو خوشحال گھرانوں کی لڑکیوں سے (اگر اپنے نکاح کا پیغام بھیجیں تو ان سے) نکاح کے قابل نہیں سمجھے جاتے اور جن کے لئے (گھروں کے) دروازے نہیں کھولے جاتے۔" اس روایت کو احمدؒ ترمذیؒ نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح… جیسا کہ پہلے بھی اسی طرح کی ایک حدیث کی تشریح میں گزر چکا ہے عدن ایک چھوٹے جزیرہ نما کا نام ہے جو پہلے یمن کا بندرگاہ تھا کچھ عرصہ پہلے تک اس جزیرہ پر انگریزوں کا قبضہ رہا ہے مگر اب خود مختار ریاست کی حیثیت رکھتا ہے عدن بحر احمر کے

جنوبی سرے پر واقع ہے۔ جہاں خلیج عدن، بحر احمر اور بحیرہ عرب (بحر ہند) کو ملاتی ہے۔ اسی طرح "عمان" بھی ایک شہر کا نام ہے جو بحر احمر کے شمالی سرے پر پہلے ملک شام کا ایک حصہ تھا اور اب ملک اردن کا دار السلطنت ہے۔ "بلقاء" اصل میں ایک قدیم شہر کا نام ہے جو کبھی ملک شام کے دار السلطنت "دمشق" کے "قرب وجوار میں آباد تھا۔ اور "عمان" اسی شہر بلقاء سے متعلق ایک دیہاتی علاقہ تھا، اسی بناء پر حدیث میں عمان بلقاء فرمایا گیا ہے! ماحاصل یہ کہ آخرت میں مجھے جو حوض کوثر عطا ہوگا اس کی لمبائی کا فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا فاصلہ عمان بلقاء اور عدن کے درمیان ہے (موجودہ دور میں اس فاصلہ کو پورے بحر احمر کی لمبائی پر قیاس کیا جاتا ہے کہ حوض کوثر، بحر احمر جتنا لمبا ہوگا) اور یہ بات بھی پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ حوض کوثر کی وسعت بیان کرنے کے لئے مختلف حدیثوں شہروں اور علاقوں کے درمیانی فاصلہ کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً اس حدیث میں عدن اور عمان بلقاء کے درمیانی فاصلہ کا ذکر ہے، ایک حدیث میں یہ ہے کہ حوض کوثر کی لمبائی ایلہ (ایلات) اور صنعاء (یمن) کے درمیانی فاصلہ کے بقدر ہوگی اور ایک حدیث میں دو مہینے کی مسافت کے بقدر فاصلہ کا ذکر ہے، وغیرہ وغیرہ تو حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی بھی حدیث میں حوض کوثر کی لمبائی و وسعت کو متعین طور پر حد بند کرکے بتانا مقصود نہیں ہے بلکہ ان سب حدیثوں کا اصل مقصد صرف حوض کے طول وعرض کی وسعت وزیادتی کو ظاہر کرنا ہے، پس جس موقع پر جو مخاطب وسامع جن علاقوں وشہروں کے درمیانی فاصلوں اور جس مسافت کی سمجھ اور معلومات رکھتا تھا اسی کے مطابق تمثیل کے طور پر شہروں اور علاقوں اور مسافت کا ذکر فرمایا۔

اس حوض پر پانی پینے کے لئے سب سے پہلے آنے والے لوگ فقراء مہاجرین ہوں گے۔ "فقراء مہاجرین کو یہ شرف خصوصی اس لئے حاصل ہوگا کہ دنیا میں دین کی خاطر انہوں نے ہی سب سے زیادہ بھوک پیاس کی صعوبت برداشت کی ہے سب سے زیادہ پریشانی اور تباہ حالی کا شکار یہی لوگ ہوئے ہیں، اس لئے، آخرت میں سب سے پہلے انہی لوگوں کو حوض کوثر پر سیراب کیا جائے گا اور سب سے پہلے انہی کو وہاں خوش آمدید کہا جائے گا

یہ اسی مفہوم کو ایک دوسری حدیث میں یوں بیان فرمایا گیا کہ: اجوعکم فی الدنیا اشبعکم فی الآخرۃ۔ "تم میں سے جو لوگ دنیا میں سب سے زیادہ بھوکے رہتے ہیں وہی آخرت میں سب سے زیادہ شکم سیر ہوں گے۔" نیز اللہ تعالیٰ جنت میں ایسے ہی لوگوں کو حکم دے گا۔ کُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ "خوب مزے سے کھاؤ اور پیو اس صورت حال کے صلہ میں جس سے تم گزشتہ ایام (یعنی دنیاوی زندگی) میں دوچار تھے۔"

واضح رہے کہ "مہاجرین" سے مراد وہ لوگ ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے اور آنحضرت ﷺ ان کے قائد تھے، نیز انہی کے حکم میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے دین کی خاطر اپنے وطن اصلی سے ہجرت اختیار کر لی اور مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ جا کر بس گئے اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے راحت و چین اور خوشحالی کی زندگی پر فقر و افلاس کو اور شہرت و ناموری پر گمنامی و گوشہ گیری کو ترجیح دے کر اختیار کیا اور رضائے الٰہی کے لئے جاہ و مال کے حصول کی جد و جہد کو ترک کر کے علم و عمل کے حصول میں منہمک ہوئے۔

"اور جن لوگوں کے لئے دروازے نہیں کھولے جاتے" یعنی اگر وہ لوگ بفرض محال کسی ضرورت کے تحت یا بلا ضرورت ہی کسی دنیادار کے دروازے پر جائیں تو ان کی ظاہری شکستہ حالی کی بنا پر وہ (دنیادار) ان کو اس قابل بھی نہ سمجھے کہ اپنے یہاں گھسنے دے اور اپنے پاس آنے دے۔ گویا اس بات سے کنایہ ہے کہ یہ لوگ اپنی ظاہری حالت کی وجہ سے دنیا داروں کے یہاں کسی دعوت و ضیافت میں بلائے جانے کے قابل نہیں سمجھے جاتے اور سماجی و مجلسی تعلقات میں ان کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جاتا۔

حوض کوثر پر آنے والے لوگوں کا کوئی شمار نہیں ہوگا

حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ (ایک سفر میں) ہم لوگ رسول اکرم ﷺ کے

ساتھ تھے کہ ایک جگہ ہمارا پڑاؤ ہوا، وہاں رسول اکرم ﷺ نے (اس وقت موجود صحابہؓ سے) فرمایا کہ آخرت میں جو لوگ میرے پاس حوضِ کوثر پر آئیں گے ان کی تعداد کے اعتبار سے تم لاکھ جزوں میں سے ایک جزو بھی نہیں ہو۔ حضرت زید بن ارقمؓ سے سوال کیا گیا کہ اس موقع پر آپ لوگوں کی تعداد کیا تھی؟ انھوں نے کہا کہ سات سو یا آٹھ سو۔ (ابوداؤد)

تشریح...... اس سے تحدید و تعیّن مراد نہیں ہے بلکہ حوضِ کوثر پر آنے والے لوگوں کی کثرت و بہتات کو بیان کرنا مراد ہے، کہ وہاں پانی پینے کے لئے آنے والے لوگوں کی تعداد بے شمار ہوگی۔

ہر نبی ﷺ کو ایک حوض عطا ہوگا

"اور حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا (آخرت میں) ہر ایک نبی ﷺ کو حوض عطا ہوگا (اور ہر امت اپنے اپنے نبی ﷺ کے حوض پر آکر پانی پئیں گے) پس تمام انبیاءؑ آپس میں فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر زیادہ آدمی آتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ سب سے زیادہ آدمی میرے حوض پر آئیں گے۔" (ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ کہ رسول اکرم ﷺ کی امت کے لوگوں کی تعداد چونکہ دوسری تمام امتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوگی۔ اس لئے رسول اکرم ﷺ کے حوض پر پانی پینے کے لئے آنے والوں کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہوگی! اور یہ بات بالکل یقینی ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، وہیں آپ کا یہ کہنا کہ "مجھے امید ہے" اور جس سے شک و تردد کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے) محض تواضع و انکساری کی بنا پر ہے۔

قیامت کے دن رسول اکرم ﷺ کہاں کہاں ملیں گے

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ قیامت کے دن عام شفاعت کے علاوہ خاص طور پر الگ سے بھی میری شفاعت فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا! اچھا میں شفاعت کروں گا۔" میں نے عرض کیا کہ یا رسول

اللہ! آپ کو کہاں تلاش کروں اور آپ (ﷺ) مجھے کہاں ملیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! سب سے پہلے مجھے پل صراط پر تلاش کرنا میں نے عرض کیا کہ اگر آپ پل صراط پر نہ مل پائیں؟ فرمایا! تو پھر میزان کے پاس تلاش کرنا" میں نے عرض کیا اگر آپ (ﷺ) میزان کے پاس بھی نہ ملیں؟ فرمایا! اگر میں دونوں جگہ پر نہ مل پاؤں تو پھر حوض پر مجھے تلاش کرنا! میں ان تینوں جگہوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔" اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: ...... رسول اکرم ﷺ کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ قیامت کے دن یہ تین موقعے اور یہ تین مقام ایسے ہونگے جہاں لوگوں کو بہت زیادہ پریشانی اور ہولناکی سے دوچار ہونا پڑے گا اور یہی وہ مقام ہونگے جہاں پیش آنے والے حالات و معاملات سفارش وشفاعت کے طلب گار ہونگے لہٰذا میں ان تینوں جگہوں پر باری باری موجود رہوں گا، کبھی یہاں کبھی وہاں اور اس طرح میں اس دن ان مقامات پر لوگوں کی دیکھ بھال رکھنے اور ان کے معاملات نمٹوانے میں مصروف رہوں گا۔

اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ یہ حدیث بظاہر حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ قیامت کے دن اپنے اہل وعیال کو یاد رکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن ان تینوں موقعوں پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ والی حدیث "غائبین" پر محمول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن ان تینوں موقعوں پر جو لوگ آپ ﷺ کے سامنے نہیں ہونگے اور آپ ﷺ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کریں گے آپ ﷺ از خود ان کو یاد نہیں کریں گے اور یہ حضرت انسؓ والی حدیث "حاضرین" پر محمول ہے یعنی آپ ﷺ کی امت میں جو لوگ ان تین موقعوں پر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونگے اور اپنی طرف متوجہ کریں گے تو آپ ﷺ ان کی طرف توجہ دیں گے اور ان کی خصوصی شفاعت فرمائیں گے اور طیبیؒ نے ان دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے

لئے یہ لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو مذکورہ جواب اس لئے دیا کہ وہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں، اور یہ خدشہ تھا کہ کہیں وہ مخصوص حضور ﷺ کی شفاعت اور خصوصی توجہ پر اعتماد و بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں اور عمل و ریاضت کی طرف سے بے فکر ہو جائیں! چنانچہ آپ ﷺ اپنے اہل بیت اور قرابتداروں سے یہی فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! میں تمہارے اخروی معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوں محض میرے اوپر اعتماد کر کے نہ بیٹھ جانا، آخرت میں تمہارا عمل ہی فائدہ پہنچائے گا اس کے برخلاف آپ ﷺ نے حضرت انسؓ کو یہ جواب اس لئے دیا کہ وہ ناامید نہ ہو جائیں اور انہوں نے جس قلبی تعلق و اخلاص کی بنا پر یہ درخواست کی تھی اس کا تقاضہ یہی تھا کہ انہیں جواب بھی اس طرح کے محبت و تعلق کو ظاہر کرنے والا دیا جائے۔

بہر حال یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ وہ دن اپنی ہولناکی شدت و سختی اور زحمت و مشقت کے اعتبار سے نہایت سخت ہوگا اگرچہ رسول اکرم ﷺ کو شفاعت کا مقام حاصل ہوگا اور آپ ﷺ کا شفاعت کرنا برحق ہے لیکن اس دن نجات پانے کے لئے اس دنیا میں عملی زندگی کو سنوارنے اور درست کرنے کی ضرورت بھی مسلم ہے، محض حضور ﷺ کی شفاعت پر اعتماد کافی نہیں اور صرف اعمال پر اعتماد کر کے حضور ﷺ کی شفاعت سے بے نیازی کوئی معنی نہیں رکھتی پس آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ کو جو جواب دیئے وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک تھے اور ہر جواب میں مخاطب کے حال کی رعایت ملحوظ تھی۔

مرتدین کو حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "میں حوض کوثر پر تمہارا امیر سامان ہوں گا (یعنی وہاں تم سب سے پہلے پہنچ کر تمہارا استقبال کروں گا) جو شخص بھی میرے پاس سے گزرے گا وہ اس حوض کوثر کا پانی پیئے گا اور جو شخص بھی اس کا پانی پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہیں رہے گا۔ وہاں میرے پاس میری امت کے کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے

جنہیں میں پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے لیکن پھر میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل کردی جائے گی تاکہ وہ مجھ سے اور حوض کوثر سے دور رہیں میں یہ دیکھ کر کہوں گا کہ یہ لوگ تو میرے اپنے ہیں!؟ یعنی یہ لوگ میری امت کے افراد ہیں یا یہ کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میرے صحابی رہے ہیں، پھر ان کو میرے پاس آنے سے کیوں روکا جارہا ہے!؟ اس کے جواب میں مجھے بتایا جائے گا کہ آپ ﷺ کو نہیں معلوم انہوں نے آپ ﷺ کے بعد کیا کیا نئی باتیں پیدا کی ہیں یہ سن کر میں کہوں گا کہ وہ لوگ دور ہوں مجھ سے دور خدا کی رحمت سے دور، جنھوں نے میری وفات کے بعد دین وسنت میں تبدیلی کی۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ حوض کوثر کی طرف آئیں گے لیکن ان کو آنحضرت ﷺ اور حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا، ان کے بارے میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ وہ کون لوگ ہونگے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسلمان ہو گئے تھے اور جب تک آپ ﷺ دنیا میں رہے مسلمان ہی رہے لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد وہ مختلف گمراہ کن تحریکوں جیسے مسیلمہ کذاب کے جھوٹے دعویٰ نبوت وغیرہ کے شکار ہوکر اسلام سے پھر گئے اور مرتد ہو گئے تھے، پس اس حدیث کا مضمون اس حدیث کی طرح ہے کہ جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میدان حشر میں جب میں اپنے کچھ لوگوں کو دوزخ کی طرف لیجاتے ہوئے دیکھوں گا تو کہوں گا کہ "یہ تو میرے صحابہؓ ہیں، یہ تو میرے صحابہؓ ہیں؟!" لیکن پھر مجھے بتایا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ کے سامنے مسلمان تھے لیکن آپ ﷺ کے بعد اسلام سے پھر گئے تھے۔ لہٰذا اس حدیث کے ضمن میں جو تشریح وتاویل کی گئی ہے اس کو یہاں بھی پیش نظر رکھا جائے۔

ایک احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ لوگوں سے مراد اہل بدعت ہوں جو دین میں نئی نئی باتیں نکالتے ہیں لیکن یہ بات چونکہ ثابت ہے کہ اس امت کا کوئی بھی گنہگار خواہ اس کا گناہ کتنا ہی بڑا ہو حوض کوثر پر آنے اور اس کا پانی پینے سے روکا نہیں جائے گا

اس لئے یہ احتمال سرے سے رد ہو جاتا ہے ہاں اگر "بدعت" کا تعلق دین وملت میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرنے سے ہو جس سے اصول دین کی نفی ہوتی ہو اور نبوت وشریعت پر براہ راست اس طرح کی زد پڑتی ہو کہ اس پر کفر کا اطلاق ہو جائے تو اس وجہ کے اہل بدعت یقیناً "مرتد" ہی کہلائیں گے اور ان لوگوں کو اس حدیث کا محمول قرار دیا جاسکتا ہے۔

([illegible] مظاہر حق جدید جلد پنجم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

❖ ❖ ❖

خصوصیت نمبر ۸۶

رسول اکرم ﷺ تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھیاسی نمبر خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے" بیشک رسول اکرم ﷺ کی تمام خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے دیگر جتنے بھی انبیاء کرام آئے مخصوص لوگوں اور مخصوص زمانے تک کے لئے آئے صرف اور صرف ہمارے آخری نبی ﷺ ہی کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور قیامت تک کے لئے مبعوث فرمایا تو معلوم ہوا رسول اکرم ﷺ کی اس خصوصیت میں بھی دوسرا کوئی نبی شریک نہیں، بے شک اس خصوصیت کا مظہر صرف اور صرف ہمارے پیارے رسول ﷺ ہیں جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی کی سیرت و صورت اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

چھیاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ تک جتنے بھی انبیاء مبعوث ہوئے وہ خاص خاص زمانوں، مخصوص مقامات اور اپنی اپنی قوم کے لئے تھے مگر حضور ﷺ کو نبی کل کائنات بنا کر بھیجا گیا اس بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا ولکن اکثر الناس لا یعلمون (سبا:۲۸) "اور ہم نے آپ کو تمام

لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

تمام لوگوں میں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر تا قیامت آنے والے سب شامل ہیں ان سب انسانوں کے لئے حضور ﷺ کو پیغمبر بنایا گیا اس لیے آپ خاتم النبیین ہونے کے ساتھ ساتھ سرور کونین ﷺ بھی ہیں احادیث میں مذکور ہے کہ تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا جانا صرف حضور ﷺ کے لیے ہی خاص ہے دوسرے انبیاءؑ کی نبوت صرف انکی اقوام تک خاص تھی، وہاں یہ عموم نہ تھا بلکہ جیسے لوگوں یا انسانوں کے لفظ میں ازل دنیا سے آخرت تک تمام انسان شامل ہیں ان میں نیک و بد سب سے بلکہ حضرت حضرات انبیاءؑ بھی آگئے ہیں اور ان کی امتیں بھی حضور ﷺ ان کی لیے بھی پیغمبر ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ ﴿قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا﴾ (اعراف. ۱۵۸)

آپ کہہ دیجئے اے انسانو میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی جانب، بیشک حضور ﷺ کا یہ خطاب بھی بلا واسطہ اور بہ واسطہ انبیاء وعلماء ازل سے آخر تک تمام انسانوں سے ہے اور حضور سب کے لیے نبی ہیں۔ اپنے اس حکم کی اللہ تعالیٰ نے مزید تشریح قرآن ہی میں کر دی ہے مثلاً:۔ اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا انبیاء سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم دوں، پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے، جو مصدق ہو اس علامت کا، جو تمہارے پاس ہے تو ضرور تم اس پر اعتقاد رکھنا اور اس کی مدد بھی کرنا۔ فرمایا: تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا؟ بولے: ہم نے اقرار کیا ارشاد ہوا: تو گواہ رہنا اور میں اس پر تمہارے ساتھ گواہ ہوں (آل عمران ۸۱)

انبیاء متبوع ہیں اور امتیں ان کی تابع فرمان، اس لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہ عہد لینا ان کی امتوں سے ان کے واسطے سے عہد لینا ہے۔ فتاویٰ حدیثیہ میں ہے کہ علامہ سبکیؒ نے ثابت کیا ہے کہ محمد ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام اور بعد کے حضرات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے .. اور پھر حضور ﷺ تو اس وقت بھی موجود تھے، جب حضرت آدم کے جسم میں روح ڈالی جا رہی تھی، ابن سعد نے شعبیؒ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے عرض

کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ کب نبی بنائے گئے؟ حضور ﷺ نے فرمایا آدم اس وقت روح اور جسم کے درمیان تھے، جب مجھ سے عہد لیا گیا تھا۔ اس روایت کی تصدیق حضرت امام زین العابدینؓ کی روایت سے بھی ہو جاتی ہے۔ آپؓ نے فرماتے ہیں "میرے والد حضرت امام حسینؓ نے میرے دادا حضرت علیؓ سے روایت منسوب کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "میں آدمؑ کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور (روح) تھا حضرت جابرؓ بن عبد اللہ سے روایت ہے۔ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، مجھے بتا دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی؟ حضور ﷺ نے فرمایا "اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا ہے۔ (شارحین حدیث حضور ﷺ کے نور کو روح مبارک اور اللہ تعالیٰ کے نور کو فیض کے معنی دیتے ہیں) پھر وہ نور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جہاں جہاں منظور ہوا سیر کرتا رہا اور اس وقت لوح تھی نہ قلم، بہشت تھی نہ دوزخ، فرشتے تھے نہ آسمان، سورج، چاند، زمین اور جن وانس کوئی بھی نہیں تھا۔ (المواہب اللدنیہ)

امام احمد اور امام بیہقی نے اور حاکم نے صحیح الاسناد کہہ کر اور مشکوٰۃ میں شرح السنۃ سے نقل کر کے حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "میں حق تعالیٰ کے یہاں خاتم النبیین ہو چکا تھا۔ کہ آدم علیہ السلام ابھی خمیر ہی میں تھے یعنی ان کا پتلا بھی تیار نہ ہوا تھا۔ حضرت جابرؓ راوی ہیں:

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایسی پانچ چیزوں سے نوازا گیا ہے، جو پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ (۱) ایک مہینے کی مسافت تک رعب کی مدد مجھے عطا کی گئی (۲) ساری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزہ بنا دی گئی سو میری امت کا ہر آدمی جہاں نماز کا وقت آجائے نماز وہیں پڑھ لے۔ (۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ (۴) مجھے شفاعت کا مرتبہ دیا گیا۔ (۵) میں تمام انسانوں کے لئے بھیجا گیا جبکہ انبیاء سابقین اپنی اپنی قوم کے لئے تھے۔ (بخاری، مسلم)

امام رازی تفسیر کبیر میں رقمطراز ہیں کہ حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا "میں تمہارے پاس پاک صاف شریعت لایا ہوں۔ خدا کی قسم اگر موسیٰ بن عمران بھی زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری اتباع کے سوا کوئی گنجائش نہ رہتی۔ چنانچہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، جو صحیح اور بہت سی حدیثوں میں مذکور ہے اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔ وہ بھی حضور اکرم ﷺ کی شریعت کی پیروی کریں گے۔ مفتی جمیل احمد تھانوی کی تحقیق ہے کہ علامہ سبکی کہتے ہیں "ہم کو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے رب کی جانب سے تمام کمالات کی عطا ہوئی اور دعوت پر انبیاء سے عہد لینا خلق آدم کے زمانے سے ہے۔ تاکہ سب نبی جان لیں کہ حضور ﷺ ان سے بڑھ کر ہیں اور ان کے بھی نبی اور رسول ہیں۔ اس لئے حضور نبی الانبیاء ہیں۔ فتاویٰ حدیثیہ شیخ ابن حجر مکی میں ہے کہ علامہ تقی الدین سبکی نے بھی اس کو ترجیح دی ہے کہ حضور ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام قدیم امتوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ میں سب انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں، سب کو شامل کیا ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک اور علامہ بارزی نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے اور مزید یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ تمام حیوانات اور جمادات کی طرف بھی بھیجے گئے ہیں اور اس کے لئے حضور ﷺ کے رسول ہونے پر گوہ کی گواہی اور درختوں اور پتھروں کی گواہی کو دلیل بنایا ہے۔ جلال الدین سیوطی کہتے ہیں: "میں اس پر مزید کہتا ہوں کہ حضور ﷺ خود اپنی طرف بھی مبعوث کئے گئے۔ الغرض حضور ﷺ تمام جہانوں کے نبی ہیں۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضور ﷺ نبی الانبیاء ہیں اور ان سب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور اس پر قرآن و حدیث کی بہت دلیلیں قائم ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔ تو نتیجہ صاف لازم آ گیا کہ حضور ﷺ فرشتوں کے لئے بھی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور تمام فرشتے بطریق اولیٰ حضور ﷺ کے پیروکاروں میں ہوئے اور حضور ﷺ کو اور تمام انبیاء پر کچھ خصوصیات بھی حاصل ہیں، جو فرشتوں کے معاملے میں بھی ہیں، مثلاً فرشتوں کا حضور ﷺ کے ساتھ ہو کر جہاد میں

قتال کرنا اور حضور ﷺ تشریف لے چلتے تو فرشتوں کا پیچھے پیچھے چلنا، اسی کی دلیل ہے کہ وہ سب حضور ﷺ کے تابعداروں میں ہیں۔ آپ کی شریعت میں ہیں۔ اور آپ کی تقویت کے لئے ہیں۔ اللہ اللہ کیا شان ہے رسالت مآب کی۔

”ایک یہودی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں۔ ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے ایک ہندو تمام دنیا کو ملیچھ، شودر، چنڈال کہہ کر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے۔ ایک زرتشتی تمام عالم کو مظہر ظلمات کہہ کر بھی نورانی ہو سکتا ہے اور وہ ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی ان کی پیروی کا دعوے کرے اور ان سے پہلے کے کسی پیغمبر کا انکار کر سکے۔ حضور ﷺ تہجد میں دعا پڑھتے تھے، اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا۔ ”سب نبی برحق تھے اور محمد بھی برحق ہے۔“ غرض کوئی شخص اس وقت تک محمدی نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ پہلے موسوی، عیسوی، داؤدی، ابراہیمی و ہندی نہ بن جائے اور کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت، حقانیت، راست بازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے۔ (سیرت النبی ج ۳)

ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ سے پہلے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث کئے گئے۔ ان میں سے قرآن میں صرف ان انبیاء کا ذکر ہے جن سے عرب، یہودی اور عیسائی واقف تھے۔ بقیہ نبیوں کا تذکرہ نہیں کیا گیا اور صرف یہ اصولی بات بتادی گئی کہ ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے (ھود، سورہ یونس) لیکن حضور ﷺ سب کے نبی تھے اور نبی ہیں۔ آج انبیائے سابقین کے بارے میں یہ حضور ﷺ کی تعلیمات ہی کا نتیجہ ہے کہ عرب جو کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذاق کر کے تمسخر اڑاتے تھے، وہ کہ جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان جلالت کا تذکرہ سن کر غصہ آتا تھا وہ انبیائے سابقین کے ایسے قائل ہوئے کہ اپنی اولاد کے نام عیسیٰ اور موسیٰ رکھنے لگے اور آج بھی انبیائے سابقین کا احترام ہر فرزند توحید کے ایمان میں شامل

بجا طور پر یہ اقرار کرتا ہے کہ۔

زمیں و زماں تمہارے لیے مکین و مکاں تمہارے لیے

علامہ محمد سلیمان منصور پوری اپنی مایہ ناز کتاب رحمۃ للعالمین جلد سوم میں آیت: وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ کے ذیل میں تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کتاب خروج باب سوم میں ہے: موسیٰ علیہ السلام نے ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوئے دیکھے اور دیکھا کہ وہ بوٹا جل نہیں جاتا ہے وہ یہ دیکھنے کو آگے بڑھے تب خدا نے بوٹے کے اندر سے پکارا۔

میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں ہیں یقیناً دیکھی، جو خراج کے محصلوں کے سبب سے ہے، سنی اور میں ان کے دکھوں کو جانتا ہوں۔ اور میں نازل ہوا ہوں کہ انہیں مصریوں کے ہاتھ سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کر اچھی زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے۔ کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرزیوں اور حویوں یبوسیوں کی جگہ میں لاؤں۔

اب دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور میں نے وہ ظلم جو مصری ان پر کرتے ہیں دیکھا ہے۔

پس اب تو جا، میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں، میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں، مصر سے نکال۔ مندرجہ بالا فقرات موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے مقصد و مدعا کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا عمل بھی اسی کی تائید میں ہے کہ انہوں بنی اسرائیل کی رہائی اور ان کو موعودہ زمین کی جانب لے جانے کے سوا دیگر اقوام عالم سے کچھ سروکار نہیں رکھا۔

کتاب استثناء (موسیٰ کی پانچویں اور آخری کتاب) میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہم کو ایک شریعت عطا فرمائی جو کہ یعقوب علیہ السلام کی جماعت کی میراث ہے (باب ۳۳ ورس ۴)۔

اس فقرہ نے شریعت تورات کا خاص اسرائیلیوں کے لئے ہی ہونا ظاہر کر دیا گر یہ

مقرر نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ کوئی مدعی کہہ سکتا کہ شریعت تورات سب دنیا کے لئے ہے۔

یہ مسلّمہ امر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر انبیائے بنی اسرائیل ہوئے وہ سب اسرائیلیوں ہی کے لیے آتے رہے۔

اب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہم کو صراحۃً ظاہر کر دینا ہے کہ ان کی نبوت کن کن لوگوں کے لیے تھی۔

الف: انجیل متی کا باب ۱۵، پڑھنا ضروری ہے جس میں ایک کنعانی عورت کا قصہ موجود ہے۔ یہ عورت اسرائیلی نہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس اس لئے آئی ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی معجزانہ طاقت سے اس کی بیمار بیٹی کو چنگا کر دیں۔ مسیح علیہ السلام نے فرمایا "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" پر وہ آئی اور اسے سجدہ کر کے کہا اے خداوند میری مدد کر۔" مسیح علیہ السلام نے جواب دیا "مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیں۔"

اس تمام واقعہ پر ٹھنڈے دل سے اور پوری سمجھ سے تامل کرنا چاہیے کہ مسیح علیہ السلام نے صاف لفظوں میں فرما دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے سوا اور کسی قوم کے پاس نہیں بھیجے گئے۔ انہوں نے صاف طور پر بنی اسرائیل کو فرزند سے اور دیگر اقوام کو کتوں سے تشبیہ دی اور دیگر اقوام کا اپنی برکات سے محروم ہونا اور محروم کرنا اس مثل سے واضح کر دیا کہ لڑکوں کی روٹی کتوں کو نہیں دی جایا کرتی۔

انجیل متی میں ذکر ہے کہ جب مسیح علیہ السلام نے اپنے بارہ شاگردوں کو تبلیغ کے لئے روانہ فرمایا تو یوں کہا! "غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔"

اس سے ظاہر ہے کہ غیر اقوام میں تبلیغ کی قطعاً ممانعت فرمائی گئی اور اسرائیلیوں میں سے بھی سامریوں کے پاس جانے سے روکا گیا۔ یہ اسناد اس امر کے ثابت کرنے کو کافی ہیں کہ جناب مسیح علیہ السلام کی نبوت اور ان کے بارہ شاگردوں کے فرض تبلیغ کا رقبہ صرف

اسرائیلیوں کے اندر اندر محدود تھا۔ انبیائے بنو اسرائیل کے بعد دیکھو کہ دنیا میں اور کون سے مذہب میں تبلیغی شان موجود ہے، لیکن بدھ مذہب کی صدہا سالہ تاریخ پر عبور کر جاؤ۔ انہوں نے ہندو جاتی کے سوا کبھی اپنے عروج کے زمانہ میں بھی کسی دوسری قوم تک تبلیغ کو نہیں پہنچایا اور کسی غیر مذہب اسرائیلی، بابلی، مصری، حجازی، مغربی وغیرہ کے معتقد کو داخل مذہب خود نہیں کیا۔ سلسلہ تعامل کی یہ زبردست شہادت بدھ ازم کو محدود رقبہ اور محدود قوم کے لئے خاص بتا رہی ہے اور اگر آریہ سماج کی تحقیقات کسی حقیقت کا انکشاف کر سکتی ہے، تب تو یہ بھی ہے کہ بدھ ازم کوئی علیحدہ ازم نہ تھا بلکہ بدھ مہاراج وید مت کے تازہ کرنے والے تھے۔ اب وید مت کو لیجئے، وید مت کے عروج کا زمانہ مہابھارت کی جنگ سے پیشتر کا ہے۔ وید اور چھ شاستر اور منوسمرتی خاموش ہیں کہ وید مت کو کبھی تبلیغی مذہب بنایا گیا ہو، یا کبھی اقوام غیر میں اس کی تبلیغ کی گئی ہو۔

منوجی مہاراج کی سمرتی کو آریہ اور سناتنی صاحبان بالاتفاق قابل سند تسلیم کرتے ہیں اس سمرتی میں تمام آبادی کو چار ورنوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور تحصیل علم وفضل اور قرأت وید کا کام صرف برہمن ورن کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یہ تقسیم، یہ پابندی بتلا رہی ہے کہ منوجی مہاراج اور ان کے ماتحت رشیوں نے جو سمرتی مذکور کے سیکھنے کے لئے مجتمع ہوئے تھے، وید مت کو کبھی تبلیغی مت نہیں قرار دیا تھا۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے مذاہب کا ذکر یہاں چھوڑ دیا جاتا ہے مذکورہ بالا شاندار اقوام کا سلسلہ تعامل بھی یہی یقین دلاتا ہے غور کرو کہ شریعت موسوی کا امام کبھی کسی غیر اسرائیلی کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ روما کے کلیسا نے پطرس کا جانشین یعنی مسیحی برکات کا مخزن کبھی کسی غیر یورپین کو تسلیم نہیں کیا اور ایشیائی نسل کا کوئی شخص کبھی پوپ نہیں بنایا گیا۔

ہندو قوم میں کبھی کوئی یہودی یا عیسائی یا مغربی نسل کا شخص رشی یا مہارشی بلکہ کسی مندر کا پجاری بھی نہیں بنایا گیا۔ یہ عملی تجربے ثابت کر رہے ہیں کہ ان مذاہب کے پیشتر بزرگوں نے حقیقۃً اپنے اپنے مذاہب کو محدود رقبہ اور محدود قوم کے لئے خاص سمجھا ہوا تھا۔ حضور ﷺ

کے اس منصب کا کہ حضور ﷺ کل دنیا کے لئے مبعوث ہیں آپ زیب عنوان کے لئے دیگر آیات میں بھی اعلام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا نِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اے نبی کہہ دیجئے کہ اے نسل انسانی کے بچو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں وہ اللہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔

(بحوالہ رحمۃ للعالمین، ج ۳)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

* * *

خصوصیت نمبر ۷۸

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی القبلتین بنایا

قابلِ احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے ستاسی نمبر خصوصیت پیش کی جارہی ہے جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی القبلتین بنایا" بے شک ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم ہے، اس وقت جبکہ میں اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں سعودیہ ٹائم کے مطابق ساڑھے چار بج رہے ہیں، مسجد نبوی میں عصر کی نماز سے فراغت ہوئی ہے اور میں نے عصر کی نماز روضہ رسول ﷺ کے نزدیک اس طرف ادا کی، جہاں باب جبرائیل ہے، اور اب میں روضہ کے سامنے بیٹھا ہوں بلکہ یوں کہوں کہ اپنے پیارے آقا ﷺ کے مقدس روضے کے سائے تلے بیٹھا ہوں، زبان پر درود جاری ہے ہاتھ میں قلم ہے، لوگوں کا اژدھام ہے اور میں اپنے آبلہ پا قلم سے صفحۂ قرطاس پر آپ ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اور اللہ کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ روزِ قیامت یہ میری ٹوٹی پھوٹی کاوش میرے لئے نجات کا ذریعہ بن جائے گی ان شاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! حضور ﷺ کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی بہت عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی محمد ﷺ کی دلی حالت کے مطابق عین نمازوں میں قبلے کو تبدیل فرمادیا، یعنی پہلے قبلہ بیت المقدس تھا لیکن حضور ﷺ کی خواہش تھی کہ قبلہ بیت اللہ ہونا چاہیے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فوراً آپ ﷺ کی اس خواہش کو عملی جامہ پہنایا اور وحی نازل فرمائی کہ آپ (ﷺ) کی خواہش کے مطابق اب قبلہ بیت اللہ ہوگا، یہ خاص آپ ﷺ کے لئے ہی ایسا ہوا جبکہ دیگر انبیاء کو یہ خصوصیت نصیب نہیں ہوئی تو اس طرح رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی القبلتین بنایا، یقیناً یہ خصوصیت ہمارے حضور ﷺ کی

بہترین امتیازی خصوصیت ہے جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کو تفصیل سے پیش کیا جارہا ہے ملاحظہ فرمائیے:۔

ستاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سعادتوں اور برکتوں کا کلید بردار بنایا تھا اور ان کو ارض مقدس کی تولیت کا منصب عطا کیا تھا جس کے حدود خدا نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ تورات میں بار بار اعلان کر کے یہ بھی ان کو سنا دیا گیا تھا اگر انہوں نے خدا کے احکام کی اطاعت اور پیغمبروں کی تصدیق نہ کی تو یہ منصب ان سے چھین لیا جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام و حضرت اسحاق علیہ السلام کو دو بیٹے عطا ہوئے تھے اور ارض مقدس کو ان دونوں بیٹوں درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا یعنی شام کا ملک حضرت اسحاق اور عرب کا ملک حضرت اسماعیلؑ کو ملا تھا۔ شام میں بیت المقدس اور عرب میں کعبہ واقع تھا۔ حضرت اسحاقؑ کے فرزندوں کو جن کا مشہور نام بنی اسرائیل ہے (اسرائیل حضرت اسحاقؑ کے بیٹے یعقوبؑ کا لقب تھا) بیت المقدس کی تولیت عطا ہوئی تھی اور بنو اسماعیل کو کعبہ کا متولی بنایا گیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں جس قدر پیغمبر پیدا ہوئے ان میں سے بنو اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس اور بنو اسماعیل کا کعبہ تھا۔ گویا آنحضرت ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء علیہم السلام عرب یا شام میں مبعوث ہوئے وہ ان دونوں قبلوں میں سے صرف ایک کے متولی تھے۔ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمام دوسرے پیغمبروں کے متفرق اوصاف و خصوصیت کا جامع اور برزخ بنایا تھا۔ اسی طرح حضرت اسحاقؑ و اسماعیلؑ دونوں کی برکتوں اور سعادتوں کا گنجینہ بھی ذات محمدی ﷺ ہی کو قرار دیا۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ کی وراثت جو صدیوں سے دو بیٹوں میں بٹی چلی آئی تھی وہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پھر یک جا ہو گئی اور گویا وہ "حقیقت ابراہیمیہ" جو خاندانوں اور نسلوں میں منقسم ہو گئی تھی ذات محمدی ﷺ میں

پھر یکجا ہو گئی اور آپ ﷺ کو دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی اور نبی القبلتین کا منصب عطا ہوا یہی نکتہ تھا جس کے سبب سے آنحضرت ﷺ کو کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا اور اسی لئے معراج میں آپ کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے جایا گیا اور مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم السلام کی صف میں آپ کو امامت پر مامور کیا گیا تاکہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلان عام ہو جائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکار محمدی ﷺ کو عطا ہوتی ہے اور نبی القبلتین نامزد ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں سورہ اسراء کی ابتداء اور واقعۂ معراج کا آغاز اسی حقیقت کے اظہار سے ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے بندہ کو مسجد حرام سے اُس مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اردگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں تاکہ ہم اپنے اس بندہ کو اپنی چند نشانیاں دکھائیں، بے شک خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے“۔ (بنی اسرائیل)

بنو اسرائیل کو ارض مقدس کی تولیت کا شرف بہت سے شرائط اور معاہدوں کے ساتھ عطا ہوا تھا اور یہ کہہ دیا گیا تھا کہ جب وہ غیر معبودوں کی طرف جھکیں گے اور احکام الٰہی کی عدم پیروی کے ملزم ہوں گے۔ تو یہ منصب اُن سے چھین لیا جائے گا اور محکومی و غلامی کی زنجیر اُن کی گردنوں میں ڈال دی جائے گی۔ حضرت داؤد و سلیمان علیہم السلام کے عہد میں اُن کو نیابت اور وراثت عطا کی گئی تھی عدم ایفائے عہد کی پاداش میں بابل کے بادشاہ بخت نصر (بنو خذ نذر) کے ہاتھوں اُن سے چھین لی گئی۔ ارض مقدس سے وہ جلاوطن کر دیے گئے۔ شہر اورشلیم کھنڈر کر دیا گیا۔ بیت المقدس کی ایک ایک اینٹ چور چور کر دی گئی اور تورات کے پُرزے پُرزے اڑا دیے گئے۔

اس پُرغم سانحہ پر بنی اسرائیل نے ماتم کیا۔ خدا کے سامنے دستِ تضرع دراز کیا۔ بنی اسرائیل کو توبہ و انابت کی دعوت دی تو پھر اُن کو معاف کیا گیا اور ایرانیوں کے عہد میں ارض مقدس کی دوبارہ تولیت سے وہ سرفراز ہوئے۔ لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ بتوں کو سجدہ کئے۔ تورات کے احکام سے روگردانی کی تو اُن پر یونانیوں اور رومیوں

کو مسلط کیا گیا جنہوں نے بیت المقدس کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ یہودیوں کا قتل عام کیا۔ قربان گاہ کے مقدس ظروف توڑ پھوڑ دیئے۔ اب اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی ہے اور بنو اسرائیل کی توبہ و انابت کا آخری موقع دیا جاتا ہے۔ اگر انہوں نے حق پسندی کی راہ دی تو خدا ان پر رحم فرمائے گا ورنہ ہمیشہ کے لئے وہ اس منصب سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:

"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت نامہ ٹھہرایا کہ ہمارے سوا کسی کو کارساز نہ بنائیں۔ اے ان لوگوں کی اولاد! جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا دیکھو کہ ان کا جنہوں نے اپنا کارساز دوسروں کو بنالیا تھا کیا حشر ہوا؟ تم کو اس احسان کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا کیونکہ تمہارا باپ نوح شکرگزار بندہ تھا اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے متعلق فیصلہ کر دیا تھا کہ تم دو دفعہ زمین میں فساد کرو گے اور بڑی زیادتیاں کرو گے، جب ان میں سے پہلے فساد کا وقت آیا تو ہم نے تم پر اپنے بندوں کو کھڑا کر دیا۔ جو بڑے سخت گیر تھے وہ تمہارے شہروں کے اندر پھیل گئے اور خدا کا وعدہ پورا ہوا۔ پھر ہم نے تمہارے دن پھیرے اور تم کو مال و اولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد بہت بڑھا دی (اور کہہ دیا کہ) اگر تم نے اچھے کام کئے تو اپنے ہی لئے اور برے کام کئے تو اپنے لئے، پھر جب (تمہارے) دوسرے فساد کا وقت آیا (تو پھر ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو کھڑا کر دیا) کہ وہ تمہارے چہروں کو خراب کر دیں اور یہ بھی بیت المقدس میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح تمہارے پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر وہ قابو پائیں اس کو توڑ پھوڑ ڈالیں (اب محمد ﷺ کی بعثت کے بعد) ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم نے پھر ویسا ہی کیا تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے اور حق کے منکروں کے لئے ہم نے جہنم کا احاطہ تیار رکھا ہے"۔ (بنی اسرائیل)

یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی تھی، وہاں بنی اسرائیل سے تعلقات نہ تھے، اسی لئے مکی سورتوں میں بنو اسرائیل کو عموماً مخاطب نہیں کیا گیا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ بنو اسرائیل کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اب اسلام کے نئے دور کا آغاز ہوگا اور از سر نو خدا کے سامنے

اپنی شرمساری کے اظہار کا موقع ملے گا اور خدا اُن پر رحمت کا دروازہ کھولے گا۔ لیکن اگر انہوں نے قبولِ حق سے انکار کیا تو اُن کے لئے پھر وہی سزا ہے جو اُن کو اس سے پہلے دو دفعہ مل چکی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے عملاً اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور حق کو قبول نہیں کیا، حالانکہ خدا نے اُن سے کہا کہ ”تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا“۔ اس لئے خدا نے اُن پر رحمت کا دروازہ نہیں کھولا اور اُن کو تیسری دفعہ میں وہی سزا ملی اور وہ مدینہ و اطراف مدینہ کے باغات وغیرہ سے بے دخل کر دیئے گئے اور بیت المقدس کی تولیت مسلمانوں کے سپرد کی گئی۔

آج مشرکینِ مکہ کے نام آخری اعلان ہے۔ اُن کا مطالبہ تھا کہ اگر اسلام سچا اور ہمارا مذہب باطل ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا، وہ کہتے ہیں کہ ہم پر عذاب آئے۔ اُن کو یہ سنتِ الٰہی بتائی گئی کہ قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں آتا جب تک اس میں مصلحِ الٰہی مبعوث نہیں ہو لیتا اور اس کو بالکل اس کی طرف سے مایوسی نہیں ہو جاتی۔ اس وقت تو مکہ کا دولت مند اور مغرور طبقہ اس حق کی بیخ کنی کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ بہت سے دوسرے لوگ جن کو اُن کی قوت پر بھروسہ ہوتا ہے اُن کا ساتھ دیتے ہیں۔ مومنوں کا طبقہ جو بظاہر کمزور ہوتا ہے اس حق کو قبول کر لیتا ہے۔ ایک دنیا کے نفعِ عاجل کا طالب ہے اور دوسرا آخرت کے نفعِ جاوید کو ترجیح دیتا ہے۔ دنیا میں بظاہر دونوں کو برابر زندگی کی نعمتیں ملتی ہیں مگر ایک دن آتا ہے جب رات اور دن کی روشنی الگ ہو جاتی ہے۔ دنیا میں کوئی ایک دوسرے کا ذمہ دار نہیں، مصلح اور ہادی اپنا فرض ادا کر دیتے ہیں۔ ایمان و کفر کے وہ ذمہ دار نہیں۔ اس دنیا میں ہر شخص اپنا آپ ضامن ہے۔ اس انکار و کفر کی بدولت قریش مکہ بھی تولیتِ کعبہ کے شرف سے معزول کئے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو فتح مکہ کی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے کہ ”یہ قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور اُن مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ اُن کے لئے بڑی مزدوری ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جن کو آخرت پر ایمان نہیں ہم نے اُن کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ انسان بھی برائی

(عذاب) کو بھی اسی طرح چاہتا ہے جس طرح بھلائی کو، انسان بڑا ہی عجلت پسند واقع ہوا ہے، ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا ہے، نشان شب کو ہم مٹا دیتے ہیں اور نشان روز کو روشن کر دیتے ہیں کہ اس روشنی میں اپنے خدا کی مہربانی کو ڈھونڈو اور ماہ و سال کا شمار اور حساب جانو، ہم نے ہر چیز کھول کر بیان کر دی اور ہر انسان کے نیک و بد کو اسی کی گردن میں ڈال دیا ہے، قیامت کے دن ہم اس کے اعمال نامہ کو نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا اور اس وقت ہم اس سے کہیں گے کہ لو اپنا اعمال نامہ پڑھو! آج تم ہی اپنا حساب آپ لے لو تو جو ہدایت کو قبول کرتا ہے وہ خود اپنے لئے کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنے لئے، کوئی ایک دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھاتا اور ہم اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک پیغمبر نہ بھیج لیں اور جب کسی آبادی کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو ہم وہاں کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں فسق و فجور کرتے ہیں (تو اس پر قانون الٰہی کے مطابق) سزا واجب ہو جاتی ہے تو ہم اس آبادی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور یاد کرو نوح کے بعد سے ہم کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے جو اس دنیا کا نفع عاجل چاہتے ہیں تو ان میں سے جس کے لئے ہم چاہتے ہیں (اسی دنیا کا نفع) عاجل اس کو دے دیتے ہیں پھر دوزخ کو اس کا ٹھکانہ بناتے ہیں جس میں وہ بہر طرح بدانجام اور راندۂ درگاہ بن کر داخل ہوگا اور جو آخرت کو چاہے گا اور آخرت کے لئے کوشش کرے گا اور وہ مومن ہوگا تو اس کی کوشش خدا کے یہاں مشکور ہوگی۔ ہم نیک و بد ہر ایک کو تیرے پروردگار کے عطیہ سے دیتے ہیں، تیرے پروردگار کا عطیہ محدود نہیں ہے۔ دیکھو! ہم نے کیونکر دنیا میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، لیکن سب سے بڑا درجہ اور مرتبہ آخرت کا درجہ اور مرتبہ ہے۔ (بنی اسرائیل)

یہود اور قریش دونوں کی معزولی کے بعد بیت المقدس اور خانہ کعبہ دونوں کی تولیت کا منصب عطا کرنے کے لئے شہنشاہ عالم اپنے بندۂ خاص کو اپنے حضور میں طلب کرتا ہے اور اس روحانی حکومت کے شرائط و احکام کا ایک نسخہ عطا کرتا ہے، جیسا کہ اس موقع پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کو عطا ہوا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔

"خدا کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ بنانا ورنہ تو ملزم ٹھہرے گا اور بے یار و مددگار رہ جائے گا اور تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کو اور نہ پوجنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اگر ان میں ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کی بات میں اف تک نہ کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا ان سے ادب کے ساتھ بات کرنا اور ان کے سامنے نرم دلی سے اطاعت کا بازو جھکا دینا اور ان کے حق میں یہ دعا مانگنا کہ پروردگار! میرے والدین پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے جب میں چھوٹا تھا مجھ پر رحم کیا تھا، تمہارا پروردگار تمہارے دلوں کے راز سے خوب واقف ہے، اگر تم نیک ہو تو وہ توبہ کرنے والوں پر بخشش کرتا ہے اور قرابت دار کو اس کا حق ادا کرو اور غریب و مسافر کا حق بھی دے اور فضول خرچی نہ کیا کر فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے آقا کا بڑا ہی ناشکرگزار ہے۔ اگر اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جس کی تجھ کو توقع ہو ان مستحقین میں سے کسی سے تجھ کو منہ موڑنا پڑے تو ان کو نرمی سے سمجھا دے اور اپنا ہاتھ نہ اتنا سکیڑ لے کہ گویا گردن میں بندھا ہے اور نہ اتنا پھیلا ہی دے کہ ہر طرف سے تجھ کو لوگ ملامت کریں اور تو تہی دست ہو جائے، تیرا پروردگار جس کو روزی چاہتا ہے کم کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں کے حال کا دانا و بینا ہے، اور تم افلاس کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو، ہم ہیں جو ان کو اور تم دونوں کو روزی دیتے ہیں، ان کا قتل کرنا درحقیقت بڑا گناہ ہے اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے اور جس جان کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرنا اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو اس کے ولی وارث کو قصاص کا حق ہم نے دے دیا ہے تو چاہیے کہ وہ اس میں زیادتی نہ کرے کیونکہ اس میں اس کی جیت ہے اور جب تک یتیم اپنی عقل و شعور و جوانی کو نہ پہنچ جائے اس کے مال و جائداد کے قریب بھی نہ جانا لیکن اس طریقہ سے جا سکتے ہو جو ان کے حق میں بہتر ہو، عہد کو پورا کیا کرو کہ اس کی بازپرس ہوگی اور جب ناپ کرو تو پورا ناپ کرو اور تول کرو تو سیدھی ترازو سے تول کرو یہ طریقہ اچھا ہے اور اس کا انجام بھی بہتر

ہے اور جس بات کا تجھ کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ ہو لے کیونکہ کان، آنکھ، دل سب سے مواخذہ ہوگا اور زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چل کہ تو اس چال سے نہ زمین کو چیر ڈالے گا اور نہ پہاڑوں کے برابر اونچا ہو جائے گا۔ ان تمام باتوں کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ یہ تمام احکام دانشمندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تجھ پر وحی کی ہیں اور خدا کے ساتھ کوئی اور دوسرا خدا نہ بنانا ورنہ تو ملامتی اور راندۂ درگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔" (سورۂ بنی اسرائیل)

ان احکام کی تفصیل کے بعد آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "یہ تمام باتیں دانشمندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تجھ پر وحی کی ہیں"۔

(از سیرت النبی جلد سوم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

* * *

خصوصیت نمبر ۸۸

رسول اکرم ﷺ کا امتیاز تمام اخلاقی معلموں میں

قابلِ احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اٹھاسی نمبر خصوصیت ہے جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کا امتیاز تمام اخلاقی معلموں میں" اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پیارے آقا حضور سرورِ کائنات ﷺ کی ذیل میں آنے والی یہ خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ جس میں کائنات کے تمام اخلاقی معلموں میں آپ ﷺ کا امتیاز واضح کیا گیا ہے، اگرچہ آپ ﷺ کے خلقِ عظیم سے متعلق پہلے بھی ایک خصوصیت کی تفصیل گزر چکی ہے، لیکن یہاں جو خصوصیت پیش کی جارہی ہے وہ اس حیثیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو تمام اخلاقی معلموں بشمول تمام انبیاء کرامؑ میں سب سے اونچا امتیاز عطا فرمایا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے ان شاء اللہ، امید ہے کہ آپ ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کے مطالعے سے ایمانی قوت اور نبوت کی الٰہی محبت میں اضافہ ہوگا ان شاء اللہ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی صحیح صحیح قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

اٹھاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

دنیا میں اخلاق کے بڑے بڑے معلم پیدا ہوئے جن کے مکتب میں آکر بڑی بڑی قوموں نے ادب کا زانو تہ کیا، اور آدابِ اخلاق کے وہ سبق ان سے حاصل کیے جو سینکڑوں اور ہزاروں برس گزر جانے کے بعد بھی اب تک ان کو یاد ہیں اور سچ یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی حسنِ اخلاق کا کوئی نمونہ ہے وہ انہی کے صحیفۂ تعلیم کا ایک ورق ہے مگر ایک تنقیدی نظر یہ

بتائے گی کہ ان اخلاقی استادوں میں باہمی نسبت کیا ہے؟ ان کے تعلیمی نصاب کی ترتیب کن کن اصولوں پر مبنی ہے اور ان میں درسگاہ عالم کے سب سے آخری معلم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کیا امتیاز حاصل ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نوع انسانی کے معلمین کی دو جماعتیں ہیں۔ ایک وہ جس نے اپنی تعلیم کی بنیاد کسی الٰہی مذہب پر رکھی جیسے عام انبیاء علیہم السلام اور بعض مذہبوں کے بانی، دوسری وہ ہے جس نے اپنے فلسفہ وحکمت اور عقل و دانائی کی بنیاد پر اپنی خدمت مدرسی کی۔ ہم ان میں سے اول کو انبیاء اور معلمین دین اور دوسری کو حکماء کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان دونوں جماعتوں نے اپنے درس و تعلیم کے اصول اور طریقے الگ الگ اختیار کیے۔ پیغمبروں اور مذہب کے بانیوں نے اپنی تعلیم کا ماخذ حکم "خداوندی" کو قرار دیا۔ اس حکم و فرمان الٰہی کے سوا ان کی تعلیم کی کوئی اور بنیاد نہیں، ان کی تعلیمات علت و معلول کا سلسلہ ہے، نہ اخلاق کے دقیق نکتوں کی گرہ کشائی ہے اور نہ ان احکام و تعلیمات کی اخلاقی مصلحتوں اور عقلی حکمتوں کی تشریح ہے۔ دوسرے فریق کی تعلیمات میں علت و معلول کی تحقیق، نفسیاتی خواص کی بحث، اخلاق کے غرض و غایت کی تعیین، قواعد عمل کی تحدید، یہ سب کچھ ہے مگر بحث و نظر سے آگے عمل کا درجہ صفر محض ہے، اگر ہے تو بے کیف اور بے لذت۔ دنیا کے آخری معلم کی تعلیم میں حکم خداوندی اور عقلی توجیہ بھی، فرمان الٰہی اور فلسفہ، وحی ربانی اور علم فطرت، کتاب اور حکمت دونوں کی آمیزش ہے۔

انبیاء اور حکماء میں جو اصلی فرق و امتیاز ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء کی اخلاقی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ان کی معصوم زندگی، ان کے مقدس کارنامے اور ان کے پاک اثرات ہوتے ہیں جن کا فیض ان کے جیتے ہوئے چشمہ رحمت سے مسلسل بہتا رہتا ہے اور پیاسوں کو سیراب کرتا ہے لیکن بلند سے بلند حکیم اور اخلاق کا دانائے رموز جس کی اخلاقی سخن طرازی اور نکتہ پروری سے دنیا محو حیرت ہے اور جس نے انسان کے ایک ایک اندرونی جذبہ یا مخفی قوت اور اخلاقی فطرت کا سراغ لگایا ہے، عمل کے لحاظ سے دیکھو تو اس کی زندگی ایک معمولی

بازاری سے ایک انچ بلند نہ ہوئی ہو وہ دوسروں کو روشنی دکھا سکتا ہے مگر خود تاریکی سے باہر نہیں آتا۔ وہ دوسروں کی رہنمائی کا مدعی بنتا ہے مگر خود ضلالت کی راہ میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ وہ رحم و محبت کے طلسمات کے ایک ایک راز سے واقف ہے، مگر غریبوں پر رحم کھانا اور دشمنوں سے محبت کرنا وہ نہیں جانتا۔ وہ سچائی اور راستبازی پر بہترین خطبہ دے سکتا ہے مگر وہ خود سچا اور راست باز نہیں ہوتا۔

اس واقعہ کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ محض زبان یا دماغ ہوتا ہے، دل اور ہاتھ نہیں اس لیے اس کے منہ کی آواز کسی دل کے لوح پر کوئی نقش نہیں جماتی بلکہ ہوا کی تموج میں مل کر بے نشان ہو جاتی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام چونکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ دل سے کہتے ہیں، جو ان کی تعلیم ہے وہی ان کا عمل ہے جو ان کے منہ پر ہے وہی دل پر ہے۔ اس لیے ان کی تعلیم اور صحبت کا فیضان خوشبو بن کر اڑتا اور ہم نشینوں کو معطر بنا دیتا ہے۔ یہی وہ فرق ہے جو انبیاء اور حکما، یعنی موسیٰ، عیسیٰ، محمد رسول اللہ علیہم السلام کی تعلیم و تلقین سے اخلاق کے بڑے بڑے مدارج اور مراتب پر پہنچیں، اور آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں جہاں کہیں بھی حسن اخلاق کی کوئی کرن ہے وہ نبوت ہی کے کسی مطلع انوار سے چھن کر نکل رہی ہے۔ مگر اس وصف میں سارے انبیاء علیہم السلام یکساں نہیں ہیں بلکہ ان کے مختلف مدارج ہیں، ان کی عملی حیثیت کے کامل ہونے کے ساتھ ضرورت یہ ہے کہ ان کے اس درجہ کمال کی ایک ایک ادا عمل کی صورت میں نمایاں ہو تاکہ ہر ذوق اور ہر رنگ کے طالب اور اہل صحبت اپنی اپنی استعداد کے مطابق ان کی عملی مثالوں سے متاثر ہوں اور پھر وہ واقعوں کے اوراق میں محفوظ رہیں تاکہ بعد کے آنے والے بھی اس نشان قدم پر چل کر مقصود کی منزل تک پہنچ سکیں۔ الغرض ایک کامل اور مکمل اور آخری معلم کے لیے حسب ذیل معیاروں پر پورا اترنا ضروری ہے۔

۱۔ اس کی زندگی کا کوئی پہلو پردے میں نہ ہو۔

۲۔ اس کی ہر زبانی تعلیم کے مطابق اس کی عملی مثال بھی سامنے موجود ہو۔

۳۔ اس کی اخلاقی زندگی میں یہ جامعیت ہو کہ وہ انسانوں کے ہر گروہ کے

لیے اپنے اندر اتباع اور پیروی کا سامان رکھتی ہو۔

تنقید کے ان معیاروں پر اگر ہم سارے انبیاء اور مذہبوں کے بانیوں کی زندگیوں کو جانچیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کسی کی زندگی بھی پیغمبر اسلام علیہ السلام کی حیات پاک کے برابر جامع کمالات نہیں، دنیا کا کوئی پیغمبر یا بانی مذہب ایسا نہیں ہے جس کی اخلاقی زندگی کا ہر پہلو ہمارے سامنے اس طرح بے نقاب ہو کر گویا وہ خود ہمارے سامنے موجود ہے تورات کے پیغمبروں میں سے کونسا ایسا پیغمبر ہے جس کے اخلاقی کمالات ہمارے علم میں ہیں، ان غیر اخلاقی قصوں کا ذکر فضول ہے جن کو تورات کے راویوں نے ان معصوم بزرگوں کے حالات میں شامل کر دیا اور قرآن نے ہر جگہ ان کو ان بیہودہ الزامات سے پاک اور بری قرار دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہا السلام تک تورات کے ایک ایک پیغمبر پر نگاہ ڈالے جاؤ ان کی معصوم زندگی کے حالات کی کتنی سطریں تمہارے سامنے ہیں اور کیا ان کی اخلاقی شکل وصورت کی پوری شبیہ دنیا کے سامنے بھی موجود رہی۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی تینتیس برس کی زندگی میں سے صرف تین برس کا حال ہم کو معلوم ہے اور ان تین برسوں کے حالات میں سے بھی معجزات وخوارق کے سوا کوئی اور حال بہت کم معلوم ہے، ایسی صورت میں کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی اخلاقی زندگی کا کوئی پہلو پردہ میں نہیں؟

ان انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہندوستان، ایران اور چین کے بانیان مذہب کی اخلاقی زندگیوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کے لیے دنیا میں کوئی سامان ہی موجود نہیں۔ کیونکہ ان کی اخلاقی زندگی کے ہر پہلو پر نا واقفیت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ صرف اسلام ہی کے ایک معلم کی زندگی ایسی ہے جس کا حرف حرف دنیا میں محفوظ اور سب کو معلوم ہے اور بقول باسورتھ اسمتھ کے کہ "یہاں (سیرت محمدی) پورے دن کی روشنی ہے جس میں محمد کی زندگی کا ہر پہلو روز روشن کی طرح نمایاں ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود یہ حکم تھا کہ میرے ہر قول اور عمل کو ایک سے دوسرے تک پہنچاؤ۔ محرمان راز کو اجازت تھی کہ جو مجھے

خلوت میں کرتے دیکھو، اس کو جلوت میں برملا بیان کرو۔ جو حجرہ میں کہتے سنو اس کو چھتوں پر چڑھ کر پکارو، الا فلیبلغ الشاھد الغائب۔

اب دوسری حیثیت سے غور کیجیے۔ ان مقدس ہستیوں کی اچھائی، اخلاق اور کام کی خوبی اور مواعظ ونصائح کی عمدگی میں کوئی شبہ نہیں لیکن کیا دنیا کو خود ان بزرگوں کے عملی اخلاق کا بھی تجربہ اور علم ہے، کہ وہ مثلاً ان کے پر تاثیر واعظ (حضرت عیسیٰ) کی معصومانہ باتیں، اچھائی اور راستبازی کی نصیحتیں اور لفظی صنائع وبدائع اور دلکش تمثیلوں سے بھری ہوئی تقریریں دنیا نے سنیں اور ان کی فصاحت اور شیرینی کا مزہ اب تک اس کے کان ودہن میں ہے۔ مگر کیا اس کی آنکھوں نے اس معصوم واعظ کی عملی مثالیں بھی دیکھیں؟ کیا اس منفی پہلو کے سوا اس کے اخلاق کا کوئی ایجابی پہلو بھی ہمارے سامنے ہے؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "سب کچھ جو تمہارے پاس ہے جب تک اس کو خدا کی راہ میں لٹا نہ دو آسمان کی بادشاہت میں داخل نہ ہوگے" کیا اس نے اپنا بھی سب کچھ خدا کی راہ میں لٹایا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "شریروں کا مقابلہ نہ کرو" کیا اس نے خود بھی شریروں کا مقابلہ نہیں کیا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "دشمنوں کو بھی پیار کرو" کیا اس نے کبھی کسی اپنے دشمن کو پیار کیا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "تو اپنے پڑوسی کو اپنے سارے جان ومال سے پیار کر" کیا خود بھی اسکا ایسا ہی عمل تھا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "اگر تمہارے داہنے گال پر کوئی تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اس کے سامنے کر دو" کیا اس نے خود بھی ایسا ہی کیا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "تم سے اگر کوئی تمہارا کرتہ مانگے تو اپنی قبا بھی اس کے حوالے کر دو" کیا ایسی فیاضی اس سے خود بھی ظہور میں آئی؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ مسیح میں یہ صفتیں موجود نہ تھیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ انجیل نے ان کی اس حیثیت کو محفوظ نہیں رکھا۔

مگر اسلام کے اخلاقی معلم کی شان اس حیثیت سے بھی بلند ہے۔ اس نے جو کچھ کہا سب سے پہلے اس کو کر کے دکھایا۔ اس کا جو قول تھا وہی اس کا عمل تھا۔ اس نے یہودیوں کو طعنہ دیا کہ "اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم (بقرہ۔۵) کیا اوروں کو نیکی کی بات بتاتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہیں اور مسلمانوں کو تنبیہ کی کہ لم تقولون ما لا

تفعلون۔ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون" (الصف ۳) (تم کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ جو نہ کرو)

ایک شخص نے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟ فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔ کان خلقہ القرآن جو قرآن میں الفاظ کی صورت میں ہے وہی حامل قرآن کی سیرت میں بصورت عمل تھا۔ اگر غریبوں اور مسکینوں کی امداد و اعانت کا حکم دیا تو پہلے خود اس فرض کو ادا کیا، خود بھوکے رہے اور دوسروں کو کھلایا۔ اگر آپ نے اپنے دشمنوں اور قاتلوں کو معاف کرنے کی نصیحت کی تو پہلے خود اپنے دشمنوں اور قاتلوں کو معاف کیا، کھانے میں زہر دینے والوں سے درگزر کیا، اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا، جنھوں نے آپ پر تیر برسائے اور تلواریں چلائیں، مسکرا کر بھی ان پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ کپڑوں کی شدید ضرورت کے وقت بھی جس نے آپ سے لیا مانگا خود اپنی چادر اتار کر اس کے حوالے کر دی۔ الغرض یہی وجہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ انسانوں کو اپنے بانیوں اور رہنماؤں کے صرف تعلیمات اور اقوال سناتے ہیں اور ان کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں اور مسلمان اپنے پیغمبر کے صرف اقوال و نصائح کو نہیں بلکہ ان کے عملی نمونوں اور کارناموں کو بھی پیش کر کے ان کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں۔ دنیا کے کسی پیغمبر اور بانی دین نے صحیفے کے خود اپنے صحیفہ وحی کی اخلاقی تعلیمات کو عملی اور انسانوں کے ہاتھوں کے ذریعہ دوسروں کے سامنے پیش نہیں کیا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیفے کے سب سے آگے بڑھ کر بلا خوف خطر اپنے دعویٰ اور مشن کی تصدیق کی اخلاقی قوت کو دشمنوں کے سامنے نمونہ کے لیے پیش کیا اور فرمایا۔ فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون (یونس ۱۶) (میں تو تمہارے درمیان اس سے پہلے ایک زمانہ بسر کر چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے) پھر آپ کو مخاطب کر کے خود آپ سے فرمایا انک لعلی خلق عظیم (اے محمد) بے شک تو اخلاق کے بڑے درجہ پر ہے۔

اخلاقی تعلیم کے کمال کی ایک اور شرط یہ ہے کہ اس کی تعلیم میں یہ تاثیر ہو کہ وہ

دوسروں کو بھی اپنے فیض سے بہرہ مند کر سکے۔ یعنی وہ خود کامل ہو اور دوسرے ناقصوں کو بھی کامل بناتا ہو۔ وہ خود پاک ہو اور دوسرے ناپاکوں کو بھی دھو کر پاک و صاف کر دیتا ہو۔ اخلاق کے سارے معلموں کی فہرست پر ایک نظر ڈال جاؤ کہ یہ تکمیل کی شان سب سے زیادہ کس میں تھی؟ کیا اس میں جس کو قدم قدم پر بنی اسرائیل کی سنگ دلی اور کج روی کا گلہ کرنا پڑا ہے؟ کیا اس میں جس کے پورے گیارہ شاگرد بھی امتحان کے وقت پورے نہ اتر سکے۔ یا اس میں تھی جس کی نسبت اس کے صحیفۂ وحی نے بار بار اعلان کیا یتلوا علیہم ایٰتہ و یزکیہم و یعلمہم الکتاب و الحکمۃ. (جمعہ-۱)

وہ ان کو خدا کی باتیں سناتا اور ان کو پاک و صاف بناتا اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

اس تحدی اور اعلان میں یہ بات خاص لحاظ کے قابل ہے کہ اس میں اسلام کے معلم کی نسبت صرف یہی دعویٰ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا اور خدا کے احکام سناتا ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ ان کو اپنے فیض و اثر سے پاک و صاف و مصفّٰی بھی بناتا ہے۔ وہ ناقصوں کو کامل، گنہگاروں کو نیک، بدعملوں کو نیکوکار، تاریک دلوں کو روشن دل بنا دیتا ہے۔ چنانچہ جس وقت اس نے اپنی حیات کا کارنامہ ختم کیا تو کم از کم ایک لاکھ انسان اس کی تعلیم سے عملاً بہرہ مند ہو چکے تھے۔ اور وہ عرب جو اخلاق کے پست ترین نقطہ پر تھا تیئس برس کے بعد وہ اخلاق کے اس اوجِ کمال پر پہنچا جس کی بلندی تک کوئی ستارہ آج تک نہ پہنچ سکا۔

اگر کسی معلم میں تکمیل کی یہ شان بھی ہو، پھر بھی یہ دیکھنا ہے۔ کہ اس عالم کی تکمیل اور نظمِ خلق کے لیے ایک ہی قوت کے انسان کی نہیں بلکہ سینکڑوں مختلف قوتوں کے انسانوں کی ضرورت ہے۔ اخلاق کے دوسرے معلمین کی درسگاہوں پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ وہاں صرف ایک فن کے طالب علم تعلیم پاتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت گاہ میں فوجی تعلیم کے سوا کوئی اور فن نمایاں نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مکتب میں صرف

[illegible] کے سوا کوئی اور سبق نہیں، یہود کے ہاں اور خانقاہ میں در بدر بھیک مانگنے والے مرتاض فقیروں کے سوا کوئی اور موجود نہیں۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہ اعظم میں آکر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک عمومی جامعہ ہے جس میں انسانی ترقی کی ہر قوت نشوونما پا رہی ہے۔ خود معلم کی ذات ایک پوری یونیورسٹی ہے جس کے اندر علم وفن کا شعبہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اور ہر جنس اور ہر مزاج کے طالب علم آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق کسب کمال کر رہے ہیں

آپ ﷺ کی حیثیت ایک انسان، ایک باپ، ایک شوہر، ایک دوست، ایک خانہ دار، ایک کاروباری تاجر، ایک افسر، ایک حاکم، ایک قاضی، ایک سپہ سالار، ایک بادشاہ، ایک استاد، ایک واعظ، ایک مرشد، ایک زاہد و عابد اور آخر ایک پیغمبر کی نظر آتی ہے۔ یہ تمام انسانی طبقے آپ کے سامنے آکر زانوئے ادب تہ کرتے ہیں۔ اور اپنے اپنے پیشہ وفن کے مطابق آپ کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ مدینۃ النبی کی اس درسگاہ اعظم کو غور سے دیکھو جس کی چھت کھجوروں کے پتوں سے اور ستون کھجوروں کے تنوں سے بنائے گئے تھے۔ اور جس کا نام مسجد نبوی تھا۔ اس کے الگ الگ گوشوں میں ان انسانی جماعتوں کے الگ الگ درجے کھلے ہوئے ہیں۔ کہیں ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ جیسے فرمانروا زیر تعلیم ہیں، کہیں طلحہؓ و زبیرؓ، معاویہؓ، سعد بن معاذؓ و سعد بن جبیرؓ جیسے ارباب رائے و تدبیر ہیں، کہیں ابو عبیدہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، اور عمرو بن العاصؓ جیسے سپہ سالار ہیں، کہیں وہ ہیں جو بعد کو صوبوں کے حکمران، عدالتوں کے قاضی اور قانون کے مقنن بنے، کہیں ان زہاد و عباد کا مجمع ہے جن کے دن روزوں میں اور راتیں نمازوں میں کٹتی ہیں۔ کہیں ابوذرؓ و ابو درداءؓ جیسے وہ خرقہ پوش ہیں جو "مسیح اسلام" کہلاتے ہیں، کہیں وہ صفہ والے طالب علم تھے جو جنگل سے لکڑی لا کر بیچتے اور گزارا کرتے اور دن رات علم کی طلب میں مصروف رہتے تھے، کہیں حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ جیسے فقیہ و محدث تھے جن کا کام علم کی خدمت اور اشاعت تھا۔ ایک جگہ ناموسوں کی بھیڑ ہے تو دوسری جگہ آقاؤں

کی محفل ہے، کہیں غریبوں کی نشست ہے، اور کہیں دولتمندوں کی مجلس ہے۔ مگر ان میں ظاہری عزت اور دنیاوی اعزاز کی کوئی تفریق نہیں پائی جاتی، سب مساوات کی ایک ہی سطح پر، اور صداقت کی ایک ہی شمع کے گرد پروانہ وار جمع ہیں، سب پر توحید کا یکساں نشہ چھایا اور سینوں میں حق پرستی کا ایک ہی ولولہ موجیں لے رہا ہے اور سب اخلاق و اعمال کے ایک ہی آئینہ قدس کا عکس بننے کی کوشش میں لگے ہیں۔

(بحوالہ سیرت النبیؐ جلد ششم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

* * *

خصوصیت نمبر ۸۹

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے میں ساری دنیا کا استاذ بنایا

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ نواسی نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کو اللہ نے اپنے زمانے میں ساری دنیا کا استاذ بنایا“ بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب جنتی روضہ کے سامنے تکے بیٹھا ہوں اور اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں اور دل سے بار بار یہی صدا آرہی ہے کہ یا اللہ آقا ﷺ کے مدینے میں بار بار آنے کی توفیق عطا فرما اور اخلاص سے آقا ﷺ کے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما، دل چاہتا ہے کہ روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کو دیکھتا رہوں اور پھر دیکھتا ہی چلا جاؤں کہ دل کا سرور اسی میں چھپا ہے، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس تیرے محبوب پیغمبر ﷺ کے مبارک روضہ پہ بیٹھ کر تیرے محبوب ﷺ کی خصوصیت پر کام کرنے کی اس گناہ گار کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنا آمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ قرآن کریم کے فیصلے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو ساری دنیا کا استاذ بنایا جیسا کہ آپ اس کی تفصیل میں ملاحظہ فرمائیں گے جبکہ دیگر انبیاء کرام بھی اپنی امت کے استاذ ہوا کرتے تھے لیکن محدود وقت اور محدود زمانہ اور محدود علاقے کے لوگوں تک خاص تھے لیکن ہمارے نبی قیامت تک اور تمام علاقوں میں بسنے والوں کے استاذ ہیں اور یہ بات ہمیں قرآن کریم نے بتلائی۔ آنے والے اوراق میں قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں ہم نے اس

بات کو وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین اور اپنے نبی ﷺ کے دین کے لئے اپنی جان و مال اور وقت لگانے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

نواسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (نبی تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے)

آیت کا خطاب جملہ اہل عالم سے ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ ساری دنیا کو ان علوم کی تعلیم دیں جن سے دنیا ناواقف و بے بہرہ تھی۔ آیت زیب عنوان نے صاف طور پر بتلا دیا کہ استاد عالم و عالمیان ہونے کا امتیاز اور خصوصیت حضور سرور کائنات ہی کو حاصل ہے۔ اس جگہ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہے کہ اور بھی ایسے مقدس بزرگوار ہو چکے ہیں جن کو علم لدنی عطا ہوا تھا تو کیا اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی بزرگ نے اس کمی کو پورا کر دیا ہو؟

جواباً عرض ہے کہ ان سب ایسے بزرگواروں کا زمانہ حضرت مسیح سے بہت پیشتر کا ہے پس وہ لوگ مسیح کی ہی تعلیم کو پورا کرنے والے کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ سرمایہ دار علوم ہیں، جو فرش خاک پر بیٹھے اور خاکی و نوری، انسی و جانی کو ایسے ایسے علوم سے مستفیض فرمایا کہ یہ خاک کے ذرہ ہائے بے مقدار آسمان علوم پر تاباں نجوم بن کر چمکے اور ضیا بخش عالم و عالمیان قرار پائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا مسیح علیہ السلام کے تلامذہ میں بھی نمایاں تفاوت ہے، مسیح کے بارہ شاگردوں میں سے شمار کرلو کہ کتنے شاگرد ان کی تعلیم کے مبلغ ٹھہرے تھے دو تین سے زیادہ کے نام نہیں لیے جا سکیں گے۔ اس قلیل تعداد کا کارنامہ بھی صرف اسی قدر ہے کہ انہوں نے جناب مسیح علیہ السلام کے حالات زندگی

کی اشاعت کی ہے اور بس۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جماعت میں ہر قسم و ہر صنف کے کاملین نظر آئیں گے، آپ دیکھیں گے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ملک داری و جہاں بانی کی تعلیم۔ ابو عبیدہ و خالد نے ہنگامہ آرائی و جہاں کشائی کی۔ معاذ و ابو درداء نے بیان دین و دانش کی۔ سلمان و ابوذر نے زہد و قناعت کی۔ علی مرتضیٰ و ابن مسعود نے تفقہ فی الدین کی۔ عثمان غنی و ابن عوف نے پرورش یتامیٰ و اعانت ایامیٰ کی۔ زید بن ثابت و ابی کعب انصاری نے فرائض الہیہ کی تعلیم مکمل بنا کر دے رہے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

یہ چند نام صرف تقریب و تفہیم مدعا کے لیے درج کر دیے گئے ہیں، ورنہ اس بارگاہ اقدس کا کون سا فیض ہے جو مختلف زمر علوم کے لیے باران رحمت ثابت نہیں ہوا۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا شمار ۲۲۱۰ ہے اور ابن عمرؓ و انس بن مالک کی مرویات بھی اسی کے قریب قریب پہنچتی ہیں اور ابو ہریرہؓ کی روایت کا شمار ۵۳۷۴ ہے۔ پھر ان کے سوا اور بھی ایسے صحابہ ملتے ہیں جن کے نام اکثر روایات کی تحت میں درج ہیں۔ مثلاً ابن عباس، جابر بن عبداللہ و ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تو یقین ہو جاتا ہے کہ اس ادب گاہ قدس کا ہر طالب علم استاد عالم ہونے کی شان رکھتا ہے۔

دیکھیے کہ یہ بزرگوار عرب کے باشندے ہیں، وہی عرب جن کی صفت اُمیون لا یعلمون الکتب کے الفاظ میں نمایاں ہے۔ یعنی نہ پڑھا اور کتاب سے بے خبر۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل نہ صرف یہی لوگ نور و ضیائے علوم کو پہنچے، بلکہ ان کے شاگرد بھی وآخرین منہم لما یلحقوا بہم کی سند سے مسند آرائے تعلیم ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی جود و عطا نے علم کو عام بنایا اور اسے رفعت کمال پر بھی پہنچایا۔ یہ حضور ہی کے ادنیٰ ترین نقش بردار تھے، جنہوں نے تیونس و قرطبہ، بغداد و سسلی و اندلس والجزائر، ترکستان و چین تک میں تیزی سے مدارس و مکاتب کھول دیے تھے، جن میں چند

اقوام (مسلم و غیر مسلم) کو بلا تفریق مراتب یکساں تعلیم دی جاتی تھی۔ یورپ کو اقرار ہے انکار نہیں کہ یہی اسلامی ممالک تمام یورپ کے استاد ہیں۔

اگر ہم پادریوں کی اس روش اور طریقہ کو دیکھیں، جو علوم جدیدہ کی مخالفت میں ان کا رہا ہے اور پھر مسلمانوں کی اس فراخ دلی و وسعت خاطر کا اندازہ لگائیں۔ جو علوم قدیمہ کی ترویج و اشاعت نیز علوم جدیدہ کی ایجاد و حمایت میں ان کا معمول رہا ہے۔ تو بخوبی ہویدا ہو جاتا ہے کہ صرف مسلمان ہی ہیں جنہوں نے ابتداءً دنیا میں علوم کو پھیلایا۔ تمام مسلمانوں کا یہ شیوہ اپنے سیدنا و مولانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں تھا۔ لہٰذا ان غلاموں کے افعال بھی حضورؐ ہی کے سنن ہدیٰ کا بیان اور حضورؐ ہی کے اُسوۂ حسنہ کی برہان ہیں۔

اور یہ ایک خصوصیت ہے کہ شکوہ کامل و احتشام اعلیٰ کے ساتھ حضورؐ ہی میں پائی جاتی ہے، غالباً یہ بیان نامکمل رہ جائے گا اگر میں اس مقام پر مختصر ذکر نہ کروں گا کہ علوم جدیدہ کی ترویج اشاعت میں مسیحیوں نے تنگ دلی اور اسلامیوں نے فراخ نظری کے کیسے نمونے دکھلائے۔

ذی رومنس نے ظاہر کیا کہ قوس قزح بارش میں شعاع آفتاب کے انعکاس کا نام ہے اسے خدا کی کمان جنگ بتانا یا انتقام الٰہی کی علامت سمجھنا غلط ہے۔ صرف اتنی بات پر وہ قید کر کے روما بھیجا گیا، وہ جیل ہی میں مرا اس کے لاش کو اور اس کی کتابوں کو جلا دیا گیا، جو حکم سوختگی لاش کی بابت صادر ہوا تھا، اس میں اس سوختنی کا یہ جرم بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ روما کے کنیسہ کی صلح برطانیہ کے کنیسہ سے کرانا چاہتا تھا گویا مساعی صلح اسی پاداش کا مستحق تھا۔ برونو کر ۱۶۰۰ء میں لمبی قید کے بعد اس لیے زندہ آگ میں جلا دیا گیا کہ اس نے دنیا کو عالم اسباب کہہ دیا تھا یا اس کے قول سے وحدت الوجود کا مسئلہ آشکار ہوتا ہے کرویت زمیں کا مسئلہ خلافت عباسیہ میں معلوم ہوا اور اس انکشاف سے مسلمانوں میں ایک پتہ بھی نہ ہلا مگر یہی مسئلہ جب یورپ میں پہنچا تو قیامت برپا ہو گئی اور سینکڑوں فلاسفر جو زمین کو گول کہنے لگے تھے قتل کر دیے گئے۔

چیچک کا ٹیکہ قسطنطنیہ میں دیر سے رائج تھا۔ ۱۷۲۱ء میں ایک عورت مسماۃ میری مونٹا اسے یورپ میں لے گئی۔ تو پادریوں نے اس طریقہ علاج کی بے حد مخالفت کی حتیٰ کہ بادشاہ سے بھی درخواست کی گئی کہ شاہی اختیارات سے اس کا نفاذ روک دیا جائے۔ امریکہ میں یہ جب طریقہ نکلا کہ عورت کو ولادت کے وقت مخدر کر دیا جائے تو تمام پادری مخالف ہو گئے کہ عورت کو ولادت کے وقت آرام پہنچانا خدا کی لعنت کا مقابلہ ہے، جو کتاب پیدائش باب سوم میں عورت ذات کے لیے موجود ہے۔ کارڈینل اکسیمینس نے ۸۰ ہزار قلمی کتابیں غرناطہ میں اس لیے سوخت کر دیں کہ ان کا مضمون کلیسا کی رائے کے مطابق نہ تھا۔

پروٹسٹنٹ کو ایک اصلاح یافتہ اور ترقی کردہ مذہب کہا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس مذہب میں دل و دماغ کو آزادی عطا کی گئی۔ اب اس آزاد مذہب کی حالت بھی سنو، کلون نے سرویٹس کو جلا ڈالنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ اس کی تحقیقات میں مسیح کے اعتقاد سے بھی پیشتر دین مسیحی میں بدعت داخل ہو گئی تھی۔ اسے زندہ ہی آگ میں کباب کی طرح صرف اسی گناہ عظیم کی پاداش میں بھون دیا گیا۔ قاضی بھی ۱۶۱۲ء کو اسی جرم میں شہر [illegible] میں جلایا گیا تھا۔ پادری لوتھر ارسطو کو ہمیشہ جھوٹا، ناپاک خنزیر کہا کرتا تھا۔

علم برداران اسلام نے نہ تو علوم میں اس لیے تنگ چشمی کی کہ وہ علوم اقوام غیر یا ممالک غیر کے ہیں اور نہ علوم کی اشاعت میں اس لیے تنگ دلی کی کہ طالب علم غیر مذہب، غیر قوم یا رعایائے غیر ہیں۔ ان ہر دو اوصاف کے تحت میں وہ ہزاروں واقعات موجود ہیں جو مورخین اسلام پیش کرتے ہیں جن میں سے بیسیوں کا ذکر ڈیون پورٹ، لین پول اور ایڈورڈ گبن نے بھی کیا ہے۔ مسلمانوں میں یہ روشنی اسی شمع نور سے آئی جس کی خصوصیت کے اثبات میں آیت ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون زیب عنوان ہے۔ محترم قارئین! تاریخ عالم کے صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ اس خصوصیت کا تاج منور صاحب معراج ہی کے فرق مبارک پر تاباں و درخشاں ہے (رحمۃ للعالمین، جلد سوم)

یا رب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلہم

خصوصیت نمبر ۹۰

رسول اکرم ﷺ کی امت دوسری امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ نوے نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے" رسول اکرم ﷺ کی امت دوسری امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی" بہر حال ذیل میں آنے والی خصوصیت اگرچہ آپ کی امت سے متعلق ہے لیکن جیسا کہ پہلے بھی ہم عرض کرچکے ہیں کہ آخری امت کو جو بھی فضیلت اور خاص مقام ومرتبہ ملا ہے وہ حضور ﷺ ہی کے صدقے ملا ہے، تو حقیقۃً جو امت کی خصوصیت ہے وہ آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے، جیسا کہ آپ آنے والے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ آپ ﷺ کی امت دوسری امتوں سے پہلے جنت میں جائے گی، باوجود سب سے آخر میں یہ امت آئی لیکن اخروی کامیابی کے لحاظ سے پہلے نمبر پر ہے اور بے شک اس امت کو یہ اعزاز حضور ﷺ ہی کی وجہ سے ملا ہے، اب اس امت کے ہر فرد کی کامیابی وکامرانی اسی میں ہے کہ وہ اپنے نبی کے دامن کو تھامے رکھے، حضور ﷺ کے دامن کو چھوڑ کر ہم کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہوسکتے، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے محبت کرنے اور آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات پر دل وجان سے خود بھی عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

نوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

سب سے پہلے جنت میں جانے والے

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نــــحن

الآخرون، الاولون یوم القیامۃ ونحن اول من یدخل الجنۃ بید انھم اوتوا الکتاب من قبلنا واوتیناہ من بعدھم فاختلفوا فھدانا اللہ لما اختلفوا فیہ من الحق۔ (مسلم شریف) ترجمہ: ہم آخری امت ہیں، لیکن روز قیامت ہم سب سے پہلے قبروں سے اٹھیں گے، اور ہم ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے بس اتنی بات ہے کہ اہل یہود ونصاریٰ کو ہم سے پہلے کتاب تورات، زبور، انجیل عطاء کی گئی اور ہمیں ان کے بعد قرآن پاک عطاء کیا گیا۔ پس انہوں نے ہم سے قرآن کے حق ہونے میں اختلاف کیا، پس جس چیز کے حق ہونے میں انہوں نے اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمیں ہدایت عطاء فرمائی اور اب اسلام آنے کے بعد وہ مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے گمراہی میں رہ کر دوزخ کو جائیں گے۔ اور حضرت عمر بن خطابؓ جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں ان

الجنۃ حرمت علی الانبیاء کلھم حتی ادخلھا وحرمت علی الامم حتی تدخلھا امتی۔ ترجمہ: جنت تمام انبیاء پر حرام ہے جب تک میں اس میں داخل نہ ہو جاؤں یعنی پہلے میں داخل ہوں گا پھر تمام انبیاء علیہم السلام اور جنت تمام امتوں پر حرام ہے حتیٰ کہ میری امت اس میں داخل ہو جائے اس کے بعد امتیں جنت میں ہو جائیں گی۔

فائدہ...... یہ امت باقی امتوں سے پہلے زمین سے باہر آئے گی اور موقف میں سے سب اعلیٰ مقام پر سب سے پہلے سرفراز ہوگی اور سب سے پہلے سایہ عرش میں سبقت کرے گی، اور سب سے پہلے ان کا حساب وکتاب ہوگا اور سب سے پہلے صراط کو عبور کرے گی اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی پس جنت سب انبیاء کرام پر حرام ہے جب تک حضرت محمد ﷺ اس میں داخل نہ ہوں اور سب امتوں پر حرام ہے جب تک کہ حضور ﷺ کی امت اس میں داخل نہ ہو۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے جنت میں جائیں گے

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اتانی جبریل

فاخذ بیدی فارانی باب الجنة الذی تدخل منه امتی فقال ابو بکر یا رسول الله وددت انی کنت معک حتی انظر الیه فقال رسول الله ﷺ اما انک یا ابا بکر اول من یدخل الجنة من امتی۔ ([illegible])

ترجمہ میرے پاس جبریل تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر جنت کا دروازہ دکھلایا جس میں سے میری امت داخل ہوگی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں پسند کرتا ہوں کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا حتیٰ کہ میں بھی اس دروازے کو دیکھ لیتا۔ تو سرکار رسالت پناہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ سن لو اے ابوبکر میری امت میں سب سے پہلے آپ جنت میں جائیں گے۔

حضرت بریدہ بن حصیب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسول ﷺ نے صبح کے وقت حضرت بلالؓ کو بلایا اور فرمایا اے بلال! تم مجھ سے جنت میں کیسے سبقت کر گئے میں جب بھی جنت میں داخل ہوا اپنے سامنے تمہارے چلنے کی آواز سنتا ہوں چنانچہ میں گذشتہ رات بھی جنت میں گیا تو پھر اپنے سامنے سے تمہارے چلنے کی آواز سنی، پھر میں ایک چوکور محل پر آیا جو سونے کا بنا ہوا تھا میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ انہوں نے بتایا ایک عربی شخص کا ہے۔ میں نے کہا میں بھی تو عربی ہوں یہ محل کس کا ہے؟ انہوں نے کہا یہ قریش کے آدمی کا ہے۔ میں نے کہا میں بھی تو قریشی ہوں یہ محل کس کا ہے؟ انہوں نے کہا امت محمدؐ کے ایک شخص کا ہے میں نے کہا میں محمد ہوں یہ محل کس کا ہے؟ انہوں نے کہا عمر بن الخطابؓ کا ہے۔ تو حضرت بلال نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے جب بھی اذان دی دو رکعات ادا کی ہیں، اور جب بھی وضو ٹوٹا ہے اسی وقت وضو کیا ہے اور میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی دو رکعات میرے ذمہ ہیں۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ سبقت ان رکعات کی وجہ سے ہے۔ (مسند احمد) فائدہ...... اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت بلالؓ حضور ﷺ سے پہلے جنت میں جائیں گے بلکہ حضرت بلالؓ حضور ﷺ کے آگے آگے بطور دربان اور خادم کے چلیں گے۔

سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والے

حضرت انسؓ بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ نے ارشاد فرمایا انـا اول من یقرع باب الجنة فیقول الخازن ، من انت ؟ فاقول ان محمد فیقول اقم فافتح لک فلم اقم لاحد قبلک ولا اقوم لاحد بعدک.

ترجمہ۔ سب سے پہلے جنت کا دروازہ میں کھٹکھٹاؤں گا۔ داروغہ جنت کہے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا محمد ہوں۔ تو وہ کہے گا آپ ٹھہریں میں آپ کے لئے ابھی کھولتا ہوں۔ میں آپ سے پہلے کسی کے لئے نہیں اٹھا اور نہ ہی آپ کے بعد کسی کیلئے اٹھوں گا اور ایک روایت ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ سے پہلے جنت کا دروازہ کسی کیلئے نہ کھولوں۔ (مسلم شریف)

فائدہ۔ یہ فرشتہ آنحضرت ﷺ کے خاص مقام و مرتبہ کی وجہ سے باب جنت پر متعین کیا گیا ہے جو آپ ﷺ کے بعد اور کسی نبی اور ولی کے استقبال اور دروازہ کھولنے کے لئے نہیں اٹھے گا بلکہ جنت کے تمام منتظم فرشتے آپ کے اکرام میں کھڑے ہوں گے اور یہ فرشتہ گویا کہ جنت کے باقی داروغوں کا بادشاہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول کی خدمت میں کھڑا کریں گے اور یہ خود آپ ﷺ کی خدمت میں چل کر آپ ﷺ کے لئے جنت کا دروازہ کھولے گا۔

اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جناب نبی کریم ﷺ کے کچھ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گئے آپ جب تشریف لائے اور ان کے قریب پہنچے تو ان کو مذاکرہ کرتے ہوئے سنا جب آپ نے ان کی بات چیت سنی تو ان میں سے ایک کہہ رہا تھا کتنی عجیب بات ہے اللہ تعالیٰ کا اس کی مخلوق میں ایک خالص دوست بھی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مخلص دوست بنایا ہے، دوسرے صحابی نے کہا یہ بات اللہ تعالیٰ کے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ عجیب نہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا ہے۔ ایک صحابی نے

فرمایا حضرت عیسیٰؑ کو دیکھئے وہ اللہ کے کلمہ اور اس کی طرف سے روح ہیں۔ ایک اور صحابی نے فرمایا حضرت آدم وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے۔ پھر حضور ﷺ ان صحابہؓ کے پاس تشریف لائے سلام کیا اور فرمایا ”میں نے تمہاری گفتگو اور تمہارا تعجب سنا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے دوست ہیں واقعی ایسا ہے، موسیٰؑ اللہ کے ساتھ سرگوشی کرنے والے ہیں واقعی ایسا ہے، عیسیٰؑ اس کی طرف سے روح اور اس کا کلمہ (بن باپ کے اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے) واقعی ایسا ہے اور آدم وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ بنایا وہ ایسے ہی ہیں۔ سن لو! میں اللہ کا حبیب (محب و محبوب) ہوں اور میں کوئی فخر نہیں کر رہا۔ میں ہی قیامت کے دن ”لواء الحمد“ کو اٹھاؤں گا میں اس میں بھی کوئی فخر نہیں کر رہا۔ میں سب سے پہلے روز قیامت شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور میں یہ بھی فخر اور تکبر کی بات نہیں کر رہا اور میں ہی سب سے پہلے جنت کا کنڈا کھٹکھٹاؤں گا وہ میرے لئے کھولا جائے گا اور میں جنت میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ جنت میں داخل ہوتے وقت فقراء مومنین (غریب مسلمان) ہوں گے اور اس میں بھی میں فخر نہیں کرتا، اور میں اگلوں اور پچھلوں سب مخلوقات سے زیادہ شان و مرتبہ کا مالک ہوں اور اس میں بھی میں فخر اور تکبر نہیں کر رہا۔ (ترمذی شریف)

امت محمدیہ میں سے سب سے پہلے جنت میں جانے والے

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے جو جماعت جنت میں داخل ہوگی ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی صورت جیسی ہوں گی۔ یہ نہ تو جنت میں تھوکیں گے نہ ناک بہے گی اور نہ ہی اس میں پاخانہ کریں گے (یعنی ان تینوں عیبوں سے پاک ہوں گے) ان کے برتن اور کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی، ان کی انگیٹھیاں اگر کی لکڑی کی ہوں گی، ان کا پسینہ کستوری کا ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے دو بیویاں ایسی ہوں گی جن کی پنڈلیوں کا گودا ان کے حسن کی وجہ سے گوشت

کے اندر سے نظر آئے گا۔ ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہوگا اور نہ آپس میں کوئی بغض ہو گا۔ ان کے دل ایک دل کی طرح ہوں گے یہ صبح شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں گے۔ (بخاری شریف)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی اور وہ لوگ جو ان کے بعد جنت میں جائیں گے ان کی صورت کی چمک دمک آسمان پر تیز روشن ستارے کی طرح ہوگی۔ یہ جنتی نہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ نہ تھوک نہ رینٹ۔ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی ان کا پسینہ کستوری کا ہوگا ان کی انگیٹھیاں اگر کی ہوں گی ان کی بیویاں حورعین ہوں گی۔ ان کے اخلاق ایک ہی آدمی کے خلق جیسے ہوں گے۔ ان کی صورتیں اپنے ابا حضرت آدمؑ کی صورت پر ہوں گی لمبائی میں ساٹھ ہاتھ کا قد ہوگا۔ (بخاری شریف)

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے جن کو جنت کی طرف بلایا جائے گا وہ "حمادون" ہوں گے جو دنیا میں خوشی اور تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے تھے۔

اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے سامنے میری امت کے تین قسم کے لوگوں کو پیش کیا گیا جو سب سے پہلے جنت میں جائیں گے اور ان تین قسم کے لوگوں کو پیش کیا گیا جو سب سے پہلے دوزخ میں جائیں گے۔ پس وہ پہلے تین جو جنت میں جائیں گے (۱) شہید (۲) وہ مملوک غلام جس کو دنیا کی غلامی نے اس کے پروردگار کی عبادت سے نہیں روکا (۳) فقیر عیال دار دست سوال دراز کرنے سے بچنے والا۔ اور وہ تین قسم کے لوگ جو سب سے پہلے دوزخ میں جائیں گے (۱) امیر زبردستی سے مسلط ہو جانے والا (۲) دولتمند جو اپنے مال میں سے اللہ کا حق ادا نہ کرے (۳) بڑ مارنے والا تنگ دست فقیر ہے۔ (مسند احمد)

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ کوئی بخیل داخل نہیں ہوگا اور نہ کوئی دھوکہ باز جو فساد پھیلاتا ہو نہ کوئی خیانتی اور نہ وہ شخص جو اپنے غلاموں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہو اور اجیا۔

اور اعلیٰ درجہ کے اولیاء صدیقین کے بعد جو لوگ جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے وہ غلام ہوں گے جنہوں نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کے حقوق کو اپنے اور مالکوں کے درمیان کے حقوق کو بہترین طریقہ سے نبھایا ہوگا۔ (ترمذی شریف)

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم آخر میں آنے والے ہیں، قیامت میں سب سے پہلے قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (مسلم شریف)

(فائدہ) یعنی حضور ﷺ کی امت تمام امتوں کے بعد آئی ہے اور سب امتوں سے پہلے حضور ﷺ کی امت کو ہی قبروں سے اٹھایا جائے گا سب سے پہلے آپ کی امت جنت میں داخل ہوگی۔

اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے جنت میں سب سے پہلے کون داخل ہوگا؟ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ فرمایا مہاجرین میں سے فقراء حضرات جو گرمی سردی وغیرہ کے مشکل اوقات میں شریعت کے مشکل اعمال کو خوشی سے ادا کرتے ہیں۔ ان میں سے جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اس کی ضرورت اس کے سینے میں باقی رہتی ہے اس کے پورا کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہوتی۔ فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم آپ کے فرشتے ہیں آپ کے کاموں کے کارندے اور مددگار ہیں آپ کے آسمانوں کے مکین ہیں آپ ان کو ہم سے پہلے جنت میں داخل نہ فرمائیے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ اور مشکل اوقات میں شریعت پر عمل کرنا نہیں چھوڑا۔ جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا تھا تو اس کی ضرورت اس کے سینے میں باقی رہتی تھی اس کے پورا کرنے کی اس میں طاقت نہیں تھی، پس اس وقت ہر دروازے سے ان کے پاس فرشتے حاضر ہوں گے (اور یہ کہیں گے) **سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار** تم پر سلام ہو بوجہ تمہارے صبر کرنے کے پس آخرت کا گھر کتنا ہی اچھا ہے جس میں تمہاری

تمام خواہشات پوری ہوں گی۔ (مسند احمد)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا غریب اور محتاج مسلمان دولت مند مسلمانوں سے قیامت کا آدھا دن جو پانچ سو سالوں کے برابر ہوگا جنت میں پہلے جائیں گے۔ (ترمذی شریف)

اور حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول ﷺ سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا غریب مسلمان دولت مندوں سے آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے، عرض کیا گیا یا رسول ﷺ آدھا دن کتنا ہے فرمایا پانچ سو سال، عرض کیا گیا کہ اس کے کتنے مہینے ہیں؟ فرمایا پانچ سو مہینے عرض کیا گیا اس مہینے کے کتنے دن ہیں؟ فرمایا پانچ سو دن عرض کیا گیا پھر ایک دن کتنا طویل ہے؟ فرمایا پانچ سو دنوں کے برابر جن کو تم شمار کرتے ہو۔

اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا فقراء مہاجرین قیامت کے دن جنت میں دولت مندوں سے چالیس سال پہلے داخل ہوں گے (مسلم شریف)

فائدہ۔ فقراء کا جنت میں پانچ سو سال پہلے داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اول درجہ کے فقراء پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ حدیث جس میں چالیس سال پہلے داخل ہونے کا ذکر ہے یہ شاید آخری درجہ کے فقراء کے اعتبار سے ہے کہ کم درجے کے فقراء دولتمندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو قسم کے مومن جنت کے دروازے پر ملیں گے ایک مومن دنیا میں فقیر ہوگا دوسرا دولت مند، چنانچہ فقیر کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور دولت مند کو جب تک اللہ تعالیٰ روکنا چاہیں روکا جائے گا پھر اس کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ تو جب فقیر کی اس سے ملاقات ہوگی تو وہ پوچھے گا اے بھائی! تمہیں کس چیز نے روک لیا تھا؟! اللہ کی قسم تو جب روکا گیا تو میں تیرے متعلق خوفزدہ ہو گیا تھا کہ تجھے دوزخ میں تو داخل نہیں کر دیا گیا تو وہ بتائے گا کہ اے بھائی! میں تیرے جنت میں چلے جانے کے بعد رکا اور مزاحمت کے ساتھ جنت کے

باہر روک لیا گیا تھا اور تم تک نہیں پہنچ سکا تھا اور میرا پسینہ اتنا بہہ گیا کہ اگر اس پر ایک ہزار نمک اور تلخ بوٹے کھانے والے اونٹ جمع ہو جائیں تو وہ اس سے سیر ہو کر واپس جائیں۔ (مسند احمد)

حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جناب رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے بتائیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہم نشین کون ہوں گے؟ ارشاد فرمایا اللہ سے ڈرنے والے اور عاجزی و انکساری کرنے والے جو اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ عرض کیا یا رسول ﷺ کیا یہی لوگ جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے؟ فرمایا نہیں۔ اس نے عرض کیا تو پھر سب سے پہلے لوگوں میں سے کون جنت میں داخل ہوگا۔ ارشاد فرمایا لوگوں میں سے سب سے پہلے غریب مسلمان جنت میں داخل ہوں گے۔ جنت سے ان کے پاس کچھ فرشتے آئیں گے اور کہیں گے تم حساب کتاب کی طرف چلو۔ تو کہیں گے ہم کس چیز کا حساب دیں؟ اللہ کی قسم! دنیا کے مال و دولت سے ہمیں کچھ نصیب نہیں ہوا جس میں ہم بخل کرتے یا فضول خرچیاں کرتے۔ اور نہ ہی ہم حکمران تھے کہ انصاف کرتے اور ظلم کرتے۔ ہمارے پاس تو اللہ تعالیٰ کا دین آیا تھا ہم اس کی عبادت میں مصروف رہے یہاں تک کہ موت آگئی۔ تو ان سے کہا جائے گا تم جنت میں داخل ہو جاؤ نیک عمل کرنے والوں کے لئے بہترین اجر ہے۔

اور جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم غریبوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میری مخلوق میں سے میرے مخلص دوست کہاں ہیں؟ تو فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! وہ کون لوگ ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے وہ فقرا محتاج جو (مصیبتوں اور تنگدستی میں) صبر کرتے تھے میری تقدیر پر راضی رہتے تھے ان کو جنت میں داخل کر دو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا وہ جنت میں عیش سے کھاتے پیتے ہوں گے جبکہ امیر لوگ حساب کتاب کی گردش میں ہوں گے۔

حضرت ابو علی دقاقؒ سے سوال کیا گیا کہ ان دو حالتوں میں سے کونسی حالت افضل

ہے فقیر ہونا یا غنی ہونا؟" تو آپ نے فرمایا غنا افضل ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور فقر مخلوق کی صفت ہے اور اللہ کی صفت افضل ہے مخلوق کی صفت سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ یا ایہا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید ۔ اے لوگو تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تمام خوبیوں والا ہے۔

حقیقت میں صحیح وہ شخص ہے کہ جس کے پاس مال ہو مگر وہ شکر ادا کرنے والا ہو اور اس وقت غنی ہونے کا مطلب وہ اپنی تمام حاجات کا اللہ تعالیٰ سے طلب گار ہوگا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی طرف نظر نہیں کرے گا اگرچہ اس کا دنیا کی کسی چیز کی طرف خیال ہو اور اپنے کو اس کا ضرورت مند سمجھے لیکن وہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ بن رہے۔ (احیاء العلوم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم روز قیامت میں جمع ہو جاؤ گے تو کہا جائے گا کہ اس امت کے فقراء اور مساکین کہاں ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کھڑے ہو جائیں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا عمل کیا؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! ہم پر آزمائش ڈالی گئی تو ہم نے صبر کیا اور آپ نے مال و دولت اور سلطنت دوسروں کو عطا کی ہم کو نہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم نے سچ کہا۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر یہ لوگ دوسرے لوگوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور مالدار و صاحب سلطنت (حکمران) پر حساب کتاب کی سختی رہ جائے گی تو تمام صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اس دن مومنین حضرات کہاں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کے لئے کرسیاں بچھائی جائیں گی اور ان پر بادل سایہ کرتے ہوں گے مومنین کے لئے یہ دن ایک گھڑی سے بھی کم (محسوس) ہوگا۔ (ترغیب و ترہیب)

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جب تک میں اور میری امت جنت میں داخل نہ ہو جائیں اس وقت تک جنت تمام امتوں پر حرام رہے گی۔ جیسا کہ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اس سے یہ اشکال ہے کہ جب تک یہ امت جنت میں داخل نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی دوسرا نبی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔"

بہر حال ان روایتوں سے امت محمدی کی زبردست عظمت و بزرگی ظاہر ہوتی ہے کہ پچھلی امتوں کا کوئی شخص یہاں تک کہ ان کے بڑے بڑے زاہد، علماء و صلحاء اور صوفیاء بھی جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکیں گے جب تک کہ اس امت کے گنہگار لوگ جن کو جہنم میں ڈالا جائے گا اپنی سزا پوری کر کے واپس جنت میں نہ پہنچ جائیں۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اس امت میں سے بھی سرکش لوگوں کی ایک جماعت کو یقیناً عذاب دیا جائے گا اور یہ بات بعید نہیں ہے کہ دوسری امتوں کو اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا جب تک کہ اس امت کے گنہگار اپنی سزا پوری کر کے جنت میں نہیں آپہنچ جائیں گے کیونکہ سب سے پہلے جس امت کا حساب کتاب لیا جائے گا وہ یہی امت محمدی ہوگی۔ لہذا یہ بات ممکن ہے کہ دوسری امتیں اس وقت تک حساب کتاب سے فارغ نہ ہوں اور جنت کے دروازے تک بھی نہ پہنچیں کہ اس وقت تک اس امت کے وہ گنہگار جن کو جہنم میں ڈالا جائے گا اپنی سزا پوری کر کے جہنم سے باہر آچکے ہوں اور جنت میں داخل ہو چکے ہوں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ کی امت کے ستر ہزار آدمی اس طرح آپ سے پہلے جنت میں پہنچ چکے ہوں گے کہ ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار آدمی ہوں گے جن کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔

مگر اس حدیث اور اس روایت میں اختلاف پیدا ہوتا ہے جس میں ہے کہ میں سب سے پہلا آدمی ہوں گا جو جنت میں داخل ہوگا۔ اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ جنت کے دروازے سے داخل ہونے والے سب سے پہلے شخص آنحضرت ﷺ ہی ہوں گے جہاں تک ان ستر ہزار کے داخل ہونے کا سوال ہے تو اس بارے میں ایک روایت آئی ہے کہ یہ لوگ جنت کے ایک بلند گوشے سے داخل ہوں گے۔ لہذا اس کے بعد دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

اسی طرح اس حدیث سے اس روایت کا خلاف بھی نہیں ہوتا جس میں ہے کہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوں گے۔ کیونکہ اس

کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے آزاد لوگوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے وہی ہوں گے۔

اسی طرح اس حدیث سے حضرت بلالؓ کی اس روایت کا خلاف بھی نہیں ہوتا جو پیچھے گزری ہے کہ جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والا شخص میں ہوں گا کیونکہ دروازہ کھٹکھٹانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ داخل بھی ہو جائیں گے لیکن اگر یہی مانا جائے کہ دروازہ کھٹکھٹانے سے داخل ہونے ہی کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو پھر مراد یہ ہوگی کہ غلاموں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے حضرت بلالؓ ہوں گے۔

ایسے ہی اس حدیث سے اس روایت کا خلاف بھی نہیں ہوتا جس میں ہے کہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والی میری بیٹی فاطمہ ہوں گی کیونکہ ظاہر ہے یہاں یہ مراد ہے کہ اس امت کی عورتوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والی حضرت فاطمہؓ ہوں گی۔ لہذا یہاں یہ اولیت اضافی ہے کہ وہ مردوں کے لحاظ سے تو بعد میں لیکن عورتوں کے لحاظ سے سب سے پہلے داخل ہونے والی ہوں گی۔ (بحوالہ سیرت حلبیہ جلد اول نصف آخر)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

* * *

خصوصیت نمبر ۹۱

رسول اکرم ﷺ کی امت کو قیامت کے دن گواہی کا شرف حاصل ہوگا

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اکانوے نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسول اکرم ﷺ کی امت کو قیامت کے دن گواہی کا شرف حاصل ہوگا'' اور دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سامنے کے بیٹھا ہوں، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس تیرے محبوب پیغمبر ﷺ کے مبارک روضہ پر بیٹھ کر تیرے محبوب ﷺ کی خصوصیت پر کام کرنے کی اس گناہ گار کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنا، آمین۔

بہرحال محترم قارئین! جیسا کہ گزشتہ خصوصیات میں آپ نے کئی خصوصیات ایسی ملاحظہ کیں کہ جنکا تعلق اخروی زندگی کے ساتھ وابستہ تھا، اسی طرح ذیل میں آنے والی خصوصیت کا تعلق بھی قیامت کے دن سے متعلق ہے، بے شک ہمارے نبی ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اعتبار سے بھی بہت سی امتیازی خصوصیات عطا فرمائیں اور آخرت کے لحاظ سے بھی، آنے والے صفحات آپ ﷺ کی امت کی ایک عظیم خصوصیت پیش کی جارہی ہے کہ قیامت کے دن آپ ﷺ کی امت کو گواہی کا شرف حاصل ہوگا، چنانچہ حضور ﷺ کے صدقے امت کو اتنی عظیم شان ملی، اسی لئے اب ہر امتی کا فرض بنتا ہے کہ وہ بھی آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرے اور آپ ﷺ کے دین کو ساری دنیا میں عام کرنے کے لئے اپنی جان، مال، وقت اور ہر چیز کو قربان کرے، بے شک اسی میں ہم سب کی کامیابی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔ لیجئے

اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

اکانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا کیا تم نے تبلیغ کی وہ عرض کریں گے یارب میں نے واقعۃً تبلیغ کی تھی۔ ان کی امت سے سوال ہوگا کہ کیا انہوں نے تم کو احکام پہنچائے؟ وہ کہیں گے نہیں۔ ہمارے پاس تو کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے دعوے کی تصدیق کے لئے گواہی دینے والا کون ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کی امتی ہیں۔ یہاں تک بیان فرمانے کے بعد آنحضرت سید عالم ﷺ نے اپنی امت کو خطاب کرکے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے آیت ذیل تلاوت فرمائی: وکذلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا "اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم دوسری امتوں کے لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور تمہارے لئے رسول ﷺ گواہ ہوں۔"

یہ بخاری شریف کی روایت ہے اور مسند احمد وغیرہ کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں بھی انکاری ہوں گی اور کہیں گی کہ ہم تک تبلیغ نہیں کی گئی۔ ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے کہ واقعی ہم نے تبلیغ کی تھی۔ اس پر ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے تو وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کو گواہی میں پیش کریں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ اور آپ کی امت سے سوال ہوگا کہ اس بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں۔ وہ جواب میں

عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو اس معاملہ کی کیا خبر ہے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امت کو تبلیغ کی۔ (درمنثور ج ۱)

آیت کا عموم لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ بھی اس کو چاہتا ہے کہ حضرت نوحؑ کے علاوہ دیگر انبیاء کی امتوں کے مقابلہ میں بھی امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ گواہی دے گی۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ جب امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ دوسری امتوں کے بارے میں گواہی دے گی کہ ان کے نبیوں علیہم السلام نے ان کو تبلیغ کی ہے تو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو لایا جائے گا اور آپ سے آپ کی امت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کیا آپ کی امت عادل ہے گواہی دینے کے لائق ہے؟ اس پر آپ ان کا تزکیہ فرمائیں گے اور گواہی دیں گے کہ واقعی میری امت عدل ہے۔ گواہی کے لائق ہے اس کی گواہی معتبر ہے۔

بلاشبہ اس امت کا بڑا مرتبہ ہے اور بڑی فضیلت ہے جس کا میدان حشر میں تمام اولین وآخرین کے سامنے ظہور ہوگا۔ یہ امت خیر الامم ہے اس کو افضل الانبیاء کی امت ہونے کا شرف حاصل ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے سب کتابوں میں سے افضل کتاب عطا فرمائی جو اللہ کی کتاب ہی نہیں اللہ کا کلام بھی ہے۔ جو چھوٹے بچوں تک کے سینوں میں محفوظ ہے اور صغیر کبیر سب کے وردِ زبان ہے۔ اللہ نے اس امت کو تمام بنی آدم سے منتخب فرمایا۔ سورۂ حج میں ارشاد ہے وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ.

"اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے اس نے تم کو منتخب فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم

رہو اللہ نے تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تاکہ تمہارے لئے رسول گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو۔"

امت محمدیہ ﷺ کی آپس میں گواہی پر بخشش کے فیصلے

اس امت کی فضیلتوں میں یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس کی گواہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے ان کی گواہی سے دوسری امتوں کے خلاف فیصلہ ہوگا اور آپس میں بھی ان کی گواہی معتبر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ کچھ لوگ ایک جنازے کو لے کر گزرے تو حاضرین نے اس جنازہ کے بارے میں اچھے کلمات کہے اور اس کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا وجبت پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے تو حاضرین نے برائی کے ساتھ اس کا ذکر کیا آپ نے اس پر بھی وجبت فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ وجبت کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں تم نے خیر کے کلمات کہے لہٰذا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور اس کے بارے میں تم نے شر کے الفاظ استعمال کئے اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی انتم شھداء اللّٰہ فی الارض یعنی تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔

(صحیح بخاری ج۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کے لئے چار آدمی خیر کی گواہی دے دیں اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے، ہم نے عرض کیا کہ اگر دو شخص گواہی دے دیں؟ آپ نے فرمایا اس کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر ہم نے ایک کی گواہی کے بارے میں دریافت نہیں کیا۔ (صحیح بخاری ج۱)

تفسیر درمنثور ج۱ میں بحوالہ مسند احمد و سنن ابن ماجہ وغیرہ حضرت ابو زہیر ثقفی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب ایسا ہوگا کہ تم اپنے اچھے لوگوں کو برے لوگوں سے ممتاز کر سکو گے۔ اور جان سکو گے کہ کون کیسا ہے ات صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اچھا ذکر ہونے سے اور برا ذکر ہونے سے یعنی

جسے مسلمان اچھا کہیں گے وہ اچھا ہے اور جسے برا کہیں وہ برا ہے تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ گواہی دینے کے اس بڑے مرتبہ سے وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو لعنت کے الفاظ زیادہ نکالتے ہیں۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ شہید ہوں گے نہ شفیع ہوں گے۔ یعنی قیامت کے دن یہ لوگ نہ گواہی دینے کے اہل ہوں گے اور نہ سفارش کرنے کے لائق ہوں گے۔ (ملخصاً از تفسیر روح البیان)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمِ

* * *

خصوصیت نمبر۹۲

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے بہترین فصیح و بلیغ انسان بنایا

قابلِ احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ بانوے نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے بہترین فصیح و بلیغ انسان بنایا" بیشک ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو باوجود امی یعنی ان پڑھ ہونے کے ایسی فصاحت و بلاغت عطا فرمائی کہ جس کا دنیا میں کوئی انسان مقابلہ نہیں کر سکتا، آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت کیسی تھی آنے والے اوراق میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے ہمیں امید ہے کہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کے مطالعے سے بھی ان شاء اللہ ہمارے ایمان میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العلمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

بانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں

عرب میں رحمتِ عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے کا زمانہ دورِ جاہلیت کہلاتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس دور کی تصویر صرف چار لفظوں میں کھینچ دی گئی ہے۔

ظن الجاهلية (آل عمران: ۱۵۴) اللہ کے بارے میں جاہلانہ گمان

حكم الجاهلية (المائدة: ۵۰) زمانہ جاہلیت کا سا فیصلہ

تبرج الجاهلية (الاحزاب: ۳۳) دورِ جاہلیت کی سی (عورتوں) کی سج دھج

حمية الجاهلية (الفتح: ۲۶) زمانہ جاہلیت کی سی ضد (اپنی ناک کی خاطر) ایک

ناروا کام کرنے پہ اصرار)

اس تفصیل کے مطابق جاہلیہ کا لفظ قرآن پاک میں صرف چار مقامات پہ استعمال ہوا ہے اور اس کے ساتھ ظن۔ حکم۔ تبرج۔ اور حمیت کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جن آیات میں یہ الفاظ آئے ہیں، مفسرین نے ان کی جو تشریح کی ہے اس کو دیکھ کر دورِ جاہلیت کے عربوں کی معاشرت اور مزاج کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ دینی اور اخلاقی زاویۂ نگاہ سے یہ بدترین تاریکی اور جہالت کا دور تھا۔ شرک (بت پرستی، کواکب پرستی) شراب خواری، قمار بازی، سود خوری، لوٹ مار، بدکاری، بے حیائی، بے شرمی، سفاکی، بے رحمی، دختر کشی، اور باہمی کشت و خون وغیرہ عرب قوم کے چہرے کے بدنما داغ تھے لیکن یہی قوم کچھ ایسے اوصاف اور ایسی خصوصیات کی حامل تھی جن کی بناء پر دنیا کی دوسری قوموں میں اس کو ایک خاص مقام حاصل تھا مثلاً شجاعت و شہامت، حریت پسندی، مساوات پسندی، مہمان نوازی اور سخاوت جیسی خوبیاں عربوں کی گھٹی میں پڑی تھیں، صاف گو ایسے تھے کہ جو دل میں ہوتا وہ زبان پر ہوتا، دوغلا پن ان میں بالکل نہیں تھا یا تو کھلے دشمن ہوتے تھے یا کھلے دوست، اگرچہ عام طور پر وہ نوشت و خواند سے عاری تھے لیکن ذہن اور حافظے کے غیر معمولی طور پر تیز تھے، ایک چیز جو ان کے لیے ہر شے سے بڑھ کر سرمایہ ناز اور باعث افتخار تھی، وہ ان کی زبان (عربی) اور اس زبان کا شعر و ادب تھا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عربی زبان دنیا کی قدیم زبانوں میں سے ایک ہے اور اس کی وسعت، جامعیت اور ہمہ گیری کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے، ایک ایک چیز کے لیے دو تین سے لے کر کئی سو تک الفاظ ہیں دو مثالیں ملاحظہ ہوں،

(1) ... مرد سفید رنگ کا ہو تو اسے ازہر، عورت سفید رنگ کی ہو تو رعبوب، گھوڑا سفید ہو تو اسے اشہب، گائے سفید ہو تو اسے لیاح، بیل سفید ہو تو اسے لھق، اونٹ سفید ہو تو اسے اعیس، گدھا سفید ہو تو اسے اقمر، ہرن سفید ہو تو اسے آدم، بال سفید ہو تو اسے اشمط، پانی سفید ہو تو اسے صاف یا خالص، شہد صاف ہو تو اسے ابیض، انگور سفید ہو تو اسے ملاحی، کاغذ یا کپڑا

سفید ہو تو اسے ابیض، چاندی سفید ہو تو اسے یقق اور دل سفید ہو تو اسے حواری کہتے ہیں۔

(۲) بہادر آدمی کو شجاع کہتے ہیں، اس سے بڑھ کر آدمی کو بطل، اس سے بڑھ کر صمہ، اس سے بڑھ کر بہمہ، اس سے بڑھ کر ذمر، اس سے بڑھ کر حلس، اس سے بڑھ کر نکل، اس سے بڑھ کر محرب اور اس سے بھی بڑھ کر بہادر آدمی کو غشمشم کہتے ہیں۔

اسی طرح تلوار، شہد، اونٹ، شیر، عورتوں کے جسمانی محاسن اور معائب کے لئے کئی سو الفاظ ہیں، چونکہ عربی زبان میں ہر خیال کے اظہار کے لیے موزوں الفاظ کی کثرت ہے، اس لیے بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ وسعت کے اعتبار سے اور شعر وادب کے میدان میں دنیا کی کوئی اور زبان عربی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ عربوں کا شعر وادب، فصاحت وبلاغت میں اپنی مثال آپ تھا اور عرب بجا طور پر اپنی زبان آوری اور فصاحت وبلاغت پر ناز کرتے تھے اور اپنے علاوہ باقی سب کو عجم (گونگا) کہتے تھے۔

فصاحت وبلاغت قریب قریب ہم معنی الفاظ ہیں، ان کا مطلب ہے خوش بیانی، خوش کلامی۔ علم معانی کی رو سے کلام میں ایسے الفاظ ہوں جو اہل زبان کے روز مرہ اور محاورہ کے خلاف نہ ہوں، مشکل اور تعقید سے نہ ہوں، موقع اور محل کے مطابق ہوں، ایسی عبارت یا ایسا کلام (تقریر یا جملہ) جس میں الفاظ تو تھوڑے ہوں لیکن ان میں مطالب ومعانی کی کثرت ہو، بھی فصاحت وبلاغت میں داخل ہے۔

عربوں میں شاعروں اور خطیبوں کو بہت اونچا مقام حاصل تھا، شعراء، خطباء اور قادر الکلام شعراء کا تعلق جس قبیلے سے ہوتا وہ قبیلہ بھی ان کی وجہ سے معزز سمجھا جاتا۔ دور جاہلیت میں عربوں کے ہاں کمال کا معیار ہی زبان وبلاغت اور فصاحت بیانی تھی۔ چنانچہ اس دور میں ایسے نامور اور شعراء پیدا ہوئے جن کی فصاحت بیانی اور کمال اعجاز نے ایسے دیا کہ ان میں سے سبعہ معلقہ شعراء ایسے تھے جن کے کلام کو آب زر سے لکھ کر کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کیا گیا۔

خطیبانہ فصاحت و بلاغت اور حسنِ کلام کو اپنا طرۂ امتیاز رکھنے والی یہی قوم تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کو مبعوث فرمایا، چونکہ اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو افضل الناس اور تمام کمالات و صفات کی جامع بنایا تھا اس لئے فصاحت و بلاغت اور حسنِ بیان کا وصف بھی آپ کو علیٰ وجہ الکمال عطا کیا گیا، اس کے دو پہلو تھے ایک تو یہ کہ آپ ﷺ کو قرآن کا لافانی معجزہ عطا ہوا جس کی فصاحت و بلاغت نے تمام فصحاءِ عرب کو ساکت و مبہوت کر دیا اور وہ اس کی ایک آیت کا جواب بھی پیش کرنے میں ناکام رہے، یہ معجزہ لسانِ رسالت ہی کے ذریعے خلقِ خدا تک پہنچا۔

دوسرا پہلو یہ تھا کہ ذاتی طور پر بھی آپ ﷺ کو تمام فصحاءِ عرب سے بڑھ کر فصاحت و بلاغت عطا کی گئی، چنانچہ آپ ﷺ تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ انا افصح العرب (یعنی میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح اللسان ہوں) اگرچہ تمام عرب قبائل کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر فصاحت و بلاغت کا دعویٰ تھا لیکن قریش اور بنو سعد بن بکر بن ہوازن مسلّم طور پر اس میں ممتاز تھے، قریش حضورِ اکرم ﷺ کا اپنا قبیلہ تھا اور آپ کے رضاعی قبیلہ بنو سعد میں آپ نے بچپن میں پرورش پائی تھی، اس ماحول میں پرورش پا کر آپ ﷺ تمام فصحاءِ عرب سے بڑھ کر فصیح اللسان ہو گئے تھے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فصاحتِ نبوی کا خاکہ یوں کھینچا ہے:

"اس طرح (قریش میں ولادت اور بنو سعد میں پرورش سے) آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت میں بادیہ نشینوں کی قوتِ بیان و متانت اور شہری اسلوب کے ساتھ شہری الفاظ کی چمک دمک اور اندازِ گفتگو کی رونق ایک ساتھ جمع ہو گئی تھی، اس سے علاوہ تائیدِ الٰہی بھی آپ ﷺ کے شاملِ حال تھی جس کی امداد وحیِ ربانی سے ہوتی تھی جس کا احاطہ انسانی قدرتِ علم سے باہر ہے۔" (فصاحتِ نبوی ص [illegible])

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں سارے عرب میں گھوما پھرا ہوں اور فصحاءِ عرب کا کلام سنا ہے مگر آپ سے بڑھ کر فصیح و بلیغ میں نے کسی

دیکھا تو آپ کو یہ ادب کس نے سکھایا؟" آپ ﷺ نے فرمایا ادبنی ربی فاحسن تادیبی یعنی مجھے تو میرے رب نے ادب سکھایا ہے اور بہت خوب ادب سکھایا ہے۔

ایک اور روایت میں آپ کے جواب میں یہ الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں و نشأت فی بنی سعد (اور میں نے قبیلہ بنی سعد میں پرورش پائی ہے) اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا بات ہے کہ آپ فصاحت میں ہم سب سے بڑھ کر ہیں حالانکہ آپ ہم سے کبھی الگ نہ ہوئے؟ آپ نے فرمایا میری زبان اسماعیل علیہ السلام کی زبان ہے اسے جبریل امین میرے پاس لائے اور مجھے سکھا دی۔ (طبقات ابن سعد)

حضور ﷺ کی گفتگو کی شان یہ تھی کہ آپ بلا ضرورت کبھی نہ بولتے تھے اور جب گفتگو فرماتے تھے تو تمام لسانی بلاغتیں اور فکری بلندیاں سرنگوں نظر آتی تھیں۔ یہی حسن کلام اور فکری اعجاز تھا کہ مشرکین مکہ کبھی آپ کو شاعر اور کبھی ساحر کہتے تھے اور مکہ میں نو وارد لوگوں کو اسی ڈر کی بنا پر آپ ﷺ سے ملنے نہیں دیتے تھے کہ وہ آپ کی گفتگو سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف مائل ہو جائیں گے خواہ مخواہ کی لفاظی، تکلف، مصنوعی انداز سے فصاحت پیدا کرنا اور منہ بنا بنا کر گفتگو کرنا آپ کو سخت ناپسند تھا اس کے برعکس آپ کی گفتگو انتہائی عام فہم سادہ (سہل ممتنع یعنی جس کی کوئی نقل نہ اتار سکے) اور آپس میں مربوط اور مرتب ہوتی تھی کہ فوراً سامع کے دل و دماغ پر اثر انداز ہوتی تھی۔ اس میں کسی گتھی یا مبہم لفظ کے آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ آپ کے ارشادات، مکالمات اور خطبات حشو و زوائد سے خالی ہوتے تھے اور ان میں ایجاز کامل کے ساتھ اعجاز بھی پایا جاتا تھا کلام کا طول و اختصار مطالب کے مطابق ہوتا تھا جہاں اطناب کا تقاضا ہوتا وہاں کلام تشریحی اور تفصیلی ہوتا، جہاں ایجاز مناسب ہوتا وہاں ایجاز کو ترجیح دیتے اور اس ایجاز میں ایک جہان معنی پنہاں ہوتا۔ حضور الفاظ ایسی ترتیب سے ادا فرماتے تھے کہ اگر سننے والا چاہے تو الفاظ کا شمار کر سکتا تھا۔ آپ ہر شخص سے گفتگو کرتے وقت اس کی ذہنی سطح اور معاشرتی درجے کا خیال رکھتے بدوی (دیہاتی صحرائی) لوگوں سے ان کے انداز و معیار کے مطابق گفتگو فرماتے اور

گفتگو میں ایسے الفاظ استعمال فرماتے جن کو وہ آسانی سے سمجھ سکتے تھے، آپ سامع کے لب و لہجے کا خیال بھی رکھتے تھے اور یہ بھی دیکھتے تھے کہ اس کا تعلق کس قبیلے سے ہے اور اس میں کس نوعیت کی زبان رائج ہے۔ عربی زبان پر آپ کی اسی غیر معمولی قدرت اور عبور کی فصاحت و بلاغت کو دیکھ کر آپ ﷺ کے صحابہ کرام بھی حیران ہوا کرتے تھے اور عرب کے دوسرے فصحاء اور مشہور شعراء بھی انگشت بدنداں ہو جاتے تھے، عہد رسالت میں ایسی مثالیں کثیر تعداد میں ملتی ہیں جن میں حضور ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن پاک کا کوئی حصہ یا آپ کے اپنے ارشادات سن کر سامع کے دل کی دنیا بدل گئی اور وہ کفر و شرک کے ظلمت کدہ سے نکل کر اسلام کی وادی نور میں داخل ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کی فصاحت و بلاغت، آپ کے انداز تکلم، اقوال، مکالمات، نصائح، خطبات، معاہدات، مکتوبات، فرامین، ادعیہ و دروس، ہر شعبے میں جلوہ گر تھی، یہ ساری چیزیں حدیث و سیرۃ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، ان کا بنظر غور مطالعہ کرنے والا قاری بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ محمد ﷺ فی الواقع افصح العرب تھے اور آپ کی گفتگو اور آپ کے کلام کی ہر نوع جامعیت اور فصاحت و بلاغت کا شاہکار، بلکہ منفرد اور بے مثال تھی، گویا آنحضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں، دعویٰ نہیں بلکہ اظہار حقیقت تھا اور کتب حدیث و سیرۃ اس کی سب سے بڑی مصدق ہیں، یہاں بطور تبرک ایک مثال پیش کی جاتی ہے، یہ ایک مکالمہ ہے جو دعوت اسلام کے اوائل میں آنحضور ﷺ اور ایک سلیم الفطرت اعرابی عمرو بن عبسہ کے درمیان ہوا۔ بہ اختلاف روایت یہ مکالمہ عکاظ کے بازار میں یا خاص مکہ شہر میں ہوا، اس کے بعد حضرت عمرو بن عبسہ مشرف بہ اسلام ہو گئے، اس مکالمہ میں سوال حضرت عمرو بن عبسہ کی طرف سے ہیں اور جواب رسول اکرم ﷺ کی طرف سے

سوال: ما الاسلام؟ اسلام کیا ہے؟

جواب: طیب الکلام و اطعام الطعام۔ پاکیزہ گفتگو اور غریبوں کو کھانا کھلانا۔

سوال: ما الایمان؟ ایمان کیا ہے؟

جواب: الصبر والسماحة۔ صبر اور نرمی۔

سوال: ای الاسلام افضل؟ اسلام کس کا افضل ہے؟

جواب: من سلم المسلمون من لسانه ویده۔ جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

سوال: ای الایمان افضل؟ ایمان کون سا افضل ہے۔

جواب: خلق حسن۔ اچھے اخلاق۔

سوال: ای الصلوة افضل؟ نماز کون سی افضل ہے؟

جواب: طول القنوت۔ لمبے قیام والی۔

سوال: ای الهجرة افضل؟ ہجرت کون سی افضل ہے؟

جواب: ان تهجر ما کره ربک۔ جو چیز تیرے رب کو ناپسند ہو اس کو چھوڑ دے۔

سوال: فای الجهاد افضل؟ جہاد کون سا افضل ہے؟

جواب: من عقر جواده واهریق دمه۔ جس کا گھوڑا بھی کام آئے اور خود بھی شہید ہو جائے۔

سوال: ای الساعات افضل؟ کون سا وقت افضل ہے؟

جواب: جوف اللیل الآخر۔ رات کا پچھلا پہر۔ [illegible]

حضور ﷺ نے ہر سوال کا جو جواب دیا اس پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں ایک جہاں معانی پوشیدہ ہے جس کی تشریح کے لیے دفتر درکار ہے یوں لگتا ہے کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔

حضور ﷺ کی فصاحت و بلاغت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ [illegible] احادیث میں آپ کے انداز بیان [illegible] ایک ہی [illegible] مختلف [illegible] ایک ہی بات کی بیان [illegible] احادیث [illegible] ہوتی ہے [illegible] ایک ہی بات [illegible] بیان [illegible] ترغیب کا [illegible] بعض صورتوں میں آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت [illegible] خیال [illegible]

تھی۔ حضور ﷺ نے مختلف موقعوں پر بے شمار خطبے دیے۔ احمد زکی صفوت نے ان میں سے بارہ خطبے اپنی کتاب "جمهرة خطب العرب" میں جمع کیے ہیں۔ ان میں بلحاظ جامعیت اور زورِ بیان پانچ خطبے سب سے بڑھ کر ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے

(۱) اولین خطبہ جس کے ذریعے آپ ﷺ نے قریش کو پہلی مرتبہ دعوتِ توحید دی۔

(۲)....یوم فتح مکہ کا خطبہ۔

(۳).....مدینے میں داخلے کا خطبہ۔

(۴).....مدینہ میں پہلا خطبہ جمعہ۔

(۵).....خطبہ حجۃ الوداع۔

ان میں سے آخر الذکر خطبہ سب سے ممتاز اور جامعیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں حضور ﷺ نے کئی ابدی آفاقی حقائق بیان کرنے کے علاوہ بہت سے فوری اہم امور کو بھی خطبے کا موضوع بنایا ہے، مثلاً حقوق اللہ، حقوق العباد، خواتین اور زیردستوں کے ساتھ حسنِ سلوک، اخلاقی، معاشی اور سیاسی زندگی کے رہنما اصول، اسلام کا حقیقی مفہوم اور اس کے تقاضے وغیرہ۔ واقعتہً بہت سے مسائل و موضوعات کو بہت تھوڑے الفاظ میں سمیٹ لینا کمال کی بلند ترین حد ہے۔ آپ ﷺ کے خطبات کو پڑھ کر یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپ ﷺ دنیا کے سب سے بڑے خطیب تھے۔ نہ آپ ﷺ سے پہلے کوئی خطیب ہوا اور نہ بعد میں۔

ان کا تکلم جانِ بلاغت نطقِ بیان کا کانِ فصاحت
ہر ہر لفظ ہے لولوئے لالا صلی اللہ علیہ وسلم   ([illegible])
خلقِ مبارک حاصلِ قرآں خلقِ عظیم شہید ہے اس کا
جانِ بلاغت روحِ فصاحت صلی اللہ علیہ وسلم   ([illegible])

([illegible])

بہرحال اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سرورِ عالم ﷺ عرب کے فصیح اللسان تھے ہی

طرح صاحب جوامع الکلم بھی تھے۔ "جوامع الکلم" فی الحقیقت فصاحت و بلاغت ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ ان سے مراد آنحضور ﷺ کے وہ کلمات ہیں جو ہیں تو مختصر لیکن معنوی اعتبار سے بڑی وسعت رکھتے ہیں یعنی قلیل الالفاظ مگر کثیر المعانی۔ جاحظ نے "جوامع الکلم" کی تعریف یوں کی ہے: "جوامع الکلم سے مراد رسول اللہ ﷺ کے وہ کلمات ہیں جو قلیل الالفاظ ہوتے ہوئے بھی کثیر المعانی ہیں۔" (البیان والتبیین)

"جوامع الکلم" کی اصطلاح حضور ﷺ کے اپنے اس ارشاد پر مبنی ہے۔ اعطیت (اوتیت) جوامع الکلم (مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں)۔

علامہ محمد مصطفیٰ الرافعی نے "جوامع الکلم" کے بارے میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے: "آپ ﷺ کا وہ جامع کلام جس کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ اور برابری کی ہی نہیں جا سکتی جو بیان و بلاغت کا آخری درجہ اور سب انتہا مدلل بھی ہے۔ جو جامع کلمات اور انوکھی حکمت پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے الفاظ و حروف کی تعداد تو قلیل ہوتی ہے لیکن معانی کی فراوانی ہوتی ہے۔" (فصاحت نبوی بحوالہ عظمت رسول)

یہاں ہم بطور تبرک "جوامع الکلم" کی پچاس مثالیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) انما الاعمال بالنیات۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ (صحیح بخاری مسلم)

(۲) اذا سرتک حسنتک وساءتک سیئتک فانت مومن۔ جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو اور برے کام سے رنج و قلق ہو تو تم مومن ہو۔ (مسند احمد)

(۳) ان الغضب لیفسد الایمان کما یفسد الصبر العسل۔ غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسا کہ صبر (ایلوا) شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ (شعب الایمان بیہقی)

(۴) من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یوذ جارہ۔ جو شخص بھی اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ (صحیح بخاری)

(۵) الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت۔ (صحیح مسلم)

(۶)……ان لکل امة فتنة وفتنة امتی المال. ہر امت کے لیے خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی خاص آزمائش مال ہے۔ (جامع ترمذی)

(۷)……الطهور شطر الایمان پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ (صحیح مسلم)

(۸)…… الطاعم الشاکر کالصائم الصابر کھانا کھا کر شکر کرنے والا صابر روزہ دار کی مانند ہے۔ (جامع ترمذی)

(۹)……ان من خیارکم احسنکم اخلاقا. بے شک تم میں سے نیک ترین وہ ہے جو تم میں سے اخلاق میں اچھا ہو۔ (صحیح بخاری، مسلم)

(۱۰)……الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الی عیاله مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اس لیے اللہ کے نزدیک بہترین شخص وہ ہے جو اللہ کے کنبے کے ساتھ احسان کرے۔ (بحوالہ بیہقی)

(۱۱)……لا یدخل الجنة القاطع قطع رحمی کرنے والا (یعنی قرابت داروں کے ساتھ قطع تعلق کرنے والا یا ان سے برا سلوک کرنے والا) جنت میں نہ جا سکے گا۔

(۱۲)……الغنی غنی النفس تونگری (دولت مندی) دل کی تونگری (دولت مندی) ہے۔ (صحیح مسلم، بخاری)

(۱۳)……ان من البیان لسحرا بے شک بعض بیان (کلام، باتیں) جادو (کا اثر رکھتے) ہیں (صحیح بخاری)

(۱۴)……الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة اخراجات میں میانہ روی (اعتدال) آدھی زندگی ہے (یعنی ضروری اور سود مند ہے)۔ (بیہقی)

(۱۵)……الدین النصیحة دین نام ہے خیر خواہی کا (یا دین سراسر خیر خواہی ہے)۔ (صحیح بخاری)

(۱۶)……الندم توبة. نادم (شرمندہ و پشیمان) ہونا ہی توبہ ہے۔ (مسند احمد)

(۱۷)……من احب ان یبسط له فی رزقه وینسأ له فی اثره فلیصل

رحمه. جو شخص اپنے رزق میں فراخی (اضافہ) اور لمبی عمر کا خواہشمند ہو اسے چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۱۸) لایؤمن عبد حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه انسان اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۱۹) ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء تم زمین والوں پر رحم کرو اور آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۲۰) ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۱) ان اللہ تعالیٰ جمیل ویحب الجمال بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور پسند کرتا ہے جمال کو۔ (صحیح مسلم)

(۲۲) لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب. طاقتور وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۲۳) من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ جس نے (احسان کرنے والے) بندوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا (مسند احمد، جامع ترمذی)

(۲۴) افضل الجهاد من قال کلمة حق عند سلطان جائر ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۲۵) زن وارجح تول اور (ترازو کا پلڑا) جھکتا رکھو۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۲۶) الصوم جنة روزہ گناہوں سے بچنے کے لیے ڈھال ہے۔ (صحیح بخاری)

(۲۷) تصافحوا یذهب الغل وتهادوا تحابوا وتذهب الشحناء تم ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ دور ہوتا ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو

ہدیہ دیا کرو، اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی۔ (موطا امام مالک)

(۲۸) ... الطیرۃ شرک. شگون لینا شرک ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۲۹) ... الاناۃ من اللّٰہ والعجلۃ من الشیطان کاموں کو متانت سے اور اطمینان سے انجام دینا اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔ (ترمذی)

(۳۰) کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ تو پردیسی ہے یا رستہ چلتا مسافر۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۳۱) لا یرحم اللّٰہ من لا یرحم الناس اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو اللہ کے بندوں پر رحم نہیں کرتا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۳۲) ... المؤمن مالف ولا خیر فی من لا یالف ولا یؤلف مومن الفت و محبت کا مرکز ہے اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(۳۳) ... ان احب الاعمال الی اللّٰہ تعالیٰ الحب فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ. اللہ تعالیٰ کو بندوں کے اعمال میں سب سے محبوب یہ عمل ہے کہ اس کی محبت بھی اللہ کے لیے ہو اور بغض بھی اللہ کے لیے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

(۳۴) ... حسن الظن من حسن العبادۃ. اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں) نیک گمانی بہترین عبادت ہے۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(۳۵) ... من یحرم الرفق یحرم الخیر جو شخص نرمی کی صفت سے محروم کیا گیا وہ تمام خیر (ہر اچھائی اور بھلائی) سے محروم کیا گیا۔ (صحیح مسلم)

(۳۶) ... طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ. (دیگر) فرائض کے بعد حلال کمائی کی تلاش فرض ہے۔ (جامع ترمذی)

(۳۷) تعوذوا باللّٰہ من جہد البلاء ودرک الشقاء وسوء القضاء وشماتۃ الاعداء. اللہ کی پناہ مانگو بلاؤں کی سختی سے اور بدبختی کے لاحق ہونے سے اور بری

تقدیر سے اور دشمنوں کی شماتت سے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۳۸) ہدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم۔ زندوں کا خاص ہدیہ مردوں کے لیے ان کے حق میں دعائے مغفرت ہے۔ (شعب الایمان بیہقی)

(۳۹) اماطۃ الاذی عن الطریق۔ ایمان کا ایک ادنیٰ حصہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۴۰) انما الطاعۃ فی معروف۔ اطاعت تو صرف نیک کاموں میں ہوتی ہے۔ (صحیحین)

(۴۱) ادومہ وان قل۔ وہ کام سب سے زیادہ پسندیدہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۴۲) طاعۃ النساء ندامۃ۔ عورتوں کی (بلا سوچے سمجھے) اطاعت سے ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔ (ابن عساکر)

(۴۳) الدعاء مخ العبادۃ۔ دعا عبادات کا مغز ہے۔ (جامع ترمذی)

(۴۴) کل معروف صدقۃ۔ ہر بھلائی صدقہ ہے۔ (بخاری)

(۴۵) ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔ تم بدگمانی سے بچو، بے شک بدگمانی تو بالکل جھوٹی بات ہے۔ (صحیح مسلم، ترمذی)

(۴۶) الحکمۃ ضالۃ المؤمن یلتقطھا حیث وجدھا۔ دانائی مومن کی گمشدہ متاع ہے جہاں کہیں اسے پڑی ہے مل جاتی ہے۔ (ترمذی)

(۴۷) المرء مع من احب۔ انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی (یعنی قیامت کے دن اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا) (بخاری)

(۴۸) قل آمنت باللہ ثم استقم۔ کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس قول پر جم جاؤ۔ (صحیح مسلم)

(۴۹) رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما علیھا۔ اللہ کی راہ

میں ایک دن پاسبانی کرنا دنیا اور اس کے تمام ساز و سامان سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری، مسلم)

(۵۰) ۔ الید العلیا خیر من الید السفلی، الید العلیا ھی المنفقة والسفلی ھی السائلة ۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ۔ (صحیح بخاری)

(بحوالہ منتخب نبوی اعمال)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

* * *

خصوصیت نمبر ۹۳

رسول اکرم ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ترانوے نمبر خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا" الحمد للہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سامنے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا۔ اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا۔ بے شک دیگر انبیاء کو بھی اللہ تعالیٰ نے معجزات عطا فرمائے لیکن سب سے بڑا معجزہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمایا تو معلوم ہوا کہ کائنات کا سب سے بڑا معجزہ کا ملنا بھی ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیت ہے جبکہ دیگر انبیاء کے پاس یہ خصوصیت نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ سب سے بڑے معجزے سے ہماری مراد قرآن کریم ہے۔ بے شک قرآن کریم ہی کا سب سے بڑا معجزہ ہے جیسا کہ اس کی تفصیل آنے والے اوراق میں آ رہی ہے اگرچہ قرآن کریم بذات خود ایک الگ خصوصیت ہے اور پھر اس میں کئی اور خصوصیات ہیں چنانچہ اس لئے قرآن کریم سے متعلق ایک الگ خصوصیت الگ سے ترتیب دی گئی تھی جسے آپ پچھلی جلد میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ لہٰذا یہاں قرآن کے معجزہ ہونے سے متعلق تفصیل ہے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کائنات کے

اس سب سے بڑے معجزے کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) بے شک جو قوم بھی اس معجزے کو سینے سے لگائے گی وہ سر بلند ہوگی، اور جس نے اسے چھوڑا وہ قعر ذلت میں جا گرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس قرآن پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

ترانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: انبیاء میں سے ہر ایک نبی کو معجزات سے صرف اتنا دیا گیا جس پر انسان ایمان لائے، اور جو معجزہ مجھ کو ملا وہ خدا کی وحی ہے جو اس نے میری طرف بھیجی (اور جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے) اس کی بناء پر مجھے یقین ہے کہ قیامت کے دن میرے ماننے والوں کی تعداد تمام انبیاء کے ماننے والوں سے زیادہ ہوگی۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: .. مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام چونکہ مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت ونبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو کچھ ایسے معجزے عطا فرماتا ہے جس کو وہ اپنے دعوے کی دلیل وبرہان کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں، چنانچہ جتنے بھی نبی اور رسول اس زمین پر آئے ان کو کسی نہ کسی نوعیت کا ایسا معجزہ دیا گیا جس کو دیکھ کر عقل سلیم رکھنے والا انسان اس نبی کی تصدیق کر سکے اور اس پر ایمان لا سکے لیکن رسول اکرم ﷺ سے پہلے جس نبی کو جو بھی معجزہ دیا گیا وہ اس نبی کے زمانہ اور اس کی حیات تک مخصوص اور باقی رہا، اس نبی کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے ساتھ اس کا معجزہ بھی ختم ہو گیا، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر اور جادو کا زبردست چرچا تھا بڑے بڑے جادوگر اپنے فن کا کمال دکھایا کرتے تھے اور لوگ ان کے فن کے کمال سے متاثر ہوتے تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصا کا معجزہ دیا گیا، ان کے دونوں معجزوں نے تمام چھوٹے بڑے جادوگروں کا چیلنج فیل کر دیا اور نہ صرف عام لوگوں کو بلکہ خود

ان جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب و حکمت کا بڑا زور تھا اس وقت بڑے بڑے قابل اور ماہر فن طبیب اور حکیم موجود تھے جو پیچیدہ سے پیچیدہ دکھ اور بیماری کو جڑ سے اکھیڑ دیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، کوڑھی کو تندرست اور اندھے کو بینا بنا دیتے تھے، اس طرح ان کا یہ معجزہ اپنے زمانہ کے نہایت ترقی یافتہ طب و حکمت پر غالب رہا، لیکن نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ان کے بعد باقی رہا اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دائمی حیثیت حاصل ہوئی اور رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا، عرب فصحاء کا دعویٰ تھا کہ ان کی فصاحت و بلاغت کے سامنے دنیا کے تمام لوگ "گونگے" ہیں، چنانچہ رسول اکرم ﷺ پر قرآن کریم نازل کیا گیا جس کی فصاحت و بلاغت نے عرب کے بڑے سے بڑے فصیح و بلیغ کی فصاحت و بلاغت کو ماند کر دیا، اپنی زبان دانی اور سحر بیانی کا بلند بانگ دعویٰ کرنے والے مغلوب ہو گئے تمام فصیح مل کر بھی قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت جیسا کلام بھی پیش نہ کر سکے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم معجزہ کو قیامت تک کے لئے باقی رکھا جو ہر زمانے اور ہر طبقہ میں سید العالمین ﷺ کی نبوت و رسالت کی صداقت پر پوری حقانیت اور یقین کے ساتھ گواہی پیش کرتا رہا ہے اور پیش کرتا رہے گا۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ مجھے عطا کیا جانے والا یہ عظیم معجزہ چونکہ قیامت تک باقی رہے گا اور لوگ برابر اس پر ایمان لاتے رہیں گے اس لئے قیامت کے دن اکثریت ان اہل ایمان کی ہوگی جو میری نبوت و رسالت پر عقیدہ رکھنے والے اور میرے اس معجزہ قرآن کریم کو ماننے والے ہوں گے۔

قرآن آپ ﷺ کا عظیم معجزہ ہے

جب معجزات کی بات ہوگی تو ہم آپ ﷺ کے سب سے بڑے معجزے کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے، جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی، جو کل بھی معجزہ تھا اور آج بھی معجزہ ہے

دوسرے معجزات کو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا مگر اسے ہم دیکھ سکتے ہیں۔ ہم نے شق قمر نہیں دیکھا، ہم نے درختوں کو سلام کرتے نہیں دیکھا، ہم نے ستون حنانہ کا گریہ نہیں سنا، ہم نے کنکریوں کی تسبیح نہیں سنی، ہم نے انگلیوں سے چشمہ جاری ہوتے نہیں دیکھا، ہم نے گونگوں کو بولتے اور اندھوں کو بینا ہوتے نہیں دیکھا، اگرچہ ہم ان تمام معجزات کو تسلیم کرتے ہیں مگر ان کا ہم نے مشاہدہ نہیں کیا، مگر اس معجزے کا مطالعہ اور مشاہدہ ہم دن رات کرتے ہیں یہ معجزہ ہر ملک ہر شہر، ہر بستی بلکہ اکثر گھروں میں بھی موجود ہے۔

یہ معجزہ قرآن حکیم ہے اس معجزے کا مقابلہ عام لوگ تو کیا کریں گے حقیقت میں دوسرے انبیاء کے معجزات بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے نوح ؑ کی کشتی، سلیمان ؑ کا تخت، صالح ؑ کی اونٹنی، موسیٰ ؑ کا عصا، موسیٰ ؑ کا ید بیضا، مچھلی کے پیٹ میں یونس ؑ کی زندگی، اور یوسف ؑ کی قمیص ان میں سے کوئی چیز بھی قرآن کے مقابلے میں نہیں رکھی جا سکتی۔

قرآن حکیم اور ان معجزات میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ وہ معجزات عارضی اور فانی تھے، جبکہ قرآن دائمی اور ابدی معجزہ ہے جس کی وجہ صاف ظاہر ہے وہ یہ کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے، نبوت کی صداقت کا شاہد ہوتا ہے اور دلیل اور شاہد کی صرف اس وقت تک ضرورت ہوتی ہے جب تک دعویٰ ہو، جب دعویٰ ہی باقی نہ رہے تو دلیل اور شاہد کی ضرورت باقی نہیں رہتی، سابقہ انبیاء نے یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ ہماری نبوت دائمی ہے، ان کی نبوتیں ایک مخصوص وقت کے لئے اور مخصوص قوموں کے لئے ہوتی تھیں، اس لئے ان کے معجزات بھی عارضی اور وقتی تھے۔

لیکن سید الکونین رسول اللہ ﷺ کی نبوت دائمی ہے اس وقت تک کے لئے ہے جب تک زندگی کا سوز و ساز باقی ہے، اس لئے آپ کو معجزہ بھی ایسا عطا کیا گیا جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے قرآن نے جیسے اپنے نزول کے زمانے کے انسانوں کو چیلنج کیا تھا، کہ اگر تمہیں میری صداقت میں کوئی شک ہے تو مثل بنا کے دکھا دو۔

اسی طرح آج دنیا کے شرق و غرب کے تمام انسانوں کو بھی اس کا چیلنج ہے کہ اگر تمہیں میرے کلام ربانی ہونے میں شک ہے تو لاؤ میری چھوٹی سی چھوٹی سورت کی مثل تیار کر کے۔

قرآن کا معجزہ ہونا رسول اکرم ﷺ کی نبوت کی ایک مستقل دلیل ہے اگر آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی نے آنا ہوتا تو آپ ﷺ کو ایسا معجزہ نہ دیا جاتا جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے، بلکہ دوسرے انبیاء کی طرح آپ ﷺ کو بھی ایسا معجزہ دیا جاتا جو آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے ساتھ ہی نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔

ایسا نہیں ہوا اس لئے نہیں ہوا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین تھے آپ کی نبوت کو ہمیشہ رہنا تھا تو رسول اکرم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی ایسے لوگ آسکتے تھے جو آپ کی نبوت اور صداقت کی نشانی مانگتے، جیسا کہ ہر نبی سے اس کے زمانے کے لوگ نشانیاں مانگتے رہے ہیں اس لئے آپ کو نبوت کی ایک ایسی ابدی نشانی عطا کر دی گئی جو ان لوگوں کا منہ بند کر سکے۔

قرآن اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے درمیان ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن علمی معجزہ ہے جبکہ وہ معجزات مادی تھے، اصل میں ان معجزات کے ظہور کا جو وقت تھا وہ انسان کے عہد طفولیت یا آغاز شباب کا وقت، سائنسی تحقیقات کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا اور قرآن جن زمانوں کے لئے نازل ہو رہا تھا ان زمانوں میں علمی انکشافات، سائنٹیفک تحقیقات اور سائنسی ایجادات کا سلسلہ شروع ہونے والا تھا قرآن کو مستقبل کے چیلنجوں کا سامنا تھا قرآن کو نازل کرنے والا اللہ جانتا تھا کہ انسان علمی اعتبار سے دور شباب میں قدم رکھنے والا ہے، وہ وقت آ رہا ہے جب کائنات کا گوشہ گوشہ کھنگالا جائے گا ستاروں پر کمندیں ڈالی جائیں گی، شمس و قمر کی تسخیر کی کوشش کی جائے گی معاشیات نفسیات سیاسیات اور اخلاقیات کے الگ الگ شعبے قائم ہوں گے اور ان پر ریسرچ ہو گی تو میرے آقا کو ایسا معجزہ عطا کیا، جس میں ان سب علوم کے اصول موجود ہیں، اسی لئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

فرماتے ہیں مَن اَرَادَ التَّعلِیمَ فَعَلَیهِ بِالقُرآنِ فَاِنَّ فِیهِ خَبَرَ الاَوَّلِینَ وَالآخِرِینَ. جو شخص علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس پر قرآن کا دامن تھامنا لازم ہے کیونکہ قرآن میں پہلوں اور بعد والوں سب کا علم موجود ہے۔

اور ابن ابی الفضل المرسیؒ فرماتے ہیں جَمَعَ القُرآنُ عُلُومَ الاَوَّلِینَ وَالآخِرِینَ بِحَیثُ لَم یُحِط عِلماً حَقِیقَةً اِلَّا المُتَکَلِّمُ ثُمَّ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم. ای قرآن نے اول سے آخر تک ابتداء سے انتہا تک تمام علوم کو اس طرح اپنے اندر جمع کر لیا ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے۔ ان علوم کا نہ آج تک کوئی احاطہ کر سکا ہے نہ کر سکے گا۔

اور محقق ابن سراقہ کتاب الاعجاز میں لکھتے ہیں مَا مِن شَیءٍ فِی العَالَمِ اِلَّا وَهُوَ فِی کِتَابِ اللهِ. کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کا ذکر قرآن میں موجود نہ ہو۔

تو علمی اور سائنسی دور کے اعتبار سے آپ ﷺ کو علوم و معارف کا ایسا بے مثال انسائیکلوپیڈیا عطا کیا گیا جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے آپ دنیا کے کسی مفید علم و فن کی نشاندہی نہیں کر سکتے جن کی اصل قرآن میں موجود نہ ہو، اس میں علم تاریخ ہے، علم قصص ہے علم قرأت و تجوید ہے علم نحو ہے علم اصول اور علم کلام ہے علم تذکیر اور وعظ ہے علم میراث ہے علم معانی اور بیانی اور بدیع ہے، علم تصوف ہے فلسفہ ہے بعض علماء نے تو قرآن سے سائنس، طب، ہیئت، ہندسہ، جدل اور جبر و مقابلہ تک کے اصول بھی اخذ کئے ہیں۔

علاوہ ازیں ایک تیسری بات بھی پیش نظر رکھیں وہ یہ کہ مختلف انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات عطا کئے گئے وہ ان کے دور کے ذوق اور حالات کے اعتبار سے دیئے گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا بڑا زور تھا جادوگر اپنے فن پر اتراتے پھرتے تھے اور عوام تو کیا خواص بھی ان سے بڑے متاثر تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا معجزہ دیا گیا جس نے جادوگروں کو سر عام شکست سے دوچار کیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنات کی ہیبت دلوں پر چھائی ہوئی تھی، اور وہ اپنی طاقت کے بل پر عجیب عجیب کرشمے دکھاتے

تھے اللہ تعالیٰ نے جنات کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا جو ان سے ہر طرح کی خدمت لیتے تھے اور وہ زر خرید غلاموں کی طرح ان کے حکموں کی بجا آوری میں مصروف رہتے تھے۔ اسی طرح ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا جس کے دوش پر سوار ہو کر وہ جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے اور یہ ایک ایسا معجزہ تھا جس کی مثال پیش کرنے سے جن وانس عاجز تھے۔ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں طب و حکمت کا بڑا رواج چلا تھا۔ حکماء اور اطباء ایسی ایسی دوائیں اور مرہمیں تیار کرتے تھے کہ عقل ان کی قوت تاثیر پر دنگ رہ جاتی تھی، پرانے پرانے مریض شفایاب ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں میں ایسی شفا رکھ دی کہ مادر زاد اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے تھے تو اس کی بینائی بحال ہو جاتی تھی۔ کوڑھی کے جسم پر ہاتھ پھیرتے تھے تو اس کا کوڑھ ختم ہو جاتا تھا اور اس کی جلد خوبصورت ہو جاتی تھی۔ اپاہج کی ٹانگوں پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ چلنے لگتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرماتے تھے کہ میں جو کچھ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے کرتا ہوں یہ میرا کوئی ذاتی کارنامہ نہیں ہے۔ اور اس بات کی وضاحت اللہ کا ہر رسول کرتا رہا ہے عام لوگوں میں انبیاء کی نسبت یہ غلط عقیدہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ براہ راست عالم کائنات کے تصرف پر قادر ہیں۔ چنانچہ موجودہ انجیل کے مصنفوں نے حضرت عیسیٰ کے معجزات کو جس طریقے سے پیش کیا ہے، اس نے عیسائیوں کے دلوں میں یقین پیدا کر دیا ہے کہ یہ تمام کائنات حضرت عیسیٰ کے قبضۂ قدرت میں تھی۔ اور وہ جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے، یہی بنیادی پتھر ہے جس پر انجیل کے مصنفوں نے دین کی دیوار کھڑی کی، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ توحید کی عمارت اس پر قائم شدہ تھی قرآن مجید نے نہایت شدت اور نہایت اصرار سے یہ حقیقت واضح کی ہے، کہ معجزات اور نشانات پیغمبر کی قوت اور ارادے سے نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور مشیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ فرمایا قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ۔ (الانعام ص ۳)

ترجمہ: کہہ دے اے پیغمبر کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔ قُلْ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً۔ (انعام ص ۳) ترجمہ: کہہ دے اے پیغمبر کہ خدا کو قدرت ہے کہ وہ نشانی

اشارے۔ سب سے زیادہ صاف اور صریح آیت یہ ہے۔ وما کان لرسول ان یاتی بایۃ الا باذن اللہ۔ (رعد ۲) ترجمہ: کسی رسول کی قدرت نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لائے۔

انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات جس عبارت اور لب ولہجہ میں بیان ہوئے ہیں۔ ان کا صاف منشاء یہ ہے کہ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام کائنات کی بادشاہی سپرد کردی گئی تھی۔ اس لئے وہ خاص اپنی قدرت سے جو چاہتے تھے کردیتے تھے۔ لیکن قرآن مجید اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات کو بیان کردیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ اس عقیدہ باطل کو بھی رد کرتا گیا ہے اور نہایت تصریح کے ساتھ یہ ظاہر کردیا ہے کہ یہ جو کچھ تھا خدا کی قدرت سے تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اختیار سے نہیں چنانچہ خود عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے قرآن کہتا ہے۔

انی قد جئتکم بایۃ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللہ۔ (آل عمران ۴) ترجمہ: میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں مٹی سے پرندہ کی صورت کا جانور بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں۔ تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہوجاتا ہے اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا اور مردے کو زندہ کرتا ہوں خدا کے حکم سے۔

بہرحال چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب اور حکمت کا بڑا شہرہ تھا اس لئے انہیں طب اور حکمت کی صورت میں ایسا معجزہ دیا گیا جس کی مثال لانے سے ان کے مخاطب قاصر تھے ظاہر ہے کہ وہ سر اور پیٹ کی بیماریوں کا علاج کرسکتے تھے زخموں کو مرہم سے ٹھیک کرسکتے تھے، جوڑوں کے درد کی دوا دے سکتے تھے مگر اندھوں کو بینا کرنا کوڑھیوں کو تندرست کرنا اور اپاہجوں کو چلتا کردینا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

اسی طرح سرکار دوجہاں ﷺ کی ولادت جس خطے میں ہوئی اور جہاں آپ کو نبوت

سے نوازا گیا اس خطے کے باسیوں کو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس طریقے سے ہم مافی الضمیر کا اظہار کر سکتے ہیں دنیا کی کوئی دوسری قوم اس طریقے سے مافی الضمیر کا اظہار نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہ اپنے مقابلے میں ساری دنیا کو گونگا (عجمی) سمجھتے تھے کسی بھی قبیلے کا شاعر اور ادیب اس قبیلے کی جان ہوتا تھا اور ہر قبیلے کا فرد اس پر فخر کرتا تھا۔ حالت یہ تھی کہ اگر کوئی نامی گرامی شاعر کسی نادار کے گھر میں قدم رکھ لیتا تھا تو اس گھر کی اور گھر والوں کی قسمت بدل جاتی تھی تو چونکہ اہل عرب کو اپنی قادر الکلامی اور فصاحت و بلاغت پر بڑا غرور تھا اس لئے حضور ﷺ کو فصاحت و بلاغت کا ایک شاہکار عطا کیا گیا جس کی مثال لانے سے ان کی زبانیں گنگ اور ان کی قلم اور دواتیں خشک ہو گئیں اور یہ صرف ماضی کی بات نہیں بلکہ آج بھی قرآن حکیم کی مثال لانے سے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں رہنے والے سب عاجز ہیں اور حقیقت میں قرآن مجید ایک معجزہ نہیں بلکہ کئی معجزوں کا مجموعہ ہے اس کا انداز بیان معجزہ ہے یہ جامعیت میں معجزہ ہے یہ اثر آفرینی میں معجزہ ہے بلکہ جو خوش قسمت انسان قرآن میں ڈوب جاتا ہے اور قرآن کو اپنے قلب و دماغ اور سیرت و کردار میں سمو لیتا ہے اس کے اندر بھی اعجازی صفت پیدا ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم معجزہ کی قدر کرنے اور اس کے سارے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

([illegible])

قرآن ایک زندہ اور قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے

اب ذیل میں ہم حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب کی مایہ ناز تفسیر معارف القرآن سے قرآن کریم کے اس عظیم معجزہ سے متعلق یہ شاندار مضمون پیش کر رہے ہیں جس میں بڑے بہترین انداز میں اعجاز قرآنی کی تشریح کی گئی ہے۔ چونکہ ہمارے موضوع کی مناسبت سے ہے اس لئے افادہ عام کے لئے درج کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات صرف ان کی حیات تک معجزہ ہوتے، لیکن قرآن کا معجزہ بعد وفات رسول اکرم ﷺ بھی اسی طرح معجزہ کی حیثیت میں باقی ہے، آج بھی ایک ادنیٰ مسلمان ساری دنیا کے اہل علم و دانش کو للکار کر دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کی مثال نہ کوئی پہلے لا سکا، نہ آج لا سکتا ہے، اور جس کو ہمت ہو پیش کر کے دکھلائے۔

شیخ جلال الدین سیوطی مفسر جلالین نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں آپ ﷺ کے دو معجزوں کے متعلق بحوالۂ حدیث لکھا ہے کہ قیامت تک باقی ہیں، ایک قرآن کا معجزہ دوسرے یہ کہ رسول اکرم ﷺ سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایام حج میں تینوں جمرات پر لاکھوں آدمی تین روز تک مسلسل کنکریاں پھینکتے ہیں پھر کوئی ان کنکریوں کے ڈھیر کو یہاں سے اٹھاتا بھی نظر نہیں آتا، اور ایک مرتبہ پھینکی ہوئی کنکر کو دوبارہ استعمال کرنا بھی ممنوع ہے، اس لئے ہر حاجی اپنے لئے مزدلفہ سے کنکریاں نئی لے کر آتا ہے، اس کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ جمرات کے گرد ایک ہی سال میں ٹیلا لگ جاتا، جس میں جمرات چھپ جاتے اور چند سال میں تو پہاڑ ہو جاتا۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے کہ جس جس شخص کا حج قبول ہو اس کی کنکریاں اٹھائی جائیں، تو اب اس جگہ صرف ان کم نصیبوں کی کنکریاں رہ جاتی ہیں جن کا حج قبول نہیں ہوا، اس لئے اس جگہ پڑی ہوئی کنکریاں بہت کم نظر آتی ہیں، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہاں پہاڑ کھڑا ہو گیا ہوتا۔ یہ روایت سنن بیہقی میں موجود ہے۔

یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ کی سچائی کی تصدیق ہر سال اور ہر زمانے میں ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ حج میں لاکھوں آدمی ہر سال جمع ہو جاتے ہیں، اور ہر شخص ہر روز سات سات کنکریاں پھینکتا ہے، اور بعض جاہل تو بڑے بڑے پتھر پھینکتے ہیں، اور یہ بھی یقینی طور پر معلوم ہے کہ ان کنکریوں کو یہاں سے اٹھانے اور صاف کرنے کا حکومت یا کوئی جماعت بھی روزانہ انتظام نہیں کرتی، نہ اٹھائی جاتی ہیں، اور جیسا قدیم سے دستور چلا آتا ہے کہ اس جگہ سے کنکریاں اٹھائی ہی نہیں جاتیں تو اگلے سال

اس کا دوگنا اور تیسرے سال تگنا ہو جائے گا، پھر کیا شبہ ہے کہ چند سال میں یہ حصۂ زمین منیٰ جمرات کے ان کنکریوں میں چھپ جائے گا، اور بجائے جمرات کے ایک پہاڑ کھڑا نظر آئے مگر مشاہدہ اس کے خلاف ہے، اور یہ مشاہدہ ہر زمانے میں رسول اکرم ﷺ کی تصدیق اور آپؐ پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے، سنا ہے کہ اب یہاں سے کنکریاں اٹھانے کا کچھ انتظام ہونے لگا ہے مگر تیرہ سو برس تک کا عمل بھی اس مضمون کی تصدیق کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح معجزۂ قرآن ایک زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ ہے جیسے رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں اس کی نظیر یا مثال پیش نہیں کی جا سکی، آج بھی نہیں کی جا سکتی۔

اعجاز قرآنی کی تشریح

اس اجمالی بیان کے بعد آپ کو یہ معلوم کرنا ہے کہ قرآن کریم کو کس بناء پر رسول اکرم ﷺ کا معجزہ قرار دیا گیا، اور اس کا اعجاز کن کن وجوہ سے ہے، اور کیوں ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہوگئی۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ چودہ سو برس کے عرصہ میں قرآن کی زبردست تحدی (چیلنج) کے باوجود کوئی اس کی یا اس کے کسی ٹکڑے کی مثال پیش نہیں کر سکا، یہ تاریخی حیثیت سے کیا وزن رکھتا ہے، یہ دونوں باتیں طویل الذکر اور تفصیل کی طالب ہیں۔

وجوہِ اعجاز قرآنی

پہلی بات کہ قرآن کو معجزہ کیوں کہا گیا؟ اور وہ کیا وجوہ ہیں جن کے سبب ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے، اس پر قدیم و جدید علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، اور ہر مفسر نے اپنے اپنے طرز میں اس مضمون کو بیان کیا ہے، ہم اختصار کے ساتھ چند باتیں عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

اس جگہ سب سے پہلے غور کرنے کی چیز ہے کہ یہ عجیب و غریب کل علوم کی جامع کتاب، کس جگہ، کس ماحول میں، اور کس پر نازل ہوئی؟ اور کیا وہاں کچھ ایسے علمی سامان

موجود تھے، جن کے ذریعہ دائرہ اسباب میں ایسی جامع بے نظیر کتاب تیار ہو سکے، جو علوم اولین و آخرین کی جامع، اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق بہترین ہدایت پیش کر سکے، جس میں انسان کی جسمانی اور روحانی تربیت کا مکمل نظام ہو، اور تدبیر منزل سے لے کر سیاست ممالک تک ہر نظام کے بہترین اصول ہوں۔

جس سرزمین اور جس ذات پر یہ کتاب مقدس نازل ہوئی اس کی جغرافیائی کیفیت اور تاریخی حالت معلوم کرنے کے لئے آپ کو ایک ریگستانی خشک اور گرم علاقہ سے سابقہ پڑے گا جس کو بطحاء مکہ کہتے ہیں اور جو نہ زرعی ملک ہے نہ صنعتی، نہ اس ملک کی آب و ہوا ہی کچھ ایسی خوشگوار ہے جس کے لئے باہر کے آدمی وہاں پہنچنے کی رغبت کریں، نہ راستے ہی کچھ ہموار ہیں جن سے وہاں پہنچنا آسان ہو، اکثر دنیا سے کٹا ہوا ایک جزیرہ نما ہے، جہاں خشک پہاڑوں اور گرم ریگ کے سوا کچھ نہیں نظر آتا، اور دور تک نہ کہیں بستی نظر آتی ہے نہ کوئی کھیت نہ کوئی درخت۔

اس پورے خطۂ ملک میں کچھ بڑے شہر بھی نہیں، چھوٹے چھوٹے گاؤں اور ان میں اونٹ بکریاں پال کر اپنی زندگی گزارنے والے انسان بستے ہیں، اس کے چھوٹے دیہات کا تو دیکھنا کیا، جو برائے نام چند شہر کہلاتے ہیں، ان میں بھی کسی قسم کے علم و تعلیم کا کوئی چرچا نہیں، نہ وہاں کوئی اسکول اور کالج ہے نہ کوئی بڑی یونیورسٹی یا دار العلوم، وہاں کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے محض قدرتی اور پیدائشی طور پر فصاحت و بلاغت کا ایک فن ضرور دے دیا ہے، جس میں وہ ساری دنیا سے فائق اور ممتاز ہیں، وہ نثر اور نظم میں ایسے قادر الکلام ہیں کہ جب بولتے ہیں تو رعد کی طرح کڑکتے اور بادل کی طرح برستے ہیں، ان کی ادنیٰ ادنیٰ چھوکریاں ایسے فصیح و بلیغ شعر کہتی ہیں کہ دنیا کے ادیب حیران رہ جائیں۔

لیکن یہ سب کچھ ان کا فطری فن ہے، جو کسی مکتب یا مدرسہ میں حاصل نہیں کیا جاتا، غرض نہ وہاں تعلیم و تعلم کا کوئی سامان ہے، نہ وہاں کے رہنے والوں کو ان چیزوں سے کوئی لگاؤ یا دلچسپی ہے، ان میں کچھ لوگ شہری زندگی بسر کرنے والے ہیں تو وہ تجارت پیشہ ہیں،

مختلف اجناس، مال کی درآمد برآمد ان کا مشغلہ ہے۔

اس ملک کے قدیم شہر مکہ کے ایک شریف گھرانے میں وہ ذات مقدس پیدا ہوتی ہے جو مہبط وحی ہے، جس پر قرآن اترا ہے، اب اس ذات مقدس کا حال پڑھیے:

ولادت سے پہلے ہی والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، پیدا ہونے سے پہلے یتیم ہو گئے، ابھی سات سال بھی عمر نہ تھی کہ والدہ کی بھی وفات ہو گئی، آغوش مادر کا گہوارہ بھی نصیب نہ رہا، شریف آباء و اجداد کی فیاضی اور بے مثل سخاوت نے اپنے گھر میں کوئی اندوختہ نہ چھوڑا تھا، جس سے یتیم کی پرورش اور آئندہ زندگی کا سامان ہو سکے، نہایت عسرت کی زندگی، پھر ماں باپ کا سایہ سر پر نہیں، ان حالات میں رسول اکرم ﷺ نے پرورش پائی، اور عمر کا ابتدائی حصہ گزارا جو تعلیم و تعلم کا اصلی وقت ہے، اس وقت اگر مکہ میں کوئی دارالعلوم یا اسکول و کالج بھی ہوتا تو بھی آپ ﷺ کے لئے اس سے استفادہ مشکل تھا، مگر معلوم ہو چکا کہ وہاں سرے سے یہ علمی مشغلہ اور اس سے دلچسپی ہی کسی کو نہ تھی، اسی لئے یہ پوری قوم عرب امیین کہلاتے تھے، قرآن کریم نے بھی ان کے متعلق یہ لفظ استعمال کیا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ آپ ﷺ ہر قسم کی تعلیم و تعلم سے بے خبر رہے، وہاں کوئی بڑا عالم بھی ایسا نہ تھا جس کی صحبت میں رہ کر یہ علوم حاصل کیے جا سکیں، جن کا قرآن حامل ہے، پھر قدرت کو تو ایک خرق العادۃ معجزہ دکھلانا تھا، آپ ﷺ کے لئے خصوصی طور پر ایسے سامان ہوئے معمولی نوشت و خواند جو ہر جگہ کے لوگ کسی نہ کسی طرح سیکھ ہی لیتے ہیں آپ نے وہ بھی نہ سیکھی، بالکل امی محض رہے، کہ اپنا نام تک بھی نہ لکھ سکتے تھے، عرب کا مخصوص فن شعر و سخن تھا، جس کے لئے خاص خاص اجتماعات کیے جاتے اور مشاعرے منعقد ہوتے، اور اس میں ہر شخص مسابقت کی کوشش کرتا تھا، آپ کو حق تعالیٰ نے ایسی فطرت عطا فرمائی تھی کہ ان چیزوں سے بھی دلچسپی نہ لی، نہ کبھی کوئی شعر یا قصیدہ لکھا، نہ کسی ایسی مجلس میں شریک ہوئے۔

ہاں امی محض ہونے کے ساتھ بچپن سے ہی آپ ﷺ کی شرافت نفس، اخلاق فاضلہ، فہم و فراست کے غیر معمولی آثار، دیانت و امانت کے اعلیٰ ترین شاہکار آپ کی ذات مقدس

میں ہر وقت مشاہدہ کئے جاتے تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب کے بڑے بڑے مغرور و متکبر سردار آپ ﷺ کی تعظیم کرتے تھے، اور سارے مکہ میں آپ ﷺ کو امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ یہ امی محض چالیس سال تک مکہ میں اپنی برادری کے سامنے رہتے ہیں، کسی دوسرے ملک کا سفر بھی نہیں کرتے، جس سے یہ خیال پیدا ہو سکے کہ وہاں جا کر علوم حاصل کئے ہوں گے، صرف ملک شام کے دو تجارتی سفر ہوئے وہ بھی گنے چنے چند دن کے لئے جس میں اس کا کوئی امکان نہیں۔

اس امی محض ذاتِ مقدس کی زندگی کے چالیس سال مکہ میں اپنی برادری میں اس طرح گزرے کہ نہ کبھی کسی کتاب یا قلم کو ہاتھ لگایا، نہ کسی مکتب میں گئے، نہ کسی مجلس میں کوئی نظم یا قصیدہ ہی پڑھا ٹھیک چالیس سال کے بعد ان کی زبان پر وہ کلام آنے لگا جس کا نام قرآن ہے جو اپنی لفظی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اور معنوی علوم و فنون کے لحاظ سے محیر العقول کلام ہے، اگر صرف اتنا ہی ہوتا تو بھی اس کا معجزہ ہونے میں کسی انصاف پسند کو کیا شبہ رہ سکتا ہے، مگر یہاں یہی نہیں بلکہ اس نے ساری دنیا کو تحدی کی، چیلنج دیا کہ کسی کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شبہ ہو تو اس کا مثل بنا لائے۔ اب ایک طرف قرآن کی یہ تحدی اور دوسری طرف ساری دنیا کی مخالف طاقتیں جو اسلام اور پیغمبر اسلام کو شکست دینے کے لئے اپنی مال جان، اولاد، آبرو سب کچھ گنوانے کو تیار ہیں، مگر اتنا کرنے کے لئے کوئی جرأت نہیں کرتا کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کی مثال بنا لائے۔ فرض کر لیجئے کہ یہ کتاب بے مثل بے نظیر بھی نہ ہوتی، جب بھی ایک امی محض کی زبان سے اس کا ظہور اعجاز قرآن اور وجوہ اعجاز کی تفصیل میں جائے بغیر بھی قرآن کریم کے معجزہ ہونے کے لئے کم نہیں جس کو ہر عالم و جاہل سمجھ سکتا ہے۔

اعجاز قرآن کی دوسری وجہ

اب اعجاز قرآن کی دوسری وجہ دیکھئے، کیا آپ کو معلوم ہے کہ قرآن اور اس کے احکام

ساری دنیا کے لئے آئے، لیکن ان کے بلاواسطہ اور پہلے مخاطب عرب تھے، جن کو اور کوئی علم وفن آتا تھا یا نہیں مگر فصاحت وبلاغت ان کا فطری، جوہر اور پیدائشی وصف تھا، جس میں وہ اقوام دنیا سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، قرآن ان کو مخاطب کر کے چیلنج کرتا ہے کہ اگر تمہیں میرے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شبہ ہے تو تم میری ایک سورت کی مثال بنا کر دکھلا دو، اگر قرآن کی یہ تحدی (چیلنج) صرف اپنے حسن معنوی یعنی حکیمانہ اصول اور علمی معارف واسرار ہی کی حد تک ہوتی تو قوم امیین کے لئے اس کی نظیر پیش کرنے سے عذر معقول ہوتا، لیکن قرآن نے صرف حسن معنوی ہی کے متعلق تحدی نہیں کی، بلکہ لفظی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے بھی پوری دنیا کو چیلنج دیا ہے، جس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے اقوام عالم میں سب سے زیادہ مستحق عرب ہی تھے، اگر فی الواقع یہ کلام قدرت بشر سے باہر کسی مخلوق قدرت کا کلام نہیں تھا تو بلغاء عرب کے لئے کیا مشکل تھا کہ ایک امی شخص کے کلام کی مثال بلکہ اس سے بہتر کلام فوراً پیش کر دیتے، اور ایک دو آدمی یہ کام نہ کر سکتے تو قرآن نے ان کو یہ سہولت بھی دی تھی کہ ساری قوم مل کر بنا لائے مگر قرآن کے اس بلند بانگ دعوے اور پھر طرح طرح سے غیرت دلانے پر بھی عرب کی غیور قوم پوری کی پوری خاموش ہے، چند سطریں بھی مقابلہ پر نہیں پیش کرتی۔

عرب کے سرداروں نے قرآن اور اسلام کے مٹانے اور پیغمبر اسلام ﷺ کو مغلوب کرنے میں جس طرح اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا، وہ کسی پڑھے لکھے آدمی سے مخفی نہیں شروع میں رسول اکرم ﷺ اور آپ کے گنے چنے رفقاء کو طرح طرح کی ایذائیں دے کر چاہا کہ وہ کلمۂ اسلام کو چھوڑ دیں، مگر جب دیکھا کہ "یاں وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے" تو خوشامد کا پہلو اختیار کیا، عرب کا سردار عتبہ ابن ربیعہ قوم کا نمائندہ بن کر آپ کے پاس حاضر ہوا، اور عرب کی پوری دولت وحکومت اور بہترین حسن وجمال کی لڑکیوں کی پیشکش اس کام کے لئے کی کہ آپ اسلام کی تبلیغ چھوڑ دیں، آپ نے اس کے جواب میں قرآن کی چند آیتیں سنا دینے پر اکتفا فرمایا، جب یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو جنگ ومقابلہ کے لئے تیار

ہو کر قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت جو قریش عرب نے رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں سر دھڑ کی بازی لگائی، جان، مال، اولاد، آبرو سب کچھ اس مقابلہ میں خرچ کرنے کے لئے تیار ہوئے، یہ سب کچھ کیا مگر یہ سب کچھ کسی سے نہ ہو سکا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کرتا، اور چند سطریں مقابلہ پر پیش کر دیتا، کیا ان حالات میں سارے عرب کا اس کے مقابلہ سے سکوت اور عجز اس کی کھلی ہوئی شہادت نہیں کہ انسان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جس کے کام یا کلام کی نظیر انسان کیا ساری مخلوق کی قدرت سے باہر ہے۔

پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ عرب نے اس کے مقابلہ سے سکوت کیا، بلکہ اپنی خاص مجلسوں میں سب نے اس کے بے مثل ہونے کا اعتراف کیا، اور جو ان میں سے منصف مزاج تھے انہوں نے اس اعتراف کا اظہار بھی کیا، پھر ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے، اور کچھ اپنی آبائی رسوم کی پابندی یا بنی عبد مناف کی ضد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے باوجود اعتراف سے محروم رہے، قریش عرب کی تاریخ ان واقعات پر شاہد ہے۔

ہم اس میں سے چند واقعات اس جگہ بیان کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہو سکے کہ پورے عرب نے اس کلام کے بے مثل، بے نظیر ہونے کو تسلیم کیا، اور اس کی مثال پیش کرنے کو اپنی رسوائی کے خیال سے چھوڑ دیا، جب رسول اکرم ﷺ اور قرآن مجید کا چرچا مکہ سے باہر حجاز کے دوسرے مقامات میں ہونے لگا، اور حج کا موسم آیا تو قریش مکہ کو اس کی فکر ہوئی کہ اب اطراف عرب سے حجاج آئیں گے، اور رسول اکرم ﷺ کا یہ کلام سنیں گے تو فریفتہ ہو جائیں گے، اور غالب خیال یہ ہے کہ مسلمان ہو جائیں گے، اس کے انسداد کی تدبیر سوچنے کے لئے قریش نے ایک اجلاس منعقد کیا، اس اجلاس میں عرب کے بڑے بڑے سردار موجود تھے، ان میں ولید بن مغیرہ عمر میں سب سے بڑے اور عقل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، سب نے ولید بن مغیرہ کو یہ مشکل پیش کی کہ اب اطراف ملک سے لوگ آئیں گے، اور ہم سے محمد (ﷺ) کے متعلق پوچھیں گے تو ہم کیا کہیں؟ ہمیں آپ کوئی ایسی بات بتلائیے کہ ہم سب وہی بات کہہ دیں، ایسا نہ ہو کہ خود ہمارے بیانات میں اختلاف ہو جائے، ولید بن

مغیرہ نے کہا کہ تم ہی کہو کیا کہنا چاہیے؟

لوگوں نے کہا ہمارے خیال میں ہم سب یہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) معاذ اللہ مجنون ہیں، اُن کا کلام مجنونانہ بڑ ہے، ولید بن مغیرہ نے کہا کہ تم ایسا ہرگز نہ کہنا، کیونکہ یہ لوگ جب اُن کے پاس جائیں گے، اور اُن سے ملاقات و گفتگو کریں گے۔ اور ان کو ایک فصیح و بلیغ عاقل انسان پائیں گے تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے۔ پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ اچھا ہم ان کو یہ کہیں کہ وہ ایک شاعر ہیں، ولید نے اس سے بھی منع کیا، اور کہا کہ جب یہ لوگ ان کا کلام سُنیں گے وہ تو شعر و شاعری کے ماہر ہیں، انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ شعر نہیں اور نہ آپ ﷺ شاعر ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ سب لوگ تمہیں جھوٹا سمجھیں گے۔ پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ تو پھر ہم ان کو کاہن قرار دیں، جو شیاطین و جنات سے سن کر غیب کی خبریں دیا کرتے ہیں، ولید نے کہا یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جب لوگ اُن کا کلام سُنیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ یہ کلام کاہن کا نہیں ہے، وہ پھر بھی تمہیں ہی جھوٹا سمجھیں گے، اس کے بعد قرآن کے بارے میں جو ولید بن مغیرہ کے تاثرات تھے اُن کو ان الفاظ میں بیان کیا:

"خدا کی قسم! تم میں کوئی آدمی شعر و شاعری اور اشعار عرب سے میرے برابر واقف نہیں، خدا کی قسم! اس کلام میں خاص حلاوت ہے، اور ایک خاص رونق ہے، جو میں کسی شاعر یا فصیح و بلیغ کے کلام میں نہیں پاتا۔" پھر اُن کی قوم نے دریافت کیا کہ آپ ہی بتلایئے پھر ہم کیا کریں؟ اور اُن کے بارے میں لوگوں سے کیا کہیں!؟ ولید نے کہا میں غور کرنے کے بعد کچھ جواب دوں گا، پھر بہت سوچنے کے بعد کہا کہ اگر کچھ کہنا ہی ہے تو تم ان کو ساحر کہو، کہ اپنے جادو سے باپ بیٹے اور میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں۔ قوم اس پر مطمئن اور متفق ہوگئی، اور سب نے یہی کہنا شروع کیا، مگر خدا کا چراغ کہیں پھونکوں سے بجھنے والا تھا!؟ اطراف عرب کے لوگ آئے قرآن سُنا اور بہت سے مسلمان ہوگئے، اور اطراف عرب میں اسلام پھیل گیا۔ (بحوالہ خصائص کبریٰ)

اسی طرح ایک قریشی سردار نضر بن حارث نے ایک مرتبہ اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا

اے قوم قریش! آج تم ایک مصیبت میں گرفتار ہو کہ اس سے پہلے کبھی ایسی مصیبت سے سابقہ نہیں پڑا تھا کہ محمد (ﷺ) تمہاری قوم کے ایک نوجوان تھے، اور تم سب ان کے عادات واخلاق کے گرویدہ اور اپنی قوم میں سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانت دار جانتے اور کہتے تھے، اور جب ان کے سر میں سفید بال آنے لگے، اور انہوں نے ایک بے مثال کلام اللہ کی طرف سے پیش کیا، تو تم ان کو جادوگر کہنے لگے، خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں، ہم نے جادوگروں کو دیکھا اور برتا ہے، اُن کے کلام سُنے ہیں، اور طریقوں کو سمجھا ہے، وہ بالکل اس سے مختلف ہیں۔ اور کبھی تم ان کو کاہن کہنے لگے، خدا کی قسم! وہ کاہن بھی نہیں، ہم نے بہت کاہنوں کو دیکھا اور اُن کے کلام سنے ہیں، ان کو ان کے کلام سے کوئی مناسبت نہیں۔ اور کبھی تم ان کو شاعر کہنے لگے، خدا کی قسم! وہ شاعر بھی نہیں، ہم نے خود شعر، شاعری کے تمام فنون کو سیکھا سمجھا ہے، اور بڑے بڑے شعراء کے کلام ہمیں یاد ہیں، ان کے کلام سے اس کو کوئی مناسبت نہیں، پھر کبھی تم ان کو مجنون بتاتے ہو، خدا کی قسم! وہ مجنون بھی نہیں ہم نے بہت سے مجنونوں کو دیکھا بھالا، ان کی بکواس سُنی ہے، اُن کے مختلف اور مختلط کلام سنے ہیں، یہاں یہ کچھ نہیں، اے میری قوم تم انصاف کے ساتھ اُن کے معاملہ میں غور کرو، یہ سرسری ٹلا دینے کی چیز نہیں۔ (خصائص الکبریٰ ج۱)

حضرت ابوذر صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میرا بھائی اُنیس ایک مرتبہ مکہ معظمہ گیا، اس نے واپس آکر مجھے بتلایا کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے، میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ بھائی نے کہا کہ کوئی ان کو شاعر کہتا ہے، کوئی کاہن بتلاتا ہے، کوئی جادوگر کہتا ہے، میرا بھائی اُنیس خود بڑا شاعر اور کہانت وغیرہ سے واقف آدمی تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ جہاں تک میں نے غور کیا لوگوں کی یہ سب باتیں غلط ہیں، اُن کا کلام نہ شعر ہے نہ کہانت ہے، نہ مجنونانہ کلمات ہیں، بلکہ مجھے وہ کلام صادق نظر آتا ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بھائی سے یہ کلمات سن کر میں نے مکہ کا سفر کیا، اور مسجد حرام میں آکر پڑ گیا تیس روز میں نے اس طرح گزارے کہ سوائے

زمزم کے پانی کے میرے پیٹ میں کچھ نہیں گیا۔ اس تمام عرصہ میں نہ مجھے بھوک کی تکلیف معلوم ہوئی نہ کوئی ضعف محسوس کیا۔ (خصائص ج ۱)

واپس گئے تو لوگوں نے کہا کہ میں نے روم اور فارس کے فصحاء و بلغاء کے کلام بہت سنے ہیں اور کاہنوں کے کلمات اور حمیر کے مقولات بہت سنے ہیں، محمد (ﷺ) کے کلام کی مثال میں نے آج تک کہیں نہیں سنی، تم سب میری بات مانو اور آپ کا اتباع کرو، چنانچہ فتح مکہ کے سال میں ان کی پوری قوم کے تقریباً ایک ہزار آدمی مکہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے (خصائص)

اسلام اور رسول اکرم ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل اور اخنس بن شریق وغیرہ بھی لوگوں سے چھپ کر قرآن سنا کرتے اور اس کے عجیب و غریب و بے مثل و بے نظیر اثرات سے متاثر ہوتے تھے، مگر قوم کے کچھ لوگوں نے ان کو کہا کہ جب تم اس کے کلام کو ایسا بے نظیر پاتے ہو تو اس کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ تو ابوجہل کا جواب یہ تھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ بنی عبد مناف میں اور ہمارے قبیلہ میں ہمیشہ سے رقابت اور معاصرانہ مقابلہ چلتا رہتا ہے، وہ جس کام میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں ہم بھی اس کا جواب دیتے ہیں، اب جبکہ ہم اور وہ دونوں برابر حیثیت کے مالک ہیں تو اب وہ یہ کہنے لگے کہ ہم میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے، تب ہم اس میں کیسے ان کا مقابلہ کریں، میں تو کبھی اس کا اقرار نہ کروں گا۔ (خصائص کبریٰ)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کے اس دعوے اور چیلنج پر صرف یہی نہیں کہ پورے عرب نے ہار مان لی اور سکوت کیا، بلکہ اس کے بے مثل و بے نظیر ہونے اور اپنے عجز کا کھلے طور پر اعتراف بھی کیا ہے، اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس کی کوئی وجہ نہ ہوتی کہ سارا عرب بلکہ ساری دنیا اس کا مثل لانے سے عاجز ہو جاتی۔

قرآن اور پیغمبر قرآن کے مقابلہ میں جان و مال، اولاد، آبرو سب کچھ قربان کرنے کے لئے تو تیار ہو گئے مگر اس کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کر کے دو سطریں اس کے مقابلہ میں پیش کر دیتا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ لوگ اپنے جاہلانہ اعمال

واقعات کے باوجود منصف مزاج تھے، حضور کے پاس نہ جاتے تھے، جب انہوں نے قرآن کو سن کر یہ سمجھ لیا کہ جب درحقیقت اس کلام کی مثل ہم نہیں لا سکتے تو محض معاندی اور کج بحثی کے طور پر کوئی کلام پیش کرنا اپنے لئے عار سمجھا، کیونکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہم نے کوئی چیز پیش بھی کردی تو پورے عرب کے فصحاء و بلغاء اس احمقانہ مقابلہ میں ہمیں فیل کردیں گے اور خواہ مخواہ رسوائی ہوگی، اسی لئے پوری قوم نے سکوت اختیار کرلیا اور جو زیادہ منصف مزاج تھے انہوں نے صاف طور پر اقرار و تسلیم بھی کیا جس کے کچھ واقعات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

اسی سلسلہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ عرب کے سردار سعد بن زرارہ نے رسول اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس ؓ کے سامنے اقرار کیا کہ: "ہم نے خواہ مخواہ محمد (ﷺ) کی مخالفت کرکے اپنے رشتے ناتے توڑے، اور تعلقات خراب کئے، میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ بلا شبہ اللہ کے رسول ہیں، ہرگز جھوٹے نہیں اور جو کلام وہ لاتے ہیں بشر کا کلام نہیں ہوسکتا۔ (خصائص کبریٰ ص [illegible])

قبیلہ بنی سلیم کا ایک شخص مسمیٰ قیس بن نسیبہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ سے قرآن سنا، اور چند سوالات کئے، جن کا جواب رسول اکرم ﷺ نے عطا فرمایا تو اسی وقت مسلمان ہوگئے، اور پھر اپنی قوم میں واپس گئے تو لوگوں سے کہا: "میں نے روم و فارس کے فصحاء و بلغاء کے کلام سنے ہیں، بہت سے کاہنوں کے کلمات سننے کا تجربہ ہوا ہے حمیر کے مقالات سنتا رہا ہوں، مگر محمد ﷺ کے کلام کی مثل میں نے آج تک کہیں نہیں سنا، تم سب میری بات مانو اور ان کا اتباع کرو۔" انہیں کی تحریک و تلقین پر ان کی قوم کے ایک ہزار آدمی فتح مکہ کے موقع پر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوگئے۔" (خصائص ص [illegible])

یہ اقرار و تسلیم صرف ایسے ہی لوگوں سے منقول نہیں جو آپ ﷺ کے معاملات سے یکسو اور غیر جانبدار تھے، بلکہ وہ لوگ جو ہر وقت ہر طرح رسول اکرم ﷺ کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے قرآن کے متعلق ان کا بھی یہی حال تھا مگر اپنی ضد اور حسد کی وجہ سے اس کا اظہار لوگوں پر نہ کرتے تھے۔

علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں بحوالہ بیہقی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل اور ابوسفیان اور اخنس بن شریق رات کو اپنے اپنے گھروں سے اس لئے نکلے کہ چھپ کر رسول اکرم ﷺ سے قرآن سنیں، ان میں ہر ایک علیحدہ علیحدہ نکلا، ایک کی دوسرے کو خبر نہ تھی، اور علیحدہ علیحدہ گوشوں میں چھپ کر قرآن سننے لگے تو اس میں ایسے محو ہوئے کہ ساری رات گزر گئی، جب صبح ہوگئی تو سب واپس ہوئے، اتفاقاً راستے میں مل گئے، اور ہر ایک نے دوسرے کا قصہ سنا تو سب آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، کہ تم نے یہ بری حرکت کی، اور کسی نے یہ بھی کہا کہ آئندہ کوئی ایسا نہ کرے، کیونکہ اگر عرب کے عوام کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔

یہ کہہ سن کر اپنے اپنے گھر چلے گئے، اگلی رات آئی تو پھر ان میں سے ہر ایک کے دل میں یہی ٹیس اٹھی کہ قرآن سنیں، اور پھر اسی طرح چھپ چھپ کر ہر ایک نے قرآن سنا، یہاں تک کہ رات گزر گئی، اور صبح ہوتے ہی یہ لوگ واپس ہوئے تو پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، اور اس کے ترک پر سب نے اتفاق کیا، مگر تیسری رات آئی تو پھر قرآن کی لذت و حلاوت نے انہیں چلنے اور سننے پر مجبور کر دیا، پھر پہنچے اور رات بھر قرآن سن کر لوٹنے لگے تو پھر راستہ میں اجتماع ہوگیا تو اب سب نے کہا کہ آؤ آپس میں معاہدہ کرلیں کہ آئندہ ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے، چنانچہ اس معاہدہ کی تکمیل کی گئی، اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، صبح کو اخنس بن شریق نے اپنی لاٹھی اٹھائی، اور پہلے ابوسفیان کے پاس پہنچا، کہ بتلاؤ اس کلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے دبے دبے لفظوں میں قرآن کی حقانیت کا اعتراف کیا تو اخنس نے کہا کہ بخدا میری بھی یہی رائے ہے، اس کے بعد وہ ابوجہل کے پاس پہنچا، اور اس سے بھی یہی سوال کیا کہ تم نے محمد ﷺ کے کلام کو کیسا پایا؟

ابوجہل نے کہا کہ صاف بات یہ ہے کہ ہمارے خاندان اور بنو عبد مناف کے خاندان میں ہمیشہ سے چشمک چلی آتی ہے قوم کی سیادت و قیادت میں وہ جس محاذ پر آگے

بڑھنا چاہتے ہیں ہم ان کا مقابلہ کرتے ہیں، انہوں نے سخاوت و بخشش کے ذریعہ قوم پر اپنا اثر جمانا چاہا تو ہم نے ان سے بڑھ کر یہ کام کر دکھایا، انہوں نے لوگوں کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں تو ہم اس میدان میں بھی ان سے پیچھے نہیں رہے، یہاں تک کہ پورا عرب جانتا ہے کہ ہم دونوں خاندان برابر حیثیت کے مالک ہیں۔ ان حالات میں ان کے خاندان سے یہ آواز اٹھی کہ ہمارے میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے، اب ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ ہم کیسے کریں، اس لئے ہم نے تو یہ طے کر لیا ہے کہ ہم زور اور طاقت سے ان کا مقابلہ کریں گے، اور ہرگز ان پر ایمان نہ لائیں گے۔ (خصائص ج ۱)

یہ ہے قرآن کا وہ کھلا ہوا معجزہ جس کا دشمنوں کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے، یہ تمام واقعات علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں نقل کئے ہیں۔

اعجازِ قرآن کی تیسری وجہ

تیسری وجہ اعجاز قرآنی کی یہ ہے کہ اس میں غیب کی اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کی بہت سی خبریں ہیں جو قرآن نے دیں، اور ہو بہو اسی طرح واقعات پیش آئے جس طرح قرآن نے خبر دی تھی، مثلاً قرآن نے خبر دی کہ روم و فارس کے مقابلہ میں ابتداء اہل فارس غالب آئیں گے اور رومی مغلوب ہوں گے، لیکن ساتھ ہی یہ خبر دی کہ دس سال گزرنے نہ پائیں گے کہ پھر روم اہل فارس پر غالب آجائیں گے، مکہ کے سرداروں نے قرآن کی اس خبر پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہار جیت کی شرط کر لی اور پھر ٹھیک قرآن کی خبر کے مطابق رومی غالب آگئے تو سب کو اپنی ہار ماننا پڑی، اور ہارنے والے پر جو مال دینے کی شرط کی تھی، وہ مال ان کو دینا پڑا، رسول اکرم ﷺ نے اس مال کو قبول نہیں فرمایا، کیونکہ وہ ایک قسم کا جوا تھا، اسی طرح اور بہت سے واقعات اور خبریں ہیں جو امور غیب کے متعلق قرآن میں دی گئیں اور ان کی سچائی بالکل روز روشن کی طرح واضح ہوگئی۔

اعجازِ قرآن کی چوتھی وجہ

چوتھی وجہ اعجاز قرآنی کی یہ ہے کہ اس میں پچھلی امتوں اور ان کی شرائع اور تاریخی حالات کا ایسا صاف تذکرہ ہے کہ اس زمانے کے بڑے بڑے علماء یہود ونصاریٰ جو پچھلی کتابوں کے ماہر سمجھے جاتے تھے، ان کو بھی اتنی معلومات نہ تھیں، اور رسول اکرم ﷺ نے تو کبھی نہ کسی کتب میں قدم رکھا نہ کسی عالم کی صحبت اٹھائی نہ کسی کتاب کو ہاتھ لگایا، پھر یہ ابتدائے دنیا سے آپ ﷺ کے زمانے تک تمام اقوامِ عالم کے تاریخی حالات اور نہایت صحیح اور سچے سوانح اور ان کی شریعتوں کی تفصیلات کا بیان ظاہر ہے، کہ بجز اس کے نہیں ہو سکتا کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہو اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو یہ خبر دی ہوں۔

اعجازِ قرآن کی پانچویں وجہ

یہ ہے کہ اس کی متعدد روایات میں لوگوں کے دل کی چھپی ہوئی باتوں کی اطلاع دی گئی اور پھر ان کے اقرار سے ثابت ہو گیا کہ وہ بات صحیح اور سچی تھی، یہ کام بھی عالم الغیب والشہادۃ ہی کر سکتا ہے، کسی بشر سے عادۃً ممکن نہیں، مثلاً ارشاد قرآنی ہے: **اِذْ ھَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا** "جب تمہاری دو جماعتوں نے دل میں ارادہ کیا کہ پسپا ہو جائیں" اور یہ ارشاد ہے کہ: **یَقُوْلُوْنَ فِیْ اَنْفُسِھِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰہُ بِمَا نَقُوْلُ** "وہ لوگ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔" یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کو انہوں نے کسی سے ظاہر نہیں کیا، قرآن کریم نے ہی ان کا انکشاف کیا ہے۔

اعجازِ قرآن کی چھٹی وجہ

چھٹی وجہ اعجاز قرآنی کی وہ آیات ہیں جن میں قرآن نے کسی قوم یا فرد کے متعلق یہ پیشگوئی کی کہ وہ فلاں کام نہ کر سکیں گے، اور پھر وہ لوگ باوجود ظاہری قدرت کے اس کام کو نہ کر سکے، جیسے یہود کے متعلق قرآن نے اعلان کیا کہ اگر وہ فی الواقع اپنے آپ کو اللہ کے

دوست اور ولی کہتے ہیں تو انہیں اللہ کے پاس جانے سے محبت ہونا چاہئے، وہ ذرا موت کی تمنا کر کے دکھائیں اور پھر ارشاد فرمایا: وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ”وہ ہرگز موت کی تمنا نہ کریں گے“ موت کی تمنا کرنا کسی کے لئے مشکل نہ تھا، خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو قرآن کو جھٹلاتے تھے قرآن کے ارشاد کی وجہ سے اُن کو تمنائے موت میں خوف و ہراس کی کوئی وجہ نہ تھی، یہود کے لئے تو مسلمانوں کو شکست دینے کا موقع بڑا غنیمت تھا کہ فوراً تمنائے موت کا ہر مجلس و محفل میں اعلان کرتے۔

مگر یہودیوں یا مشرکین نے زبان سے کتنا ہی قرآن کو جھٹلائیں ان کے دل جانتے تھے کہ قرآن سچا ہے، اس کی کوئی بات غلط نہیں ہو سکتی، اگر موت کی تمنا ہم اس وقت کریں گے تو فوراً مر جائیں گے، اس لئے قرآن کے اس کھلے ہوئے چیلنج کے باوجود کسی یہودی کی ہمت نہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زبان سے تمنائے موت کا اظہار کرے۔

اعجازِ قرآن کی ساتویں وجہ

وہ خاص کیفیت ہے جو قرآن کے سننے سے ہر خاص و عام اور مومن و کافر پر طاری ہوتی ہے، جیسے حضرت جبیر بن مطعم ؓ کو اسلام لانے سے پہلے پیش آیا کہ اتفاقاً انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نمازِ مغرب میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا، جب آپ ﷺ آخری آیات پر پہنچے تو جبیر ؓ کہتے ہیں کہ میرا دل گویا اڑنے لگا، اور یہ سب سے پہلا دن تھا کہ میرے دل میں اسلام نے اثر کیا، وہ آیات یہ ہیں: اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ. اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ. اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ”کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ، یا وہی ہیں بنانے والے، یا انہوں نے بنائے ہیں آسمان اور زمین! کوئی نہیں، پر یقین نہیں کرتے، کیا اُن کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے، یا وہی داروغہ ہیں

اعجاز قرآن کی آٹھویں وجہ

یہ ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے اور سننے سے کوئی اکتاتا نہیں، بلکہ جتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے اس کا شوق اور بڑھتا ہے، دنیا کی کوئی بہتر سے بہتر اور مرغوب کتاب لے لیجئے اس کو دو چار مرتبہ پڑھا جائے تو انسان کی طبیعت اکتا جاتی ہے، پھر نہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے نہ سننے کو یہ صرف قرآن کا خاصہ ہے کہ جتنا کوئی زیادہ اس کو پڑھتا ہے اتنا ہی اس کا شوق و رغبت بڑھتا جاتا ہے، یہ بھی قرآن کے کلام الٰہی ہونے ہی کا اثر ہے۔

اعجاز قرآن کی نویں وجہ

یہ ہے کہ قرآن نے اعلان کیا ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ وہ قیامت تک بغیر کسی ادنیٰ تغیر و ترمیم کے باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو اس طرح پورا فرمایا کہ جب سے قرآن نازل ہوا ہے آج چودہ سو برس کے قریب ہونے کو آئے ہیں ہر قرن ہر زمانے میں لاکھوں انسان ایسے رہے ہیں اور رہیں گے جن کے سینوں میں پورا قرآن اس طرح محفوظ رہا کہ ایک زیر و زبر کی غلطی کا امکان نہیں، ہر زمانے میں مرد، عورت، بچے، بوڑھے اس کے حافظ ملتے ہیں۔ بڑے سے بڑا عالم اگر کہیں ایک زیر و زبر کی غلطی کر جائے تو ذرا ذرا سے بچے وہیں غلطی پکڑ لیں گے، دنیا کا کوئی مذہب اپنی مذہبی کتاب کے متعلق اس کی مثال تو کیا اس کا دسواں حصہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ بہت سے مذاہب کی کتابوں میں تو آج یہ پتہ چلانا بھی مشکل ہو گیا ہے کہ اس کی اصل کس زبان میں آئی تھی اور اس کے کتنے اجزاء تھے۔

کتابی صورت میں بھی ہر قرن ہر زمانے میں جتنی اشاعت قرآن کی ہوئی شاید دنیا کی کسی کتاب کو یہ بات نصیب نہیں، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کی تعداد دنیا میں بہ نسبت منکرین اور کافروں کے بہت کم رہی، اور ذرائع نشر و اشاعت بھی جتنے غیر مسلموں کو حاصل رہے ہیں مسلمانوں کو اس کا کوئی معتد بہ حصہ نصیب نہ تھا، مگر ان باتوں

کے باوجود کسی قوم کسی مذہب کی کوئی کتاب دنیا میں اتنی شائع نہیں ہوئی جتنا قرآن شائع ہوا۔

پھر قرآن کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے صرف کتابوں اور صحیفوں پر موقوف نہیں رکھا جن کے جل جانے اور محو ہونے کا امکان ہو، بلکہ اپنے بندوں کے سینوں میں بھی محفوظ کر دیا ہا گر آج ساری دنیا کے قرآن (معاذ اللہ) نابود کر دیے جائیں تو اللہ کی یہ کتاب پھر بھی اسی طرح محفوظ رہے گی، چند حافظ مل کر بیٹھ جائیں تو چند گھنٹوں میں پھر ساری کی ساری لکھی جا سکتی ہے، یہ بے نظیر حفاظت بھی صرف قرآن ہی کا خاصہ اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا نمایاں ثبوت ہے، کہ جس طرح اللہ کی ذات ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اس پر کسی مخلوق کا تصرف نہیں چل سکتا اسی طرح اس کا کلام بھی ہمیشہ تمام مخلوقات کی دستبرد اور تصرفات سے بالاتر ہو کر ہمیشہ باقی رہے گا قرآن کی یہ پیشگوئی چودہ سو برس تک مشاہدہ میں آ چکی ہے، اور تا قیامت ان شاء اللہ آتی رہے گی، اس کھلے معجزے کے بعد قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کیا کسی کو شک وشبہ کی گنجائش رہ سکتی ہے؟۔

اعجاز قرآن کی دسویں وجہ

وہ علوم ومعارف ہیں جن کا احاطہ نہ آج تک کسی کتاب نے کیا ہے، نہ آئندہ امکان ہے، کہ اتنے مختصر حجم اور محدود کلمات میں اتنے علوم وفنون جمع کئے جا سکیں جو تمام کائنات کی دائمی ضروریات کو حاوی اور انسان کی زندگی کے ہر شعبہ اور حال سے متعلق پورا مرتب اور بہترین نظام پیش کر سکے، شخصی پھر عائلی زندگی سے لے کر قبائلی اور شہری زندگی تک اور پھر عمرانیات واجتماعیات اور سیاست ممالک کے ہر پہلو پر حاوی نظام پیش کر دے۔

پھر صرف نظری اور علمی طور پر نظام پیش کرتا ہی نہیں عملی طور پر اس کا رواج پانا اور تمام نظامہائے دنیا پر غالب آ کر قوموں کے مزاج، اخلاق، اعمال، معاشرت اور تمدن میں وہ انقلاب عظیم پیدا کرنا جس کی نظیر نہ قرون اولیٰ میں مل سکتی ہے نہ قرون مابعد میں، یہ حیرت

انگیز انقلاب کیا کسی انسان کی قدرت اور اس کی حکمت عمل کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ خصوصاً جبکہ وہ انسان بھی اُمّی اور اس کی قوم بھی اُمّی ہو۔

تصورات سراپردہ ہائے قرآنی   چہ لبریز کہ دل کی بہمہ پہنائی

یہی وہ محیر العقول تاثیرات ہیں کہ جن کی وجہ سے قرآن کو کلام الٰہی ماننے پر ہر وہ شخص مجبور ہے جس کی عقل و بصیرت کو تعصب و عناد نے بالکل ہی برباد نہ کر دیا ہو۔

یہاں تک کہ اس دور مادہ پرستی کے مسیحی مصنفین جنہوں نے کچھ بھی قرآن میں غور و فکر سے کام لیا اس اقرار پر مجبور ہو گئے کہ یہ ایک بے مثل و بے نظیر کتاب ہے۔

فرانس کا مشہور مستشرق ڈاکٹر مارڈریس جس کو حکومت فرانس کی وزارت معارف نے قرآن حکیم کی باسٹھ سورتوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کرنے پر مامور کیا تھا اس نے اعتراف کیا ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے: "بے شک قرآن کا طرز بیان خالق جل وعلا کا طرز بیان ہے، بلاشبہ جن حقائق و معارف پر یہ کلام حاوی ہے وہ ایک کلام الٰہی ہی ہو سکتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں شک و شبہ کرنے والے بھی جب اس کی تاثیر عظیم کو دیکھتے ہیں تو تسلیم و اعتراف پر مجبور ہوتے ہیں، پچاس کروڑ مسلمان جو سطح زمین کے ہر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں ان میں قرآن کی خاص تاثیر کو دیکھ کر مسیحی مشن میں کام کرنے والے بالاجماع اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا کہ جس مسلمان نے اسلام اور قرآن کو سمجھ لیا ہو وہ کبھی مرتد ہوا یا قرآن کا منکر ہو گیا ہو۔"

مسلمانوں میں تاثیر قرآنی کا یہ اعتراف اس مسیحی مستشرق سے ایک ایسے دور میں ہو رہا ہے جبکہ خود مسلمان اسلام اور قرآن سے بیگانہ اس کی تعلیمات سے دور اس کی تلاوت سے غافل ہو چکے ہیں، کاش! یہ مصنف اسلام اور قرآن کے اس دور کو دیکھتا جبکہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں قرآن کا عمل تھا اور ان کی زبانوں پر قرآن کی آیات تھیں۔

اسی طرح دوسرے مسیحی مصنفین نے بھی جو منصف مزاج ہیں اسی قسم کے اعتراف کئے ہیں۔ مسٹر ولیم میور نے اپنی کتاب "حیات محمد" میں واضح طور پر اس کا اعتراف کیا ہے

، اور ڈاکٹر شبلی شمیل نے اس پر ایک مستقل مقالہ لکھا ہے۔

قرآن کے کلام الٰہی اور معجزہ نبوی ﷺ ہونے پر دس وجوہ آپ پڑھ چکے ہیں، آخر میں ایک اجمالی نظر اس پر ڈال لیجئے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ پیدائشی یتیم ہو کر دنیا میں تشریف لاتے ہیں، عمر بھر کسی مکتب میں قدم نہیں رکھتے قلم اور کتاب کو ہاتھ نہیں لگاتے اپنا نام بھی خود نہیں لکھ سکتے، اسی میں جوان ہوتے ہیں، آپ کی طبیعت عزلت پسند ہے، کسی کھیل تماشہ جیسے ہنگاموں میں جانے کے بھی عادی نہیں، شعر و سخن سے بھی مناسبت نہیں، کسی قومی اجتماع میں بھی کوئی خطبہ دینے یا تقریر کرنے کا بھی عمر بھر اتفاق نہیں ہوتا، چالیس سال ہونے کے بعد جبکہ ادھیڑ عمر میں پہنچ جاتے ہیں، اور عادۃً کسی علم کے سیکھنے سکھانے کا وقت ختم ہو جاتا ہے اس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک پر ایک ایسا محیر العقول، جامع حقائق فصاحت و بلاغت میں اعجاز نما کلام آنے لگتا ہے، جو کسی بڑے سے بڑے عالم، ماہر اور فصیح و بلیغ سے بھی ممکن نہیں، جس کے ذریعہ آپ ﷺ عرب کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کو خطاب فرماتے ہیں، ان کے جلسوں میں پہنچ کر خطبے دیتے ہیں، اور پوری دنیا کے لئے عموماً عرب کے لئے خصوصاً یہ چیلنج سناتے ہیں کہ کوئی اس کے کلام الٰہی ہونے میں شبہ کرے تو اس کے کسی چھوٹے سے حصہ کی مثال بنا کر دکھلا دے، اس پر پوری قوم مثال پیش کرنے سے عاجز ہو جاتی ہے۔ پوری قوم جو آپ ﷺ کو پہلے امین کے لقب سے پکارتی اور تعظیم کرتی تھی، آپ کی مخالف ہو جاتی ہے، اس کلام کی تبلیغ سے باز رکھنے کے لئے دولت، حکومت اور ہر انسانی خواہش کی چیزیں پیش کرتی ہے، آپ ان میں سے کسی چیز کو قبول نہیں کرتے، پوری قوم آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء کو ستانے، ظلم کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے، آپ ﷺ یہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں مگر اس کلام کی تبلیغ نہیں چھوڑتے تو قوم آپ ﷺ کے قتل کی سازشیں کرتی ہے، جنگ و جدال پر آمادہ ہو جاتی ہے، آپ ﷺ کو اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ جانا پڑتا ہے، آپ ﷺ کی قوم وہاں بھی سکون سے نہیں بیٹھنے دیتی۔

سارا عرب اور اہل کتاب آپ ﷺ کی مخالفت پر جمع ہو جاتا ہے، آئے دن مدینہ پر

کھلے ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کے مخالفین یہ سب کچھ کرتے ہیں مگر قرآن کے چیلنج کو قبول کر کے ایک چھوٹی سی سورت قرآن کی مثل بنا کر پیش نہیں کرتے، قرآن ان کو غیرت دلاتا ہے اس پر بھی ان کی رگ حمیت میں حرکت نہیں ہوتی۔

صرف یہی نہیں کہ پورا عرب قرآن کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہا، بلکہ خود وہ ذات اقدس جس پر یہ قرآن نازل ہوا، وہ بھی اس کی مثال اپنی طرف سے پیش نہیں کر سکتے ان کا سارا کلام یعنی حدیث جس طرح کا ہے قرآن کا کلام یقیناً اس سے ممتاز ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے: قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ أَنْ أُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ۔ "جو لوگ آخرت میں ہمارے سامنے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسی جیسا ایک اور قرآن بنا دیجئے یا اسی کو بدل دیجئے تو آپ فرما دیجئے۔ کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس کو بدل ڈالوں"

ایک طرف تو قرآن کے یہ کھلے کھلے معجزات ہیں جو اس کے کلام الٰہی ہونے پر شاہد ہیں، دوسری طرف اس کے مضامین و مضمرات اور حقائق و معارف پر نظر ڈالئے تو وہ اس سے زیادہ محو حیرت بنا دینے والی چیز ہے۔ نزول قرآن کے ابتدائی دور کے چند سال تو اسی حالت میں گزرے کہ قرآنی تعلیمات کو کھلے طور پر پیش کرنا بھی ممکن نہ تھا، رسول اکرم ﷺ خفیہ طور پر لوگوں کو اصول قرآنی کی طرف دعوت دیتے تھے، پھر بے شمار مزاحمتوں اور بڑی دقتوں کے نرغہ میں کچھ علانیہ دعوت بھی شروع کی جاتی ہے مگر قرآن کریم کے تجویز کردہ قانون کی تنفیذ کا کوئی امکان نہ تھا۔

ہجرت مدینہ کے بعد صرف دس سال ایسے ملے جن کو مسلمانوں کے لئے آزادی کا زمانہ کہا جا سکتا ہے جس میں قرآنی نظام کی عملی تعلیم اور تنفیذ کی کوشش اور کوئی تعمیری کام کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ان دس سال میں بھی آپ تاریخ اسلام پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ابتدائی چھ سال دشمنوں کے نرغہ اور منافقین اور یہود مدینہ کی سازشوں سے کس کو فرصت تھی کہ کوئی تعمیری کام اور ایسا نظام جو ساری دنیا کے نظاموں سے مختلف ہے، عملی طور پر نافذ کر سکے

مسلمانوں کے خلاف سب بڑے بڑے معرکے انہیں چھ سال کے اندر پیش آئے، غزوۂ بدر، احد، احزاب وغیرہ سب اسی مدت کے اندر ہوئے، ہجرت کے چھٹے سال دس سال کے لئے حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا گیا اور صرف ایک سال اس معاہدہ پر قریش عرب قائم رہے، اس کے بعد انہوں نے اس کو بھی توڑ ڈالا، اور پھر جنگ وجہاد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ظاہر اسباب میں صرف یہ ایک دو سال ہیں جو رسول اکرم ﷺ کو اس کام کے لئے ملے، کہ قرآن کی دعوت کو عام کر سکیں، اور اس کے نظام کو نافذ کرنے کی کوشش کر سکیں، اسی عرصہ میں آپ نے بڑے بڑے سلاطین دنیا کو خطوط لکھے، قرآن کی دعوت ان کو پہنچائی قرآنی نظام کو قائم کرنے پھیلانے کی سعی فرمائی، اور رسول اکرم ﷺ کی آخری عمر مبارک تک اس آزادی کے صرف چار سال ہوتے ہیں جن میں فتح مکہ کا جہاد بھی پیش آیا اور مکہ مکرمہ فتح ہوا۔

اب اس چار سال کی قلیل مدت کو دیکھئے، اور قرآن کے اس نفوذ واثر پر نظر ڈالئے کہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے وقت تقریباً پورے جزیرۃ العرب پر قرآن کی حکومت تھی، ایک طرف سرحد روم تک اور دوسری طرف عراق تک، تیسری طرف عدن تک پہنچ چکی تھی۔

بہرحال اعجاز قرآنی کے پورے وجوہ اور اُن کی تفصیلات کا بیان ایک نہایت طویل بحث ہے، علماء امت نے اس پر بیسیوں مستقل کتابیں ہر زمانہ میں مختلف زبانوں میں تصنیف فرمائی ہیں،

سب سے پہلے تیسری صدی ہجری میں جاحظ نے نظم القرآن کے نام سے مستقل کتاب لکھی پھر چوتھی صدی کے اوائل میں ابو عبد اللہ واسطی نے بنام اعجاز القرآن ایک کتاب تصنیف کی، پھر اسی صدی میں ابن عیسیٰ ربانی نے ایک مختصر رسالہ بنام اعجاز القرآن لکھا، قاضی ابو بکر باقلانی نے پانچویں صدی کے اوائل میں اعجاز القرآن کے نام سے ایک مفصل ومبسوط کتاب لکھی، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اتقان اور خصائص کبریٰ میں امام ترمذی نے تفسیر کبیر میں، قاضی عیاضؒ نے شفاء میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ اس مضمون کی

تفصیل لکھی آخری دور میں مصطفیٰ صادق رافعی مرحوم نے اعجاز القرآن کے نام سے اور جناب سید رشید رضا مصری نے الوحی المحمدی کے نام سے مستقل، جامع اور مبسوط کتابیں لکھیں، اردو زبان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک رسالہ بنام اعجاز القرآن تصنیف فرمایا۔

یہ بھی قرآن مجید کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس کے ایک ایک مسئلہ پر مکمل تفسیروں کے علاوہ مستقل رسائل و کتابیں اتنی لکھی گئی ہیں کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ غرض کہنا یہ ہے کہ یہ مضمون اپنی پوری تفصیل کے ساتھ تو اس جگہ بیان نہیں ہو سکتا لیکن جتنا بیان ہو چکا ہے وہ بھی ایک منصف مزاج انسان کو اس پر مجبور کر دینے کے لئے کافی ہے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور رسول اللہ ﷺ کا عظیم الشان معجزہ تسلیم کر لے۔

قرآن کریم سے متعلق چند شبہات اور ان کے جوابات

بعض لوگوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ قرآن کے مقابلہ میں کتابیں اور مقالات لکھے گئے مگر وہ محفوظ نہ رہے ہوں۔

لیکن اگر ذرا بھی انصاف سے کام لیا جائے تو اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ دنیا واقف ہے کہ جب سے قرآن نازل ہوا، پوری دنیا میں قرآن کے ماننے والے کم اور منکرین زیادہ رہے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہے کہ ذرائع نشر و اشاعت جتنے منکرین قرآن کو حاصل رہے ہیں قرآن کے ماننے والوں کو اکثر قرون میں اس کا کوئی قابل ذکر حصہ حاصل نہیں رہا، قرآن اتنا بلند بانگ دعویٰ اپنے مخالفین کے سامنے کرتا ہے، ان کو چیلنج دیتا ہے، غیرت دلاتا ہے، اور مخالفین اسلام اس کے مقابلہ میں جان، مال اور اولاد سب کچھ قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں، اگر انہوں نے قرآن کا چیلنج قبول کر کے کوئی چیز مقابلہ کے لئے پیش کی ہوتی تو کیسے ممکن تھا کہ وہ ساری دنیا میں شائع نہ ہوتی، اور ہر زمانہ میں منکرین قرآن مسلمانوں کے مقابلہ میں اس کو پیش نہ کرتے، اور مسلمانوں کی طرف سے

اس پر جرح و قدح میں سینکڑوں کتابیں نہ لکھی گئی ہوتیں۔

اسلام کے قرون اول میں صرف ایک واقعہ مسیلمہ کذاب یمانی کا پیش آیا کہ اس نے کچھ چند بے حیائی کے اُلٹے سیدھے کلمات لکھ کر یہ کہا تھا کہ یہ وحی آسمانی قرآن کی مثل ہے، مگر دنیا جانتی ہے کہ ان کلمات کا کیا حشر ہوا، خود اس کی قوم نے اس کے منہ پر مار دیئے، وہ کلمات ایسے شرمناک غیر مہذب تھے کہ کسی مہذب سوسائٹی میں ان کو بیان بھی نہیں کیا جا سکتا، اور بہرحال جیسے بھی تھے وہ آج تک کتابوں میں نقل ہوتے چلے آتے ہیں، اگر کسی اور شخص نے کوئی اچھا کلام قرآن کے مقابلہ میں پیش کیا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ دنیا کی تاریخ اس کو یکسر بھلا دیتی، اور منکرین قرآن اس کو ہر قیمت پر باقی رکھنے کی کوشش نہ کرتے۔

وہ لوگ جو قرآن کے مقابلہ پر ہر وقت سینہ سپر تھے قرآن کے اس چیلنج کے جواب میں انہوں نے طرح طرح کی باتیں کیں جن کو قرآن میں نقل کر کے جواب دیا گیا، مگر اس کا ایک واقعہ نہیں کہ کوئی کلام مقابلہ پر پیش کر کے اس کے قرآن کا مثل ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہو، ایک رومی غلام جو مدینہ میں لوہار کا کام کیا کرتا تھا اور کچھ تورات و انجیل پڑھا ہوا تھا، کبھی کبھی رسول اکرم ﷺ سے ملتا تھا، عرب کے کچھ جاہلوں نے تعصب و عناد سے یہ مشہور کیا کہ رسول اکرم ﷺ کو یہ قرآنی مضامین اس نے سکھائے ہیں، قرآن نے ان کا یہ اعتراض نقل کر کے خود جواب دیا کہ جس شخص کی طرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں وہ تو خود عجمی ہے، عربی زبان کی بلاغت کو کیا جانے، اور یہ قرآن عربی کی انتہائی بلیغ کتاب ہے، سورۂ نحل کی آیت نمبر ۱۰۳ دیکھئے: لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ. "(ہم جانتے ہیں کہ یہ مخالفین اسلام یہ کہتے ہیں آپ کو یہ قرآن ایک آدمی سکھاتا ہے حالانکہ) وہ جس آدمی کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ عجمی ہیں، اور قرآن ایک بلیغ عربی زبان میں ہے" کچھ لوگوں نے قرآن کی تحدی کے جواب میں یہ کہا کہ: لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا "اگر ہم چاہتے تو ہم بھی قرآن کے مثل کلام کہہ دیتے" لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ پھر چاہا کیوں نہیں؟ قرآن کے مقابلے کے لئے سارا ایڑی چوٹی کا زور تو خرچ کیا، جان و مال کی

قربانی دی، اگر تمہیں اس کا مثل کلام لکھنے یا کہنے کی قدرت تھی تو قرآن کی اس تحدی کے بعد تم نے اس کی مثل کلام بنا کر فتح کا سہرا اپنے سر کیوں نہ لیا؟

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے اس دعویٰ کے بعد مخالفین نے کچھ شریفانہ سکوت نہیں کر لیا بلکہ جو کچھ ان کے منہ پر آیا اس کے مقابلہ پر کہتے رہے لیکن یہ پھر بھی کسی نے نہ کہا کہ ہم میں سے فلاں آدمی نے قرآن جیسا فلاں کلام لکھا ہے، اس لئے قرآن کا یہ دعویٰ یکتائی (معاذ اللہ) غلط ہے۔

بعض معاندین کو یہ سوجھی کی رسول اکرم ﷺ جو قبل از نبوت کے لئے ملک شام تشریف لے گئے اور راستہ میں بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی وہ تورات کا ماہر تھا اس سے آپ نے علوم سیکھے، مگر کوئی ان سے پوچھے کہ ایک دن کی ایک ملاقات میں اس سے یہ سارے علوم و معارف فصاحت و بلاغت کا اعجاز، اخلاقی تربیت، نظام خانگی، نظام مملکت کیسے سیکھ لئے۔

آج کل کے بعض معترضین نے کہا کہ کسی کلام کی مثل نہ بنایا جانا اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ خدا کا کلام یا معجزہ ہے، ہو سکتا ہے کہ ایک اعلیٰ درجہ کا ماہر بلاغت کوئی نثر یا نظم ایسی لکھے کہ دوسرے آدمی اس کی نظیر نہ لا سکیں۔ سعدی شیرازی کی گلستاں، فیضی کی تفسیر بے نقط کو عام طور پر بے مثل و بے نظیر کتابیں کہا جاتا ہے تو کیا وہ بھی معجزہ ہیں؟

لیکن اگر ذرا غور کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ سعدی اور فیضی کے پاس سامان تعلیم و تالیف کس قدر موجود تھا، کتنے عرصہ تک انہوں نے تعلیم حاصل کی، برسوں مدرسوں میں پڑے رہے، راتوں جاگے، مدتوں محنتیں کیں، بڑے بڑے علماء کے سامنے زانوئے ادب طے کئے، سالہا سال کی محنتوں اور دماغ سوزیوں کے نتیجہ میں اگر بالفرض فیضی یا حریری یا متنبی یا کوئی اور عربی زبان میں اور سعدی فارسی میں اور ملٹن انگریزی میں یا ہومر یونانی میں یا کالی داس سنسکرت میں ایسے ہوئے ہیں کہ ان کا کلام دوسروں کے کلام سے فائق ہو گیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

معجزہ کی تعریف تو یہ ہے کہ جو اسبابِ متعارفہ کے توسط کے بغیر وجود میں آئے، کیا ان لوگوں کی باقاعدہ تحصیل علوم، استادوں کے ساتھ طویل ملازمت وصحبت، وسیع مطالعہ، مدتوں کی مشاقی ان کی علمی مہارت کے کھلے ہوئے اسباب نہیں ہیں؟ اگر ان کے کلام دوسروں سے ممتاز ہوں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جس نے کبھی کتاب وقلم کو ہاتھ نہ لگایا ہو، کسی مدرسہ ومکتب میں قدم نہ رکھا ہو، وہ ایسی کتاب دنیا کے سامنے پیش کرے کہ ہزاروں سعدی اور لاکھوں فیضی اس پر قربان ہو جانے کو اپنا سرمایۂ فخر سمجھیں، اور ان کو جو کچھ علم وحکمت حاصل ہوئی اس کو بھی آپ ہی کے فیضِ تعلیم کا اثر قرار دیں۔ اس کے علاوہ سعدی اور فیضی کے کلام کا مثل پیش کرنے کی کسی کو ضرورت بھی کیا تھی؟ کیا انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور اپنے کلام کے بے مثل وبے نظیر ہونے کو اپنا معجزہ کہا تھا، اور دنیا کو اس کا چیلنج دیا تھا کہ ہمارے کلام کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی جس کے نتیجہ میں لوگ اس کا مقابلہ کرنے اور مثال پیش کرنے کے لئے مجبور ہوتے۔

پھر قرآن کی صرف فصاحت وبلاغت اور نظم وترتیب ہی بے مثال نہیں بلکہ لوگوں کے دل ودماغ پر اس کی تاثیرات بھی اس سے زیادہ بے مثال اور حیرت انگیز ہیں جن کی وجہ سے قوموں کے مزاج بدل گئے، انسانی اخلاق میں ایک کایا پلٹ ہوگئی، عرب کے تند خو گنوار حلم واخلاق اور علم وحکمت کے استاد مانے گئے، ان حیرت انگیز انقلابی تاثیرات کا اقرار صرف مسلمان نہیں موجودہ زمانے کے سیکڑوں غیر مسلموں نے بھی کیا ہے، یورپ کے مستشرقین کے مقالات اس بارے میں جمع کئے جائیں تو ایک مستقل کتاب ہو جائے۔ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بنام "شہادۃ الاقوام علی صدق الاسلام" تحریر فرمائی ہے۔ اس جگہ چند حوالے نقل کئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر گستاولی بان نے اپنی کتاب "تمدنِ عرب" میں صفائی سے اس حیرت انگیزی کا اعتراف کیا، اُن کے الفاظ کا ترجمہ اردو میں یہ ہے:"

اس پیغمبر اسلام اس نبی اُمّی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگزشت ہے، جس کی آواز

نے ایک قوم نا ہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہ آئی تھی رام کیا اور اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر ڈالا اور اس وقت بھی وہی نبی امی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگان خدا کو کلمۂ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہیں"

مسٹر روڈول جس نے قرآن مجید کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا ہے لکھتا ہے کہ: "جتنا بھی ہم اس کتاب یعنی قرآن کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی نامرغوبی نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے لیکن فوراً ہمیں مسخر کر لیتی ہے، متحیر بنا دیتی ہے اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے۔ اس کا طرز بیان باعتبار اس کے مضامین اور اغراض کے عفیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جا بجا اس کے مضامین سخن کی غایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں، غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پورا اثر دکھاتی رہے گی (دیباچہ ص۴)

مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بک زغلول نے ۱۸۹۸ء میں مسٹر کونٹ ہنری کی کتاب الاسلام کا ترجمہ عربی میں شائع کیا تھا، اصل کتاب فرنچ زبان میں تھی، اس میں مسٹر کونٹ نے قرآن کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں ظاہر کیے ہیں: "عقل حیران ہے کہ اس قسم کا کلام ایسے شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل امی تھا، تمام مشرق نے اقرار کر لیا ہے کہ نوع انسانی لفظاً و معنیً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن خطاب کو مطمئن کر دیا، ان کو خدا کا معترف ہونا پڑا، یہ وہی کلام ہے کہ جب یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالب نے حبش کے بادشاہ کے دربار میں پڑھے تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے، اور بشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، جلد ۱۶ ص ۵۹۹ میں ہے: "قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل متفاوت ہیں، بہت سی آیات دینی و اخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں، مظاہر قدرت، تاریخ، الہامات انبیاء کے ذریعہ اس میں خدا کی عظمت، مہربانی اور صداقت کی یاد دلائی گئی ہے، بالخصوص حضرت محمد ﷺ کے واسطے سے خدا کو واحد اور

قادر مطلق ظاہر کیا گیا ہے۔ بت پرستی اور مخلوق پرستی کو بالکل ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔''

انگلستان کے نامور مورخ ڈاکٹر گبن اپنی مشہور تصنیف (سلطنت روما کا انحطاط و زوال) کی جلد ۵ باب ۵۰ میں لکھتے ہیں: ''قرآن کی نسبت بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی روح ہے، قانون اساسی ہے، اور صرف اصول مذہبی کے لیے نہیں، بلکہ احکام تعزیرات کے لئے اور قوانین کے لئے بھی ہے جن پر نظام کا مدار ہے، جن سے نوع انسانی کی زندگی وابستہ ہے، جن کو حیات انسانی کی ترتیب و تنسیق سے گہرا تعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) کی شریعت سب پر حاوی ہے، یہ شریعت ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی،

اس جگہ مستشرقین یورپ کے اقوال و اعتراف کا استیعاب کرنا نہیں کہ اس کی گنجائش نہیں، نمونہ کے طور پر چند اقوال نقل کیے گئے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور باعتبار اغراض و مقاصد کے اور باعتبار علوم و معارف کے قرآن کے بے نظیر و بے مثل ہونے کا اقرار صرف مسلمانوں نے نہیں ہر زمانہ کے منصف مزاج غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔ قرآن نے ساری دنیا کو اپنی مثال لانے کا چیلنج دیا تھا اور کوئی نہ لا سکا۔ آج بھی ہر مسلمان دنیا کے ماہرین علم و سیاست کو چیلنج کر کے کہہ سکتا ہے کہ پوری دنیا کی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا دکھا دو کہ ایک بڑے سے بڑا ماہر حکیم فیلسوف کھڑا ہو اور ساری دنیا کے عقائد و نظریات اور رسوم و عادات کے خلاف ایک نیا نظام پیش کرے، اور اس کی قوم بھی اُمّی جاہل گنوار ہو، پھر وہ اتنے قلیل عرصہ میں اس کی تعلیم کو بھی عام کر دے اور عملی تنفیذ کو بھی اس حد پر پہنچا دے کہ اس کی نظیر آج کے مضبوط و مستحکم نظاموں میں ملنا ناممکن ہے۔ دنیا کی پچھلی تاریخ میں اگر اس کی کوئی نظیر نہیں تو آج تو بڑی روشنی، روشن خیالی، بڑی تیز رفتاری کا زمانہ

ہے۔ آج کوئی کر کے دکھلا دے، اگر یہ کوئی نہ کر سکے تو اپنی قوم کو بلکہ دنیا کی ساری اقوام کو جمع کر کے اس کی مثال پیدا کر دے۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ”اگر تم اس کی مثال نہ لا سکے اور ہرگز نہ لا سکو گے تو پھر اس جہنم کی آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، جو منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔“ (بحوالہ معارف القرآن جلد اول)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

* * *

خصوصیت نمبر ۹۴

رسول اکرم ﷺ کی امت کا مقام اخروی لحاظ سے بھی سب سے اونچا ہوگا

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چورانوے نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کی امت کا مقام اخروی لحاظ سے بھی سب سے اونچا ہوگا" آج جمعرات کا دن ہے فجر کی نماز سے فراغت کے بعد روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوں اور رسول اکرم ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس میں میرا کوئی کمال نہیں بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ اس ذات باری تعالیٰ نے مجھ جیسے گناہ گار اور حقیر انسان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں صاحب خصوصیت ﷺ کے روضہ مبارک کے سامنے بیٹھ کر ان کی خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں اس پر میں اپنے اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے، اور امید بھی یہی ہے کہ جس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی توفیق عطا فرمائی وہی اللہ انشاء اللہ میری اس کاوش کو مقبول ومنظور بھی فرمائے گا، اور روز قیامت میری یہی کاوش میری نجات کا باعث ہوگی، انشاءاللہ۔

بہرحال محترم قارئین! اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہمارے نبی ﷺ کو دنیاوی زندگی کے اعتبار سے بہت سی بے مثال خصوصیات عطا فرمائیں، اور خصوصی فضائل سے نوازا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اخروی لحاظ سے ہمارے نبی ﷺ کو خصوصی فضائل سے نوازا، جیسا کہ یہ خصوصیت جو آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہے، اگرچہ یہ خصوصیت آپ ﷺ کی امت سے متعلق ہے، لیکن چونکہ امت کو بھی یہ فضیلت آپ ﷺ ہی کی برکت سے عطا ہوئی تو حقیقتاً یہ خصوصیت آپ ﷺ ہی کی ہے، کہ آپ ﷺ کی امت کا مقام جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اعتبار سے اونچا رکھا، اسی طرح اخروی لحاظ سے بھی اونچا رکھا، آنے والے اوراق میں

احادیث کی روشنی میں اس خصوصیت کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے ملاحظہ فرمائیے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مقام کو پہچان کر صحیح معنوں میں زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

چرانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا گناہ کبیرہ کرنے والوں کے حق میں میری شفاعت صرف میری امت کے لوگوں کے لئے مخصوص ہوگی ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: ... مطلب یہ ہے کہ بڑے گناہ کرنے والوں کی میری شفاعت صرف میری امت کے لوگوں کے حق میں مخصوص ہوگی دوسری امتوں کے لوگوں کے لئے نہیں ہوگی۔

طیبیؒ نے کہا ہے کہ یہاں جس شفاعت کا ذکر ہے اس سے وہ شفاعت مراد ہے عذاب سے نجات اور خلاصی دلانے کے لئے ہوگی ورنہ وہ شفاعت جو درجات کی بلندی اور عزت و کرامات میں زیادتی کے لئے ہوگی اتقیاء اولیاء اور صلحاء کے حق میں ثابت ہے۔ واضح رہے کہ شفاعت کی بحث اور تفصیل پیچھے گزر چکی ہے اجمالاً شفاعت کے بارے میں کچھ چیزیں یہاں بھی نقل کی جا رہی ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک قیامت کے دن شفاعت و سفارش کا ہونا اس آیت سے ثابت ہے۔ یومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن ورضی له قولا "اس دن کسی کی سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی مگر اس شخص کی جسے خدا اجازت دے اور اس بات کو پسند فرمائے۔

نیز اس بارے میں اتنی زیادہ احادیث منقول ہیں کہ وہ سب مل کر حد تواتر کو پہنچتی ہیں اس لئے تمام سلف صالحین (صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین وغیرہ) اور تمام اہل سنت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے جب کہ خوارج اور معتزلہ کے بعض طبقے اس کے منکر ہیں اور وہ قیامت کے دن شفاعت کے قائل نہیں ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ "شفاعت" کی پانچ قسمیں ہیں پہلی وہ جو آنحضرت ﷺ کے واسطے مخصوص ہے، اس شفاعت کا حق و اذن کسی اور کو حاصل نہیں ہوگا، اور یہ شفاعت وہ ہوگی جس کا تعلق تمام لوگوں کو موقف (میدان حشر میں کھڑے رہنے کی ہولناکیوں اور پریشانیوں سے چھٹکارا دلا کر حساب وکتاب جلد شروع کرانے سے ہوگا۔ دوسری قسم وہ ہے جو لوگوں کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کر دینے کے لئے ہوگی اور اس شفاعت کا ثبوت بھی ہمارے حضور ﷺ کے لئے منقول ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو ان لوگوں کے لئے ہوگی جنہیں دوزخ کا مستوجب قرار دیا گیا۔ چنانچہ ان میں سے جن لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کی شفاعت ہمارے حضرت نبی کریم ﷺ کریں گے چوتھی قسم وہ ہے جو ان لوگوں کے لئے ہوگی جنہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں ڈالا جا چکا ہوگا، پس ان لوگوں کی شفاعت کے سلسلے میں جو حدیثیں منقول ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ، فرشتوں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی جانب سے کی جانے والی شفاعت کے نتیجے میں دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے اور پھر آخر میں خود اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت کے تحت ان لوگوں کو عذاب دوزخ سے نجات عطا فرمائے گا، جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہوگا، اور پانچویں قسم وہ ہے جس کا تعلق جنت میں اہل ایمان کے درجات میں بلندی اور اعزاز و کرامات میں اضافہ سے ہوگا۔

اور حضرت عوف بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے پاس سے ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور اس نے بارگاہ رب العزت کی جانب سے مجھے ان دو باتوں میں سے ایک بات چن لینے کا اختیار دیا کہ یا تو میری آدھی امت جنت میں داخل ہو جائے یا سب کے حق میں شفاعت کا حق مجھے حاصل ہو، پس میں نے اپنی پوری امت کے حق میں شفاعت کا حق حاصل ہونے کو چن لیا تاکہ بلا استثناء سب ہی مومن و مسلمان اس سے فیضیاب ہوں اور کوئی بھی محروم نہ رہے چنانچہ میری شفاعت میری امت میں سے ہر اس شخص کے لئے طے شدہ ہے جس نے اس حال میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی ہو کہ اللہ کے بارے میں شرک میں مبتلا نہیں تھا۔ حاصل یہ کہ قیامت کے دن تمام اہل ایمان کو میری

شفاعت نصیب ہونا یقینی ہے (ترمذی، ابن ماجہ) اور حضرت عبداللہ بن ابی جدعاءؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا: میری امت کے ایک بزرگ و صالح شخص کی شفاعت سے بنی تمیم کے آدمیوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے (ترمذی، دارمی، ابن ماجہ)

تشریح: بنوتمیم ایک بہت بڑے قبیلے کا نام تھا، جس کے افراد کثرت و زیادتی کے اعتبار سے بطور مثال پیش کیے جاتے تھے۔ حاصل یہ کہ جب اس امت کے ایک اچھے آدمی کی شفاعت کے نتیجے میں اتنے زیادہ لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے تو اندازہ کرنا چاہیے کہ اس امت میں اچھے لوگوں کی کتنی تعداد ہوگی اور ان میں سے ہر ایک شفاعت کرے گا، پس ان سب کی شفاعتوں کے نتیجے میں امت محمدی کے لوگوں کی کتنی بڑی تعداد جنت میں داخل کی جائے گی۔ بعض محدثین حضرات نے "میری امت کے ایک شخص" کو متعین کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے حضرت عثمانؓ کی ذات مراد ہے، بعض نے حضرت اویس قرنیؒ کا نام لیا ہے اور کچھ اس نے کہا ہے کہ یہ تعین مشکل ہے اور کوئی بھی شخص مراد ہو سکتا ہے، اسی قول کو زین العرب نے حدیث کے مفہوم سے زیادہ قریب قرار دیا ہے۔

اور حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے جن لوگوں کو شفاعت کا حق و اذن حاصل ہوگا، جیسے علماء، شہداء اور صلحاء، ان میں سے کوئی تو اپنے متعلقین کی جماعتوں کی شفاعت کرے گا، کوئی ایک عصبہ کے لوگوں کے برابر اپنے متعلقین کی شفاعت کرے گا، اور کوئی اپنے متعلق صرف ایک آدمی کی سفارش کرے گا، غرضیکہ اسی طرح ہر ایک شفاعت کے نتیجے میں ساری امت جنت میں داخل ہو جائے گی۔ (ترمذی)

تشریح: "قبیلہ" ویسے تو بڑے خاندان، یا ایک باپ کی کئی پشتوں کے بیٹوں کو کہتے ہیں لیکن عام طور پر اس لفظ کا اطلاق "بہت زیادہ لوگوں" پر ہوتا ہے اور عصبہ دس سے چالیس تک افراد کی ٹولی کو کہتے ہیں۔

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: خدا عزوجل نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمیوں کو بلا حساب و کتاب اور مواخذہ و عذاب میں مبتلا کیے بغیر جنت میں داخل فرمائے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ ارشاد سن کر عرض کیا کہ

یارسول اللہ! ہماری اس تعداد میں اضافہ کر دیجئے یعنی اللہ تعالیٰ سے اس تعداد میں اور اضافہ کرنے کی درخواست کر دیجئے یا یہ کہ پروردگار نے آپ ﷺ سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے اس کو بڑھا کر بیان کیجئے، کیونکہ آپ ﷺ رحمت خداوندی پر اعتماد کر کے ہم سے جتنا زیادہ بیان بیان کریں گے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرمائے گا آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا اتنا اور زیادہ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو یکجا کر کے چلو بنایا حضرت ابوبکر نے پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہماری اس تعداد و مقدار میں اور اضافہ کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے پھر چلو بنا کر کہا کہ اچھا اتنا اور زیادہ حضرت عمر بھی اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے محسوس کر کے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ بس اب ہمیں رہنے دیجئے یعنی اتنی رعایت نہ کرائیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کرم و عنایت ہی پر اعتماد کر کے بیٹھ جائیں اور عذاب خداوندی کے خوف سے اس طرح بے فکر ہو جائیں کہ عمل کرنا ہی ترک کر دیں، حضرت ابوبکرؓ نے یہ سن کر کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم سب کو بغیر حساب کتاب و مواخذہ کے جنت میں بھیج دے تو تمہارا کیا نقصان ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر خدا عزوجل اپنی ساری مخلوق کو جنت میں داخل کرنا چاہے تو کر سکتا ہے پھر بار بار درخواست کرنے کی کیا ضرورت ہے، نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر فرمایا کہ: "عمر نے بالکل سچ کہا۔" اس روایت کو بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔

تشریح ... (یہ کہہ کر) آپ ﷺ نے بچے دونوں ہاتھوں کو یکجا کر کے چلو بنایا یعنی ابوبکرؓ کی درخواست پر آنحضرت ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو چلو بنا کر گویا ان کے آگے اور فرمایا کہ اتنے اور لوگوں کا اضافہ کرتا ہوں! اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ ﷺ کو چلو بنانا اور یہ کہنا کہ "اچھا اور اتنا زیادہ" دراصل حق تعالیٰ کے فعل کی حکایت کے طور پر تھا یعنی یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ میں نے بلا حساب جنت میں جانے والوں کی مذکورہ تعداد متعین طور پر بیان نہیں کی ہے بلکہ اس تعداد سے "کثرت" مراد ہے، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح چلو بھر کر یعنی بیشمار اور بے تعداد لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا اسی لئے حدیث کے شارحین نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر چلو بنانے کی تمثیل اس حقیقت کے پیش نظر

اختیار کی کہ دولت مند اور دینے والے کی شان یہی ہوتی ہے کہ جب اس سے زیادہ دینے کی درخواست کی جاتی ہے تو وہ تعداد و مقدار سے صرف نظر کر کے چلو بھر بھر کے بے حساب دیتا ہے۔ چنانچہ چلو بھر کر دینا درحقیقت ایک تمثیل ہے جو زیادہ سے زیادہ دینے کی شان کو ظاہر کرتی ہے۔ اس حدیث میں ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق جو کچھ ذکر ہے اس سے یہ بات نہیں ہوتا کہ مذکورہ مسئلہ میں ان دونوں کے درمیان کوئی ذہنی و فکری اختلاف تھا، بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جو کچھ کہا وہ کمال عجز و بیچارگی اور رحمت خداوندی کے تئیں کمال امیدواری اور نیازمندی اور درخواست گزاری کے قبیل سے تھا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا وہ معرفت و حکمت اور تسلیم و رضا کے قبیل سے تھا، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی کہ پہلے تو حضرت ابوبکرؓ کی درخواست و تمنا کا احترام کیا اور ان کو جواب نہیں دیا اور حضرت عمرؓ کی تصدیق کر کے ان کو بھی مزید پسندیدگی عنایت فرمادی! اس بات کو ایک دوسرے نکتہ نظر سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی درخواست کا مثبت جواب دے کر گویا یہ ظاہر فرمایا کہ لوگوں کے راستہ پر لگنے اور دین و شریعت کی طرف متوجہ کرنے میں ایک بڑا دخل بشارت کا بھی ہے لہٰذا آپ ﷺ نے اس بشارت کو (کہ امت کی ایک بہت بڑی تعداد کو جنت میں داخل کیا جائے گا) اور زیادہ وسعت عطا فرمائی پھر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے قول کی تصدیق کر کے اس طرف اشارہ کیا کہ عمرؓ نے جو بات کہی ہے وہ بشارت ہی ہے جو کسی بھی بشارت سے بڑی بشارت ہے۔ گویا حقیقت میں دونوں کا مافی الضمیر ایک ہی تھا۔

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اہل ایمان میں سے جو لوگ بڑے گنہگار ہوں گے جب دوزخی قرار دیئے جا چکے ہوں گے تو وہ جنت کے خطا کار اور سخت گنہگار کے راستوں میں صف باندھے کھڑے رہتے ہیں اور پھر جب ایک جنتی ان کے سامنے سے گزرے گا تو ان دوزخیوں میں سے ایک شخص اس جنتی کا نام لے کر کہے گا کہ اے فلاں! کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہ شخص ہوں جس نے ایک مرتبہ تم کو پانی پلایا تھا، انہیں

میں سے کوئی شخص یہ کہے گا کہ میں وہی آدمی ہوں جس نے ایک مرتبہ تمہیں وضو کے لئے پانی دیا تھا وہ جنتی یہ سن کر اس کی شفاعت کرے گا اور اس کو جنت میں داخل کرائے گا۔ (ابن ماجہ)

تشریح...... اس سے معلوم ہوا کہ فاسق و گناہ گار اگر اس دنیا میں اہل دین اور ارباب طاعت و تقویٰ کی کوئی خدمت و امداد کریں گے تو اس کا بہتر ثمرہ عقبیٰ میں پائیں گے اور ان کی مدد و شفاعت سے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔

حضرت مظہرؒ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس امر کی ترغیب دی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں اور خصوصاً بزرگ و نیک لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور مروت و احسان کا برتاؤ کرنا چاہئے اور جب بھی ان کی ہم نشینی و صحبت میسر ہو جائے اس کو اختیار کرنے کا موقع گنوانا نہ چاہئے کیونکہ ان کی صحبت اور محبت دنیا میں حصول زینت و پاکیزگی اور آخرت میں حصول نور کا باعث ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اہل ایمان میں سے جو لوگ اپنے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں داخل ہوں گے ان میں سے دو آدمی بہت زیادہ شور مچائیں گے یعنی رونا دھونا اور آہ و فریاد شروع کر دیں گے اور خوب چیخیں چلائیں گے پروردگار دوزخ کے فرشتوں کو حکم دے گا کہ ان دونوں کو باہر نکالو اور جب وہ باہر آئیں گے تو ان سے فرمائے گا کہ کیوں اس قدر چیخ چلا رہے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم اس لئے چیخ چلا رہے تھے تا کہ آپ کی رحمت ہمارے طرف متوجہ ہو جائے اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ آپ اس شخص کو پسند کرتے ہو جو آپ کے آگے روئے دھوئے اور آہ و فریاد کرے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارے حق میں میری رحمت یہی ہے کہ تم واپس جاؤ اور دوزخ میں جہاں تھے وہیں پڑے رہو۔ ان میں سے ایک شخص تو (پہلے ہی کامل اطاعت اور رضاء الٰہی کی طلب میں) واپس ہو جائے گا اور خود کو دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا اور اللہ تعالیٰ اس آگ کو اس کے لئے ٹھنڈا کر دے گا جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیمؑ کے لئے آگ کو گلزار بنا دیا تھا اور دوسرا شخص اپنے کو اس معاملے میں بالکل بے بس پاتا ہوا اور اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم پر کامل یقین رکھتے ہوئے وہیں کھڑا رہیگا اور خود کو آگ میں نہیں ڈالے گا!

اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے خود کو آگ میں کیوں نہیں ڈالا جب کہ تیرا ساتھی میرا حکم سنتے ہی چلا گیا اور آگ میں کود پڑا؟! وہ عرض کرے گا کہ پروردگار میں اسی امید پر قائم ہوں کہ آپ نے مجھے دوزخ سے باہر بلوالیا ہے تو اب دوبارہ وہاں نہیں بھیجیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا! تو نے جو امید قائم کی ہے وہ تیرے حق میں پوری کی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ دونوں شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کے صدقے میں ایک ساتھ جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ (ترمذی)

تشریح...... تمہارے حق میں میری رحمت یہی ہے کہ تم واپس جاؤ اس کے سلسلے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے ہو سکتا ہے کہ دوزخ میں واپس جا کر سپرد آگ ہونے کو رحمت پر کس اعتبار سے محمول کیا گیا ہے؟! اس کا مختصر جواب یہ ہوگا کہ یہ ارشاد اصل سبب کو مسبب پر محمول کرنے کے اسلوب سے تعلق رکھتا ہے! وضاحت کے ساتھ اس بات کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کو دوزخ میں اس کے قصور کی پاداش میں داخل کیا جائیگا کہ انہوں نے اس بات کی اطاعت کے حکم کے ذریعہ کہ وہ دوزخ میں واپس جا کر اپنے آپ کو آگ کے سپرد کر دیں۔ اس امر پر تنبیہ کی جائے گی کہ رحمت خداوندی کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو ہر حالت میں اس کے حکم کی اطاعت وفرمانبرداری کرے۔

"تو نے جو امید قائم کی ہے وہ تیرے حق میں پوری کی جاتی ہے" سے ثابت ہوا کہ بندہ کا پروردگار پر امید باندھنا اس کے عطا وکرم کے حصول میں بہت موثر ہے خواہ وہ بندہ اپنے عجز وناتوانی کے سبب اطاعت وفرمانبرداری کے دائرہ سے باہر نکلا ہوا کیوں نہ ہو۔

(بحوالہ جنت مظاہر حق جلد پنجم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

چنانچہ محترم قارئین مندرجہ بالا تمام احادیث سے یقیناً اندازہ ہوا ہوگا کہ اخروی لحاظ سے آپ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر نوازا ہے اور کتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے رب کی رضا میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العلمین۔

خصوصیت نمبر ۹۵

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پچانوے نمبر خصوصیت پیش کی جا رہی ہے جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا" الحمد للہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں۔

بہر حال محترم قارئین! ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا، جیسا کہ اس کی وضاحت آپ آنے والے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے، اور جب ہم دیگر انبیاء کرام کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو کہیں کسی نبی یا رسول کے بارے میں یہ نظر نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی یا رسول کے بارے میں خود فرمائیں کہ ہم نے انہیں پڑھایا، بصرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کا یہ خاصہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا، اور قرآن کریم میں اس کا اعلان بھی فرمایا جیسا کہ آگے آپ اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عظیم نبی ﷺ کی صحیح قدردانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

پچانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے وعلمک ما لم تکن تعلم ترجمہ: تجھے علم سکھایا ان چیزوں کا جن کا تجھے علم نہ تھا۔

قرآن مجید کی آیات متعددہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نہ پڑھنا جانتے تھے اور نہ لکھنا جانتے تھے۔ اب اللہ عزوجل کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود تعلیم دی تھی۔

دنیا میں شاگرد کو تعلیم قوت شنوائی، بینائی یعنی حسیات کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ پھر جب یہ تعلیم حواس انسانی میں تیار ہو کر پختہ ہو جاتی ہے تو اس کا نام "تعلیم یافتہ" رکھا جاتا ہے۔

انبیاء کی تعلیم ان کے قلب سے شروع ہوتی ہے انزلہ علی قلبک لہٰذا اللہ کی تعلیم دینے میں اور بندوں کی تعلیم دینے میں بڑا نمایاں تفاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سنقرئک فلا تنسیٰ۔ ہم تجھے پڑھائیں گے اور پھر تو نہ بھولے گا۔ تعلیم ربانی کا نسیان سے بری ہونا وہ خصوصیت ہے جو پائے کسی معلم یا متعلم میں نہیں پائی جا سکتی۔ جب ہم قرآن پاک پر نظر ڈالتے ہیں اور حدیث پاک کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں احوال ماضیہ بھی مذکور ہیں اور اخبار مستقبلہ بھی مذکور ہیں اور حال کے احکام بھی مذکور ہیں تب یقین ہو جاتا ہے کہ نبی امی ﷺ کو ایک اللہ تعالیٰ ہی سے تعلیم ملی تھی جو ماضی و حال و استقبال کا علم رکھنے والا ہے۔

نبی ﷺ کے لئے یہ خصوصیت نہایت خاص ہے کہ ایسی قوم میں پیدا ہوئے جن کو ان پڑھ ہونے پر فخر حاصل تھا۔ ایسے ملک میں پیدا ہوئے جو کہ ملک متمدن سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ پھر چالیس سال تک حضور ﷺ کی زبان تعلیم و تعلم سے نا آشنا بھی رہی۔

لیکن جب رب العالمین نے حضور ﷺ کو اپنے تلمذ میں لیا تو حضور ﷺ نے جملہ علوم و معارف اور حقائق و معانی کے دفتر کھول دیئے۔ آیت اولین اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق۔ پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو علق سے پیدا کیا۔ پڑھانا اس لیے حضور ﷺ کی طرف راجع ہے حقیقت ذات ربانی سے شروع ہوتی ہے یہ وہ علم ربانی ہے جس میں کسی مخلوق کی شرکت نہیں۔ لہٰذا یہ صفت بالا حضور ﷺ کی خصوصیت کی مظہر ہے۔ (تحقیقات علمیہ ج ۲)

یا رب صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلہم

خصوصیت نمبر ۹۶

رسول اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے نبیوں والا کام (تبلیغی کام) عطا فرمایا

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھیانوے نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے نبیوں والا کام (تبلیغی کام) عطا فرمایا" بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ اس ذات باری تعالیٰ نے مجھ جیسے گناہ گار اور حقیر انسان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں صاحب خصوصیت ﷺ کے روضہ مبارک کے سائے تلے بیٹھ کر ان کی خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس پر میں اپنے اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے، اور امید بھی یہی ہے کہ جس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی توفیق عطا فرمائی وہی اللہ انشاء اللہ میری اس کاوش کو مقبول ومنظور بھی فرمائے گا، اور روز قیامت میری یہی کاوش میری نجات کا باعث ہوگی، انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! جیسا کہ اس سے قبل بھی آپ کچھ ایسی خصوصیات ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جو آپ ﷺ کی امت سے متعلق ہیں تو چونکہ وہ تمام خصوصیات بھی حضور ﷺ ہی کے صدقے امت کو ملیں تو حقیقتاً وہ آپ ﷺ ہی کی خصوصیات ہیں، منجملہ ان خصوصیات میں سے ایک عظیم خصوصیت ذیل میں آرہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسی عظیم امت عطا فرمائی کہ جسے انبیاء کرام والا کام نصیب ہوا، یعنی دعوت وتبلیغ کا عظیم کام جسے پہلے صرف اور صرف انبیاء کرام ہی کیا کرتے تھے، لیکن چونکہ ہمارے نبی ﷺ آخری نبی ہیں، اور آپ ﷺ کے بعد اب قیامت تک کسی اور نبی نے نہیں آنا تو آپ ﷺ کی ختم نبوت کے صدقے اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم کام امت محمدیہ کے سپرد کر دیا، چنانچہ آنے والے اوراق میں

تفصیل کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ جس میں آپ دعوت وتبلیغ کے فضائل، اہمیت، موجودہ دور میں اس کام کی ضرورت، اور اس کام کو کرنے کے لئے رہنما اصول اس کے علاوہ دیگر اور بھی بہت سی کارآمد باتیں ملاحظہ فرمائیں گے انشاءاللہ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عظیم کام میں جڑنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

چھیانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

دعوت وتبلیغ کی ترغیب قرآن کریم کی روشنی میں

آیت نمبر۱...... ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ! تم بہترین امت ہو کہ لوگوں کی (نفع رسانی) کے لئے نکالے گئے ہو۔ تم لوگ نیک کام کا حکم کرتے ہو اور برے کام سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ (پ۴ع۲)

آیت نمبر۲...... فرمان باری تعالیٰ ہے کہ! عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر (وبرکت) نہیں ہوتی مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ صدقہ خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کرنے کی ترغیب دیتے ہیں (اور اس تعلیم وترغیب کے لئے خفیہ تدبیریں اور مشورے کرتے ہیں ان کے مشوروں میں البتہ خیر وبرکت ہے) اور جو شخص یہ کام (یعنی نیک اعمال کی ترغیب محض) اللہ کی رضا کے واسطے کریگا (نہ کہ لالچ یا شہرت کے غرض سے) اس کو ہم عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ (پ۵ع۱۴)

آیت نمبر۳...... فرمان باری تعالیٰ ہے کہ! اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہونگے۔ (پ۴ع۲)

آیت نمبر۴...... اعلان باری تعالیٰ ہے کہ! اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے؟ جو خدا تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے

ہوں۔ (پ۲۴ر۱۹)

فائدہ...... شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کو بلائے وہ اس بشارت اور تعریف کا مستحق ہے خواہ کسی بھی طریقے سے بلائے۔ مثلاً انبیاء معجزہ وغیرہ کے ذریعے بلاتے ہیں اور علماء دلائل سے، مجاہدین تلوار سے، اور مؤذنین اذان سے۔ غرض جو بھی کسی شخص کو دعوت الی الخیر کرے وہ اس میں داخل ہے۔

آیت نمبر۵...... قرآن کریم کی ایک آیت کا مفہوم ہے کہ! بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر کہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ (پ۲۱ر۱۱)

فائدہ...... مندرجہ بالا آیات قرآنی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دعوت و تبلیغ کے قرآن کریم میں کس قدر فضائل بیان فرمائیں ہیں اور فکر نبوی ﷺ کو اپنانے کی کس قدر ترغیب دی ہے۔ ان آیات سے واضح طور پر ہمیں یہ بات سمجھ میں آجانی چاہئے کہ درد امت کو اپنے قلوب میں بسانا، اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو راہ ہدایت دکھانا ہماری اہم ترین ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں ہی مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی بھلائی مضمر ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو درد امت و فکر نبوی ﷺ سے سرشار فرمائیں۔ آمین

اب ہم دعوت تبلیغ کے فضائل احادیث کی روشنی میں بیان کرنا چاہیں گے۔ انشاء اللہ لیجئے ملاحظہ فرمایئے:

دعوت و تبلیغ کی ترغیب احادیث کی روشنی میں

ایمان کا آخری درجہ

حضرت ابو سعید خدریؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ! جو شخص کسی ناجائز امر کو ہوتے ہوئے دیکھے اگر اس پر قدرت ہو کہ اسکو ہاتھ سے بند

کر دے تو اس کو بند کر دے اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے اس پر انکار کر دے اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا بہت ہی کم (یعنی آخری) درجہ ہے۔

(ترمذی شریف)

تبلیغ نہ کرنے کا انجام

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا تنزل اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی دوسرے سے ملتا اور کسی ناجائز بات کو کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو منع کرتا کہ دیکھ خدا سے ڈر ایسا نہ کر لیکن اس کے نہ ماننے پر بھی وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے کھانے پینے میں اور نشست وبرخاست میں ویسا ہی برتاؤ کرتا جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔ جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے بعضوں کے قلوب کو بعضوں کے ساتھ خلط کر دیا (یعنی نافرمانوں کے قلوب جیسے تھے ان کی نحوست سے فرماں برداروں کے قلوب بھی ویسے ہی کر دیئے گئے) پھر ان کی تائید میں کلام پاک کی آیتیں لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے فٰسِقُوْنَ تک پڑھیں اس کے بعد حضور ﷺ نے بڑی تاکید سے یہ حکم فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ظالم کو ظلم سے روکتے رہو اور اس کو حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو۔ (ترمذی شریف)

امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے رہیں

حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ دولت کدہ پر تشریف لائے تو میں نے چہرہ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ آپ ﷺ نے کسی سے کوئی بات چیت نہیں فرمائی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ میں حجرے کی دیوار سے لگ کر سننے کھڑی ہوگئی کہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، مبادا کہ وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو۔ تم سوال

کرو اور سوال پورا نہ کیا جائے تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔ یہ کلمات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ (ابن ماجہ)

کلمہ توحید کے حقوق

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ! (کلمہ توحید) لا الٰہ الا اللّٰہ (محمد رسول اللّٰہ) کہنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب اور بلا کو دفع کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی و استخفاف نہ کیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اسکے حقوق سے بے پرواہی و استخفاف کیے جانے کا کیا مطلب ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی نافرمانیاں کھلے طور پر کیا کریں اور ان کو بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ (فضائل اعمال)

دنیا میں ہی عذاب

حضرت جریر بن عبداللہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ! اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ جماعت اور قوم باوجود قدرت کے اس شخص کو اس گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔ (ابوداؤد شریف)

تبلیغ والوں کے لئے انعام

حضرت ابوذر غفاریؓ روایت نقل فرماتے ہیں کہ! حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا! یا رسول اللہ ﷺ کیا مشرکین سے جنگ کے بغیر بھی جہاد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں اے ابوبکر اللہ تعالیٰ کے ایسے مجاہدین بھی زمین پر ہیں جو کہ ان شہداء سے افضل ہیں جو زندہ ہیں انہیں روزی ملتی ہے یہ زمین پر چل رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ آسمان سے فرشتوں کے سامنے فخر فرماتے ہیں ان کے لئے جنت سجائی جاتی ہے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا نیکی کا حکم کرنے

والے برائی سے روکنے والے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرنے والے۔ پھر ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ بندہ بلند ترین مکان میں ہوگا جو شہداء کے مکانات سے بلند ہوگا ہر مکان کے تین سو دروازے ہوں گے یاقوت اور سبز زمرد کے۔ ہر دروازے پر روشنی ہوگی۔ ایسا آدمی تین لاکھ حوروں سے نکاح کرے گا جو انتہائی پاکباز اور خوبصورت ہوں گی جب بھی وہ کسی ایک کی طرف دیکھے گا تو وہ کہے گی کہ آپ نے فلاں دن اللہ تعالیٰ کو ذکر کیا اور آپ نے اسی طرح نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا۔ الغرض جب بھی کسی حور کی طرف دیکھے گا تو وہ نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کی وجہ سے اس کا ایک اعلیٰ مقام بتائے گی۔ ﴿[illegible]﴾

اسلام کی دعوت کو پھیلانا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنے ایک خطاب میں فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی اصلی شناخت یہی ہے کہ یا تو اسلام کی دعوت اور عملی جدوجہد میں مشغول ہوں یا پھر اس دعوت و عملی جدوجہد میں مشغول ہونے والوں کے لئے پشت پناہ و مددگار ہوں اور اس کے ساتھ بھی عملی جدوجہد میں حصہ لینے کا عزم اور شوق رکھتے ہوں، مطمئن شہری اور محض کاروباری زندگی اسلامی زندگی نہیں، اور کسی طرح بھی یہ ایک مسلمان کا مقصود حیات نہیں ہو سکتا۔ جائز مشاغل زندگی، جائز وسائل معیشت ہرگز ممنوع نہیں بلکہ نیت اور اجر طلبی کے ساتھ عبادت و قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں مگر اس وقت جب یہ سب دین کے سایہ میں ہو اور صحیح مقاصد کا وسیلہ ہوں نہ خود مقصود بالذات۔

چنانچہ ہم پوری صراحت کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ اگر مسلمان دعوت حق سے کنارہ کش اور سبکدوش ہو گئے جو ان کے سپرد کی گئی ہے اور جس کی خاطر ان کو سرفراز کیا گیا ہے تو پھر دنیا میں ان کے حفظ و بقاء کی کوئی ضمانت نہیں لی جا سکتی خواہ ان کے پاس فوجی طاقت ہو، عددی طاقت ہو، اقتصادی طاقت ہو، بہتر سے بہتر مواقع میسر ہوں اور جو بھی ہو

وحشمت ان کو ملی ہو سب بے کار سب بے سود و بے نفع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت ان کی اسی صفت کی بنا پر کی تھی۔ بہر حال مسلمانوں کو سب کچھ مل سکتا ہے، حکومتیں ملتی رہیں گی، دولت پا سکتے ہیں مگر امانت خداوندی یعنی دعوت الی اللہ جس سے صرف اللہ کی پرستش ہو اور اس کا پیغام سرمدی دنیا میں باقی رہے اور غلبہ و سطوت صرف اللہ کا رہے، اس کے احکام زمین پر جاری ہوں، زندگی کے ہر موڑ پر اس کے احکام کی پیروی ہو، یہ نہیں ہوگا اور جب یہ نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت و نوازش بے پایاں سے امت محروم ہو جائے گی۔ اس لئے وہ چیز جس کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے اور جس کے لئے ان کے اندر غیرت اور حمیت ہونا چاہئے اور جس کو وہ اپنی جان سے صحت سے اپنی دانائی و ہوش مندی سے زیادہ عزیز رکھیں اور جس کو دولت و حکومت پر ترجیح دیں، اپنی شہرت و ناموری کے پروپیگنڈہ سے اور اپنی سیاسی تگ و دو سے زیادہ اہمیت دیں اور جذبہ حکمرانی اور اپنے حدود سلطنت کو وسیع کرنے کی تمنائیں اس کے مقابلے میں ہیچ ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے دین کا داعی و مبلغ سمجھیں، علم توحید کو سربلند اور اللہ کے دین کو سرسبز و شاداب رکھنے کی آرزوؤں اور تمناؤں کو غالب رکھیں آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں، اللہ کی رضا اور اس کے احکام کے اجراء کو ہر مقصد اور ہر نسبت پر قربان کرنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں۔ مسلمانوں کے بقاء کی ضمانت اسی میں ہے کیونکہ ان کا وجود محض اسی دعا کے سبب عطا ہوا ہے۔

دین کی تبلیغ و دعوت کو لیکر اٹھیے

یاد رکھیے! قیامت کا دن بڑا کٹھن ہے، اس دن دل کی کیفیت چہروں پر عیاں ہوگی۔ جن کے دل نور ایمان سے منور ہیں قیامت کے دن ان کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوں گے اور جن کے باطن میں دین و ایمان کی دوری کے باعث گمراہی کی تاریکی چھپی ہوئی ہے، اس روز ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ کامیابی اسی میں ہے کہ ہم اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر کے اللہ کی دین کی دعوت لیکر نکلیں تاکہ ہمیں بھی اللہ

تعالیٰ روشن چہروں والوں کے ساتھ ملا دے۔ قیامت کے روز بعض پر انعام اور اکرام کی بارش اور بعضوں پر غضب و ناراضگی کی پھٹکار ہوگی، اور یہ بلاوجہ نہیں ہوگی بلکہ ہر ایک کے اعمال کا یہ نتیجہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس سے بلند ہے کہ وہ کسی پر زیادتی کرے یا اس کے اعمال کو ضائع کرے۔ اللہ تعالیٰ تو کسی پر ظلم نہیں فرماتے ہاں ہم خود جان بوجھ کر اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ اور اپنے اعمال بد سے اپنے نامہ اعمال کی سیاہی میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

یاد رکھیے! اللہ کے دین کی دعوت کا کام چھوڑ کر ہم خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کے امتی ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے خیر الامم کے جلیل القدر لقب سے سرفراز کیا ہے۔ ہم سے پہلے جتنی بھی امتیں صفحۂ ہستی پر ظاہر ہوئی ہیں ان سب سے ہمیں بہتر کہا گیا ہے کیونکہ ہماری زندگی کا مقصد بڑا پاکیزہ اور بہت بلند ہے ہمیں اس لئے زندہ رہنا ہے کہ حق کا بول بالا ہو ہدایت کی روشنی پھیلے گمراہی کی ظلمت کافور ہو، باطل کا طلسم ٹوٹے اور اخلاق حسنہ کو مقبولیت حاصل ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی صداقت (یعنی توحید) پر جب خود بھی ایمان لا چکے ہیں تو ہمارے ذمہ یہ فرض ہے کہ ہم دوسروں کو بھی اس کے قبول کرنے کی دعوت دیں۔ یہ ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے اسلئے ہمیں چاہیے کہ ہم ہمت، خلوص اور سرفروشی کا جذبہ لے کر اللہ کے دین کی دعوت لیکر اٹھیں اور دنیا کے کونے کونے میں اللہ کے دین کو پہنچانے کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اقوام عالم کی بھری محفل میں ہمارے سر پر فضیلت کا تاج رکھا ہے۔ جبکہ دوسری قوموں کے فیضان ہدایت سے ایک محدود علاقہ یا ایک مخصوص قوم یا ایک مقررہ وقت تک مستفیض ہو سکتی تھی۔ لیکن اللہ کے دین کی دعوت کا کام کرنے والے مسلمانوں کا ابر کرم بحر و بر خشک و تر، سیاہ و سفید ہر نزدیک و دور ہر خطہ پر برستا رہا۔ اور ہر خطے کے پیاسوں کی پیاس بجھتی رہی۔ دین کے کام کرنے والے مسلمانوں کی برکتیں صرف اپنے لئے اور صرف اپنوں کے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے ہیں۔ آیئے ہم بھی عہد کریں کہ آج کے بعد ہم نے دین کی دعوت کو اپنی

زندگی کا لازمی جزو بن جاتا ہے اور اللہ کے دین کو ساری دنیا میں پھیلانے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام کا سچا مبلغ و داعی بنا دے۔ آمین

تبلیغ و دعوتِ حق اور مشکلات

یاد رکھیے! دعوتِ حق میں مصائب و مشکلات کا آنا ضروری ہے۔ آزمائشوں کی منزل سے گزر کر ہی ایمان میں قوت آتی ہے اور اخلاق و کردار میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ضرور آزماتا ہے، جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور جو اپنے دین و ایمان میں جتنا زیادہ پختہ ہوتا ہے اس کی آزمائش بھی اسی لحاظ سے سخت ہوتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ! اور ہم ضرور تمہیں خوف اور خطرہ، فاقہ کشی، جان اور مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں گے اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ انہیں خوشخبری دیجئے! ان پر ان کے رب کی طرف سے عنایات ہوں گی۔ اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (سورۃ بقرہ)

چنانچہ دعوت و تبلیغ کی راہ میں آنے والی مشکلات، تکالیف اور آزمائشوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنا چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ! اور نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور اس راہ میں جو مصائب بھی آئیں ان کو استقلال کے ساتھ برداشت کرتے رہو۔ (سورۃ لقمان)

ایک دفعہ حضرت سعدؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا! یا رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ آزمائش کس شخص کی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا! انبیاء کی، پھر دین و ایمان میں جو ان سے زیادہ قریب ہو اور پھر جو اس سے قریب ہو۔ آدمی کی آزمائش اس کے دین کے اعتبار سے ہوتی ہے، پس جو شخص اپنے دین میں پختہ ہوتا ہے اس کی آزمائش سخت ہوتی ہے اور جو دین میں کمزور ہو اس کی آزمائش ہلکی ہوتی ہے اور یہ آزمائش برابر ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس پر گناہ کا کوئی اثر نہیں رہ جاتا۔ (ترمذی شریف)

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: مجھے اللہ کی راہ میں اتنا ستایا گیا کہ کبھی کوئی انسان اتنا نہیں ستایا گیا اور مجھے اللہ کی راہ میں اتنا ڈرایا گیا کہ کبھی کوئی کوئی اتنا نہیں ڈرایا گیا اور ہم پر تیس شب و روز ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے کھانے کے لئے کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس مختصر توشے کے جو بلال کے بغل میں تھا۔

(ترمذی شریف)

اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ آزمائش تحریک کو قوت پہنچانے اور آگے بڑھانے کا ذریعہ ہیں، آزمائشوں کی منزلوں سے گزرے بغیر کوئی تحریک کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی خصوصاً وہ تحریک جو عالم انسانی میں ہمہ گیر انقلاب کی دعوت دیتی ہو اور پوری انسانی زندگی کو نئی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا منصوبہ رکھتی ہو۔

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ جس زمانے میں مکہ کے سنگ دل آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر بے پناہ ظلم وستم ڈھا رہے تھے انہی دنوں کا ایک واقعہ حضرت خباب بن الارت بیان فرماتے ہیں!

رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے سائے میں چادر سر کے نیچے رکھے آرام فرما رہے تھے، ہم آپ ﷺ کے پاس شکایت لے کر پہنچے یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب نہیں فرماتے۔ آپ اس ظلم کے خاتمے کی دعا نہیں کرتے؟ (آخر یہ حالات کب تک درپیش رہے گا اور کب یہ مصائب کا دور ختم ہوگا؟) رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا! تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے بعض کے لئے گڑھا کھودا جاتا پھر اس کو اس گڑھے میں کھڑا کر دیا جاتا پھر آرا لایا جاتا اور اس کے جسم کو چیرا جاتا یہاں تک کہ اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتا اور اس کے جسم میں لوہے کے کنگھے چبھوئے جاتے جو گوشت سے گزر کر ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتے مگر وہ اللہ کا بندہ حق سے نہ پھرتا۔ قسم ہے خدا کی یہ دین غالب ہو کر رہے گا یہاں تک کہ سوار (یمن کے دارالخلافے) صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور راستے میں اللہ کے سوا اس

کو کوئی خوف نہ ہوگا۔ البتہ چرواہوں کو صرف بھیڑیوں کا خوف رہے گا کہ کہیں بکری اٹھا نہ لے جائیں۔ لیکن افسوس کہ تم جلدی مچا رہے ہو (بخاری شریف)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ راہ حق میں مشکلات ومصائب کا آنا ہمیشہ سے جاری ہے اور ہمیشہ ہمیشہ تک جاری رہے گا۔ اس لئے دعوت حق کے سلسلہ میں آنے والی مشکلات کے سامنے حوصلہ ہار دینا ایک کامیاب مبلغ وداعی کی علامت نہیں بلکہ مشکلات کو سہہ کر آگے بڑھنا ہی ایک سچے، پکے داعی کا شیوہ ہونا چاہئے اس کے بعد ہی اللہ کی مدد ونصرت آتی ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ میری امت میں برابر ایک گروہ ایسا موجود رہے گا جو اللہ کے دین کا محافظ رہے گا۔ جو لوگ ان کا ساتھ نہیں دیں گے اور جو لوگ ان کی مخالفت کریں گے وہ ان کو تباہ نہ کرسکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے اور یہ دین کے محافظ لوگ اپنی اسی حالت پر قائم رہیں گے۔ (بخاری شریف) اللہ تعالیٰ ہمیں دین حق کا سچا پکا مبلغ بنادے۔ آمین

دعوت وتبلیغ کا عظیم شرف حاصل کیجئے

"دین اسلام" اس صالح طریق زندگی اور اس خداوندی ہدایت کا نام ہے جس کا پیغام انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو پہنچتا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کے دو کام تھے۔

ایک وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اس طریق زندگی اور اس ہدایات کا علم حاصل کرنا اور دوسرے اس علم وہدایت کو بندوں تک پہنچانا، ان کو سکھانا اور ان کو اس پر چلانے کی کوشش کرنا۔

ان میں سے پہلا کام تو سلسلہ نبوت ختم ہونے کے ساتھ ختم ہوگیا۔ ختم نبوت کا مطلب ہی یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب کسی کو یہ مقام و منصب عطا نہیں فرمایا جائے گا کہ وحی کے ذریعہ اس پر دین وشریعت کے احکام نازل ہوں

اور اس کو نبی مان کر اس کی اطاعت و پیروی کرنا لوگوں کے لئے ضروری ہو۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی اس ہدایت و شریعت نے جو قیامت تک پیدا ہونے والے سب انسانوں کی رہنمائی کے لئے کافی ہے اور جس کے آخری زمانہ تک محفوظ رہنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام بھی کر دیا گیا ہے اس ضرورت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ لیکن سلسلہ نبوت کا دوسرا کام (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی اس ہدایت و شرافت و شریعت کو بندوں تک پہنچانا اور اس کو اسی طرح چلانے کی کوشش کرنا) باقی اور جاری ہے اور امت محمدی ﷺ کا یہ خاص شرف ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نیابت میں وہ اس مقدس مشن کو قیامت تک جاری رکھنے اور اس کار نبوت کو انجام دینے کی ذمہ دار ہے۔

حضور ﷺ نے مکہ معظمہ میں یہ کام دعوت و تبلیغ سے شروع کیا تھا۔ لوگوں کو آپ ﷺ اللہ کی طرف اور اس کے دین کی طرف بلاتے تھے۔ اس راستہ پر یہ آپ کا پہلا قدم تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کے کچھ بندوں نے آپ ﷺ کی ایمانی دعوت کو قبول کر لیا اور اپنے لئے اس دین حق اور اس صالح طریق زندگی کا فیصلہ کر لیا جس کی طرف آپ ﷺ دعوت دیتے تھے تو ابتدائی دعوت و تبلیغ کے ساتھ ان اہل ایمان کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و ارشاد اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے کام کا اور اضافہ ہو گیا۔

پھر ایک وقت آیا کہ ہدایت و ارشاد کے اس مقدس مشن کی حفاظت اور اس کے آگے بڑھانے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے زیادہ سے زیادہ بندوں کو ایمان و عمل صالح کی دولت سے بہرہ مند کرنے کے لئے ان باطل کوش مخالف طاقتوں سے نمٹنا ضروری ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کے نور کی اس شمع کو زبردستی بجھا دینا چاہتی تھیں یا اس کے راستہ میں مزاحم ہوتی تھیں۔ اس وقت اس مقدس مہم کے پروگرام میں جہاد و قتال کا بھی اضافہ ہو گیا اور پھر زمانہ کی رفتار کے ساتھ یہ کام بھی روز بروز بڑھتے ہی گئے۔

جو لوگ آپ ﷺ کی دعوت قبول کرتے تھے ان کو آپ ﷺ دین کے بنیادی اصول و احکام بتلانے کے ساتھ اس کی بھی تلقین فرماتے تھے کہ دین کی دعوت و خدمت اور اللہ تعالیٰ

کے بندوں کی اصلاح و ہدایت کا جو کام اور اس راستہ میں جو جد و جہد میں کر رہا ہوں تمہیں بھی حالات و امکانات کے مطابق اس میں میرا ساتھ دینا ہے اور اس کام کو اپنا کام بنانا ہے۔ جب تک آپ اس دنیا میں رونق افروز رہے، امت آپ ﷺ کی زیر قیادت، ہدایت و ارشاد اور دین کی خدمت و نصرت کی اس پیغمبرانہ مہم میں اپنے جان و مال سے پوری طرح آپ کی شریک رفیق رہی۔ دعوت و تبلیغ تعلیم و تربیت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے میدانوں میں اور جہاد و قتال کے معرکوں میں آپ کے زیر ہدایت اپنا یہ فرض ادا کرتی رہی۔ پھر جب آپ ﷺ اس عالم سے دوسرے عالم کی طرف تشریف لے گئے تو اس پوری مقدس مہم کو اسی طرح جاری رکھنا اور اس کے تمام شعبوں کے تقاضوں کو انجام دیتے رہنا بطور نیابت اس امت ہی کا فریضہ ہو گیا اور اب قیامت تک کے لئے خدمت دین و نصرت دین کے ان سب شعبوں میں آپ ﷺ کی امت ہی آپ ﷺ کی قائم مقام اور مسئول و جواب دہ ہے۔

اس کام کی اہمیت و فضیلت کے لئے اگرچہ یہی کافی ہے کہ یہ دراصل پیغمبرانہ کام اور کام نبوت کی نیابت ہے لیکن پھر بھی اس بارے میں قرآن و حدیث مبارکہ کے بعض تاکیدی اور ترغیبی نصوص یہاں ذکر کر دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس کام کے مختلف شعبے ہیں، دعوت و تبلیغ تعلیم و تزکیہ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور قتال فی سبیل اللہ "دین کی نصرت" کا لفظ (جس کے معنی ہیں دین کی مدد) اور اسی طرح "جہاد" اور "جہد" کا لفظ (جس کے معنی ہیں کسی مقصد کے لئے پوری محنت و کوشش) اپنے اصل معنی کے لحاظ سے خدمت دین کے ان سب شعبوں پر حاوی ہیں اور قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ بکثرت اسی عام معنی میں استعمال ہوئے ہیں اور بعض مقامات پر نصرت دین کی آخری مخصوص شکل یعنی قتال فی سبیل اللہ کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

اگرچہ دعوت و تبلیغ کے حوالے سے کچھ آیات و احادیث آپ گزشتہ صفحات میں بھی پڑھ چکے ہیں البتہ کچھ نہ کچھ مزید یہاں بھی ہم چند وہ آیتیں پیش کرتے ہیں جن میں دین کے متعلق خدمت و نصرت اور دین کے لئے جد و جہد کی عام تاکید کی گئی ہے یا ترغیب دی گئی

ہے۔ خواہ وہ کسی طور پر اور کسی شکل میں ہو۔ اس کے بعد ہم وہ آیتیں پیش کریں گے جن میں خدمت دین کے خاص خاص شعبوں کے لئے تاکید فرمائی گئی یا ترغیب دی گئی ہے۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے (قرب و رضا کا) ذریعہ تلاش کرو (یعنی ایسے عمل جن سے اس کی رضا حاصل ہو اور اس سلسلہ کا خاص الخاص عمل یہ ہے کہ) اس کے دین کی راہ میں جدوجہد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔ (سورۂ مائدہ)

اور سورۂ حج کے آخر میں ارشاد ہوا ہے کہ "اور جدوجہد کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اس کے دین کے راستہ میں جیسی جدوجہد کا اس کا حق ہے (اے امت محمد ﷺ!) اللہ تعالیٰ نے تم کو اس خدمت کے لئے چنا ہے، یہ طریقہ ہے تمہارے باپ ابراہیم کا، اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے، اس (کتاب قرآن مجید) میں اور اس سے پہلے (والی کتابوں میں) تو ایسا ہے کہ رسول تو تمہارا نگران اور معلم ہو اور (رسول سے دین کی تعلیم و تربیت پا کے) تم باقی دنیا کے نگران و معلم بنو"۔ (سورۂ حج)

اور سورۂ صف میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا ہے کہ "اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسا کاروبار بتادوں جو دردناک عذاب سے تمہیں نجات دلادے؟ (سنو وہ یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس ایمان کے مطالبوں کو ادا کر کے اپنے حقیقی مومن ہونے کا ثبوت دو) اور اپنے جان و مال سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اور اس کے دین کے لئے جدوجہد کرو، یہ تمہارے لئے سراسر خیر ہے اگر تم کو حقیقت کا علم ہو (تم نے اگر ایسا کیا) تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو بہشت میں ان باغات میں پہنچا دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور سدا بہار جنتوں کے نہایت نفیس مکانات میں تمہیں بسائے گا یہ عظیم الشان کامیابی ہے (اور آخرت کی اس جنت اور کامیابی کے علاوہ اس سے پہلے) ایک دوسری نعمت بھی تم کو عطا کرے گا جس کی تمہیں چاہت ہے (اور وہ ہے) دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کی مدد اور قریبی فتح، اور اے پیغمبر ﷺ! آپ ایمان لانے والے بندوں کو اس کی خوشخبری سنا دیجئے۔ اے ایمان والو! ہو جاؤ اللہ کے مددگار، جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے

حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہیں میری مدد کرنے والے اللہ کے راستہ میں؟ تو حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے انصار اور اس کے راستہ میں آپ ﷺ کے مددگار"۔

سورۂ صف کی ان آیتوں کے آخر میں اس امت کے اہلِ ایمان کو کونوا انصار اللہ کے بلند آواز نعرے کے ذریعے دین کی نصرت اور مدد کا حکم اور اس کی ترغیب دیتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پکار من انصاری الی اللہ اور حواریوں کے جواب نحن انصار اللہ کا ذکر جس طرح کیا گیا ہے اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان آیتوں میں جس جہاد اور نصرت کی اہل ایمان کو دعوت و ترغیب دی گئی ہے اس سے مراد خاص جہاد بالسیف ہی نہیں ہے بلکہ دین کی عام کوشش اور مدد مراد ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے متعلق یہ معلوم و مسلم ہے کہ انہوں نے کبھی بھی جہاد بالسیف نہیں کیا، ان کا جہاد دعوت و تبلیغ، تعلیم و تزکیہ اور اصلاح و ارشاد کی راہ میں تکلیفیں اٹھانا اور مصیبتیں سہنا ہی تھا۔

بہرحال قرآن مجید کی ان سب آیتوں میں اہل ایمان کو جہاد یا نصرت کے لفظ سے دین کی جدوجہد اور خدمت و نصرت کی جو دعوت دی گئی ہے اس میں ہر وہ سعی و کوشش اور ہر وہ محنت و خدمت اور ہر وہ قربانی داخل ہے جو دین کے فروغ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے کی جائے خواہ وہ تبلیغ و دعوت کی شکل میں ہو یا تعلیم و تربیت کی شکل میں یا جنگ و قتال کی صورت میں۔

ایک آیت مبارکہ میں ارشاد ہے کہ "اے پیروانِ محمد ﷺ! تم تمام امتوں میں بہترین امت ہو، جو لوگوں (کی اصلاح و ہدایت) کے لئے ظہور میں لائی گئی ہے تمہارا کام یہ ہے کہ نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

اس آیت مبارکہ میں اس امت کے ظہور کی غرض و غایت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ اس کو ایمان باللہ کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور لوگوں کی اصلاح و ہدایت کی خدمت انجام دینا ہے اس لئے ان آیتوں کی رو سے ان کاموں کی انجام دہی کی ذمہ داری تو پوری

امت کی ہے، لیکن ان کاموں کی خاص نوعیت ایسی ہے کہ ان کی انجام دہی کے لئے اکثر حالات میں امت کے ہر ہر فرد کا ان میں لگنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ ان کاموں کی اہلیت اور صلاحیت رکھنے والے لوگ بقدر کفایت اگر ان کاموں میں لگ جائیں اور باقی افراد امت کی تائید اور تعاون ان کو حاصل رہے تو بھی کام پورا ہو جاتا ہے۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے کہ ”بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر لعنت ہوئی اللہ کے نبی داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر، یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حدود سے تجاوز کرتے تھے (ان کا ایک خاص گناہ جو اس لعنت کا سبب بنا یہ تھا) کہ جو برائیاں وہ کرنے لگے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو ان سے روکتے نہیں تھے (نہی عن المنکر کا فریضہ انہوں نے معطل کر رکھا تھا) ان کا یہ بہت برا فعل تھا“۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس درجہ کا فریضہ ہے کہ اس سے غفلت برتنے اور اس کو ترک کرنے کی وجہ سے بنی اسرائیل قابل لعنت ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں اس کے ذکر کا خاص مقصد امت محمدی ﷺ کو یہ آگاہی دینا ہے کہ اگر اس بارے میں اس نے بھی وہی غفلت کی جو بنی اسرائیل نے کی تھی تو بنی اسرائیل ہی کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ونصرت سے محروم اور لعنت کی مستحق ہو جائے گی۔

اس موقع پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی چند حدیثیں بھی رقم کی جاتی ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہو، اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو ضرور ایسا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیجے، پھر تم اس عذاب سے نجات کے لئے اس سے دعائیں کرو گے اور تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔ (ترمذی شریف)

دراصل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث اسی اشارے کی تفصیل اور وضاحت ہے جو سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت سے مفہوم ہوتا ہے۔ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "تم میں سے جو شخص کوئی برا عمل ہوتے دیکھے تو (اگر اپنی طاقت وقوت سے اس برائی کو نیکی سے بدل سکتا ہو) تو وہ اپنی طاقت استعمال کر کے اس کی تبدیلی کی کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے اس کی کوشش کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو پھر دل ہی سے کرے (یعنی دل ہی سے اس کو برا سمجھے اور اس کی اصلاح کے بارے میں سوچتا رہے) اور یہ آخری صورت ایمان کے تحت ضعف کے وقت ہوگی"۔ (مسلم شریف)

اور حضرت جریر ابن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جو شخص کسی قوم میں رہتا ہو اور ان کے اندر رہ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہو اور وہ لوگ اس کے اس طرز عمل کے بدلنے کی قدرت رکھتے ہوں، لیکن اس کے باوجود نہ بدلیں تو اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے دنیا ہی میں ان کو اپنے عذاب میں مبتلا کر دے گا"۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا ہے کہ۔ من دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ ٥ (رواہ مسلم)

"اللہ تعالیٰ کا جو بندہ کسی دوسرے بندے کو کسی نیک عمل کی رہنمائی کرے تو اس بتانے والے کو بھی کرنے والے کے برابر ثواب ہے"۔

اور حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "کیا تم جانتے ہو کہ جود وسخا میں کون سب سے بڑھا ہوا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ "اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو خبر ہے"۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جود وسخا میں سب سے اعلیٰ اور بالا تو اللہ تعالیٰ ہیں، پھر اس کے بعد جود وسخا میں میرا درجہ ہے اور میرے بعد اس شخص کا درجہ ہے جس نے اللہ کی ہدایت کا علم حاصل کیا، پھر اس کو پھیلانے اور دوسروں تک پہنچانے میں جدوجہد کی۔ ایسا شخص قیامت کے دن سردار اور حاکم بن کر آئے گا (یا فرمایا کہ یا اکیلا شخص ایک امت بن کر آئے گا)"۔

ایک حدیث مبارکہ اسی سلسلہ میں اور بھی نقل کی جاتی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن

ابزیٰ "راوی ہیں کہ "ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں مسلمانوں کے بعض گروہوں اور قبیلوں کی (ان کی کارکردگی اور خدمت کی بنا پر) تعریف فرمائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا بعض دوسرے گروہوں اور قبیلوں کا یہ کیا حال ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں میں دین کی سمجھ اور اس کا شعور پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ ان کو تعلیم دیتے ہیں اور نہ نصیحتیں کرتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی ادا نہیں کرتے (اس کے بعد آپ ﷺ نے روئے سخن بدلتے ہوئے فرمایا) اور بعض گروہوں کا یہ حال ہے کہ وہ پڑوسیوں سے دین کا علم اور اس کا فہم و شعور حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ وہ ان سے نصیحتیں لینے کے لئے جاتے ہیں۔ اللہ کی قسم (دین کا علم اور دین کی سمجھ رکھنے والے) ہر گروہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کی تعلیم کا اہتمام کرے اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کرنے کی کوشش کرے اور ان کو وعظ و نصیحت کیا کرے اور بری باتوں سے ان کو روکا کرے اور اچھی باتوں کے لئے ان سے کہا کرے۔ اور اسی طرح (جن گروہوں میں علم دین نہ ہو) ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے علم رکھنے والے پڑوسیوں سے علم حاصل کیا کریں اور نصیحت لیا کریں اور دین کو سمجھنے کی کوشش کیا کریں۔ (بہر حال نہ جاننے والوں کے لئے جاننے والوں سے سیکھنا ان کے دینی فرائض میں سے ہے اور ہر گروہ کو چاہئے کہ وہ اپنا یہ فرض ادا کیا کرے) اور اگر کسی گروہ نے اپنے اس فریضہ کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کی تو میں ان کو جلدی سخت سزا دلواؤں گا"۔

اس حدیث سے یہ بات وضاحت کے ساتھ معلوم ہو گئی کہ دین کی تبلیغ اور عام انسانوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کے بارے میں اس امت کی ذمہ داری کیا ہے اور اگر وہ اس ذمہ داری کو ادا نہ کریں تو اللہ اور رسول کے نزدیک وہ کتنے بڑے جرم کی مرتکب ہے۔

امت کی اسی عام ذمہ داری کو رسول اکرم ﷺ نے اپنے ایک بہت مختصر اور مشہور جملے میں اس طرح ادا فرمایا ہے۔ الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ ○

"جس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے حلقہ کا نگران ہے اور ہر ایک کو

اپنے زیرِ نگرانی حلقہ کی بابت خدا کے سامنے جواب دہی کرتا ہے"۔

ان آیتوں اور حدیثوں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ دین کی خدمت و نصرت کے ان شعبوں اور ان شکلوں یعنی تبلیغ و دعوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کی اس امت پر کتنی عظیم ذمہ داری ہے اور اس کے بارے میں اللہ و رسول کی طرف سے کتنی سخت تاکید ہے اور اس کام کے کرنے والوں کا کیا مقام اور کتنا بلند درجہ ہے اس میں غفلت اور سستی کرنے والے کتنے معتوب اور اس کو بالکل چھوڑ دینے والے کتنے ملعون اور مغضوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (بحوالہ [illegible] اور دین شریعت)

ہر فرد کے تبلیغی فرائض و ذمہ داریاں

دین اسلام محض عقائد و عبادات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مکمل اور جامع نظامِ حیات ہے۔ اس میں انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر رخ کے لئے ابدی ہدایات اور احکام موجود ہیں، جو ایک مسلمان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کے تمام دائروں اور گوشوں پر حاوی ہیں۔ ان کی روشنی میں جو معاشرہ تشکیل پاتا ہے اسے حسنِ کردار کی مظہر انفرادیت اور اجتماعیت کا نہایت حسین امتزاج کہا جا سکتا ہے۔ اسلام جہاں معاشرے کے ہر فرد کے حقوق و فرائض متعین کرتا ہے وہاں وہ مسلمانوں سے یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ تم میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے، انہیں اچھے کاموں پر لگائے اور برائی سے روکے۔ ظاہر ہے کہ جماعت افراد ہی سے تشکیل پاتی ہے۔ اس لئے بنیادی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ فرد ہی پر عائد ہوتا ہے، گویا ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ۔

اسلام "نیک بنو اور نیکی پھیلاؤ" کا علمبردار ہے۔ اس لئے کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں کہلا سکتا جب تک وہ ان چار صفات کا حامل نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور

آخرت میں انسان کی کامیابی کے لئے ضروری قرار دی ہیں۔ یہ صفات ہیں ایمان، اعمال صالح، دوسروں کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرنا۔ قرآن حکیم کی سورۃ العصر میں اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھا کر کہا ہے کہ ان صفات سے تہی دامن شخص ہمیشہ خسارے میں رہے گا۔ خسارہ فلاح کی ضد ہے اسی لئے فرمان الٰہی کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایسا انسان دنیا اور آخرت میں ناکام و نامراد رہے گا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ قرآن حکیم کا تصور فلاح محض دنیوی خوشحالی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ دنیا سے لے کر آخرت تک انسان کی حقیقی کامیابی پر حاوی ہے اور یہ حقیقی کامیابی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا حاصل ہوتا ہے۔ اگر ان صفات پر الگ الگ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ اسلامی معاشرے کے ہر فرد کے ہر پہلو کی داخلی نگران اور خارجی معیار ہیں۔ خلوت ہو یا جلوت، گھر ہو یا میدان، تجارت ہو یا سیاست، امن ہو یا جنگ، تنگ دستی ہو یا آسودہ حالی، سفر ہو یا قیام، ہر حالت میں یہ صفات انسان کو راہ راست پر رکھیں گی۔

سب سے پہلی صفت ایمان ہے۔ ایمان لانے کا مطلب ہے اللہ وحدہ لاشریک، اس کے پیغمبروں، ملائکہ، کتب الٰہیہ اور آخرت کا ماننا۔ یہ ایمان ہی ہے جو اخلاق اور سیرت و کردار کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے جس پر ایک پاکیزہ زندگی کی عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ ورنہ جہاں سرے سے ایمان ہی نہ ہو وہاں انسان کی زندگی بظاہر کتنی ہی خوشنما کیوں نہ ہو، اس کی حیثیت ایک ایسے جہاز کی ہے جس کا کوئی لنگر نہ ہو اور جو موجوں کے تھپیڑوں کے ساتھ بہتا چلا جائے۔ یوم آخرت پر عقیدہ دل میں خدا کا خوف پیدا کرتا ہے، یہی ایمان کی روح ہے۔

دوسری صفت نیک کاموں پر عمل کرنا ہے۔ نیک کاموں کی تعریف یہ ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے وہ کئے جائیں اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان سے باز رہا جائے۔ اعمال صالح یا نیک کاموں میں سے چند کے عنوانات یہ ہیں کہ سچ بولنا، عہد کا پورا کرنا، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، نرمی سے بات کرنا، عفو و درگزر

کرنا، اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، والدین کی خدمت کرنا، صلہ رحمی، مہمان نوازی کرنا، امانت داری کرنا، تواضع و انکساری کرنا، بڑوں کا ادب کرنا، چھوٹوں پر شفقت، سچی گواہی دینا، عدل کرنا، رحم و کرم کرنا، اخلاص کے ساتھ عبادت کرنا، مخلوق خدا کی بے غرض خدمت کرنا۔ جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، اللہ کی رضا کے لئے ان سے رک جانا بھی نیکی ہے۔ ایسے کاموں میں سے چند کے عنوانات یہ ہیں۔

بدعہدی، بخل، قطع رحمی، چوری، بے حیائی، بدچلنی، سود خوری، تکبر، غصہ، فتنہ و فساد، قتل ناحق، ریاکاری، رشوت دینا اور لینا، خیانت، بدگمانی، دروغ گوئی، ناپ تول میں کمی، غیبت، خوشامد، تمسخر، فضول خرچی، جوئے بازی، شراب خوری، اہانت نفس انسانی۔

نیکی کی ترویج کے لئے محسن انسانیت ہادی برحق ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے کہ نہ تو خود اس پر ظلم و زیادتی کرے نہ دوسروں کا نشانہ ظلم بننے کے لئے اس کو بے مدد چھوڑے۔ اور کوئی اپنے ضرورت مند بھائی کی حاجت پوری کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا اور جو کسی مسلمان کو کسی تکلیف اور مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔ (صحیحین)

حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس شخص پر اللہ کی رحمت نہ ہوگی جو اس کے پیدا کئے ہوئے انسانوں پر رحم نہ کھائے گا اور ان کے ساتھ رحم کا معاملہ نہ کرے گا۔ (صحیحین)

حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (گویا اس کا کنبہ) ہے اس لئے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان اور

اچھا سلوک کرے۔ (شعب الایمان بیہقی)

غور فرمائیے کہ اگر ہم میں سے ہر فرد رحمت عالم ﷺ کے ان ارشادات کو اپنی زندگی کا شعار بنا لے تو سارا معاشرہ نیکی کی خوشبو سے کیوں نہ مہک اٹھے گا اور اس میں خود بخود ہی باطل سوز اجتماعیت کیوں نہ پیدا ہو جائے گی۔ خسارے سے بچنے کے لئے تیسری اور چوتھی صفتیں قرآن نے یہ بتائی ہیں کہ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والے لوگ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اول تو ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو فرد فرد بن کر نہیں رہنا چاہئے بلکہ ان کے باہمی ربط و ضبط سے ایک صالح معاشرہ وجود میں آنا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ اس معاشرے کے ہر فرد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اسے بگڑنے سے بچائے اور اس کے تمام افراد ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کریں۔ حق کا لفظ باطل کی ضد ہے اور بالعموم یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک صحیح اور سچی بات اور دوسرے کو حق کی نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں اگر حق کے خلاف کام کئے جا رہے ہیں تو خاموشی کے ساتھ اس کا تماشہ نہ دیکھیں بلکہ حق کی قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں۔ معاشرے کا ہر فرد نہ صرف خود حق کے تقاضے پورے کرے بلکہ دوسروں کو بھی اس طرز عمل کی تلقین کرے۔ یہ وہ چیز ہے جو معاشرے میں حق کی سربلندی اور نیکی کی ترویج کی ضامن ہے اور اس کو اخلاقی انحطاط سے بچاتی ہے۔ بعض اوقات باطل اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اس کا مقابلہ کرنا سخت دشوار ہوتا ہے اور اس سلسلے میں حق کے علمبردار بے پناہ مصائب و آلام سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ ان کو یہ سب کچھ صبر و استقامت سے برداشت کرنا ہوگا۔ اسی لئے معاشرے کے تمام افراد کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کی ہمت بندھاتے رہیں اور ان حالات کو صبر سے برداشت کرنے کی نصیحت کرتے رہیں۔ صبر کی تلقین کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کا کوئی فرد کسی مصیبت میں مبتلا ہو، کسی اذیت ناک بیماری کا شکار ہو جائے یا اس کا کوئی پیارا ہمیشہ کے داغ مفارقت دے جائے تو اس کو نصیحت کی جائے کہ صبر سے کام لے، جزع فزع نہ کرے اور اللہ کی رضا کے سامنے سر

تسلیم ختم کردے۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر اصلاحی معاشرے کا کوئی فرد نیکی کی ترویج میں ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو نیک بننے اور نیکی پھیلانے کی توفیق دے۔ آمین

دعوت و تبلیغ والوں کے لئے حضور ﷺ کی دعا

کس مومن کے دل میں یہ آرزو نہ ہوگی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی مقبول دعا کا مستحق بنے اور رسول اکرم ﷺ کی یہ دعا کہ "اے اللہ! تو اس بندے کو خوش و خرم اور شاداب رکھ!" اس کے حق میں بھی خدا کے یہاں شرف قبولیت پائے۔

کیسا خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کے لئے اللہ کے رسول ﷺ دعا فرمائیں اس بات میں کیسے تردد ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا شرف قبولیت نہ پائے گی اور خدا اپنے حبیب کی فرمائش ہرگز رد نہ فرمائے گا۔

رسول اکرم ﷺ کی دعا کا مستحق دنیا میں بھی خوش و خرم اور شاداب رہے گا لیکن اصل خوشی اور شادابی تو اس کو اس دن حاصل ہوگی جب وہ حشر کے میدان میں خدا کے حضور پہنچے گا۔ ذرا تصور تو کیجئے اس بندے کی خوش نصیبی کا جو حشر کے میدان میں اس طرح آئے کہ اس کا چہرہ مسرت و کامرانی سے چمک رہا ہو اور اس کی نگاہیں دیدار الٰہی میں محو ہوں۔

وُجُوہٌ یومئذٍ ناضرۃ ○ الی ربہا ناظرۃ (القیٰمہ)

"اس دن بہت سے (خوش نصیبوں کے) چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے اور رب کے دیدار میں محو ہوں گے"۔

جب کہ اسی دن بہت سے بدنصیب وہ بھی ہوں گے جن کے چہرے شرم و ندامت اور گناہوں کی تپش سے جھلسے ہوئے ہیبت ناک حد تک سیاہ اور اداس ہوں گے۔

ووجوہ یومئذٍ باسرۃ ○ تظن ان یفعل بہا فاقرۃ ○

"اور بہت سے (بدنصیبوں کے) چہرے اداس اور بے رونق ہوں گے اس آفت

کے اندیشے سے جو ان پر آنے والی ہے"۔

ذرا سوچئے! کیا آپ کے دل میں یہ تڑپ نہیں ہے کہ آپ بھی اپنے رسول ﷺ کی اس دعا کے مستحق بنیں کہ "اے اللہ! اس بندے کو خوش و خرم اور شاداب رکھ!"۔ اور آپ بھی چمکتے چہرے کے ساتھ خدا کے حضور پہنچیں اور اس کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

رسول اکرم ﷺ نے کن لوگوں کے لئے یہ دعا فرمائی ہے اور کون لوگ اس کے مستحق ہیں۔ یقیناً آپ جاننا چاہتے ہوں اور بڑی بے تابی کے ساتھ! رسول اکرم ﷺ نے یہ دعا ان لوگوں کے حق میں فرمائی ہے جو رسول اکرم ﷺ کا پیغام رسول ﷺ سے سن کر خدا کے بندوں تک پہنچاتے ہیں اور دعوت و تبلیغ کا کام کرتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے "خدا اس بندے کو شاداب رکھے جس نے مجھ سے میرا پیغام سنا اور اسے ٹھیک ٹھیک دوسروں تک پہنچایا۔

بلاشبہ آپ نبی ﷺ کا پیغام نبی ﷺ کی زبان سے نہیں سن سکتے لیکن یہ موقع بہرحال آپ کو حاصل ہے کہ آپ نبی ﷺ کا پیغام دوسروں تک ٹھیک ٹھیک پہنچائیں اور قلب کی لگن سے دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیں اور نبی ﷺ کی دعا کے مستحق بنیں۔

رسول اکرم ﷺ کی یہ دعا یقیناً آپ کے حق میں بھی ہے اگر آپ دعوت و تبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور حسن و خوبی کے ساتھ یہ عمل کر رہے ہیں، یہی آپ کی زندگی کا مشن ہے اور یہی شب و روز کی سرگرمی۔

پھر دعوت و تبلیغ کے اجر و انعام کی کوئی حد و انتہا نہیں، بالکل ممکن ہے کہ آپ جن لوگوں تک خدا کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچائیں وہ آپ کے مقابلے میں اس پیغام کی زیادہ حفاظت کریں، آپ سے زیادہ اس کے تقاضوں کو سمجھیں، آپ سے زیادہ اس کا حق ادا کریں اور آپ سے زیادہ شوق و لگن کے ساتھ دوسروں تک اسے منتقل کریں لیکن خدا کا فضل و احسان تو دیکھئے چونکہ ان تک دین کا پیغام پہنچنے کا ذریعہ آپ بنے ہیں اس لئے اب

باقی زندگی تک اس واسطے سے جن جن لوگوں کو بھی یہ پیغام پہنچے گا ان سب کے اجر و انعام کے برابر آپ کو اجر و انعام ملتا رہے گا۔ آپ کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ بے پایاں فضل و کرم فرمائے گا اور ان لوگوں کے اجر و انعام میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔

البتہ امت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے وقت یہ بنیادی بات ضرور پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ نبی ﷺ کی دعا کے مستحق صرف وہی لوگ ہوں گے جو ٹھیک ٹھیک آپ ﷺ کی دعوت کو نقل کریں، آپ ﷺ سے سننے والوں نے جس طرح آپ ﷺ سے سنا، جس طرح سمجھا اور جس طرح اپنے بعد کی امت کو پہنچایا ٹھیک اسی طرح آپ بھی دوسروں تک وہ دعوت پہنچائیں، اس میں آپ کو کسی کمی کی اجازت ہے اور نہ کسی اضافے کا اختیار، اگر آپ اسی آرزو کے ساتھ دعوتِ دین کا کام کر رہے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی دعا کے مستحق بنیں، خدا کا دیدار آپ کو نصیب ہو اور قیامت کے دن آپ کامیاب اور شاداں خدا کے حضور پہنچیں تو آپ نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا کریں، نہ کسی دولت سے مرعوب ہوں، نہ کسی قوت سے خوف کھائیں اور نہ کسی آزمائش سے پریشان ہوں۔ جو آنے والی آفت کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور خدا کا دین بے کم و کاست ٹھیک ٹھیک خدا کے بندوں تک پہنچائیں، اور اس تمنا کے ساتھ یہ سب کچھ کریں کہ رسول اکرم ﷺ کی دعا آپ کے حق میں قبول ہو، دنیا میں بھی آپ کامیاب و شاداں ہوں اور کل قیامت کے روز بھی آپ کا چہرہ مسرت و شادمانی سے دمک رہا ہو، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

نضر اللہ امرأ سمع منا شیئا فبلغہ کما سمع فرب مبلغ اوعی لہ من سامع (ترمذی) خدا اس بندے کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے مجھ سے سنا اور پھر اس کو ٹھیک اسی طرح دوسروں تک پہنچایا جس طرح اس نے مجھ سے سنا تھا، کیونکہ بہت سے وہ لوگ جن تک واسطوں سے بات پہنچتی ہے وہ ان سے زیادہ اس کی حفاظت کرتے ہیں جو براہ راست سننے والے ہوتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کی سعادت ملنے پر شکر ادا کیجیے

خدا نے اپنے دین کی خدمت کے لئے آپ کو پکارا، آپ نے اس کی پکار پر لبیک کہا اور دین کی دعوت و اشاعت کے کام میں لگ گئے۔ یہ محض خدا کی توفیق اور احسان ہے کہ اس نے اپنے دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا جب کہ دنیا میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو مال و دولت، اثر و شہرت، علم و بصیرت اور قوت و اقتدار کے لحاظ سے آپ سے کہیں زیادہ آگے ہیں۔ ان سب کو چھوڑ کر خدا کی نظر آپ پر پڑی اور اس نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لئے منتخب فرمایا، اس نے آپ کے سینے میں یہ عزم و حوصلہ پیدا فرمایا ہے کہ آپ دین حق سے ناواقف اور غافل بندوں تک خدا کا پیغام پہنچائیں اور انہیں [illegible] سے آشنا کریں۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے جو خدا نے محض اپنے فضل و کرم سے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

دل کی گہرائیوں سے خدا کا شکر ادا کیجیے کہ اس نے آپ کو اس عظیم منصب کے لئے چنا۔ یہ انتخاب خدا کا بہت بڑا احسان ہے اور بہت بڑی آزمائش بھی۔ دین حق کا علم، شعور اور دعوت دین کی سعادت کا احساس، سب خدا نے آپ پر اپنا خصوصی فضل فرمایا ہے اور یقیناً اس نے آپ کو ایک بڑے [illegible] سے نوازا ہے۔ لیکن یہ شعور و احساس آپ کا امتحان اور آزمائش بھی ہے۔ اس عظیم منصب پر فائز کر کے اللہ تعالیٰ آپ کو آزمانا چاہتا ہے کہ آپ اس کی دی ہوئی ان نعمتوں کا کس طرح حق ادا کرتے ہیں۔ خدا نے انسان کو جس طرح اپنے [illegible] بنایا ہے اور دیکھنا ہے کہ دین کا حق ادا کرنے میں کس قدر کوشش کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: **ان الدنیا حلوۃ خضرۃ وان اللہ مستخلفکم فیہا فینظر کیف تعملون۔** (مسلم) یعنی اللہ نے تمہیں اس دنیا میں خلیفہ بنایا ہے تم سے پہلے والوں کے بعد تاکہ دیکھے کہ تم کیسا طرز عمل اختیار کرتے ہو۔

خدا کی دی ہوئی [illegible] کا حق ادا کرنے کے لئے [illegible]

پیش نظر رکھئے اور کسی وقت بھی ان کی طرف سے غفلت اور لاپرواہی اختیار نہ کیجئے۔

☆ ایک یہ کہ خدا کی نظر میں بندے کے لئے اس سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو خدا کے دین کی طرف بلائے۔

☆ دوسری یہ کہ خدا ہی نے اس کام کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا ہے وہ انتخاب نہ فرماتا تو آپ ہرگز اس کام میں نہیں لگ سکتے تھے۔

☆ تیسری یہ کہ خدا کی پکار پر لبیک کہنے والوں کے جذبات اور سرگرمیاں کیا ہوتی تھیں۔

یہ تینوں باتیں ہر وقت آپ کے دل و دماغ میں تازہ رہیں صرف ایک بار انہیں پڑھ لینا یا سمجھ لینا کافی نہیں ہے بار بار ان باتوں کو دہرایئے اور بار بار انہیں اپنے ذہن میں تازہ کیجئے آدمی بار بار بھولتا ہے اور ضرورت ہوتی ہے کہ بات بار بار یاد دہانی کرائی جائے۔

خدا کے بندوں میں سب سے اونچا مرتبہ رسولوں اور پیغمبروں کا ہے، جو خدا کے بندوں کو خدا کے دین کی طرف بلاتے ہیں اور اپنے قول و عمل سے لوگوں کو دین کا سیدھا اور سچا راستہ بتاتے ہیں، خدا کے یہ رسول ہر دور میں آتے رہے ہر قوم میں آئے ہر علاقہ میں آئے اور اپنے اپنے زمانے میں انہوں نے اپنی قوم کو اسلام کی تعلیم سے روشناس کرایا، سب سے آخر میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خدا نے اس کام کے لئے رسول بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد پورے ۲۳ سال تک خدا کے بھٹکے ہوئے بندوں کو خدا کی راہ پر لگایا اور دین کی روشن تعلیمات سے ان کی انفرادی، سماجی اور سیاسی زندگی کو آراستہ کیا، آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، یعنی آپ ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی ہے اب رہتی زندگی تک کوئی اور نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

نبوت کا سلسلہ تو ختم ہو گیا لیکن وہ کام ختم نہیں ہوا جس کے لئے نبی آتے تھے، یعنی خدا کے ناواقف اور غافل بندوں کو خدا کے دین کی تعلیمات پہنچانا اور دین کی طرف دعوت دینا اب یہ کام رہتی دنیا تک رسول اکرم ﷺ کی امت یعنی "امت مسلمہ" انجام دے

کی، بیت اللہ کی تعمیر کرتے وقت خدا کے برگزیدہ پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک ط (البقرہ: ۱۲۸)

"اے ہمارے رب! ہمیں اپنا مسلم اور فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد سے ایک ایسی امت کو اٹھا جو تیری مسلم اور فرمانبردار ہو۔"

خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور رسول اکرم ﷺ کی قیادت میں امت مسلمہ کو اٹھایا جو اس وقت تک دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتی رہے گی۔ جب تک یہ دنیا آباد ہے۔ یہ امت رسول اکرم ﷺ کی جانشین ہے اور اس کو وہی کام انجام دینا ہے جو رسول اکرم ﷺ انجام دیتے رہے ہیں۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد پاک ہے کہ۔

"خدا نے تمہارا انتخاب فرمایا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، پیروی کرو اس دین کی جو تمہارے اپنے باپ ابراہیم کا دین ہے اس نے پہلے ہی سے تمہیں مسلم کے نام سے نوازا تھا اور اسی سلسلہ میں کہ رسول ﷺ تمہارے لئے دین حق کی شہادت دیں اور تم دنیا کے سارے انسانوں کے سامنے دین حق کی شہادت دو۔ (الحج)

دین میں اس سے بڑی عبادت اور کوئی نہیں ہے کہ آپ وہ خدمت انجام دیں جس کے لئے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے ہیں، اور جس کے لئے خدا نے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیجا۔ خدا کے بندوں کو خدا کے دین کی دعوت دے کر آپ رسول اکرم ﷺ کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ دین و دنیا میں انسان کے لئے اس سے زیادہ شرف اور عظمت کا کوئی دوسرا کام نہیں ہو سکتا، اپنے منصب کی یہ قدر و عظمت کا یہ شعور آپ کو ہمیشہ سرگرم رکھے گا۔ آپ کو عزم، حوصلہ، ولولہ اور لگن بخشے گا اور کسی وقت بھی آپ کی داعیانہ جذبات کو مضمحل نہ ہونے دے گا۔

دوسری حقیقت جو کسی وقت بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ آپ اشاعت دین کی کوششوں میں اس لئے شریک ہیں کہ خدا نے اپنی حکمت کے تحت اس کام کے لئے آپ کو منتخب فرمایا ہے۔ اس کی توفیق نہ ہوتی تو آپ اس عظیم کام کا حوصلہ

جو نہیں کر سکتے تھے۔ اس کی توفیق کے بغیر آپ نیکی کے لئے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔ یقیناً خدا ہی نے اپنے دین کی خدمت کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا ہے اور اس کا ہر کام علم و حکمت کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے۔ اس یقین و شعور کو برابر تازہ رکھیے تاکہ آپ دو بہت بڑی نفسیاتی اور اخلاقی کمزوریوں سے محفوظ رہیں گے۔

☆ احساسِ پستی اور کہتری

☆ احساسِ برتری اور غرور

یہ وہ بدترین کمزوریاں ہیں جن کے ہوتے ہوئے نہ آپ دعوتِ اسلامی کے لئے کسی طور مفید ہو سکتے ہیں اور نہ آپ کو دعوتِ اسلامی سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

احساسِ کہتری اور پستی کا شکار آدمی دنیا میں کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔ دعوتِ اسلامی کے لئے بھی وہ لوگ ہرگز مفید نہیں ہو سکتے جو احساسِ پستی میں مبتلا ہوں۔ اس کے لئے ایسے ہی کارکن درکار ہیں، جو ہر محفل میں، ہر طبقے میں، اور ہر مقام پر کسی خوف و خطر کے بغیر یقین کی پوری قوت اور جرأت کے ساتھ اپنی بات پیش کریں، اور اپنے پیغام کی قدر و عظمت پر یقین رکھتے ہوئے پیش کریں۔

ایرانی سپہ سالار رستم کے دربار میں جہاں آدمی پر داخل ہوتے ہوئے لرزہ طاری ہوتا تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ربعی بن عامر نے جس جرأت، بے باکی اور شانِ عظمت کے ساتھ اسلام کی دعوت پیش کی، حضرت جعفر طیارؓ نے جس شان کے ساتھ نجاشی کے دربار میں اسلام کی ترجمانی کی، اور حضرت ابوذر غفاریؓ نے جس جرأت اور بے خوفی کے ساتھ قتل کے خونخوار دشمنوں کے سامنے اعلانِ حق کیا، وہ تاریخِ دعوت کے ایسے روشن باب ہیں جن سے داعیانِ حق کے قافلے رہتی دنیا تک روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔

نبوت کے ابتدائی دور میں رسولِ اکرم ﷺ نے قریش کے سرداروں کو اپنے دستر خوان پر مدعو کیا اور ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ جو پیغام میں لے کر آیا ہوں اس میں تمہارے لئے دونوں جہان کی سعادت و فلاح ہے۔ بتاؤ تم میں سے کون ہے جو میرا ساتھ دے گا؟

سب خاموش تھے ایک نوعمر لڑکا اٹھا اور اس نے کہا: "اے چچا کے بیٹے اگرچہ میری آنکھوں میں آشوب ہے، میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میں نوعمر ہوں لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا۔

غور کیجئے ابتدائی دور، قریش کے تنومند سرداروں کی غضبناک نگاہیں، اور ایک نوعمر، ناتواں اور بظاہر بے مایہ لڑکے کا یہ جرأت مندانہ اعلان کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا، در اصل اس یقین و شعور کا اظہار ہے کہ اس عظیم کام کے لئے خدا ہی میرا انتخاب فرما رہا ہے اور جب قوت و طاقت اور اثر و رسوخ رکھنے والے ان تندرست و توانا سرداروں کو چھوڑ کر خدا کی نظر انتخاب مجھ ناتواں اور نوعمر پر پڑ رہی ہے تو میں ظاہری بے بسی اور ناتوانی سے بے نیاز ہو کر اعلان کرتا ہوں کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا، جس ہستی نے آپ ﷺ کی رفاقت و معیت کے لئے میرا انتخاب کیا ہے وہ قوتوں کا سرچشمہ ہے، کائنات اسی کی مٹھی میں ہے، وہی میری پشت پناہی کرے گا۔ جب اس نے میرا انتخاب کیا ہے تو میری پتلی ٹانگوں میں وہی استقلال کی قوت بھرے گا۔ میری دکھتی آنکھوں میں وہی روشنی پیدا کرے گا جس سے میں دور تک دیکھ سکوں اور پیغام حق خلق کے دور دراز گوشوں تک پہنچا سکوں۔ یہ احساس رکھنے والا داعی حق کبھی احساس کمتری اور کم نظری کا شکار نہیں ہو سکتا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس جانباز بچے نے وہ کارنامے انجام دیئے جس کے تصور سے بڑے بڑوں کے زہرے آب آب ہوتے ہیں۔

آپ بھی علی مرتضیٰ کے نقش قدم پر چلنے کا حوصلہ رکھتے ہیں اور بجا طور پر آپ کو اپنے اس حوصلے پر فخر ہے۔ بے شک آپ معذور بھی ہو سکتے ہیں، کمزور و ناتواں بھی ہو سکتے ہیں، آپ کو کوئی اثر و رسوخ اور شہرت و اقتدار بھی حاصل نہیں ہے اور دنیوی اعتبار سے آپ کسی اونچے مقام کے مالک بھی نہیں ہیں لیکن خدا نے آپ کو اسلام کے شعور سے نوازا ہے اور آپ دعوت و تبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں تو یقین کیجئے کہ خدا نے آپ کا انتخاب فرمایا ہے، یہ احساس کمتری اور کم نظری کو دل سے کھرچ پھینکئے اور وہی اعلان دہرائیے کہ "اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں، میری آنکھوں میں آشوب ہے لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا" کی اس

سے اس کام میں لگ جائیے جس نے آپ کا انتخاب کیا ہے وہ خود آپ کی ناتوانی کو توانائی سے بدل دے گا اور آپ کو وہ حوصلہ اور جرأت بخشے گا کہ اس دور کے بڑے سے بڑے جبار اور بڑے سے بڑے علم و فکر رکھنے والوں کے سامنے آپ کامل یقین اور مثالی جرأت کے ساتھ اسلام کا پیغام رکھ سکیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ اس تاریخ ساز لڑکے کے الفاظ میں آپ کے لئے ایک اور سبق بھی ہے، وہ یہ کہ تبلیغ دین کا یہ عظیم فریضہ انجام دیتے ہوئے آپ پر غرور، کبر اور احساس برتری کا سایہ بھی کبھی نہ پڑنے پائے۔ یہ وہ بدترین برائی ہے جس کے ہوتے آپ کا سارا کیا کرایا اکارت جائے گا اور آپ کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ آپ کی کوششوں سے دعوت اسلامی کو کچھ فائدہ پہنچ بھی جائے تو بھی آپ کا دامن خالی ہی رہے گا اور دعوت اسلامی سے نسبت تعلق رکھنے کے باوجود آپ کو اپنی عبرتناک محرومی پر رونا پڑے گا۔

حضرت علی مرتضیٰ نے اپنی ناتوانی، معذوری، بے مائیگی اور نوعمری کی تصویر کشی کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے وہ ان کی ذہنی عظمت کا اظہار ہے، وہ یوں سوچتے ہیں "میں اپنی شخصیت کے لحاظ سے کسی پہلو سے بھی اس قابل نہیں ہوں کہ اس عظیم کام کی ذمہ داری اپنے سر لوں، یہ محض خدا کی توفیق اور کرم ہے کہ اس نے مجھے اس عظیم خدمت کے لئے منتخب فرمایا، میں صرف اسی ذات کے بھروسے پر ان سنگین حالات میں رسول اکرم ﷺ کو ساتھ دینے کی ہمت کر رہا ہوں جس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی اور مجھے اس عزم و ارادے کی توفیق بخشی"۔

آپ اسی عظیم شخصیت کے جانشین اور پیرو ہیں، اپنے دل کے ایک ایک گوشے میں جھانک کر دیکھئے، دعوت دین کا عظیم کام انجام دیتے ہوئے کہیں آپ اپنی عظمت کے دھوکے میں مبتلا تو نہیں ہو رہے ہیں، نفس آپ کو فریب دینے میں کامیاب تو نہیں ہو رہا ہے، یقین کیجئے کہ اگر اس میدان میں آپ نفس سے دھوکا کھا گئے تو پھر دعوت اسلامی میں آپ کا کوئی مقام نہیں ہے، سمجھ لیجئے! آپ نے اپنی شخصیت کو تباہ کر دیا اور آپ کی عاقبت خراب ہو

تھی۔ تیسرا خود وہ سے ہم پیشوں کا دین میں کوئی حصہ نہیں، وہ لوگ ہرگز خدا کی بندگی نہیں کر سکتے۔ جو اپنے نفس کی بندگی میں لگے ہوں اور ان کا ان کوششوں کے اجر و انعام میں کوئی حصہ ہے جو خدا کی بندگی کا نظام قائم کرنے کے لئے کی گئی ہوں، خواہ ان میں وہ خود بھی شریک رہے ہوں۔

تیسری حقیقت یہ علم و شعور ہے کہ خدا کی پکار پر لبیک کہنے والوں کے جذبات کیا ہوتے ہیں۔ غور یاد رکھئے! اس باب میں صرف علم و شعور کافی نہیں ہے مگر عملی طور پر ان جذبات اور اوصاف سے اپنی زندگیوں کو آراستہ کرنے کی مسلسل جدوجہد کئے بغیر آپ اپنے داعیانہ منصب کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ آپ کے لئے بہترین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں ہیں، جو رسول اکرم ﷺ کی دعوت قبول کرکے آخر دم تک ہر طرح کے حالات میں آپ ﷺ کا ساتھ دیتے رہے۔ خدا کے دین کو قبول کرنے کے بعد انہوں نے کوئی چیز اپنے لئے بچا کر نہیں رکھی، بلکہ سب کچھ اس دین پر نثار کر دیا۔ مال، دولت، وقت، اقتدار، قوت و صلاحیت، وطن، اولاد، محبت، دوستی حتیٰ کہ اپنی جان عزیز بھی اس راہ میں قربان کر دی اور پھر بھی یہ احساس انہیں بے چین کئے رہا کہ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

آیئے حواریینِ عیسیٰ علیہ السلام کی زندگیوں کی ایک جھلک دیکھیں، یہ بھی خدا کے انصار تھے اور دین حق کے داعی اور آج کے داعیانِ اسلام کے لئے ان کی زندگی میں بڑی کشش بھی ہے اور سبق بھی۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ **فلما احس عیسی منھم الکفر قال من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ امنا باللہ واشھد بانا مسلمون ربنا امنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشھدین۔** "پس جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے مسلسل انکار محسوس کیا، تو انہوں نے پکارا کون میرا مددگار بنتا ہے خدا کی راہ میں؟ حواریوں نے جواب دیا ہم ہیں اللہ کے انصار، ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں، آپ گواہ رہئے کہ ہم اور فرمانبردار ہیں، اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے اس چیز پر جو تو نے نازل کی اور ہم نے اس رسول کی پیروی کی، تو ہمیں گواہی دینے

والوں میں لکھ۔

رسول کی پکار کے جواب میں انصار اللہ ہونے کا عزم و اظہار، اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا حوصلہ اور حق کی شہادت دینے والوں میں شامل ہونے کی تمنا۔ یہ حواریین عیسیٰؑ کی ایسی ایمان افروز داستان ہے جسے بار بار دہرائیے اور دل کی دنیا کو ان جذبات اور تمناؤں سے آباد کرنے کی فکر کیجیے۔

حواری کے معنی ہیں، خیرخواہ، مددگار، حامی و ناصر، جس طرح انصار کا لفظ مدینے کے ان جاں نثاروں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو رسول اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور انھوں نے ہر طرح کے حالات میں رسول اکرم ﷺ کا ساتھ دیا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے حواری وہ جاں نثار کہلائے جو اخلاص کے ساتھ آپ کی دعوت پر ایمان لائے، اور ہر طرح کے گرم و سرد حالات میں انھوں نے آپ کا ساتھ دیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے نہایت شفقت، دلسوزی اور لگن کے ساتھ اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت فرمائی، اور پھر یہ آپؑ کے داعی، نقیب اور پیغامبر بن کر بنی اسرائیل کی ایک ایک بستی تک پہنچے۔

دنیوی اعتبار سے یہ کسی بڑے مرتبے کے لوگ نہ تھے، لیکن اس اعتبار سے یہ سب پر بازی لے گئے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جوشِ دعوت میں ان کے سامنے حقیقت رکھی کہ مجھے تو ہر حال میں خدا کی راہ میں چلنا ہے، اب کون یہ حوصلہ کرتا ہے کہ میرا ساتھ دے تو حواریین نے ہر لالچ اور خوف سے بے نیاز ہو کر کہا نحن انصار اللہ اور ان نازک حالات میں یہ اعلان کیا کہ جب قوم کے علماء، سردار اور متمدن لوگ محروم رہ گئے اور خدا نے ان بے اثر لوگوں کو اپنے کام کے لیے منتخب فرما کر اپنے رسول کی رفاقت اور نصرت کی توفیق بخشی۔

انصار اللہ ہونے کا اعلان کرتے ہوئے وہ خوب سمجھ رہے تھے کہ اس اعلان کا کیا مطلب ہے، انصار اللہ ہونے کے کیا تقاضے ہیں اور یہ اعلان کر کے ہم کن ذمہ داریوں اور وفاداریوں کا اقرار کر رہے ہیں۔ چنانچہ نحن انصار اللہ کہنے کے بعد انھوں نے خود ہی

ان تقاضوں کو واضح کیا اور خدا سے اپنی وفاداری کا عہد استوار کیا

☆ ہم سچے دل سے خدا پر ایمان لائے۔ اب ہماری زندگی ایمان کی روشنی میں گزرے گی۔

☆ آپ گواہ رہئے کہ ہم مسلم اور فرمانبردار ہیں۔ ہم اقرار کرتے ہیں اور آپ کو گواہ بنا کر اقرار کرتے ہیں آپ دیکھیں گے کہ ہم خدا کے وفادار بندے ہیں۔ وفاداری اور جاں نثاری ہی ہمارا شیوہ ہے۔

☆ ہم خدا کی بھیجی ہوئی وحی پر ایمان لائے۔ ہم بے چون و چرا اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

☆ ہم رسول کی پیروی میں زندگی گزارتے ہیں اور کسی مرحلے میں بھی ان کی قیادت سے سرتابی نہیں کرتے۔

☆ اور ہم نے اپنے قول و عمل سے اس حق کی شہادت دیتے ہیں جس کا تو نے ہمیں امین بنایا ہے۔

پروردگار! ہماری دعا یہ ہے کہ حشر کے میدان میں ہمارا شمار حق کی شہادت دینے والوں میں ہو، حق کو چھپانے والوں میں نہ ہو تو نے جب ہمیں اپنے دین کا شعور دیا ہے، اپنے دین کی دعوت قبول کرنے کی توفیق دی ہے اور ہمیں دین کی خدمت کے لئے قبول کر لیا ہے تو ہم ہر حال میں حق کی شہادت دیں گے دل سے، زبان سے، عمل سے، اور اگر ضرورت ہوئی تو جان دے کر یہ شہادت دیں گے۔ کہ یہی اصل شہادت ہے۔ لہٰذا اے ہمارے رب! ہمارا نام حق کی شہادت دینے والوں میں لکھ اور ان لوگوں میں ہرگز نہ لکھ جو حق واضح ہونے کے بعد اپنے قول و عمل سے حق کی شہادت دینے کے بجائے حق کو چھپانے کا سنگین جرم کرتے ہیں۔ (آمین یارب العالمین)

آپ نے بھی خدا کی دعوت پر لبیک کہا ہے، دعوت اسلامی کو قبول کیا ہے اور انصار اللہ ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اپنے جذبات، احساسات، تمناؤں اور آرزوؤں کا جائزہ لیجئے۔

اپنے حوصلوں، ارادوں اور ولولوں پر نگاہ ڈالئے۔ اپنے قول وعمل پر نظر کیجئے۔ اپنی شب وروز کی سرگرمیوں کا تجزیہ کیجئے اور اپنے رب سے آپ نے جو عہد کیا ہے اسی کو گواہ بنا کر انصاف کے ساتھ اپنا احتساب کیجئے کہ آپ کے ذہن وفکر، علم وفن، مال ودولت اور جسم وجان کی قوتیں کہاں صرف ہو رہی ہیں اور خدا نے اس دور میں اپنے کروڑوں بندوں میں سے اپنے دین کی خدمت کے لئے آپ ہی کو منتخب فرمایا ہے تو خدا کے اس انتخاب کے ساتھ آپ کا سلوک کیا ہے؟۔ ([illegible])

بے شک دعوت وتبلیغ کرنے والوں کے لئے بھلائی ہے

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے اعمال کی وجہ سے تمام لوگوں کو عذاب نہیں دیتے البتہ جب گناہ کھلے بندوں کئے جائیں اور روکنے والا کوئی نہ ہو تو تمام قوم عذاب کے لائق ہو جاتی ہے اور آپ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میں تیری قوم میں سے چالیس ہزار اچھے لوگوں اور ساٹھ ہزار برے لوگوں کو ہلاک کروں گا انہوں نے عرض کی یا اللہ برے تو برے ہیں نیکوں کو ہلاک کرنے کی کیا وجہ ہے۔ ارشاد ہوا کہ انہوں نے میرے لئے کبھی غصہ نہیں دکھایا، بلکہ بروں کے ساتھ ہم پلہ ہم نوالہ بنے رہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کا ارشاد پاک نقل کرتے ہیں بھلائی کی تلقین کرو اگرچہ خود عمل نہ بھی کرو اور برائی سے روکتے رہو گو خود بھی کرتے ہو۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بھلائی کے پھیلنے کا اور برائی کے روکنے کا ذریعہ ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو برائی کے پھیلنے کا اور بھلائی کی رکاوٹ کا ذریعہ ہوتے ہیں سو مبارک ہے ان لوگوں کے لئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خیر پھیلنے کا ذریعہ بنایا اور ہلاکت

ہے ان لوگوں کے لئے جو برائی پھیلانے پر ہو گئے حاصل یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا بھلائی کو پھیلاتا ہے اور برائی کے لئے رکاوٹ ہے اور وہ مومنین میں سے ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: والمومنون والمومنت بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر، "اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں نیک بات سکھلاتے اور برائی سے روکتے ہیں" اور جو برائی پر لوگوں کو لگاتا اور بھلائی سے روکتا ہے وہ اپنے میں منافقوں والی علامات رکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد مبارک ہے۔ ﴿المنافقون والمنافقات بعضھم من بعض یامرون بالمنکر وینھون عن المعروف﴾ "منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں بری بات سکھاتے اور بھلائی سے روکتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" بہترین عمل ہے اور فاسق کو جلانے والا ہے، پس امر بالمعروف کرنے والا مومن کی پشت پناہی کرتا ہے اور نہی عن المنکر کرنے والا منافق کو ذلیل کرتا ہے۔

سب سے زیادہ محبوب عمل

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا جبکہ آپ مکہ میں تھے، کہنے لگے کہ آپ ہی ہیں جو اللہ کا رسول ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں ارشاد فرمایا ہاں! سائل نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے؟ فرمایا اللہ پر ایمان لانا، پوچھا پھر کون سا؟ ارشاد ہوا صلہ رحمی کرنا۔ عرض کیا پھر کون سا؟ ارشاد فرمایا بھلائی کی تلقین کرنا اور برائی سے روکنا، پھر پوچھا حق تعالیٰ کے ہاں سب سے ناپسند عمل کون سا ہے، ارشاد فرمایا شرک کرنا، سائل نے عرض کیا پھر کون سا، فرمایا قطع رحمی کرنا، سائل نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون سا عمل برا ہے فرمایا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دینا۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی عالم کو دیکھو کہ وہ ہمسایوں میں محبوب ہے، برادری والے اس کی

تعریف کرتے ہیں تو یقین کر لو کہ وہ شخص مداہن ہے۔

حضرت جریرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں کوئی گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور لوگ طاقت کے باوجود اس کو روکتے نہیں تو مرنے سے پہلے وہ لوگ عذاب میں داخل ہو جاتے ہیں۔ قحیہؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قدرت کی شرط لگانے کا مطلب یہ ہے کہ جب معاشرہ یا ماحول میں نیک لوگ کا غلبہ ہو تو ان پر واجب ہے کہ وہ معصیت کرنے والوں کو روکیں جب کہ وہ اعلانیہ طور پر معصیت کرنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس امت کی تعریف اسی وصف کی وجہ سے فرمائی ہے۔ ارشاد پاک ہے۔ ﴿كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله ولو امن اهل الكتب لكان خيرا لهم منهم المؤمنون واكثرهم الفسقون﴾ ”تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجے گئے عالم میں۔ حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔ اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو ان کے لئے بہتر تھا۔ کچھ تو ہیں ان میں سے ایمان پر اور اکثر ان میں نافرمان ہیں۔“

بعض علماء فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ میں تمہیں بہترین امت لکھا گیا ہے جسے لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے لئے تمہیں بنایا ہے کہ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے رہو اور اہل معاصی کو معصیت سے روکتے ہو۔ المعروف وہ کام ہے جو اللہ کی کتاب اور عقل سلیم کے موافق ہو اور المنکر وہ کام ہے جو کتاب اللہ کے خلاف ہو اور عقل سلیم بھی اسے پسند نہ کرے ایک اور آیت میں ارشاد ہے۔ ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کرے برائی سے اور وہی لوگ پہنچے والے ہیں مراد کو۔“

فائدہ...... شروع آیت میں لام امر کا لگا ہوا ہے یعنی تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے جو بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے روکتی ہو۔ اور اسی فریضہ کو چھوڑنے پر اللہ تعالیٰ نے اقوام سابقہ کی مذمت فرمائی ہے۔ ارشاد پاک ہے ﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ﴾ ''آپس میں منع نہ کرتے برے کام سے جو وہ کرتے تھے۔''

یعنی جن برائیوں کا وہ ارتکاب کرتے تھے، باہم ایک دوسرے کو اس سے روکتے نہیں تھے اور ان کا یہ عمل بہت ہی برا تھا ایک اور آیت میں ہے ﴿وَلَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ، لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ ''کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بہت ہی برے عمل ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔''

یعنی اہل علم اور نیک لوگوں کو انہیں برا کام اور گندے کاموں سے روکنا چاہیے تھا۔ تو کیوں نہ روکا یقیناً انہوں نے بہت برا کیا۔ مناسب ہے کہ بھلائی کی دعوت و تبلیغ تنہائی یا پوشیدگی میں ہو سکے تو یوں ہی کرے کہ یہ موثر طریقہ ہے۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ جس کسی نے اپنے بھائی کو اعلانیہ نصیحت کی اس نے اسے رسوا کیا۔ اور جس کسی نے چھپکے سے کی تو اسے زینت بخشی۔ اگر پوشیدہ وعظ موثر نہ ہو تو اعلانیہ کرے بلکہ دوسرے نیک لوگوں سے بھی تعاون حاصل کرے کہ سب مل کر اسے برائی سے روکیں اگر ایسا نہ کر سکیں تو اہل معصیت ان پر غالب آ جائیں گے اور سب کے سب عذاب کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔

ترک تبلیغ کا نتیجہ

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ کے حقوق میں نرمی اور سستی کرنے والے اور ان حقوق کو ضائع کرنے والے، اور ان کی حفاظت کرنے والے ان تین قسم کے لوگوں کی طرح ہیں جو ایک بحری جہاز میں سوار تھے، انہوں نے اس کی منزلیں باہم تقسیم کر لیں ایک کو بالائی دوسرے کو درمیانی اور تیسرے کو نچلی

منزل میں، سفر جاری تھا کہ ایک شخص کلہاڑا لے آیا، ساتھی کہنے لگے کہ کیا کرنا چاہتا ہے کہنے لگا اپنی منزل میں سوراخ کرنا چاہتا ہوں، پانی بھی قریب رہے گا اور دیگر حاجات میں بھی آسانی رہے گی، اب بعض لوگ تو یوں کہنے لگے کہ اسے دفع کرو اپنے حصہ کی منزل میں جو چاہے کرے، دوسرے بولے ہرگز ایسا نہ کرنے دو ورنہ یہ ہمیں بھی ڈبوئے گا اور خود بھی غرق ہوگا، پس اگر وہ شخص اس کا ہاتھ پکڑتے ہیں تو وہ خود بھی بچتا ہے اور یہ لوگ بھی بچتے ہیں اگر اسے چھوڑتے ہیں تو وہ خود بھی ہلاک ہوگا اور انہیں بھی ہلاک کرے گا۔

حضرت ابودرداءؓ کا مقولہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسا ظالم حاکم مسلط کردیں گے جو نہ کسی بڑے کی تعظیم کا خیال کرے گا اور نہ چھوٹے پر رحم کھائے گا اور تمہارے نیک لوگ دعائیں بھی کریں گے تو قبول نہ ہوں گی اور مدد مانگے گے تو مدد نہ کی جائے گی اور بخشش چاہیں گے تو بخشش نہ ہوگی۔ حضرت حذیفہؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ ورنہ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دیں پھر تم دعائیں مانگو گے تو قبول نہ ہوں گی۔ حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میری امت جب ظالم کو ظالم کہنے سے خوف کھانے لگے گی تو ان سے الگ ہوجاؤ۔

حضرت ابوسعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تم میں سے جب کوئی شخص برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے ایسا نہ کرسکے تو زبان سے روکے اور یہ بھی نہ کرسکے تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ یعنی اہل ایمان کا کمزور ترین عمل ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ ہاتھ سے روکنا امراء اور حکام کا فریضہ ہے اور زبان سے روکنا اہل علم کا اور دل سے برا سمجھنا اور بیزاری دکھانا عام لوگوں کا عمل ہے اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جو شخص بھی ان تینوں درجوں میں سے کسی پر قدرت پائے لازم ہے کہ اسے اختیار کرے۔

دعوت وتبلیغ سے دین کی برتری اور اللہ کی رضا مقصود ہو

فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ دعوت وتبلیغ کرنے والے کو چاہئے کہ اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی برتری کا قصد کرے، اپنی کوئی غرض پیش نظر نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی برتری مقصود ہوگی تو اس کو اس کی توفیق و نصرت خداوندی حاصل ہوگی۔ اگر کوئی نفسانی غرض آگے رکھی تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے محروم کردیتے ہیں۔ حضرت عکرمہؒ راوی ہیں کہ ایک آدمی ایک درخت کے سامنے سے گزرا جس کی لوگ پوجا کیا کرتے تھے اس کو طیش آیا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس درخت کی پوجا کررہے ہیں۔ ایک دن کلہاڑا پکڑ کر گدھے پر سوار ہوکر اس درخت کی جانب چل دیا کہ اسے کاٹ ڈالے۔ راستے میں ابلیس لعین انسانی شکل میں ملا اور پوچھنے لگا کہ کدھر جارہے ہو؟ یہ شخص بولا کہ میں نے ایک درخت دیکھا ہے کہ لوگ اس کی پوجا کررہے ہیں، میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ گدھے پر سوار ہوکر وہاں جاؤں گا اور اسے کلہاڑے سے کاٹ ڈالوں گا۔ ابلیس کہنے لگا بھلا تجھے اس سے کیا غرض اس درخت کا خیال چھوڑ اور اس کے پجاریوں کو دفع کر ان کو خدا خود ہی سمجھ لے گا۔ دونوں میں تکرار ہونے لگا حتیٰ کہ دست وگریباں ہوگئے۔ ابلیس لعین عاجز آگیا اور یہ شخص اپنے ارادے پر پکا رہا۔ پھر شیطان ملعون کہنے لگا کہ تو واپس ہوجا تجھے روزانہ چار درہم دیا کروں گا روزانہ اپنے بستر کا کنارہ اٹھا کر لے لیا کرنا۔ یہ شخص سن کر کہنے لگا کہ سچ کہتا ہے؟ وہ بولا میں بالکل اس کا ضامن ہوں۔ یہ شخص واپس آگیا اور حسب وعدہ دو تین دن تک دو چار درہم یومیہ وصول کرتا رہا اس کے بعد ایک دن جو اٹھا تو بستر کے نیچے سے کچھ نہ ملا اور اگلے روز بھی کچھ نہ ملا تو پھر کلہاڑا لے کر گدھے پر سوار ہوکر چلا۔ ابلیس پھر انسانی شکل میں سامنے آیا اور کہنے لگا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ یہ شخص بولا ایک درخت ہے لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں اسے کاٹنے جارہا ہوں۔ ابلیس کہنے لگا اب تو یہ کام نہیں کرسکتا کیونکہ تیرا پہلی بار کا جانا اللہ کے لئے تھا اگر تمام زمین وآسمان

والے جمع ہو جاتے تو تجھے روک نہ سکتے تھے اور اب تیرا جانا محض خود غرضی کا ہے کہ درہم نہیں ملے تو اٹھ کر چل دیا ہے خبردار اگر ذرا بھی آگے بڑھا تو تیری گردن ماردوں گا۔ یہ شخص پیچھے سے واپس لوٹ گیا اور درخت کا خیال چھوڑ دیا۔

دعوت وتبلیغ کیلئے پانچ چیزوں کی ضرورت ہے

فقیہ فرماتے ہیں کہ دعوت وتبلیغ کرنے والے کو پانچ چیزوں کی ضرورت ہے۔ پہلی چیز علم کہ جاہل اس کام کو اچھی طرح نہیں کر سکتا۔ دوسری یہ کہ مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی برتری ہو۔ تیسری یہ کہ نرمی اور محبت کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کرے سخت اور تند خو نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا تھا ﴿فقولا له قولا لينا﴾ "کہ اس کے ساتھ نرمی کے ساتھ بات کرنا۔"

چوتھی یہ کہ صبر اور تحمل اختیار کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان علیہ السلام کے بیان میں ارشاد فرمایا وامر بالمعروف وانه عن المنكر واصبر على ما اصابك "اور سکھا بھلی بات اور منع کر برائی سے اور تحمل کر جو تجھ پر (مصیبت) پڑے۔"

پانچویں چیز یہ کہ جس بات کو دوسروں کو تلقین کرتا ہے خود بھی اس پر عمل کرتا ہو تا کہ لوگ اس کو خود عمل نہ کرنے کی عار نہ دلائیں۔ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسكم "کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو۔" کے تحت داخل نہ ہو جائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے معراج کے سفر میں ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جواب دیا کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے اے آدم زاد تو دوسروں کو میری یاد

دلاتا ہے اور خود مجھے بھلاتا ہے لوگوں کو میری طرف بلاتا ہے اور خود مجھ سے بھاگتا ہے یہ کیا غلط طریق ہے۔

حضرت ابو سعاد بیہ فرازی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تم لوگ آج اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ طریقہ پر قائم ہو بھلائی کی دعوت دیتے ہو برائی سے منع کرتے ہو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہو لیکن ایک وقت آئے گا کہ تم اس طریق سے ہٹ جاؤ گے۔ جب کہ تم میں دنیا کی محبت عام ہو جائے گی تو تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرو گے۔ اللہ کی راہ کے ماسوا میں جدوجہد کرنے لگو گے۔ اس وقت پوشیدہ اور اعلانیہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر قائم رہنے والے ان مہاجرین اور انصار کا درجہ پائیں گے جو اول اول ایمان لائے تھے اور دوسروں سے سبقت لے گئے تھے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے دین کی حفاظت کی غرض سے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف ہجرت کی خواہ ایک بالشت ہی سفر کیا ہو تو اس نے جنت اپنے لئے لازم کر لی۔ اور وہ حضرت ابراہیم اور ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کا ساتھی بنے گا۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ جیسا کہ ارشاد ہے وَقَالَ اِنِّی مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّی اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ "اور فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ترک وطن کر کے چلا جاؤں گا وہ زبردست حکمت والا ہے۔"

اور فرماتے ہیں اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ "میں اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ مجھ کو پہنچا ہی دے گا۔"

یعنی اپنے رب کی عبادت اور رضا کی طرف۔ اور نبی کریم ﷺ نے مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی تو جو شخص ایسی جگہ میں ہو جہاں گناہ ہوتے ہوں اور وہاں سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نکل آئے تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی

پیروی کی۔ لہٰذا جنت میں ان دونوں حضرات کا رفیق اور ساتھی بنایا جائے گا اللہ پاک کا ارشاد ہے۔ ﴿ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ وکان اللہ غفورا رحیما﴾ "اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہو کہ اللہ و رسول کی طرف ہجرت کروں گا۔ پھر اس کو موت آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والا ہے۔"

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو مسلمان اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لئے نکلتا ہے اور سواری کی رکاب میں پاؤں ڈال کر خواہ ایک قدم ہی چلا تھا کہ اسے موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ اس کو مہاجرین جیسا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔ اور جو مسلمان جہاد کی غرض سے گھر سے نکلا ابھی لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ کہ جانور نے گرا دیا یا کسی زہریلے جانور نے ڈس لیا یا یوں ہی فوت ہو گیا تو یہ شخص شہید ہوگا۔ اور جو شخص بیت اللہ شریف کا قصد کر کے گھر سے نکلا اور راستے ہی میں موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت واجب کر دیتے ہیں۔

فقیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے وطن کو نہیں چھوڑتا جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور اس میں کوتاہی نہیں کرتا اور کوئی رکاوٹ نہیں پاتا تو اسے گنجائش ہے کہ وطن نہ چھوڑے مگر لوگوں کے گناہوں سے بیزار رہے اور ناپسند کرتا رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ تمہارے کسی آدمی کے لئے یہ چیز کافی ہے کہ جب کسی برائی کو دیکھے اور روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ دل سے اس کو ناپسند کرتا ہے بعض صحابہ سے منقول ہے کہ کوئی شخص جب کسی برائی کو دیکھے اور اس کو روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو تین مرتبہ یوں کہے کہ اے اللہ! یہ بات یقیناً بری ہے تو مجھے اس کی وجہ سے نہ پکڑیو۔ یوں کہنے پر اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کا ثواب مل جائے گا۔ جب لوگ دنیا کے حریص ہو جائیں اور برائیاں پھیل جائیں اس وقت اپنی فکر کرو ابو امیہ کہتے ہیں کہ میں نے ثعلبہ خشنی سے اس آیت کے متعلق

سوال کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے ﴿یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ﴾ ”اے مسلمانو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو۔“

فرمانے لگے تو نے ایک باخبر آدمی سے سوال کیا ہے پھر کہنے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو حتیٰ کہ جب دیکھو کہ دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور بخل و حرص کی اطاعت ہو رہی ہے اور ہر شخص اپنی عقل کے گھمنڈ میں مبتلا ہے تو پھر اپنی فکر میں لگ جاؤ کیونکہ تمہارے موجودہ حالات کے بعد بڑے صبر آزما ایام آنے والے ہیں ان دنوں میں تمہارے جیسی دینداری پر پکا رہنے والا شخص پچاس دینداروں کے برابر اجر پائے گا صحابہ نے عرض کیا کہ وہ اپنے زمانہ کے پچاس عمل کرنے والوں کا اجر پائے گا یا ہمارے زمانہ کے عمل کرنے والوں کا فرمایا بلکہ تمہارے زمانہ کے پچاس عاملوں جیسا ثواب پائے گا۔

قیس بن ابی حازم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر کو یہ فرماتے سنا کہ تم لوگ یہ آیت یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ پڑھتے ہو مگر اس کا مطلب غلط لیتے ہو۔ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا کہ جس قوم میں برائیاں ہوتی ہوں اور وہ روک ٹوک نہ کرتے ہوں تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پوری قوم پر اپنا عذاب نازل فرمائے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ ابھی اس آیت کا زمانہ نہیں آیا۔ ہاں جب خواہشات بکثرت پھیل جائیں گی جھگڑے عام ہو جائیں گے تو ہر کسی کو اپنے دین کی فکر کرنی چاہیے بس اس آیت کا مطلب یہی ہے۔ ([illegible] الصالحین)

دعوت و تبلیغ اور اس کے آداب

جو لوگ اعمال خیر سے برگشتہ ہوں معاصی میں لگے ہوں ان کو خیر کی راہ دکھانا معاصی سے متنفر کرنا اور بچانا ایک اہم دینی ضرورت ہے جس کی ذمہ داری پوری امت مسلمہ پر ہے اور حضرات علماء کرام اس کو بہتر طریقہ پر انجام دے سکتے ہیں اس کام کے بہت سے

احکام و آداب ہیں ذیل میں اولاً سورۂ النحل کی آیت اور اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے اس کے بعد کچھ تفصیل سے احکام و آداب لکھے جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ وھو ولی التوفیق۔

سورۂ نحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ "اپنے رب کی طرف حکمت اور وعظ حسنہ کے ذریعے بلائیے اور ان سے ایسے طریقے پر بحث کیجئے جو اچھا طریقہ ہو بلاشبہ آپ کا رب ان کو خوب جاننے والا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گئے اور وہ ان کو خوب جانتا ہے جو ہدایت کی راہ پر چلنے والے ہیں۔" اس آیت میں دعوت الی اللہ کا طریقہ بتایا ہے اور ارشاد فرمایا ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ﴾ "آپ اپنے رب کی طرف حکمت کے ذریعے بلائیے" ﴿وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ "اور موعظہ حسنہ کے ذریعے" ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ "اور ان سے ایسے طریقے سے بحث کیجئے جو بہت اچھا طریقہ ہو" اس میں تین چیزوں کی رعایت رکھنے کا حکم فرمایا (۱) حکمت (۲) موعظہ حسنہ (۳) اچھے طریقہ پر بحث کرنا۔ حکم تو رسول اللہ کو فرمایا ہے اور وہ سب حضرات اس کے مخاطب ہیں جو رسول اللہ کے نائب ہیں جو بھی کوئی شخص دعوت کا کام کرے عالم ہو یا غیر عالم وہ ان چیزوں کا خیال رکھے ان کا خیال رکھا جاتا ہے تو عموماً منصف مزاج بات مان لیتے ہیں اور دعوت حق قبول کر لیتے ہیں۔ دعوت الی الایمان ہو یا اعمال صالحہ کی دعوت ہو سب میں مذکورہ بالا چیزیں اختیار کرنا ضروری ہے۔

حکمت سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے ﴿انها الکلام الصواب الواقع من النفس اجمل﴾ "یعنی حکمت وہ صحیح بات ہے جو نفس انسانی میں خوبصورت طریقہ پر واقع ہو جائے۔" حکمت کی دوسری تعریفیں بھی کی گئی ہیں لیکن ان سب کا حاصل یہی ہے کہ ایسے طریقے پر بات کی جائے جسے مخاطب قبول کر لے یہ طریقے افراد و احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں جو شخص

اخلاص کے ساتھ یہ چاہتا ہے، کہ مخاطبین میری بات کو قبول کر ہی لیں وہ اس کے لئے تدبیریں سوچتا ہے، واسطوں کو استعمال کرتا ہے، نرمی سے کام لیتا ہے ثواب بتاتا ہے اور عذاب سے ڈراتا ہے، موقع دیکھ کر بات کرتا ہے جو لوگ مشغول ہوں ان سے بات کرنے کے لئے فرصت کا انتظار کرتا ہے اور اتنی دیر بات کرتا ہے جس سے وہ متکدّل اور ملول نہ ہو جائیں، اگر پہلی بار مخاطبین نے اثر نہ لیا تو پھر موقع کا منتظر رہتا ہے پھر جب موقع پاتا ہے پھر بات کہہ دیتا ہے اور اس میں زیادہ تر نرمی ہی کام دیتی ہے، اللہ جل شانہ نے جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجنے کا حکم دیا تو فرمایا: ﴿فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر   او یخشیٰ﴾ (سو تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا، ممکن ہے وہ نصیحت حاصل کر لے یا ڈر جائے) البتہ اپنے لوگوں کو موقع کے مناسب کبھی سختی بھی کرنا مناسب ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت سرور دو عالم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو سختی سے مخاطب فرمایا جب کہ انہوں نے عشاء کی نماز میں لمبی قراءت کر دی تھی صاحب حکمت اپنے نفس کے ابھار اور کسی بغض و حسد کی وجہ سے مخاطب کو نہیں ڈانٹتا داعی کے لئے ضروری ہے کہ ناصح یعنی خیر خواہ بھی ہو اور امین یعنی امانت دار بھی ہو جیسا کہ حضرت ہود نے اپنی قوم سے فرمایا: ﴿وانا لکم ناصح امین﴾ "اور میں تمہارے لئے خیر خواہ ہوں اور امین ہوں۔"

حکمت کا یہ بھی تقاضہ ہے جو بہت ہی اہم ہے کہ دین کو آسان کر کے پیش کرے اور نفرت پیدا ہونے کا سبب نہ بنے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿یسّروا ولا تعسّروا وبشّروا ولا تنفّروا﴾ "آسانی کی بات کرو اور سختی سے پیش نہ آؤ اور بشارت دو نفرت نہ دلاؤ۔"

بہت سے لوگوں میں حق کہنے کا جذبہ ہوتا ہے لیکن وہ موقع نہیں دیکھتے، ٹھوڑا مار کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے تو بات کہہ دی اپنا کام کر دیا لیکن اس سے مخاطب کو فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ بعض مرتبہ ضد و عناد پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں جہاں پر حق دب رہا ہو، وہاں زبان سے کہہ دینا بھی بڑی بات ہے ایسے موقع پر حکمت کا تقاضہ یہی ہوتا ہے کہ حق کلمہ کہہ دیا

جائے اسی کو فرمایا ہے: ﴿افضل الجهاد من قال كلمة حق عند سلطان جائر﴾ (رواہ ابن ماجہ) (سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد اس شخص کا جہاد ہے جس نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق کلمہ کہہ دیا)۔

حکمت کی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بات کہنے میں اس کا لحاظ رکھا جائے کہ سننے والے ملول اور تنگ دل نہ ہوں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے ایک شخص نے کہا اگر آپ روزانہ بیان فرمایا کرتے تو اچھا ہوتا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں روزانہ اس لئے بیان نہیں کرتا کہ تمہیں ملول اور تنگدل کرنا گوارا نہیں ہے تمہیں رغبت کے ساتھ موقع دیتا ہوں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے موقع کا دھیان رکھتے تھے تاکہ ہم تنگ دل نہ ہو جائیں۔

حکمت کے تقاضوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں کے سامنے ایسی بات نہ کرے جو لوگوں کے لئے عجوبہ بن جائے، اگرچہ باتیں صحیح ہوں، لوگوں کو قریب کرتے رہیں تھوڑا تھوڑا علم ان کے دل میں داخل کرتے رہیں، جب جس بات کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں اس وقت وہ بات کہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: ﴿حدثوا الناس بما يعرفون اتحبون ان يكذب الله و رسوله﴾ "یعنی لوگوں کے سامنے وہ باتیں بیان کرو جنہیں وہ پہچانتے ہوں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے (مطلب یہ ہے کہ بات تو تم صحیح پیش کرو گے مگر مخاطبین کی سمجھ سے بالاتر ہوگی تو وہ کہیں گے ایسا نہیں ہے یا یوں کہیں گے ایسا نہیں ہو سکتا)۔

اسی وجہ سے حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ جس علاقہ میں جو قرات اور جو روایت رائج ہو عوام کے مجمع میں اسی کو پڑھا جائے جیسے ہمارے ملکوں میں حضرت عاصم کی قرات اور حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہما کی روایت رواج پذیر ہے کوئی کلمہ کسی دوسرے قرات کا پڑھ دیا جائے تو حاضرین کہیں گے کہ اس نے قرآن غلط پڑھ دیا اور اس تکذیب کا سبب وہ قاری بنے گا جس نے کسی دوسری قرات کے مطابق تلاوت کر دی۔

حکمت کے تقاضوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اجتماعی خطاب میں سختی ہو اور انفرادی گفتگو میں نرمی ہو اور حکمت کے طریقوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو غیر شرعی کاموں میں مبتلا دیکھے تو بجائے اس کو خطاب کرنے کے محفل عام میں یوں کہہ دے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں فلاں فلاں گناہ کی یہ وعید ہے اس طرح سے ہر وہ شخص متنبہ ہو جائے گا جو اس گناہ میں مبتلا ہو۔

"لفظ حکمت بہت جامع لفظ ہے اس کی جتنی بھی تشریح کی جائے کم ہے چنانچہ اجمالی طور پر بات کی جائے کہ بات قبول کر لینا اقرب ہو اور ایسا انداز اختیار کیا جائے جس سے وہ متوحش نہ ہوں داعی کے طریقہ کار کی وجہ سے نہ چڑ جائیں نہ عناد پر کمر باندھ لیں مقصود حق قبول کرانا ہو فطرت دلانا ہو جب کوئی شخص نیک نیتی سے اس مقصد کو آگے لے کر بڑھے گا تو تفہیم پہنچانے کے وہ طریقے اس کے ذہن میں آئیں گے جو اب تک کسی نے نہیں بتائے اور جو اس نے کتابوں میں نہیں پائے۔ ان شاء اللہ اور واضح رہے کہ کسی فرد یا جماعت کو راہ حق پر لانے کے لیے خود گناہ کرنا حلال نہیں بعض لوگ دوسروں کو ہدایت دینے کے لیے بدعتوں میں شریک ہو جاتے ہیں یا جانتے بوجھتے ہوئے حرام مال سے دعوت کھا لیتے ہیں یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ دوسروں کو خیر پر لگانے کے لیے خود گناہگار ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت دینے کا طریقہ ارشاد فرماتے ہوئے مزید فرمایا ﴿و الموعظة الحسنة﴾ کہ موعظہ حسنہ کے ذریعے دعوت دو یہ لفظ بھی بہت جامع ہے ترغیب و ترہیب والی آیات اور احادیث بیان کرنا اور ایسی روایات سنانا جس سے دل نرم ہو اور ایسے واقعات سامنے لانا جس سے آخرت کی فکر ذہنوں میں بیٹھ جائے اور گناہ چھوڑنے اور نیک اعمال اختیار کرنے کے جذبات قلوب میں بیدار ہو جائیں یہ سب چیزیں موعظہ حسنہ میں آجاتی ہیں مخاطبین کو ایسے انداز سے خطاب نہ کرے جس سے وہ اپنی اہانت محسوس کریں اور دل خراش طریقہ اختیار نہ کرے جب اللہ کی راہ پر لگانا ہے تو پھر ایسا طریقہ

اختیار کرنا کہ جس سے کہ لوگ مزید دور ہوجائیں کی گنجائش کہاں ہوسکتی ہے اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کا عمل موعظہ حسنہ کے خلاف ہوگا۔

تیسری بات یوں فرمائی: ﴿وجادلهم بالتي هي احسن﴾ ''کہ ان سے اچھے طریقے سے جدال کرو۔''

جدال سے جھگڑا مراد نہیں سوال جواب مراد ہے جس کا ترجمہ مباحثہ سے کیا گیا ہے جن لوگوں سے خطاب ہو ان میں بہت سے لوگ باوجود باطل پر ہونے کے حق کو دبانے کے لئے الٹے الٹے سوال کرتے ہیں ان کے جواب دینے کے لئے ایسا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے جس سے ان کا منہ بند ہو جائے اور ان کے لاجواب ہونے کو دیکھ کر ان کے ماننے والے گمراہی سے منحرف ہوجائیں اور حق کو قبول کرلیں جب کسی شخص میں اخلاص ہوتا ہے اور اللہ کے بندوں کی ہمدردی پیش نظر ہوتی ہے تو اللہ کی توفیق سے سوال و جواب اور مباحثہ میں عمدگی اور نرمی اور موثر طریقے پر گفتگو کی توفیق ہو جاتی ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دیوانہ جادوگر، گمراہ، احمق کہا گیا اور بے تکے سوالات کئے گئے ان حضرات نے صبر وتحمل سے کام لیا جس کے واقعات سورۂ اعراف اور سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں مذکور ہیں اگر کوئی شخص برے طریقے پر پیش آئے تو اس سے اچھے طریقے پر پیش آنا لازمی ہے۔

سورہ حم سجدہ میں فرمایا: ﴿ومن احسن قولا ممن دعا الى الله وعمل صالحا وقال انني من المسلمين ولا تستوي الحسنة ولا السيئة، ادفع بالتي هي احسن فاذا الذي بينك وبينه عداوة كانه ولي حميم، وما يلقها الا الذين صبروا وما يلقها الا ذو حظ عظيم﴾ ''اور اس سے اچھی کس کی بات ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور یوں کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں اور نہیں برابر ہوتی اچھی خصلت اور بری خصلت تو اس طریقے پر دفع کر جو طریقہ اچھا ہو پھر اچانک وہ شخص جس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا خالص دوست ہوتا ہے اور یہ خصلت انہی لوگوں کو دی جاتی ہے جنہوں نے صبر کیا اور انہی کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے

ہیں۔"

جاہلوں اور معاندوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ نمٹنا پڑتا ہے۔ اگر داعی حق نے بھی جاہل اور معاند کے مقابلے میں آستین چڑھالی، آنکھیں سرخ کرلیں، لہجہ تیز کردیا، ناشائستہ الفاظ زبان سے نکال دیئے تو پھر داعی اور مدعو اور صاحب حق اور صاحب باطل میں فرق ہی کیا رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک بادشاہ نے (جس کا نام نمرود بتایا جاتا ہے) اللہ تعالیٰ کے بارے میں بحث کی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبِّیَ الَّذِی یُحۡیِی وَیُمِیۡتُ﴾ "کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔"

اس پر اس نے جیل خانہ سے دو قیدی بلائے ان میں سے ایک کو قتل کردیا اور ایک کو رہا کردیا اور کہنے لگا کہ (میں بھی زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں) اس نے اپنی جہالت سے یا الحاد سے ایسا کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے زندہ کرنے اور موت دینے کا مفہوم کے بارے میں بحث کرنے کے بجائے بات کا انداز بدل دیا اور فرمایا کہ میرا رب وہ ہے کہ جو سورج کو پورب سے لے کے آتا ہے تو اسے مغرب سے لے کر آ۔ یہ سن کر وہ حیران رہ گیا اور کوئی جواب بن نہ پڑا اگر حضرت ابراہیمؑ زندہ کرنے اور موت دینے کا مفہوم متعین کرنے اور سمجھانے منوانے میں لگتے تو ممکن تھا کہ وہ جاہل کافر غلط مفہوم پر اڑا رہتا۔ خواہ مخواہ جھک جھک کرتا۔ حضرت ابراہیمؑ نے بات کا انداز ایسا اختیار فرمایا جس سے وہ کافر جلدی خاموش ہوگیا۔

یہ واقعہ سورۃ بقرہ رکوع (۳۵) میں مذکور ہے حضرت ابراہیمؑ کا ایک اور واقعہ بھی ہے جو سورۃ قصص میں مذکور ہے ان کی قوم بت پرست تھی حضرت ابراہیمؑ نے ایک دن ان کے بتوں کو توڑ ڈالا۔ وہ لوگ کہیں گئے ہوئے تھے واپس آئے تو دیکھا کہ بت ٹوٹے ہوئے پڑے ہیں، کہنے لگے کہ اے ابراہیم! کیا تم نے یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ ان کے بڑے نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں تو انہی سے پوچھ لو اس پر وہ لوگ کہنے لگے یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ یہ تو بولتے نہیں، حضرت ابراہیمؑ گفتگو کرتے کرتے انہیں یہاں تک

لے آئے اور ان سے کہلوا دیا کہ یہ بولتے نہیں، تو آپ تبلیغ فرمائی اور توحید کی دعوت دی ﴿قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ ''سو کیا تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع دے سکے اور نہ ضرر پہنچا سکے، تم پر افسوس کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔'' اس ترکیب سے بات کرنا اور تدبیر سوچنا موعظہ حسنہ میں داخل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کبھی اصلاح کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ کسی کی غلطی پر متنبہ فرمانے کے لئے بعض مرتبہ سلام کا جواب نہیں دیا اور فرمایا جاؤ اس کو دھو ڈالو۔

اور آپ ﷺ کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ کسی کے پیچھے کوئی کلمہ فرما دیا اور وہ اسے پہنچ گیا اس پر اس نے اپنی اصلاح کر لی۔ حضرت خریم اسدی ایک صحابی تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ خریم اچھے آدمی ہیں اگر ان کے بال بہت لمبے نہ ہوتے اور تہبند لٹکا ہوا نہ ہوتا۔ حضرت خریم کو یہ بات پہنچ گئی تو انہوں نے اپنے بال کاٹ لئے جو کانوں تک رہ گئے تھے اور اپنے تہبند کو آدھی پنڈلیوں تک کر لیا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے وہاں دیکھا ایک اونچا قبہ بنا ہوا ہے آپ نے صحابہؓ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا یہ فلاں انصاری کا ہے، آپ خاموش ہو گئے اور اس بات کو دل میں رکھا جب قبہ والے حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے سلام کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب نہیں دیا، کئی بار ایسا ہوا جس کی وجہ سے قبہ والے صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ آپ ﷺ ناراض ہیں۔ حاضرین سے انہوں نے دریافت کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا رخ بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں، صحابہ نے بتایا کہ آپ ﷺ ایک دن باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارے قبہ کو دیکھ لیا تھا۔ یہ معلوم کر کے وہ صاحب واپس لوٹے اور اپنے قبہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ اب حضرات صحابہؓ کا ادب دیکھو کہ واپس آ کے یوں نہیں کہا کہ میں گرا آیا ہوں، پھر آپ ﷺ کسی دن اس طرف تشریف لے گئے تو دیکھا کہ قبہ نہیں ہے دریافت فرمایا کہ وہ قبہ کیا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ قبہ والے صاحب نے آپ ﷺ کی بے رخی کی شکایت کی تو ہم نے

بتادیا کہ تمہارے قبہ پر آپ ﷺ کی نظر پڑ گئی تھی لہٰذا انہوں نے اسے گرادیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ خبردار ہر عمارت صاحب عمارت کے لئے وبال ہے سوائے اس عمارت کے جس کی ضرورت ہو۔

ان روایات سے معلوم ہوا ہے کہ ڈانٹنا ڈپٹنا جھڑکنا سختی کرنا ہی تعلیم وتبلیغ نہیں ہے۔ زیادہ تر نرمی سے اور حکمت اور تدبیر سے کام چلانا چاہئے۔ کہیں ضرورت پڑ گئی تو سختی بھی کرلینی چاہئے لیکن ہمیشہ نہیں۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے تو نرمی اور تواضع سے پیش آتے ہیں لیکن اپنی آل واولاد کے ساتھ سختی کرتے ہیں۔ اور مار پٹائی کا معاملہ کرتے ہیں پھر جب بڑے ہو جاتے ہیں تو بڑھ چڑھ کر نافرمانی کرتے ہیں اس وقت ان کو دین پر ڈالنا بہت مشکل ہو جاتا ہے ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے فرمایا ''اے عائشہ نرمی کو پکڑ لو اور سختی سے اور بدکلامی سے بچو بلاشبہ جس کسی چیز میں نرمی ہوگی وہ اسے زینت دے دے گی اور جس چیز سے نرمی ہٹائی جائے گی تو وہ اسے عیب دار بنادے گی۔''

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ﴿من یحرم الرفق یحرم الخیر﴾ ''جو شخص نرمی سے محروم کردیا گیا وہ خیر سے محروم کردیا گیا۔''

اصلاح کا طریقہ یہ بھی ہے کہ گناہ کرنے والوں سے قطع تعلق کرلیا جائے لیکن یہ اسی وقت مفید ہے جب وہ شخص اثر لے جس سے تعلق قطع کیا گیا ہے۔ آج کل تو یہ ماننا ہے کہ گناہوں میں جو لوگ مبتلا ہیں اگر ان سے تعلق توڑ لیا جائے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں اچھا ہوا تم روٹھے اور ہم چھوٹے لہٰذا کسی نیک آدمی کے ناراض ہونے کا اثر نہیں لیتے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ معاشرہ میں شر اور معاصی کا امتحان زیادہ ہے۔ دینداروں کو حاجت ہے کہ اہل معاصی سے ملیں جلیں ان سے مال خریدیں، گناہ گاروں کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ دینداروں کے پاس آئیں۔ اسی لئے قطع تعلق اور بائیکاٹ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اصل مقصود اصلاح ہونی چاہئے داعی اور مبلغ ہمدردانہ طور پر یہ سوچے کہ فلاں فرد اور فلاں جماعت میں کیا طریق کار ہوگا۔ پھر اس کے مطابق عمل کرے۔ لیکن کسی کو نیکی پر لانے کے لئے خود گناہ کرنا جائز نہیں بعض وہ جماعتیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہی سب سے بڑے پکے سچے مسلمان ہیں انہوں نے الیکشن کے موقع پر لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے گانے بجانے تک کا انتظام کرلیا اور اپنے خیال میں اس عمل کو خدمت اسلام سمجھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ﴿امرنی ربی بمحق المعازف والمزامیر﴾ ''میرے رب نے مجھے گانے بجانے کی چیزوں کو مٹانے کا حکم دیا۔'' جو لوگ امامت صالحہ کے مدعی ہیں وہ ممنوعات شرعیہ کے ذریعہ اپنے خیال میں دینی خدمت کررہے ہیں۔

یہ بھی سمجھنا چاہئے جہاں دعوت وتبلیغ میں اخلاص ہوگا، اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہوگی وہاں نفس اور نفسانیات کا دخل نہ ہوگا۔ بعض لوگ کسی کو گناہ پر ٹوکتے ہیں تو اصلاح کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے ٹوکتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں۔ جس کسی شخص سے ان بن ہوگئی اسے ذلیل کرنے کے لئے مجمع میں ٹوک دیا۔ مقصود اصلاح نہیں ہوتی بلکہ بدلہ لینا اور ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے جب بات کرنے والے ہی کی نیت اصلاح کی نہیں ہے تو مخاطب پر کیا اثر ہوگا، بہرحال مبلغ اور داعی کو خیرخواہ ہونا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ ([illegible])

دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے کچھ راہنما اصول

۱...... اپنے منصب کا حقیقی شعور پیدا کیجئے

داعی امت اور فکر نبوی ﷺ ایک بہت بڑی ذمہ داری اور ہر مسلم نوجوان کے لئے خصوصاً، ہر مسلمان کے لئے عموماً ایک اہم ترین فریضہ ہے جسے پورا کئے بغیر کامیابی نہیں۔ اس لئے اپنے اندر اپنے اس اصلی اور حقیقی منصب کا شعور پیدا کیجئے، آپ رسول اقدس ﷺ

کے جانشین ہیں کیونکہ آپ نے دعوت دین، شہادت حق اور تبلیغ کا وہی فریضہ سرانجام دینا ہے جو اللہ کے محبوب پیغمبر ﷺ انجام دیتے رہے۔ چنانچہ وہی داعیانہ تڑپ پیدا کرنے کی کوشش کیجیے جو رسول اقدس ﷺ کا خصوصی اور امتیازی وصف ہے۔ قرآن کریم کا اعلان ہے کہ! "اس نے تمہیں منتخب فرمالیا ہے، اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے پیروی کرو اس دین کی جو تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے، اس نے پہلے تمہیں مسلم کے نام سے نوازا تھا اور اسی سلسلے میں رسول تمہارے لئے دین حق کی شہادت دیں گے اور تم دنیا کے سارے انسانوں کے سامنے دین حق کی شہادت دو گے"۔ (سورۃ الحج پ ۱۷)

گویا کہ امت مسلمہ رسول اقدس ﷺ کی جانشین ہے اور اس کو وہی کام انجام دینا ہے جو رسول اقدس ﷺ نے انجام دیا۔ جس طرح آپ نے اپنے قول و عمل اور شب و روز کی تگ و دو سے اللہ تعالیٰ کے دین کو امت تک پہنچانے کا صحیح حق ادا کر دیا۔ ٹھیک اسی طرح اب امت مسلمہ کو بھی دنیا کے سارے ہی انسانوں کے سامنے اللہ کے دین کو پہنچانا ہے۔ اور اسی طرح احساس فرض کو سمجھتے ہوئے اور داعیانہ تڑپ اور فکر کے ساتھ دین حق کی تابندہ شہادت بن کر زندہ رہنا ہے۔ اس کے لئے جیسی ہی قربانی دینا پڑے اس سے قطعاً کسی قسم کا گریز نہیں کرنا ہے یہی ہمارا منصب اور یہی ہمارا مقصد ہے۔

۲......اپنے نصب العین کا حقیقی علم حاصل کیجیے

آپ کا نصب العین کیا ہے؟ اور کیا ہونا چاہیے؟ اور اللہ تعالیٰ نے کیا نصب العین دیا ہے؟ اس کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اپنے نصب العین کا حقیقی علم حاصل کیجیے اور شرح صدر کے ساتھ اس کو اپنانے کی کوشش کیجیے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں امت مسلمہ کا نصب العین قطعی طور پر یہ ہے کہ وہ کامل یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ اس پورے دین کو قائم اور نافذ کرے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے اور جو عقائد و عبادات، اخلاق و معاشرت، اور معیشت و سیاست غرض انسانی زندگی سے متعلق تمام ہی آسمانی ہدایت پر مشتمل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک دور میں اس دین کو اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ قائم فرمایا، آپ ﷺ نے عقائد و اخلاق کی تعلیم بھی دی، عبادات کے طریقے بھی سکھائے، دین کی بنیادوں پر معاشرے کی تعمیر بھی فرمائی، اور انسانی زندگی کو منظم کرنے اور خیر و برکت سے مالا مال کرنے کے لئے اپنی سیرت کے تابندہ اصول بھی چھوڑے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے نصب العین کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ!

"مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ منتخب کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوح کو کی تھی اور جس کی وحی اے رسول! ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دے چکے ہیں کہ اس دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو"۔ (سورۂ شوریٰ آیت ۱۳)

اور دوسری جگہ پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ! "اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم سارے انسانوں کے لئے دین حق کے گواہ ہو اور ہمارے رسول تمہارے لئے گواہ ہیں"۔ (سورۂ بقرہ)

چنانچہ اپنی اس اصل حیثیت کو ہمیشہ نگاہ میں رکھیے اور اسی کی شایان شان اپنی زندگی کو بنانے اور بنائے رکھنے کی کوشش پیہم جاری رکھیے۔

یہ امت گزشتہ امتوں کی طرح ایک عام نہیں ہے بلکہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے ایک امتیازی شان بخشی ہے، اس امت کو دنیا کی تمام قوموں میں صدر کی طرح رہنمائی کا مقام حاصل ہے اس لئے آپ ہمیشہ افراط و تفریط سے پاک اور اللہ تعالیٰ کی سیدھی شاہراہ پر اعتدال کے ساتھ قائم رہیے۔

۳......دعوت و تبلیغ کے لئے ہمہ وقت تیار رہیے

امر بالمعروف و نہی عن المنکر دراصل فکر نبوی کا ایک اہم ترین جزو ہے، اس لئے آپ برائیوں کو مٹانے اور بھلائیوں کو قائم کرنے کے لئے ہمہ وقت کمربستہ رہیے یہی آپ

کے ایمان کا تقاضا ہے اور یہی آپ کی ملی وجود کا مقصد ہے۔ اسی مقصد کے لئے زندہ رہیے اور اسی کے لئے جان دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو انجام دینے کے لئے آپ کو خیر امت کے عظیم لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے! ”تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے لئے وجود میں لائی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھتے ہو۔“ (سورۂ آل عمران آیت ۱۱۰)

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم لوگ ضرور نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تم پر ایسا عذاب بھیج دے گا کہ پھر تم پکارتے رہو گے اور کوئی شنوائی نہ ہوگی۔ (ترمذی شریف)

۴..... اپنے اندر مثالی تڑپ پیدا کیجئے

انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانا اور انہیں ساحل پر لا کر راہِ نجات دکھانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ چنانچہ امت کے ہر فرد تک راہِ نجات کا پیغام پہنچانے اور بندگانِ خدا کو جہنم کے ہولناک عذاب سے بچانے کے لئے اپنے اندر والہانہ تڑپ اور مثالی درد و سوز پیدا کیجئے۔ رسول اقدس ﷺ کی بے مثال تڑپ اور بے پایاں درد کا اعتراف قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ! ”شاید آپ ان لوگوں کے پیچھے اپنی جان ہلاک ہی کر ڈالیں گے اگر یہ لوگ اس کلامِ ہدایت پر ایمان نہ لائیں۔“ (سورۂ کہف آیت ۶)

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ ”میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی اور جب آس پاس کا ماحول آگ کی روشنی سے چمک اٹھا تو یہ کیڑے پتنگے اس پر گرنے لگے اور وہ شخص پوری قوت سے ان کیڑے پتنگوں کو روک رہا ہے لیکن پتنگے ہیں کہ اس کی کوشش کو ناکام بنائے دیتے ہیں اور آگ میں گھسے جا رہے ہیں۔ (اسی طرح) میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے روک رہا ہوں اور تم ہو کہ آگ میں

کرتے جارہے ہو۔ (مشکوٰۃ شریف)

ایک بار حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! احد سے زیادہ سخت دن بھی آپ پر گزرا ہے؟ فرمایا ہاں عائشہ! میری زندگی میں سب سے زیادہ سختی کا دن تھا۔ یہ وہ دن تھا جب آپ ﷺ مکہ والوں سے مایوس ہو کر طائف والوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے تشریف لے گئے، وہاں کے سردار عبد یالیل نے شریر لڑکوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا اور انھوں نے پیغام رحمت کے جواب میں آپ ﷺ کے جسد اطہر پر پتھر برسائے، آپ ﷺ لہولہان ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر آپ ﷺ انتہائی پریشان اور غمگین حالت میں وہاں سے چلے۔ جب قرن الثعالب پہنچے تو غم کچھ ہلکا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب کے فرشتے کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ عذاب کے فرشتے نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ فرمائیں تو میں ابوقبیس اور جبل احمر کو آپس میں ٹکرا دوں؟ اور ان دونوں پہاڑوں کے بیچ یہ بدبخت پس کر اپنے انجام کو پہنچ جائیں رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا! نہیں نہیں مجھے چھوڑ دو تا کہ میں اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا رہوں، شاید کہ اللہ انہی کے دلوں کو ہدایت کے لئے کھول دے یا پھر ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو ہدایت کو قبول کر لیں۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی بے مثال تڑپ کا ایک اور واقعہ ملاحظہ کیجئے اور اپنے اندر بھی ایسی ہی تڑپ اور درد پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

آپ ﷺ مکے میں ہیں اور یہاں کے لوگوں میں آپ ﷺ کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔ کوئی کہتا ہے انہیں شہر سے نکال دو۔ کوئی کہتا ہے کہ انہیں قتل کر دو۔ ان ہی دنوں میں مکہ کو قحط نے آگھیرا۔ اور قحط بھی ایسا کہ قریش کے لوگ پتے اور چھال کھانے پر مجبور ہو گئے، بچے بھوک سے بلبلاتے اور بڑے ان کی یہ حالت زار دیکھ کر تڑپ تڑپ اٹھتے۔ رحمت دو عالم ﷺ ان لوگوں کو اس دردناک مصیبت میں مبتلا دیکھ کر بے قرار ہو گئے آپ ﷺ کے مخلص ساتھی بھی آپ ﷺ کا اضطراب دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ آپ ﷺ نے اپنے ان جانی

دشمنوں کو جن کے پہنچائے ہوئے زخم ابھی بالکل تازہ تھے اپنی دلی ہمدردی کا پیغام بھیجا اور ابوسفیان اور صفوان کے پاس پانچ سو دینار بھیج کر کہلوایا کہ یہ دینار ان قحط کے مارے ہوئے غریبوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔

حقیقت یہی ہے کہ گمراہ بندوں کے غم میں گھلنا، ان کی گمراہی اور معصیت پر کڑھنا، ان کو اللہ کے غضب سے بچانے کے لئے تڑپنا، ان کی تکلیف دیکھ کر بے قرار ہونا اور ان کی ہدایت کے لئے غیر معمولی حریص ہونا بھی ایک داعی حق کے وہ جوہر ہیں جن کے ذریعے اس کی زندگی انتہائی دلکش اور غیر معمولی اثر انگیز بن جاتی ہے۔

۵.....اپنے مقصد کی عظمت کو سامنے رکھیے

جیسا کہ معلوم ہے کہ ہمارا مقصد دین اسلام کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلانا ہے اور اپنی زندگیوں میں بھی درد امت و فکر نبوی کے جذبے کو بسانا ہے۔ یقیناً یہ انتہائی عظیم، بلند و رفیع مقصد ہے، چنانچہ آپ اپنے اس مقصد اور نصب العین کی عظمت و اہمیت کو ہمیشہ مدنظر رکھیے اور اس بات کا خیال رہے کہ یہ وہ عظیم کام ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ انبیاء مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ اور اس بات کا یقین اپنے دل میں پختہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین اسلام کی جو دولت عطا فرمائی ہے یہی دونوں جہاں کی عظمت و سربلندی کا سرمایہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین تو اسلام ہی ہے، اس دین حق کو چھوڑ کر جو بھی طریق بندگی اختیار کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں تو وہی دین مقبول ہے جو قرآن پاک میں ہے اور جس کی عملی تفسیر رسول اقدس ﷺ نے اپنی مبارک زندگی سے پیش فرمائی۔ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کو صاف صاف بتلا دیجئے کہ میں نے جو راہ بھی اپنائی ہے سوچ سمجھ کر پوری بصیرت کے ساتھ اپنائی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ! ”(اے رسول) آپ ان سے صاف صاف کہ

دیکھئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اور میرے پیچھے چلنے والے پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے اور میرا ان سے کوئی تعلق نہیں جو شرک کرنے والے ہیں"۔ (سورۂ یوسف آیت ۱۰۸)

اور اللہ تعالیٰ کا صاف صاف ارشاد مبارک ہے ! "اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو اختیار کرنا چاہے گا۔ اس کا وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد ہوگا"۔ (سورۂ آل عمران آیت ۸۵)

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ۔ بے شک اللہ کے نزدیک دین تو بس اسلام ہی ہے۔ چنانچہ جب آپ اپنے دین کی صحیح عظمت دل میں بٹھا کر لوگوں کو اس دین کی طرف بلائیں گے تو آپ کی بات میں بھی اثر ہوگا۔

۶......خود اپنے گھر کی اصلاح کو بھی سامنے رکھیے

یاد رکھیے! اپنے بچوں کی اصلاح و تربیت اور ان کو اقامت دین کا فریضہ انجام دینے کے لئے تیار کرنا آپ کا اولین فریضہ بھی ہے اور آپ کی سرگرمیوں کا فطری میلان بھی۔ اس میدان کو چھوڑ کر اپنی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کے لئے محض باہر کے میدان تلاش کرنا غیر حکیمانہ اور غیر فطری عمل ہے۔ یقیناً یہ بہت بڑی کوتاہی اور فرار ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ آپ قحط کے زمانے میں اپنے گھر والوں کو بھوک و پیاس سے نڈھال اور جاں بلب چھوڑ کر باہر کے ضرورت مندوں کو تلاش کر کے غلہ تقسیم کرنے کی فیاضی کا مظاہرہ کریں ۔ گویا نہ تو آپ کو بھوک پیاس اور قربت و محبت کا احساس ہے اور نہ غلے کی تقسیم کی حکمت ہی سے آپ کا ذہن آشنا ہے۔ قرآن پاک میں مومنوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ ! "مومنو! بچاؤ اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے"۔

چنانچہ یہاں سب سے پہلے اپنی فکر اور پھر اپنے گھر والوں کی فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کی فکر کرنا بھی ضروری ہے لیکن اپنے گھر کی فکر چھوڑ کر نہیں۔

جب آپ کے گھر کی اصلاح ہو جائے گی تو یقیناً آپ کے لئے باہر کی اصلاح کرنا آسان ہوگی۔

اور رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ! تم میں سے ہر ایک نگران اور ذمہ دار ہے، اور تم میں سے ہر ایک سے ان لوگوں کے بارے میں باز پرس کی جائے گی جو تمہاری نگرانی میں ہوں گے۔ حاکم نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اور شوہر اپنے گھر والوں کا نگران ہے۔ تو تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر ایک سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی جو اس کی نگرانی میں دیئے گئے ہیں۔ (بخاری)

۷......اپنے پڑوسیوں کی بھی فکر کرتے رہیے

اپنے پڑوسیوں اور محلے داروں کی اصلاح و تعلیم کی بھی فکر کرتے رہیے اور اس کو بھی اپنا فریضہ سمجھئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں کچھ مسلمانوں کی تعریف فرمائی۔ پھر فرمایا! ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا نہیں کرتے اور انہیں دین نہیں سکھاتے اور انہیں دین سے ناواقف رہنے کے عبرتناک نتائج نہیں بتاتے اور انہیں بُرے کاموں سے نہیں روکتے؟ اور ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم حاصل نہیں کرتے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا نہیں کرتے اور دین سے جاہل رہنے کے عبرتناک نتائج معلوم نہیں کرتے۔ خدا کی قسم! لوگ اپنے پڑوسیوں کو لازماً دین کی تعلیم دیں۔ ان کے اندر دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں۔ انہیں نصیحت کریں۔ ان کو اچھی باتیں بتائیں اور بُری باتوں سے روکیں نیز لوگوں کو چاہیے کہ لازماً اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھیں، دین کی سمجھ پیدا کریں، اور ان کی نصیحتوں کو قبول کریں ورنہ میں انہیں بہت جلد سزا دوں گا۔

پھر آپ ﷺ منبر سے اتر آئے اور تقریر ختم فرمادی۔ سننے والوں میں سے بعض لوگوں نے بعض سے پوچھا۔ یہ کون لوگ تھے جن کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے تقریر فرمائی؟ دوسرے لوگوں نے بتایا کہ آپ ﷺ کا روئے سخن قبیلہ اشعر کے لوگوں کی طرف تھا۔ یہ لوگ دین کا علم رکھنے والے لوگ ہیں اور ان کے پڑوس میں چشموں پر رہنے والے دیہاتی اجڈ لوگ ہیں۔

جب اس تقریر کی خبر اشعری لوگوں کو پہنچی تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے اپنے خطبے میں کچھ لوگوں کی تعریف فرمائی اور ہمارے اوپر غصہ فرمایا تو فرمایئے ہم سے کیا قصور ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو دین کی تعلیم دیں، انہیں وعظ و نصیحت کریں، اچھی باتوں کی تلقین کریں اور بُری باتوں سے روکیں، اسی طرح لوگوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم حاصل کریں، ان کی نصیحتوں کو قبول کریں اور اپنے اندر دین کی سمجھ پیدا کریں ورنہ میں بہت جلد ان لوگوں کو سزا دوں گا۔ یہ سن کر قبیلہ اشعر کے لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم دوسرے لوگوں میں سمجھ پیدا کریں آپ نے فرمایا جی ہاں یہ تمہاری ذمہ داری ہے تو یہ لوگ بولے حضور ﷺ ہمیں ایک سال کی مہلت دیجئے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان کو ایک سال کی مہلت دی کہ جس میں وہ اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں اور دینی سمجھ پیدا کردیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائی جنکا مفہوم یہ ہے! ''بنی اسرائیل کے کفر کرنے والوں پر لعنت کی گئی داؤد کی زبان سے اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے اور یہ لعنت اس لئے کی گئی کہ انہوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور برابر اللہ کے احکام توڑتے چلے گئے۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کو بری باتوں کے کرنے سے نہیں روکتے تھے۔ بلاشبہ ان کی یہ حرکت انتہائی بُری تھی''۔ (سورۃ مائدہ آیت ۷۸)

٨...... اپنے قول و فعل میں یکسانی پیدا کیجئے

جب تک قول و عمل یکساں نہ ہو اس وقت تک بات نہ دل سے نکلتی ہے اور نہ اثر کرتی ہے اس لئے اپنے قول اور فعل میں یکسانی پیدا کیجئے اور جو کچھ دنیا کے سامنے پیش کریں اس کا مخاطب سب سے پہلے اپنی ذات کو بنائیں، دوسروں کو بتانے سے پہلے خود اپنے آپ کو مخاطب کر کے بتائیں اور جو دوسروں سے آپ چاہتے ہیں پہلے خود کر کے دکھائیں۔

دین حق کے داعی کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنی دعوت کا سچا نمونہ ہوتا ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اپنے عمل و کردار کو اس پر گواہ بناتا ہے، جن حقیقتوں کو قبول کرنے میں وہ دین کی بھلائی دیکھتا ہے خود اس کو سب سے زیادہ حریص ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب جب قوم کے سامنے دعوت دینے اٹھے آپ نے اعلان کیا "اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" میں خود سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

آپ کی زبان اور آپ کا عمل بھی اس بات کی گواہی دے کہ حق وہی ہے جو آپ پیش کر رہے ہیں۔ اور اپنے انفرادی عمل، خانگی تعلقات، سماجی معاملات اور سیاسی اور ملکی سرگرمیوں سے بھی یہ ثابت کریں کہ اسلامی تعلیمات کو اپنا کر ہی پاکیزہ کردار وجود میں آتا ہے، مستحکم خاندان بنتا ہے، اچھا سماج تشکیل پاتا ہے اور ایک ایسا نظام تہذیب و تمدن بنتا ہے جس کی بنیاد عدل و انصاف پر ہو۔

یاد رکھیے! جو لوگ اپنی تربیت اور اصلاح سے غافل ہو کر دوسروں کی اصلاح و تربیت کی باتیں کرتے ہیں وہ انتہائی نادان ہیں اور اپنا گھر جلتا ہوا دیکھ کر بے فکر ہیں اور پانی کی بالٹیاں لئے کوشش کر رہے ہیں کہ کسی کے گھر کو آگ لگ جائے تو اس کو بجھا دیں، ایسے لوگ دنیا میں بھی ناکام ہیں اور آخرت میں بھی ناکام ہیں یہ انتہائی عبرتناک عذاب بھگتیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات انتہائی ناگوار ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے والے خود بے

عمل رہیں اور ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ یعنی وہ کہیں جو خود نہیں کرتے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسے بے عمل داعیوں کو انتہائی ہولناک عذاب سے ڈرایا ہے چنانچہ ارشاد ہے! قیامت کے روز ایک آدمی لایا جائے گا اور آگ میں پھینک دیا جائے گا، اس کی انتڑیاں اس آگ میں باہر نکل پڑیں گی پھر وہ آدمی ان انتڑیوں کو اس طرح لیے پھرے گا جس طرح گدھا اپنی چکی میں پھرتا ہے۔ یہ دیکھ کر دوسرے جہنمی لوگ اس کے پاس جمع ہوں گے اور پوچھیں گے اے فلاں! تمہارا کیا حال ہے؟ کیا تم دنیا میں ہمیں نیکیوں کی تلقین نہیں کرتے تھے؟ اور برائیوں سے نہیں روکتے تھے؟ (اسی نیکی کے کام کرنے کے باوجود تم یہاں کیسے آ گئے؟) وہ آدمی کہے گا، میں تمہیں تو نیکیوں کا سبق دیتا تھا لیکن خود نیکی کے قریب بھی نہ جاتا تھا، تمہیں تو برائیوں سے روکتا تھا لیکن خود برائیوں پر عمل کرتا تھا۔ (بخاری شریف) اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے آمین۔

۹......حق کے سچے سپاہی بنئے

ہمیشہ حق کی بات کہیے چاہے اس کے لئے کوئی بھی قربانی دینی پڑے۔ اسلام میں کتمانِ حق (حق کو چھپانا) بہت بڑا جرم ہے۔ جو لوگ دنیا کے مال و متاع حاصل کرنے کے لئے کتمانِ حق کرتے ہیں وہ اللہ کو ناراض کرتے ہیں۔

چنانچہ ہمیشہ دنیا کی چمک دمک، اس کی عیش پرستی اور اللہ سے غافل کر دینے والی زندگی سے دور رہئے اور حق کے پکے اور سچے ایسے سپاہی بنئے جو ہر ڈیوٹی پر چوکس ہو اور کسی وقت بھی ہتھیار نہ اتارے (یعنی کسی بھی حق بات دوسروں تک پہنچانے کے ذرائع سے غفلت نہ برتے)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ! میں عیش اور سہولت کی زندگی کیسے گزاروں! جبکہ اسرافیل صور منہ میں لئے کان لگائے سر جھکائے انتظار کر رہے ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں مؤمنوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ! اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں اور خود اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء دین کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اللہ کی راہ میں تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا پورا بدلہ تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارا حق دینے میں ذرا کمی نہ کی جائے گی۔ (سورۃ انفال آیت ۶۰)

۱۰......اپنے اندر قربانی دینے کا جذبہ پیدا کیجئے

دین اسلام کے لئے ہر طرح کی قربانی دیجئے اور ضرورت پڑنے پر اپنے وطن عزیز سے ہجرت کرنے کے لئے بھی خود کو آمادہ رکھیے۔ اور خود کو تولتے رہیے کہ کس حد تک آپ کے اندر یہ جذبہ قوت پکڑ رہا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم کا واقعہ ہجرت بیان کرتے ہوئے ہجرت کی ترغیب اور قربانیوں کے لئے تیار رہنے کی تلقین اس طرح کی گئی ہے کہ! ''اور اس کتاب میں ابراہیمؑ کے قصے سے نصیحت حاصل کیجئے بے شک وہ ایک سچے نبی تھے (لوگوں کو اس وقت کا ذکر سنائیے) جب انہوں نے اپنے والد سے کہا ابا جان! آپ ان چیزوں کی عبادت کیوں کر رہے ہیں؟ جو نہ سنتی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کے کسی کام آسکتی ہیں۔ ابا جان میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا ہے آپ میرے کہے پر چلئے، میں آپ کو سیدھی راہ پر چلاؤں گا۔ ابا جان آپ شیطان کی بندگی نہ کیجئے شیطان تو رحمٰن کا بڑا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے ڈر ہے کہ (آپ اسی طرح کرتے رہے تو) رحمٰن کا عذاب آپ کو آ پکڑے اور آپ شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں۔

باپ نے کہا! کیا تم میرے معبودوں سے پھر گئے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دوں گا، اور جاؤ ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جاؤ۔ ابراہیم نے کہا آپ کو میرا سلام ہے۔ میں پروردگار سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کی بخشش فرما دے۔ بے شک

میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں سے بھی کنارہ کرتا ہوں اور ان ہستیوں سے بھی جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہو، میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ مجھے پوری امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر ہرگز نامراد نہ ہوں گا۔ (سورۂ مریم آیت ۴۷تا۴۸)

(تلخیص و ترجمہ مع عنوانات کے اضافے کے ساتھ از: راشد مدنی)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

❀❀❀❀❀

❀❀❀

خصوصیت نمبر ۹۷

رسول اکرم ﷺ کا نام لیکر خطاب کرنے سے امت کو منع فرمایا گیا جبکہ دیگر امتیں اپنے نبیوں کا نام لیا کرتی تھیں

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ستانوے نمبر خصوصیت پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کا نام لیکر خطاب کرنے سے امت کو منع فرمایا گیا جبکہ دیگر امتیں اپنے نبیوں کا نام لیا کرتی تھیں“ بیشک ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے، جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا نام لے کر خطاب کرنے سے منع کیا گیا جبکہ دیگر امتیں اپنے نبیوں کا نام لیا کرتی تھیں تو معلوم ہوا کہ یہ ہمارے نبی ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی نظر میں خاص مقام ہے، کہ نام لینے کی ممانعت صرف اور صرف آخری محمد الرسول اللہ ﷺ سے متعلق فرمائی گئی، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کرنے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

ستانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن کریم کی روشنی میں

رسول اکرم ﷺ کو نام مبارک کے ساتھ خطاب کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ حالانکہ دوسری قومیں اپنے نبیوں کو نام کے ساتھ خطاب کیا کرتی تھیں۔ ملاحظہ کیجئے آیات ذیل:

قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ. (پ۹ اعراف۔ ع۱۶)

ترجمہ: کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک (مجسم) معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود ہیں،

وَاِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ھَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّکَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ. (پ۷ مائدہ۔ ع۱۵)

ترجمہ: وہ وقت قابل یاد ہے، جبکہ حواریوں نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں، کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا نازل فرما دیں۔

قَالُوْا یٰھُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَۃٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِکِیْٓ اٰلِھَتِنَا عَنْ قَوْلِکَ وَمَا نَحْنُ لَکَ بِمُؤْمِنِیْنَ، (پ۱۲ ہود۔ ع۵)

ترجمہ: ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ہود آپ نے ہمارے سامنے کوئی دلیل تو پیش نہیں کی اور ہم نے آپ کے کہنے سے تو اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم کسی طرح آپ کا یقین کرنے والے نہیں۔

قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ ھٰذَآ اَتَنْھٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ مُرِیْبٍ. (پ۱۲ ہود ع۶)

ترجمہ: وہ لوگ کہنے لگے اے صالحؑ تم تو اس کے قبل ہم میں ہونہار تھے، کیا تم ہم کو ان چیزوں کی عبادت سے منع کرتے ہو، جن کی عبادت ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں اور جس دین کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو، واقعی ہم تو اس کی طرف سے بڑے شبہ میں ہیں جس نے ہم کو تردد میں ڈال رکھا ہے۔

مگر ہمارے آقائے نامدار کی نسبت یوں ارشاد باری ہوتا ہے:۔

ترجمہ: مت مقرر کرو پکارنا پیغمبر کا درمیان اپنے جیسا پکارنا بعض تمہارے کا بعض کو۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

خصوصیت نمبر ۹۸

رسول اکرم ﷺ جس راستے سے چلتے وہاں خوشبو آیا کرتی تھی

قابلِ احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اٹھانویں نمبر خصوصیت شروع کی جاتی ہے جسکا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ جس راستے سے چلتے وہاں سے خوشبو آیا کرتی تھی“ بیشک دیگر خصوصیات کی طرح ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی حضور ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس کی وضاحت پیش کی جارہی ہے، بے شک یہ ہمارے نبی ﷺ کا خاصہ ہے اگرچہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تمام انبیاء کرام معصوم اور جسمانی وروحانی لحاظ سے پاک ومنزہ تھے لیکن آخری نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کے بارے میں ایسی بات نہیں ملی کہ وہ جس راستے سے چل کر جاتے وہاں سے خوشبو آتی ہو لہٰذا معلوم ہوا کہ جسم کی خوشبو اپنی جگہ لیکن ان راستوں سے بھی خوشبو کا آنا جہاں سے آپ ﷺ گزر کر جایا کرتے تھے صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کا خاصہ ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر کرنے کی اور آپ کی جملہ تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

اٹھانویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

حضرت انس ؓ نے فرمایا ہے کہ میں نے کوئی عنبر اور کوئی مشک اور کوئی چیز رسول اللہ ﷺ کی مہک سے زیادہ خوشبودار نہیں دیکھی۔ اور آپ ﷺ کسی سے مصافحہ فرماتے تو تمام دن اس شخص کو مصافحہ کی خوشبو آتی رہتی۔ اور کبھی کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ خوشبو کے سبب دوسرے لڑکوں میں پہچانا جاتا، چنانچہ آپ ﷺ ایک بار حضرت انس ؓ کے گھر

میں سوئے ہوئے تھے۔ اور آپ ﷺ کو پسینہ آیا ہوا تھا تو حضرت انس کی والدہ ایک شیشی لا کر آپ ﷺ کے پسینے کو جمع کرنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس بارہ میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملا دیں گے اور یہ پسینہ اعلیٰ درجے کی خوشبو ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس راستے سے گزرتے تو وہاں سے خوشبو آیا کرتی تھی اور کوئی شخص آپ ﷺ کی تلاش میں جاتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ ﷺ اس راستے سے تشریف لے گئے ہیں۔ یہ خوشبو آپ ﷺ کے بدن مبارک میں تھی۔

اور ابراہیم بن اسمٰعیل مزنی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی کہ مجھ کو ایک بار رسول ﷺ نے اپنے پیچھے سواری پر بٹھا لیا میں نے مہر نبوت کو اپنے منہ میں لے لیا۔ سو اس میں سے مشک کی لپٹ آرہی تھی اور مروی ہے کہ آپ ﷺ جب بیت الخلاء میں جاتے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ ﷺ کے بول و براز کو نگل جاتی اور اس جگہ نہایت ہی پاکیزہ خوشبو آتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس طرح روایت کیا ہے اور اسی لئے علماء آپ ﷺ کے بول و براز کے طاہر ہونے کے قائل ہوئے ہیں، مالک بن سنان یوم احد میں آپ ﷺ کا خون زخم چوس کر پی گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو کبھی دوزخ کی آگ نہ لگے گی اور عبداللہ بن زبیر نے آپ ﷺ کا خون جو پچھنے لگانے سے نکلا تھا پی لیا اور برکتؓ اور آپ ﷺ کی خادمہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ کا بول پی لیا تھا۔ سو ان کو ایسا معلوم ہوا جیسے شیریں نفیس پانی ہوتا ہے اور آپ ﷺ مختون آنول نال کٹے ہوئے سرمہ لگے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت آمنہ آپ کی والدہ کہتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو پاک صاف جنا کہ کوئی آلودگی آپ ﷺ کو لگی ہوئی نہ تھی اور آپ ﷺ باوجودیکہ ایسا سوتے تھے کہ خراٹے بھی لینے لگتے مگر بدون وضو کیے ہوئے نماز پڑھ لیتے تھے یعنی سونے سے آپ ﷺ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ (کمالات نبی، ترجمان جلد سوم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمِ

خصوصیت نمبر ۹۹

رسول اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر گزشتہ انبیاءؑ کی مسلمہ کتب میں بھی آیا

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ننانوے نمبر خصوصیت ہے جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر گزشتہ انبیاءؑ کی مسلمہ کتب میں بھی آیا" بحمد اللہ اس خصوصیت کو بھی میں نے اپنے آقا ﷺ کے مقدس روضہ کے سامنے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے یعنی اس خصوصیت سے متعلق جو مضامین میں نے تیار کئے تھے ان کی فائنل ترتیب میں نے روضہ رسول ﷺ کے سامنے میں بیٹھ کر مکمل کی ہے، بحمد اللہ یہ میرے لئے بڑی سعادت کی بات ہے کہ میرے اللہ نے مجھے اپنے پیارے نبی ﷺ کے روضہ پہ بیٹھ کر ان کی شان میں کچھ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی، اور اللہ کی ذات سے مجھے امید ہے کہ روز قیامت یہ میری کاوش ان شاء اللہ میری نجات کا باعث بنے گی، دعا گو ہوں کہ یا خداوند قدوس میری اس کاوش کو مقبول ومنظور فرما، آمین یا رب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے پیارے نبی ﷺ کی یہ عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے آنے سے قبل ہی آپ ﷺ کے اوصاف کا ذکر اللہ تعالی نے پچھلے انبیاءؑ کی مسلمہ کتب میں فرما دیا تھا جبکہ دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرتوں میں ہمیں یہ بات نظر نہیں آتی، لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ دیگر انبیاء کرامؑ بھی اپنا بہت بڑا مقام رکھتے ہیں، یہی تعلیم ہمارے قرآن سے بھی ہمیں دی جا رہی ہے اور ہمارے نبی ﷺ کی تعلیمات سے بھی یہی سبق دیا جا رہا ہے اور ہمارا ایمان بھی یہی ہے، لیکن جہاں تک ہمارے نبی ﷺ کے مقام کا تعلق ہے وہ اللہ کے کلام سے ثابت ہے کہ جو مقام اللہ نے اپنے آخری نبی کو عطا فرمایا وہ مقام کسی کو بھی نہیں ملا، "ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء" اور جیسا کہ اس خصوصیت سے بھی ہمارے نبی ﷺ کا

مقامِ ارفع واعلیٰ نکھر کر سامنے آ جاتا ہے، تفصیل کے لئے آنے والے اوراق میں ملاحظہ فرمایا جائے، انشاء اللہ ایمان ومحبت میں اضافہ ہوگا۔ اور دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی تعلیمات کی قدر کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

ننانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

تورات میں رسول اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر

حضرت عطاء ابن یسارؒ جو مشہور جلیل القدر تابعی ہیں، کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاصؓ کی ملاقات سے مشرف ہوا تو ان سے عرض کیا کہ یہودیوں کی آسمانی کتاب تورات میں رسول اکرم ﷺ کی جن صفات وخصوصیات کا ذکر ہے ان کے بارے میں مجھے کچھ بتایئے۔

حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ ضرور بتاؤں گا۔ خدا کی قسم تورات میں رسول اکرم ﷺ کی ان بعض صفات وخصوصیات کا ذکر ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں آپ ﷺ کی جو خصوصیات وصفات ذکر کی ہیں، ان کو اپنی زبان اور اپنے اسلوب میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ: اے نبی! ہم نے تمہیں اہل ایمان کا شاہد، اجر وانعام کی خوشخبری دینے والا، عذاب وعتاب سے ڈرانے والا اور امیوں کو پناہ دینے والا بنا کر بھیجا، اے محمد (ﷺ)! تم میرے بندے ہو (عبدیت وبندگی کا وہ مرتبۂ خاص تمہیں حاصل ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں) تم بندوں کی طرف بھیجے جانے والے میرے خاص رسول ہو، میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے یعنی تمہیں توکل واعتماد کی وہ دولت عطا کی ہے جو کسی اور کو نہیں ملی، اسی بنا پر تم اپنے تمام معاملات ومہمات میں اپنی طاقت وصلاحیت پر اعتماد کرنے کے بجائے صرف میری ذات اور میرے حکم پر بھروسہ رکھتے ہو، تم بدخو ہو نہ سخت گو اور سخت دل ہو اور نہ بازاروں میں شور وغل مچانے والے ہو۔"

تورات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ (محمد ﷺ) برائی کو برائی کے ساتھ دور نہیں کریں گے یعنی وہ اپنے ساتھ برائی کرنے والے سے انتقام نہیں لیں گے اور اس کو سزا نہیں دیں گے بلکہ درگذر کریں گے، اور احسان پر احسان یہ کریں گے کہ برائی کرنے والے کے لئے مغفرت کی دعا کریں گے۔

اور اللہ تعالیٰ ان (محمد ﷺ) کی روح کو اس وقت تک قبض نہیں کریں گے جب تک ان کے ذریعہ کج رو اور گمراہ قوم کو راہ راست پر نہ لے آئیں اس طرح قوم کے لوگ اعتراف واقرار کر لیں گے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اس وقت ان کی روح قبض نہیں کی جائے گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ) کے ذریعہ اندھی آنکھوں بہرے کانوں اور بے حس دلوں کو درست کر دے۔

اس روایت کو بخاریؒ نے عطاء ابن یسارؒ سے نقل کیا ہے، نیز یہی حدیث دارمیؒ نے بھی عطاء ابن یسارؒ ہی سے نقل کی ہے، البتہ دارمی میں عطاء ابن یسار کی یہ روایت عبداللہ ابن عاصؓ کے بجائے عبداللہ ابن سلامؓ سے منقول ہے۔

تشریح...... حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاصؓ نہایت عالم فاضل قاری صحابی تھے، کتابت خوب جانتے تھے، پچھلی آسمانی کتابوں تورات وانجیل پر بھی ان کی اچھی نظر تھی، رسول اکرم ﷺ نے ان کو اپنی احادیث لکھنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ سے جو سنتے تھے لکھ لیتے تھے، اس لئے حضرت ابوہریرہؓ کی طرح یہ بھی کثیر الاحادیث ہیں، اور بہت سے تابعین آپ سے حدیثیں نقل کرتے ہیں۔

بہر حال حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے توراۃ پڑھ رکھی تھی اور انہیں معلوم تھا کہ اس آسمانی کتاب میں ہمارے رسول ﷺ کے بارے میں کیا کیا پیشن گوئیاں ہیں اور آپ ﷺ کے کن فضائل واوصاف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس لئے انہوں نے حضرت عطاء ابن یسار کے سوال پر بتایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے جناب رسول ﷺ کے جو بعض اوصاف وفضائل قرآن کریم میں ذکر کئے ہیں اور جن کو ہم نے جناب رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں دیکھا بھی

ہے، وہ تورات میں مذکور ہیں۔"

پھر انہوں نے کچھ تفصیل کے ساتھ آپ ﷺ کے ان اوصاف و فضائل کو بیان کیا جو تورات میں مذکور ہیں۔ نیز انہوں نے تورات میں مذکورہ باتوں کو بیان کرنے کے لئے تفسیری عبارت کے طور پر شروع میں تو وہی اسلوب اختیار کیا، جو قرآن میں آپ ﷺ کو خطاب کا ہے، اور پھر وہ اسلوب بھی اختیار کیا جو تورات میں جناب رسول اکرم ﷺ کے متعلق پیشین گوئی کا ہے۔

"امیوں کو پناہ دینے والا" میں "امیوں" سے مراد اہل عرب ہیں، اور ان کو "امی" سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ ان کی اکثریت پڑھنا لکھنا نہیں جانتی تھی۔ اور یا ان کو "ام القریٰ" یعنی اہل مکہ کی طرف منسوب کر کے "امی" کہا گیا۔ نیز یہاں اہل عرب کی تخصیص اس لئے ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ کا نسلی اور وطنی تعلق انہی سے ہے اور انہی میں مبعوث فرمائے گئے، تاکہ ان کو غیر عرب کے غلبہ تسلط سے محفوظ رکھیں اور سب سے پہلے ان ہی کو ایمان واخلاق کے ہتھیار سے مسلح کر کے ان کی حفاظت وفلاح کا سامان کریں، اور اگر شیطانی گمراہیوں اور نفسانی آفات سے پناہ مراد لی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جناب رسول اکرم ﷺ کا بابرکت وجود تمام ہی عالم کے لئے پشت پناہ ہے۔

اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ "پناہ" سے مراد آپ ﷺ کی قوم وملت کا اس وقت تک عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے اور تباہ وہلاک ہو جانے سے محفوظ و مامون رہنا ہے جب تک آپ ﷺ اپنی قوم کے درمیان موجود ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا **وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** "یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں پر عذاب نازل کرے اور آپ ﷺ ان میں موجود ہوں۔"

تورات میں رسول اکرم ﷺ اور امت محمدی ﷺ کے اوصاف کا ذکر

حضرت کعب احبار (جو جلیل القدر تابعی ہیں اور مسلمان ہونے سے پہلے زبردست

یہودی عالم تھے) تورات کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے تورات میں یہ لکھا ہوا پایا ہے محمد (ﷺ) اللہ کے رسول اور برگزیدہ بندے ہوں گے، وہ نہ درشت خو ہوں گے، اور نہ سخت گو، نہ بازار میں شور مچاتے ہوں گے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے لینے والے بلکہ معاف کر دینے والے اور بخش دینے والے ہوں گے، ان کی پیدائش کی جگہ مکہ ہوگا، ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ) ہوگا اور ان کی حکومت کی جگہ ملک شام ہوگا، ان کی امت بہت زیادہ تعریف اور شکر کرنے والی ہوگی جو ہر حالت میں کیا غمی، کیا خوشی اور کیا فراخی، کیا تنگی، خدا کی حمد وثنا اور شکر کرے گی۔

وہ لوگ جہاں بھی اتریں گے اور جہاں بھی چڑھیں گے خدا کی بڑائی بیان کریں گے یعنی جب اونچی جگہ پر چڑھیں گے تو اللہ اکبر کہیں گے اور سورج کا لحاظ رکھیں گے، جب نماز کا وقت ہوگا نماز پڑھیں گے، اپنی کمر پر (یعنی ناف کے اوپر) ازار باندھیں گے یعنی ستر پوشی کا بہت زیادہ خیال رکھیں گے جسم کے اعضاء پر وضو کریں گے یعنی ہاتھ پاؤں اور منہ دھوئیں گے اور پورا وضو کریں گے۔

ان کا منادی کرنے والا زمین و آسمان کے درمیان منادی کرے گا یعنی موذن کسی بلند جگہ جیسے منارہ وغیرہ پر کھڑا ہو کر اذان دیا کرے گا۔ جنگ میں اور نماز میں ان کی صف یکساں ہوگی۔ یعنی وہ دشمنان اسلام کے خلاف میدان جنگ میں بھی صف بندی کے اصول وقواعد کی پابندی کریں گے اور باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے بھی اپنی صفیں استوار کریں گے۔ رات میں اپنے نفس اور شیطان کی سرکوبی کے لئے عبادت کے وقت ان کی آواز پست ہوگی۔ یعنی تسبیح وتہلیل اور ذکر وتلاوت ہلکی آواز سے کیا کریں گے۔ جیسے شہد کی مکھی کی آواز ہوا کرتی ہے۔" مصابیح نے اس روایت کو انہی الفاظ کے ساتھ اور دارمی نے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔"

تشریح: ... "ان کی حکومت کی جگہ ملک شام ہوگا" میں حکومت سے مراد دین ونبوت کے ثمرات وآثار کا ظاہر ہونا اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ خدا کا پرچم بلند ہونا

ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی دعوت اسی ملک میں سب سے زیادہ پھیلی اور مسلمانوں کو جہاد بھی اسی علاقہ میں زیادہ کرنا پڑا۔

ورنہ جہاں تک رسول اکرم ﷺ کی دینی و دنیاوی حکومت کا تعلق ہے اس کا دائرہ اثر کسی خاص ملک یا علاقہ تک محدود نہیں ہے بلکہ کسی نہ کسی حیثیت میں پورے عالم تک پھیلا ہوا ہے۔ یا اس جملہ کی یہ مراد ہے کہ حضور ﷺ کا پایۂ تخت آپ کی حیات اور خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد ملک شام کو منتقل ہو جائیگا۔ چنانچہ تاریخی طور پر ایسا ہی ہوا کہ حضرت معاویہؓ اور بنو امیہ کے زمانہ میں مسلمانوں کا دارالخلافہ ملک شام میں رہا۔

"سورج کا لحاظ رکھا کریں گے۔" کے ذریعہ نماز روزے اور دیگر عبادت کے ایام و اوقات کی پابندی و رعایت کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمان سورج کے طلوع و غروب اور زوال کے اعتبار سے اپنی نماز و عبادت کے اوقات کا دھیان رکھیں گے اور جو وقت جس عبادت کا متعین ہوگا اس میں اس عبادت کا اہتمام کریں گے۔ ایک روایت میں، جس کو حاکم نے عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ فرمایا گیا ہے: "بلاشبہ خدا کے بندوں میں بہتر لوگ وہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے (اوقات کے تعین کی خاطر) سورج چاند ستاروں اور سایوں کا دھیان رکھتے ہیں۔

"اور حضرت عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ تورات میں رسول اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر ہے اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے حجرۂ اقدس میں دفن کئے جائیں گے۔ حضرت مودودؒ (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں) کا بیان ہے کہ (حضرت عائشہؓ کے) حجرۂ مبارک میں (جہاں آپ ﷺ زیر زمین آرام فرما ہیں) ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔"

تشریح: حجرہ مبارک میں، جہاں رسول اکرم ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مدفون ہیں۔ تینوں قبروں کی ترتیب اس طرح ہے کہ سب سے آگے قبلہ کی جانب رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی قبر اس طرح ہے کہ جہاں آپ ﷺ کا سینہ مبارک ہے وہاں حضرت ابوبکرؓ کا سر ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی قبر کے بعد حضرت عمرؓ کی قبر اس طرح ہے کہ جہاں حضرت ابوبکرؓ کا سینہ مبارک ہے وہاں حضرت عمرؓ کا سر ہے، اور حضرت عمرؓ کے پہلو میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے اس جگہ میں متعدد صحابہ نے دفن ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن خواہش و قصد کے باوجود کسی کو وہاں دفن ہونا نصیب نہ ہوا اس سے معلوم ہوا کہ قدرت کی حکمت اس جگہ کو خالی رکھنا تھی تاکہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰؑ اس جگہ دفن کئے جائیں۔

چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اس دنیا میں اپنی عمر کے آخری حصہ میں پہنچیں گے تو حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے جائیں گے۔ وہاں سے واپس آ رہے ہوں گے کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان انتقال فرما جائیں گے، اور ان کی نعش مبارک مدینہ منورہ لائی جائے گی، جہاں روضہ اقدس میں حضرت عمر فاروقؓ کے پہلو میں دفن کئے جائیں گے۔ اس طرح یہ دونوں صحابی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں نبیوں کے درمیان تاقیامت آرام فرما رہیں گے۔ (از مظاہر حق جلد پنجم)

اور بیہقی نے اپنی سند سے وہب بن منبہ یمانی سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رازدارانہ گفتگو کے لئے قریب کیا تو انہوں نے کہا اے میرے رب! میں ایک ایسی امت کی خبر پاتا ہوں، جو لوگوں کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے روکیں گے، اور اللہ پر ایمان لائیں گے۔ اے میرے اللہ ان کو میری امت بنا دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ احمد (یعنی رسول اکرم ﷺ) کی امت ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! میں تورات میں خیر الامم کی خبر پاتا ہوں، جو امتوں کے آخر میں ہوں گے اور بروز قیامت سابقون میں ہوں گے ان کو میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ احمد (رسول اکرم ﷺ) کی امت ہے" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! میں تورات میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں، جن کی انجیل ان کے سینوں میں ہوں گی اور وہ انہیں پڑھیں گے۔ اور ان

سے پہلے لوگ اپنی اپنی کتابوں کو دیکھ کر پڑھتے تھے۔ اور انھیں حفظ نہ کرتے تھے، ان کو میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وہ احمد (رسول اکرم ﷺ) کی امت ہے۔“

حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں جو پہلی اور پچھلی کتاب پر ایمان لائیں گے، اور ضلالت کے سرغنوں سے جنگ کریں گے، حتیٰ کہ یک چشم کذاب سے بھی جنگ کریں گے، ان کو میری امت بنا دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وہ احمد (رسول اکرم ﷺ) کی امت ہے۔“ حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں تورات میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں، جو صدقات کو اپنے پیٹوں میں ڈالیں گے، (اور ان سے پہلے کا آدمی جب اپنا صدقہ نکالتا تو اللہ تعالیٰ اس پر آگ بھیجتا تھا جو اسے کھا جاتی تھی، اور اگر وہ قبول نہ ہوتا تو آگ اس کے قریب نہ جاتی) ان کو میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وہ احمد (رسول اکرم ﷺ) کی امت ہے۔“

حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں تورات میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں، جب ان میں سے کوئی شخص برائی کا ارادہ کرے گا تو اس کی برائی نہیں لکھی جائے گی، اور جب ان میں سے کوئی شخص نیکی کا ارادہ کرے گا، اور اس پر عمل نہیں کرے گا تو اس کی نیکی لکھی جائے گی، اور اگر اس پر عمل کرے گا تو دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک اس کی نیکیاں لکھی جائیں گی۔ ان کو میری امت بنا دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وہ احمد (رسول اکرم ﷺ) کی امت ہے۔“ حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں تورات میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں، جو جواب دیتے ہیں اور ان کی دعا قبول ہوتی ہے، ان کو میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وہ احمد (رسول اکرم ﷺ) کی امت ہے۔“

راوی بیان کرتے ہیں کہ وہب بن منبہؒ نے حضرت داؤدؑ کے واقعہ میں اور جو اللہ نے ان کی طرف زبور وحی کیا، بیان کیا ہے کہ: اے داؤدؑ! عنقریب آپ کے بعد ایک نبی آئے گا، جس کا نام احمد (ﷺ) اور محمد (ﷺ) ہے، وہ صادق اور سردار ہے، میں اس پر کبھی

ناراض نہ ہوں گا، اور نہ وہ کبھی مجھے ناراض کرے گا، اور قبل اس کے کہ وہ میری نافرمانی کرے، میں نے اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے ہیں، اس کی امت مرحومہ ہے، میں انہیں نوافل کا انبیاء کی طرح ثواب دوں گا، اور ان پر وہ فرائض ادا کروں گا جو میں نے انبیاء ورسل پر عائد کیے ہیں، حتی کہ وہ قیامت کے روز میرے پاس آئیں گے، اور ان کا نور انبیاء کے نور کی طرح ہوگا، اور یہ اس لئے کہ میں نے ان پر فرض عائد کیا ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے پاک ہوں، جیسا کہ میں نے ان سے پہلے انبیاء پر عائد کیا تھا، اور میں نے ان کو غسل جنابت کا حکم دیا ہے، جیسا کہ میں نے پہلے انبیاء کو حکم دیا تھا، اور میں نے ان کو حج کا حکم دیا ہے، جیسا کہ میں نے پہلے انبیاء کو دیا تھا، اور میں نے ان کو جہاد کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ان سے پہلے رسولوں کو حکم دیا تھا۔

اے داؤد! میں نے محمد ﷺ اور محمد ﷺ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے، میں نے ان کو چھ ایسی باتیں عطا کی ہیں جنہیں میں نے ان کے سوا کسی امت کو نہیں دیا، میں خطا ونسیان پر ان سے گرفت نہیں کروں گا، اور ہر وہ گناہ جسے وہ بلا ارادہ کریں، اگر وہ مجھ سے بخشش طلب کریں تو میں وہ گناہ انہیں بخش دوں گا، اور جس چیز کو وہ بطیب خاطر اپنی آخرت کے لئے بھیجیں گے، میں اسے کئی گنا بڑھاؤں گا، اور میرے پاس خزانے میں ان کے لئے کئی گناہ اور اس سے بہتر بھی ہے، اور جب وہ مصائب میں صبر کریں گے اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہیں گے تو میں نے انہیں جنات النعیم تک صلوٰۃ ورحمت اور ہدایت دوں گا۔ اور اگر مجھ سے دعا کریں گے تو میں ان کی دعا قبول کروں گا، خواہ وہ اسے جلد طلب کریں یا میں ان سے برائی کو دور کروں گا، اور یا میں ان کے لئے اسے آخرت کے لئے ذخیرہ کر دوں گا۔ اے داؤد! جو شخص محمد ﷺ کی امت سے "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ" کی شہادت حق دیتا ہوا مجھے ملے گا وہ میرے ساتھ میری جنت میں ہوگا، اور اسے میری عزت سے بھی حصہ ملے گا، اور جو شخص محمد ﷺ اور محمد ﷺ کی لائی ہوئے تعلیم کی تکذیب کرتا ہوا مجھے ملے گا، اور میری کتاب سے استہزاء کرے گا، میں اس کی قبر میں اس پر عذاب نازل کروں گا، اور جب وہ اپنی قبر سے

اٹھے گا تو اس وقت فرشتے اس کے منہ اور اس کی پشت پر ماریں گے، پھر اسے دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں داخل کروں گا۔"

اور حافظ بیہقی بیان کرتے ہیں کہ ام عثمان بنت سعید بن محمد بن جبیر بن مطعم نے اپنے باپ سے، اس کے باپ کے حوالے سے بیان کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ جبیر بن مطعم کو بیان کرتے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (محمد ﷺ) کو مبعوث فرمایا اور محمد ﷺ کا امر مکہ میں ظاہر ہوا تو میں شام کی طرف گیا جب میں بصرہ میں تھا تو نصاریٰ کی ایک جماعت میرے پاس آئی، اور انہوں نے مجھے کہا کہ کیا تو حرم کے علاقے کا ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں، انہوں نے کہا، کیا تم اس شخص کو جانتے ہو جس نے تم میں دعویٰ نبوت کیا ہے؟ میں نے کہا "ہاں!۔" راوی بیان کرتا ہے، انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور مجھے اپنے گرجا میں لے گئے جس میں تصاویر اور اسٹیچو پڑے تھے، اور کہنے لگے، دیکھو کیا تم اس نبی کی تصویر کو دیکھتے ہو جو تم میں مبعوث ہوا ہے؟ میں نے دیکھا تو محمد ﷺ کی تصویر نہ پائی، میں نے کہا میں محمد ﷺ کی تصویر نہیں دیکھتا تو وہ مجھے اس سے بھی بڑے گرجے میں لے گئے، جس میں اس گرجے سے بھی زیادہ تصاویر اور اسٹیچو تھے، اور مجھے کہنے لگے: کیا تم اس (نبی ﷺ) کی تصویر دیکھتے ہو؟ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کی صفت اور تصویر دیکھ لی، اور حضرت ابوبکرؓ کی صفت اور تصویر بھی دیکھی آپ رسول اکرم ﷺ کی پشت کو پکڑے ہوئے ہیں انہوں نے مجھے کہا: کیا تم ان کی صفت دیکھتے ہو؟ میں نے جواب دیا: ہاں، اور انہوں نے جناب رسول اکرم ﷺ کی صفت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ وہ ہے؟ میں نے کہا ہاں، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ وہی ہے، انہوں نے پوچھا کیا تم اس شخص کو بھی جانتے ہو، جو اس (نبی ﷺ) کی پشت پکڑے ہوئے ہے میں نے جواب دیا: ہاں، انہوں نے کہا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ تمہارا آقا ہے اور یہ اس کے بعد خلیفہ ہوگا۔

اور بخاری نے اسے تاریخ میں عن محمد غیر منسوب عن محمد بن عمر اپنے اسناد کے ساتھ مختصر روایت کیا ہے، اور بخاری کے نزدیک انہوں نے یہ بھی کہا کہ جو نبی ہوا ہے اس کے

بعد نبی ہوا مگر اس نبی (رسول اکرم ﷺ) کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر کی کتاب میں سورہ اعراف کی آیت "الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ الآية" کی تفسیر میں وہ روایت بیان کی ہے، جسے بیہقی وغیرہ نے ابوامامہ باہلی کے طریق سے بحوالہ ہشام بن العاص اموی بیان کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ۔ مجھے اور قریش کے ایک آدمی کو رومیوں کے بادشاہ ہرقل کی طرف دعوت اسلام دینے کے لئے بھیجا گیا، اور اس نے اس کے پاس ان کے اجتماع کا ذکر کیا، اور جب میں نے اسے پہنچایا، تو جب انہوں نے اللہ کا ذکر کیا تو میری طبیعت مکدر ہو گئی، پس اس نے انہیں مہمان خانہ میں اتارا، اور تین دن بعد انہیں بلایا، اور ایک بڑی حویلی کی طرح کی چیز منگوائی، جس میں چھوٹے چھوٹے گھر تھے، جن کو دروازے لگے ہوئے تھے، اور ان میں ریشم کے ٹکڑوں پر حضرت آدمؑ سے لے کر رسول اکرم ﷺ تک انبیاء کی تصاویر بنی ہوئی تھیں، اور وہ انہیں ایک ایک کر کے نکالنے لگا، اور ہر ایک تصویر کے متعلق بتانے لگا، اور اس نے ان کے لئے حضرت آدمؑ، پھر حضرت نوحؑ اور پھر حضرت ابراہیمؑ کی تصاویر نکالیں۔ پھر اس نے جناب رسول اکرم ﷺ کی تصویر نکالنے میں جلدی کی۔

راوی بیان کرتا ہے، پھر اس نے ایک اور دروازہ کھولا، اور اس گھر میں سفید تصاویر تھیں، اور خدا کی قسم رسول اکرم ﷺ کی تصویر بھی تھی، اس نے پوچھا کیا تم اسے جانتے ہو؟ ہم نے کہا: "ہاں! یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔"

راوی بیان کرتا ہے، ہم رو پڑے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اللہ جانتا ہے کہ وہ کچھ دیر کھڑا رہا پھر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: "خدا کی قسم یہ وہی ہے۔"

ہم نے کہا: ہاں یقیناً یہ وہی ہے جیسا کہ آپ اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ پھر وہ اسے کچھ دیر دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا: یہ آخری گھر تھا، لیکن میں نے تمہارے لئے جلدی کی، تاکہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اسے دیکھوں۔ پھر اس نے انبیاء کی بقیہ تصاویر کو نکالنے کی پوری

بات بیان کی، اور ان کا تعارف کرایا۔

راوی بیان کرتا ہے کہ آخری میں ہم نے اسے کہا کہ آپ نے یہ تصاویر کہاں سے حاصل کی ہیں؟ کیوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان پر انبیاء کی تصاویر ہیں، اور ہم نے اپنے نبی کی تصویر کو بھی ان کی مثل دیکھا ہے، اس نے کہا کہ حضرت آدمؑ نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ انہیں ان کی اولاد میں سے ہونے والے انبیاء دکھائے تو اس نے ان کی تصاویر کو حضرت آدم علیہ السلام پر نازل کیا جو مغرب الشمس کے پاس حضرت آدم علیہ السلام کے خزانہ میں تھیں اور ذوالقرنین نے انہیں مغرب الشمس سے نکال کر دانیال کو دیا، پھر اس نے کہا، خدا کی قسم، میرا دل اپنی حکومت سے نکل جانا چاہتا ہے، اور میں تمہارے سب سے بڑے آدمی کا مملوک ہونا چاہتا ہوں، حتیٰ کہ مجھے موت آ جائے۔

راوی بیان کرتا ہے، پھر اس نے ہمیں، بہت اچھے عطیات دیے، اور رخصت کیا، پس جب ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تو ہم نے جو کچھ دیکھا، اور جو کچھ بیان کیا اور جو ہمیں عطیات دیئے، اس کا سارا حال آپؓ سے بیان کیا، راوی کہتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رو پڑے، اور فرمایا وہ مسکین ہے، اگر اللہ نے اس سے بھلائی کا ارادہ کیا تو وہ ضرور ایسا کرے گا، پھر فرمایا: محمد ﷺ نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ اور یہودی اپنے ہاں آپ ﷺ کی صفت پاتے ہیں۔

واقدی کا بیان ہے کہ علی بن عیسیٰ الحکمی نے اپنے باپ سے بحوالہ عامر بن ربیعہ مجھ سے بیان کیا کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو بیان کرتے سنا کہ میں اولاد اسمٰعیل میں سے ایک نبی کا منتظر ہوں، یہ بنی عبدالمطلب میں سے ہے، اور میرا خیال ہے کہ میں اسے نہیں ملوں گا، اور میں اس پر ایمان لاتا ہوں، اور اس کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں، اور اگر تیری عمر لمبی ہوئی اور تو نے اسے دیکھا تو اُسے میرا اسلام کہنا اور میں تمہیں اس کی صفت بتاؤں یہاں تک کہ وہ تجھ سے مخفی نہ رہے گا، میں نے کہا: آؤ بتاؤ۔ اس نے کہا: ”وہ آدمی نہ لمبا ہے نہ چھوٹا، اور نہ بہت بالوں والا ہے اور نہ تھوڑے بالوں والا اور اس کی آنکھ سے سرخی زائل نہیں

ہوگی اور مہر نبوت اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ہے، اور اس کا نام احمدؐ ہے، اور یہ شہر اس کا مولد و بعث ہے، پھر اس کی قوم اسے اس شہر سے نکال دے گی اور وہ اس کی تعلیم کو ناپسند کریں گے، یہاں تک کہ وہ یثرب کی طرف ہجرت کر جائے گا، اور اس کا امر غالب آجائے گا، اس کے بارے میں دھوکہ کھانے سے بچنا، میں نے دین ابراہیم کی تلاش میں تمام ممالک کا چکر لگایا ہے، اور جو کوئی یہود و نصاریٰ اور مجوس سے پوچھا ہے وہ کہتے ہیں یہ کامل دین ہے، اور وہ کامل نبی ہے، اور اس کی ایسے ہی صفت بیان کرتے ہیں جیسی میں نے تیرے سامنے بیان کی ہے، اور کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی نبی باقی نہیں رہا۔"

عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں جب میں مسلمان ہوا تو میں نے رسول اکرم ﷺ کو زید بن عمرو بن نفیل کی بات کی اطلاع دی اور اس کا سلام بھی دیا، رسول اکرم ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اس کے لئے رحم کی دعا کی، اور فرمایا: "میں نے اُسے جنت میں دامن گھسیٹتے دیکھا ہے۔" (بحوالہ سیرت از البدایہ والنہایہ)

تورات کی پہلی کتاب میں حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں لکھا ہے جس کا مضمون اور ترجمہ یہ ہے کہ: "اللہ تعالیٰ نے نار نمرود سے حضرت ابراہیمؑ کو بچانے کے بعد ان کی طرف وحی کی کہ کھڑا ہو جا اور اپنی اولاد کے لئے زمین کے مشارق و مغارب میں جا، اور آپ نے حضرت سارہ کو یہ بات بتائی تو اس نے لالچ کیا کہ یہ اس کے بیٹوں کے لئے ہو جو حضرت ابراہیم سے اس کے ہاں پیدا ہوں اور اس نے حضرت ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو دور بھیجنے کی کوشش کی، حتیٰ کہ خلیل ان دونوں کو حجاز کے جنگل اور فاران کے پہاڑوں میں لے گئے اور حضرت ابراہیم نے خیال کیا کہ یہ بشارت آپ کے بیٹے اسحاقؑ کے لئے ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی جس کا مضمون یہ ہے کہ آپ کے بیٹے اسحاق کو بہت اولاد ملے گی اور آپ کے بیٹے اسماعیل کو میں برکت اور عظمت دوں گا اور اولاد بہت ہوگی اور میں اس کی ذریت سے ماذ ماذ (یعنی محمد ﷺ) کو پیدا کروں گا اور ان کی اولاد میں بارہ امام بناؤں گا اور ان کی امت بہت ہوگی اور اسی طرح میں نے حضرت ہاجرہؑ کو اس وقت بشارت دی جب

حضرت خلیل انہیں بیت اللہ کے پاس چھوڑ آئے انہیں پیاس لگی اور وہ اپنے بیٹے کے بارے میں غمگین ہوئیں اور فرشتے نے آ کر زمزم کو کھول دیا اور انہیں اس بچے کی حفاظت کا حکم دیا، بلاشبہ اس کی اولاد سے ایک عظیم فرزند پیدا ہوگا، جس کی ذریت کی تعداد آسمان کے ستاروں جتنی ہوگی اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے بلکہ حضرت آدم کی ذریت سے رسول اکرم ﷺ سے بڑی عظمت و جاہ منزلت و منصب کا آدمی پیدا نہیں ہوا اور حضور ﷺ ہی کی امت کی حکومت مشارق و مغارب پر چھائی ہے اور انہوں نے دیگر اقوام پر حکومت کی ہے۔"

اسی طرح پہلی کتاب میں حضرت اسمٰعیل کے واقعہ میں بیان ہوا ہے کہ حضرت اسماعیل کی اولاد کا ہاتھ تمام اقوام کے اوپر ہوگا اور تمام اقوام آپ کے ہاتھ تلے ہوں گی اور وہ اپنے بھائیوں کے تمام مساکن میں رہے گا اور یہ بات صرف حضور ﷺ کے گروہ پر ہی صادق آتی ہے۔

اور اسی طرح پانچویں کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی کی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیجئے کہ اے موسیٰ میں ان کے اقارب میں سے تیری مانند ایک نبی پیدا کروں گا اور اپنی وحی اس کے منہ میں ڈالوں گا اور تم اسی سے سنو گے۔

اور پانچویں کتاب میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی آخری عمر میں بنی اسرائیل سے خطاب کیا اور انہیں ایام اللہ اور جو احسانات اس نے ان پر کئے تھے یاد دلائے اور انہیں فرمایا: "جان لو کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارے اقارب میں سے ایک نبی میری مانند بھیجے گا جو تم کو نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے منع کرے گا اور تمہارے لئے طیبات کو حلال کرے گا اور خبائث کو تم پر حرام قرار دے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اسے دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ملے گا۔

اور اسی طرح پانچویں کتاب کے آخر میں جو اس تورات کا آخر ہے ان کے پاس

ہے بیان ہوا ہے کہ خداوند سینا سے آیا اور ساعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اس کے دائیں جانب نور اور بائیں جانب نار ہے قومیں اس کے پاس جمع ہوں گی۔ یعنی امر الٰہی اور اس کی شریعت طور سینا سے آئی۔

(یہ وہ پہاڑ ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا۔ اور ساعیر سے طلوع ہوا، یہ بیت المقدس کے پہاڑ ہیں۔ یعنی وہ جگہ جہاں حضرت عیسیٰ فروکش تھے۔ اور فاران کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا۔ یعنی جبالِ فاران سے امر الٰہی ظاہر ہوا اور بلا اختلاف یہ حجاز کے پہاڑ ہیں۔) اور یہ صرف رسول اکرم ﷺ کی زبان سے ہوا ہے پس اللہ تعالیٰ نے وقوعی ترتیب کے لحاظ سے ان تینوں مقامات کا ذکر کیا ہے، پہلے حضرت موسیٰ کے اترنے کی جگہ کا، پھر حضرت عیسیٰ کے اترنے کی جگہ کا اور پھر رسول اکرم ﷺ کے شہر کا ذکر کیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات کی قسم کھائی تو قسم کے اصول کے مطابق پہلے فاضل کا پھر افضل کا اور پھر اس سے افضل مقام کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ "والتین والزیتون" اس سے مراد بیت المقدس کا محلہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ رہتے تھے۔ "وطور سینین" یہ وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کیا۔ "وھذا البلد الامین" اور یہ وہ شہر ہے جہاں رسول اکرم ﷺ کو بھیجا گیا۔ یہ بات ان آیات کریمہ کی تفسیر میں کئی مفسرین نے بیان کی ہے۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں اس امت کے جہاد و عبادت کا بیان ہے اور اس میں رسول اکرم ﷺ کی ایک مثال بیان ہوئی ہے کہ آپ تعمیر شدہ عمارت کا آخر ہیں جیسا کہ اس کے متعلق صحیحین میں حدیث بیان ہوئی ہے کہ: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور ایک اینٹ کی جگہ کے سوا اس کو مکمل کر دیا اور لوگ اس کے نزدیک آ کر کہنے لگے یہ اینٹ نہیں رکھی گئی؟ اور اس کا مصداق اس آیت میں ہے: "وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ."

اور زبور میں رسول اکرم ﷺ کی یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت و نبوت

پھیل جائے گی اور آپ کا کلام ایک سمندر کو پار کر کے دوسرے سمندر تک جائے گا اور دیگر علاقوں کے بادشاہ خوشی خوشی آپ کے پاس تحائف وہدایا لائیں گے اور آپ مضطر کو رہائی دلائیں گے اور قوموں کی مصیبت کو دور کریں گے اور بے یار ومددگار کمزور کو بچائیں گے اور ان پر ہر وقت درود پڑھا جائے گا اور اللہ ہر روز ان کو برکت دے گا اور ان کا ذکر ہمیشہ رہے گا۔ اور یہ بات صرف محمد ﷺ پر منطبق ہوتی ہے۔

اور شعیاء کے صحائف میں طویل کلام میں بنی اسرائیل پر ناراضگی پائی جاتی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ: بلاشبہ میں تمہاری طرف اور قوم کی طرف ایک امی نبی بھیجوں گا جو بد اخلاق اور تند خو نہ ہوگا اور نہ بازاروں میں شور کرنے والا ہوگا میں اسے ہر اچھائی اور تمام کریمانہ اخلاق سے بہرہ ور کروں گا پھر میں سکینت کو اس کا لباس اور نیکی کو اس کا شعار بناؤں گا اور تقویٰ اس کے ضمیر میں رکھوں گا اور حکمت کو اس کی عقل اور وفا کو اس کی عادت اور عدل کو اس کی سیرت اور حق کو اس کی شریعت اور ہدایت کو اس کی ملت اور اسلام کو اس کا دین اور قرآن کو اس کی کتاب بناؤں گا۔ اس کا نام احمدؐ ہوگا۔ میں اس کے ذریعے ضلالت سے ہدایت دوں گا اور گمنامی کے بعد اسے مشہور کروں گا اور تفرق کے بعد اس کے ذریعے اکٹھا کروں گا اور پراگندہ دلوں کو اس کے ذریعے متالف کروں گا اور اس کی امت کو بہترین امت بناؤں گا جو لوگوں کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے ان کے خون ان کی قربانیاں ہوں گی اور ان کے سینوں میں اناجیل ہوں گی۔ "ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۭ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ"...

اور شعیاء کے کلام کی پانچویں فصل میں ہے کہ۔۔۔ وہ قوموں کو کھلیانوں کی طرح روندڈالے گا اور مشرکین عرب پر مصیبت نازل کرے گا اور وہ اس کے آگے شکست کھا جائیں گے۔ اور چھبیسویں فصل میں ہے کہ:۔ پیاسے صحرا کی زمین خوش ہو جائے اور احمد کو لبنان کے محاسن عطا ہوں گے اور وہ اس کے چہرے پر جلال الٰہی کو دیکھیں گے۔

اور الیاش کے صحائف میں ہے کہ۔۔۔ وہ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ

روزہ دار ہو کر نکلے اور جب انہوں نے عربوں کو اونی تہبند میں دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے ان لوگوں کی طرف دیکھو یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے عظیم قلعوں پر قابض ہوں گے۔ انہوں نے کہا یا نبی اللہ ان کا معبود کون ہے؟ آپ نے فرمایا "یہ ہر بلند ٹیلے پر رب العزت کی تعظیم کرتے ہیں۔"

اور حزقیل کے صحائف میں ہے کہ "میرا بندہ افضل ہے اس پر وحی نازل ہوتی ہے وہ قوموں میں میرا عدل نمایاں کرے گا میں نے اسے اپنے لئے چن لیا ہے اور اسے اقوام کی طرف احکام صادقہ کے ساتھ بھیجا ہے۔

اور کتاب النبوات میں ہے کہ ایک نبی مدینہ کے پاس سے گزرا تو بنو نضیر اور بنو قریظہ نے اس کی ضیافت کی اور جب اس نے انہیں دیکھا تو رو پڑا۔ انہوں نے اس سے پوچھا اے نبی اللہ! آپ کو کون سی بات رلاتی ہے؟ اس نے جواب دیا ایک نبی سیاہ پتھروں میں مبعوث ہوگا جو تمہارے دیار کو برباد کر دے گا اور تمہاری بیویوں کو قیدی بنائے گا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ یہود نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ بھاگ گیا۔

اور حزقیل علیہ السلام کے کلام میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اس سے قبل کہ میں اندرونے میں تیری صورت بناتا میں نے تجھے پاک کیا اور تجھے نبی بنایا اور تجھے تمام اقوام کی طرف بھیجا۔"

اور اسی طرح شعیا کے صحائف میں مکہ شریف کے لئے ایک مثال بیان کی گئی ہے کہ اے بانجھ اس بیٹے سے خوش ہو جا جو تیرے رب نے تجھے دیا ہے اس کی برکت سے تیرے لئے خیمے وسیع ہو جائیں گی اور تیری میخیں زمین میں گڑ جائیں گی اور تیرے مساکن کے دروازے بلند ہو جائیں گے اور تیرا یہ بیٹا تمام اقوام کا وارث ہوگا اور تمام شہروں اور بڑے قلعوں پر قبضہ کر لے گا تو خوف و غم نہ کر تجھے دشمن سے پہنچنے والا ظلم ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے اور تو اپنی بیوگی کے تمام ایام بھول جائے گی اور یہ سب کچھ جناب حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ سے ہوا اور اس جگہ بانجھ سے مراد مکہ ہے پھر جیسے اس کلام میں بیان کیا گیا تھا۔

ایسے ہی وقوع میں آیا۔

اور اہل کتاب میں سے جو شخص اس میں ردوبدل کرنا چاہے اور اس کی تاویل بیت المقدس سے کرے تو یہ کسی لحاظ سے اس کے لئے مناسب نہیں، واللہ اعلم۔

اور اشعیا کے صحائف میں ہے کہ جنوب سے ایک ستارہ نمودار ہوگا جس کی شعاعیں تجلی اور اس کے تیز خوارق ہوں گے، پہاڑ اس کے لئے ہموار ہو جائیں گے۔ اور اس سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

اور انجیل میں حضرت عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں بلند جنات کی طرف جاؤں گا اور تمہارے پاس فارقلیط روح حق کو بھیجوں گا وہ تمہیں ہر چیز سکھائے گا اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا۔ اور فارقلیط سے مراد محمد ﷺ ہیں اور یہ حضرت عیسیٰ کے پہلے قول کے مطابق ہے کہ: "وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ"

بہرحال یہ باب بہت وسیع ہے اور اگر ہم لوگوں کی سب بیان کردہ باتوں کا استقصاء کریں تو یہ بات بہت لمبی ہو جائے گی، چنانچہ ہم نے اس میں سے چند باتوں کی طرف اشارہ کر دیا جس سے ان کی بصیرت نور الٰہی سے ہدایت پا سکتی ہے اور صراط مستقیم کی طرف اس کی رہنمائی کر سکتی ہے اور ان نصوص کی اکثریت کو ان کے علماء جانتے ہیں اس کے باوجود انہیں چھپاتے ہیں۔

حافظ ابوبکر بیہقی "ایک صحابی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ "ہم رسول اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے ٹکٹکی باندھ کر ایک شخص کو دیکھا اور اسے بلایا تو یہود کا ایک آدمی قمیص، شلوار اور جوتے سمیت آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! اور آپ ﷺ کہنے لگے "کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟" تو وہ کوئی جواب نہ دیتا صرف یا رسول اللہ ﷺ کہتا اور آپ ﷺ فرماتے "کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟" تو وہ انکار کر دیتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تو تورات پڑھتا ہے؟" اس نے کہا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: "اور انجیل بھی پڑھتا ہے؟" اس نے کہا: "ہاں اور رب محمد کی قسم اگر

چاہوں تو فرقان بھی پڑھ لوں۔" تو جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں تجھے اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات اور انجیل کو نازل کیا ہے اور اس سے پہلی مخلوق کو پیدا کیا ہے تو ان دونوں میں میرا ذکر پاتا ہے؟" اس نے کہا:

"ہم آپ کی تعریف کی مانند پاتے ہیں وہ آپ کے ظہور کی جگہ سے ظاہر ہوگا ہم امید رکھتے تھے کہ وہ ہم سے ہوگا اور جب آپ نے ظہور کیا تو ہم نے دیکھا کہ آپ وہی ہیں اور جب ہم نے غور سے دیکھا تو آپ وہ نہیں ہیں۔" تو جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "تم نے یہ بات کہاں سے معلوم کی؟" اس نے کہا: ہم آپ کی امت میں ستر ہزار آدمیوں کو بے حساب جنت میں داخل ہوتا پاتے ہیں حالانکہ آپ کی تعداد تھوڑی ہے۔

راوی بیان کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے تہلیل و تکبیر پڑھی پھر فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے بلاشبہ میں وہی ہوں اور میری امت میں سے ستر ہزار سے زیادہ اور ستر ستر سے زیادہ ہوں گے۔" (بحوالہ دلائل النبوۃ بیہقی جلد ششم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

* * *

خصوصیت نمبر ۱۰۰

رسول اکرم ﷺ کی امت کی تعداد قیامت کے دن سب سے زیادہ ہوگی

قابلِ احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ آخری خصوصیت پیش کی جارہی ہے جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کی امت کی تعداد قیامت کے دن سب سے زیادہ ہوگی" الحمدللہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے ریاض الجنۃ میں بٹھا کر اپنے محبوب ﷺ کی خصوصیت سے متعلق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

بہرحال محترم قارئین! ذیل کی خصوصیت حضور ﷺ کی امت سے متعلق ہے، بے شک یہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر خصوصیت عطا فرمائی کہ روزِ قیامت ان شاء اللہ آپ ﷺ کی امت کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی اگرچہ ہمارے نبی ﷺ کو دیگر انبیاء کرام کی نسبت عمر بہت کم ملی لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا اور خاص فضل سے نوازا، چنانچہ قیامت کے دن تک امت کے جتنے افراد بھی اس دھرتی پر آئیں گے سب کے سب رسول اکرم ﷺ کے امتی ہی کہلائیں گے لہٰذا آنے والے اوراق میں آپ ﷺ کی اسی خصوصیت کی وضاحت پیش کی جارہی ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کا سچا امتی بنے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین، لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

آخری خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت انس کہتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن پیغمبروں میں

سے جس پیغمبر کے ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی وہ میں ہوں گا اور جنت
کا دروازہ سب سے پہلے جو شخص کھٹکھٹائے گا وہ بھی میں ہی ہوں گا۔ (مسلم)

تشریح: قیامت کے دن امت محمدیہ کی تعداد کی کثرت کے بارے میں ایک
حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کی امت تمام جنت کی مجموعی تعداد کا دو تہائی ہوگی۔ اس سے
معلوم ہوا کہ کسی شخص کی اتباع اور پیروی کرنے والوں کی کثرت اس شخص کی فضیلت و
بڑائی کی علامت بھی ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مرتبہ بڑا بلند ہے کیونکہ امت
میں سے ان کی مسلک کے پیروکار زیادہ ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت اسلام کے فروعی احکام
میں ان ہی کی پیروی کرتی ہے اسی طرح قاریوں میں امام [illegible] کا مرتبہ بہت بلند ہے کیونکہ [illegible]
قراءت میں ان کے پیروکار زیادہ ہیں۔ (مظاہر حق جدید، [illegible])

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کی ایک سو
بیس صفیں ہوں گی اور ۸۰ (اسی) صفیں اس امت کی اور باقی چالیس صفیں دوسری امتوں کی۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک قبہ
میں تقریباً چالیس آدمی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مخاطب کر کے فرمایا کیا تم اس پر راضی
ہو کہ تم اہل جنت کا چوتھائی حصہ ہو؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ [illegible] اہل جنت کا تہائی حصہ
ہونے پر راضی ہو؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تشریح:۔۔۔ یہ قبہ آنحضرت ﷺ کے لئے منیٰ میں نصب کیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا تھا۔ اس میں یہ بشارت سنائی تھی۔ پہلے چوتھائی۔ پھر تہائی، پھر نصف کا ذکر فرمانا۔ سامعین کی مسرت میں اضافہ کے لئے تھا، اور آخر میں جو فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم نصف اہل جنت ہو گے۔ اس میں زیادہ کی نفی نہیں۔ چنانچہ متعدد احادیث میں یہ مضمون ہے کہ اس امت کی تعداد اہل جنت میں دو تہائی ہوگی حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ بالا حدیث بھی اسی کی موید ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ اسی (۸۰) اس امت کی اور چالیس صفیں باقی امتوں کی۔

یا رب صلِّ وسلِّم دائمًا ابدًا علی حبیبک خیر الخلق کلّهم

* * *

ماخذ ومراجع

تفسیر مظہری............حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

تفسیر عثمانی............حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

معارف القرآن............حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ

بخاری شریف............محمد اسماعیل البخاریؒ

مسلم شریف............ابی الحسن بن الحجاج القشیریؒ

ترمذی شریف............ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ

ابوداؤد............ابی داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ

ابن ماجہ............ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینیؒ

مشکوٰۃ شریف............ابومحمد الحسین بن مسعودؒ

الادب المفرد............حضرت امام بخاریؒ

ریاض الصالحین............حضرت امام نوویؒ

معارف الحدیث............حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ

تاریخ ابن خلدون............علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدونؒ

طبقات ابن سعد............علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد البصریؒ

کلید مثنوی............حضرت مولانا تھانویؒ

سیرت حلبیہ............علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

غزوات النبیؐ............علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

تاریخ ابن کثیر .... حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل ابن کثیرؒ

تاریخ طبری .... علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبریؒ

سیرت النبیؐ .... علامہ شبلی نعمانیؒ

ترجمان السنہ .... حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ

تاریخ بغداد .... خطیب بغدادیؒ

تذکرۃ الحفاظ .... حافظ ذہبیؒ

کشف الباری .... حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ

کتاب الآثار .... حضرت امام ابوحنیفہؒ

انوار البیان .... مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

معارف القرآن .... حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ

تفسیر ابن کثیر .... حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ

تفسیر فی ظلال القرآن .... حضرت سید قطب شہیدؒ

تفسیر جلالین .... علامہ جلال الدین سیوطیؒ

تفسیر ماجدی .... حضرت مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ

تفسیر ابن عباسؓ .... حضرت جلال الدین سیوطیؒ

انوار القرآن .... ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ صاحبؒ

الاتقان فی علوم القرآن .... علامہ جلال الدین سیوطیؒ

سیرت النبیؐ ابن ہشام .... محمد بن اسحاق بن یسار/ ابو محمد عبد الملک بن ہشامؒ

الترغیب والترہیب .... حافظ زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذریؒ

سیرت النبیؐ .... علامہ شبلی نعمانی/ علامہ سید سلیمان ندویؒ

العطور المجموعہ .... افادات از حضرت مولانا تھانویؒ

تاریخ ابن خلکان .... احمد بن محمد بن ابراہیم بن خلکانؒ

مسند امام اعظمؒ .... حضرت امام ابوحنیفہؒ

رسول رحمت .... مولانا ابوالکلام آزادؒ

تقویۃ الایمان .... حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ

تاریخ اسلام .... مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادیؒ

سیرۃ المصطفیٰ .... حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

رحمۃ للعالمین .... قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ

پیغمبر انسانیتؐ .... مولانا شاہ محمد جعفر پھلواریؒ

النبی الخاتم .... مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

الرحیق المختوم .... جناب صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ

محمد رسول اللہؐ .... حضرت مولانا سید محمد میاںؒ

سیرت رسول اکرمؐ .... حضرت علامہ ابوالحسن علی ندویؒ

سیرت الحبیبؐ .... حضرت تھانویؒ

عہد نبوت کے ماہ وسال .... مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

شرح اسماء حسنیٰ .... قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ

ذکر رسولؐ .... عبدالماجد دریابادیؒ

سیرت رسول عربیؐ .... پروفیسر علامہ نور بخش توکلیؒ

معجزات رسول اکرمؐ .... مفتی عنایت احمد صاحبؒ

خطبات مدراس .... حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

محمد رسول اللہ صبر وثبات کے پیکر اعظم .... مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

آئینہ جمال نبوت .... محترم ابراہیم بن عبداللہ الحازمیؒ

محبوب خداؐ .... محترم چوہدری افضل حقؒ

پیغمبر انقلابؐ .... مولانا وحیدالدین خانؒ

خصائل نبویؐ ...... حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ

فضائل درود شریف ...... حضرت مولانا زکریاؒ

سیرت سید المرسلینؐ ...... مولانا صدیق احمد مہاجر ندویؒ

تاریخ ملت ...... مفتی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ

اسوۂ رسول اکرمؐ ...... حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ

تاریخ اسلام ...... مولانا محمد میاںؒ

معراج رسولؐ ...... حافظ محمد اسحاق دہلویؒ

رسول اللہ کے تین سو معجزات ...... مولانا احمد سعیدؒ

سیرت الرسولؐ ...... حضرت ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ

کاروان مدینہ ...... مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

حضورؐ استاد و مربی ...... شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ

سیرت سرور کونینؐ ...... حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

کتاب الشفاء ...... قاضی عیاض بن موسیٰ مالکیؒ

جامع الاخلاق ...... حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے ...... مولانا محمد منظور نعمانیؒ

رحمت دو عالمؐ ...... سید سلیمان ندویؒ

سید المرسلینؐ ...... مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ

سیرت مصطفیٰؐ ...... مولانا عبدالعزیز ہزارویؒ

طب نبویؐ ...... حافظ ابن قیم الجوزیؒ

نشر الطیب ...... حضرت تھانویؒ

تاریخ ارض القرآن ...... علامہ سلیمان ندویؒ

ماہتاب عربؐ ...... مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ

انسانیت کے محسنِ اعظم ...... مولانا ابوالحسن علی ندوی

سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ ...... مولانا ابوالحسن علی ندوی

ہمارے حضور ﷺ ...... نعمت اللہ تسنیم صاحب

قصص القرآن ...... مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی

انوارِ محمدی ...... مولانا احتشام الحسن کاندھلوی

صدائے فاروقی ...... مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ

رسولِ کریم ﷺ کے آخری لمحات ...... مولانا ابوالکلام آزاد

مطالعہ سیرت ...... مولانا وحید الدین خان صاحب

محمد بن عبداللہ سے محمد رسول اللہ تک ...... قاری محمد طیب قاسمی

مرقعِ حبیب ﷺ ...... حضرت مولانا حبیب اللہ نعمانی

منتخب احادیث ...... مولانا محمد یوسف کاندھلوی

نور البصر ...... مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی

ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ ...... حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی

سیرتِ طیبہ ﷺ ...... الحاج امیر الدین

سرورِ کائنات کی معاشرت ...... ماہ احمدی مرحوم

آخری نبی ﷺ، آخری امت، آخری شریعت ...... مولانا ابوالحسن علی ندوی

سیرتِ مبارکہ قرآن کی روشنی میں ...... مولانا عبدالماجد دریا آبادی

ہجرت مدینۃ النبی ﷺ ...... علامہ سید سلیمان ندوی

سیرت کا پیغام ...... مولانا ابوالحسن علی ندوی

امام النبیین بحیثیت خاتم النبیین ...... مولانا محمد یوسف لدھیانوی

ختم نبوت کامل ...... حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب

خاتم النبیین ...... مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری

مسک الختام فی ختم نبوت الانامؐ.................. مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

فلسفہ ختم نبوت.................. مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ

عقیدہ ختم نبوت.................. مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

شانِ رسالتؐ.................. قاری طیب صاحبؒ

خطبہ رحمۃ للعالمین.................. مولانا صادق سیالکوٹیؒ

سرورِ دو عالمؐ کا پیغام آخریں.................. مولانا صادق سیالکوٹیؒ

نبی اکرمؐ بحیثیت سپہ سالار.................. مولانا عبد الرحمن کیلانیؒ

اطلس السیرۃ النبویۃؐ.................. ڈاکٹر شوقی ابو خلیلؒ

تجلیاتِ نبوتؐ.................. مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ

مہرِ نبوتؐ.................. قاضی محمد سلیمان منصورپوریؒ

سیرتِ جامعؒ.................. امام غزالیؒ

سید البشرؐ.................. قاضی سلیمان منصورپوریؒ

مختصر سیرت الرسولؐ.................. امام محمد بن عبد الوہابؒ

ولادتِ نبویؐ.................. مولانا ابو الکلام آزادؒ

ساقیٔ کوثرؐ.................. مولانا محمد صادق سیالکوٹیؒ

سید الکونینؐ.................. مولانا صادق سیالکوٹیؒ

اخلاق اور فلسفۂ اخلاق.................. مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہارویؒ

جمالِ مصطفیٰؐ.................. مولانا محمد اسحاق سیالکوٹیؒ

مقدس رسولؐ.................. مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

مدارج النبوۃ.................. علامہ شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ

نزہۃ المجالس.................. علامہ عبد الرحمن صفوریؒ

قرآنی شعور انقلاب.................. مولانا عبید اللہ سندھیؒ

تحفۂ خلافت	حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی
سراجاً منیراً	مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی
فیوض الحرمین	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
تفسیر روح البیان	حضرت علامہ اسماعیل حقی
مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل
حلیۃ الاولیاء	امام حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی
سیرت خیر الانام	مولانا قاری طیب صاحب قاسمی
رسول اکرم اور خلفائے راشدین کے آخری لمحات	مولانا ابوالکلام آزاد
میلاد و وفات	مولانا حافظ اسحاق دہلوی
حقوق المصطفیٰ	قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی
جوامع السیرۃ	علامہ ابن حزم
تہذیب التہذیب	علامہ ابن حجر عسقلانی
سیر اعلام النبلاء	امام علامہ ذہبی
فتوح البلدان	احمد بن یحییٰ البلاذری
السنن الکبریٰ بیہقی	علامہ ابی بکر احمد بن الحسین البیہقی
خلاصہ تذہیب الکمال للخزرجی	صفی الدین احمد بن عبداللہ
تاریخ کبیر الامام بخاری	محمد بن اسماعیل البخاری
الخصائص للنسائی	ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی
التبیان فی اقسام القرآن	علامہ حافظ ابن قیم
تفسیر روح المعانی	علامہ آلوسی بغدادی
مظاہر حق جدید	حضرت نواب محمد قطب الدین
حجۃ اللہ البالغہ	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

تنبیہ الغافلین ...... حضرت ابواللیث سمرقندیؒ

احیاء العلوم ...... حضرت امام غزالیؒ

آداب المعاشرت ...... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

احکام اسلام عقل کی نظر میں ...... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

التبلیغ ...... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

مخزن اخلاق ...... حضرت مولانا رحمت اللہ سبحانیؒ

خطبات حکیم الاسلام ...... حضرت قاری طیب صاحبؒ

فضائل صدقات ...... حضرت مولانا زکریا صاحبؒ

فضائل اعمال ...... حضرت مولانا زکریا صاحبؒ

خطبات حکیم الامت ...... مولانا اشرف علی تھانویؒ

ملفوظات حکیم الامت ...... مولانا اشرف علی تھانویؒ

خطبات اکابر ...... ادارہ تالیفات اشرفیہ

خطبات مدنی ...... مولانا حسین احمد مدنیؒ

خطبات حضرت لاہوریؒ ...... حضرت لاہوریؒ

اصلاح معاشرہ اور اسلام ...... حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ

اصلاحی مواعظ ...... حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

خطبات علی میاں ...... حضرت ابوالحسن علی ندویؒ

خطبات مسیح الامت ...... حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ

خطبات جمیل ...... حضرت مولانا طارق جمیل صاحب

رسول اللہ ﷺ کی نصیحتیں ...... حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

کام کی باتیں ...... حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ

نورستان ...... جناب حکیم سعید شہیدؒ

خطبات حرم	ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ صاحبؒ
قوت القلوب	شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی المکیؒ
اصلاحی مضامین	حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ
اصلاحی نصاب	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
خطبات نعمانی	حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ
الدین القیم	مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ
گلزار سنت	حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب شہیدؒ
دین و شریعت	مولانا منظور احمد نعمانیؒ
قرآنی افادات	حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ
اسلامی آداب زندگی	امام غزالیؒ
گناہوں کے نقصانات اور ان کا علاج	امام ابن قیم جوزیؒ
اصلاح انقلاب امت	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
پیغام اسلام اقوام عالم کے نام	حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ
منتخب احادیث	حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ
تبلیغ دین	حضرت امام غزالیؒ
گلزار سنت	حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ
کرامات اولیاء	حضرت امام عبداللہ یافعی مکیؒ
خصائص الکبریٰ	امام سیوطیؒ مترجم مولانا عبدالصمد صاحب
معالم العرفان فی دروس القرآن	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ
سیرت طیبہ رحمت دارینؐ	از طالب ہاشمی
سیرت النبیؐ بعد از وصال النبیؐ	محمد عبدالمجید صدیقی ایڈوکیٹ
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی	ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب

سیرت نبویؐ کے درخشاں پہلو...... مولانا عاصم زبیر ہاشمی

خزینہ درود شریف...... مولانا محمد ارشاد قاسمی

معلم کائنات...... مولوی محمد انور صاحب

محبوبؐ کے حسن و جمال کا منظر...... خواجہ محمد اسلام

حضورؐ بحیثیت سپہ سالار...... محمد فتح اللہ گولن صاحب

پیارے رسولؐ کی پیاری باتیں...... جناب عالم فقری صاحب

عشق رسول کے ایمان افروز واقعات...... مولانا علاؤالدین محمود

محبوب کا حسن و جمال...... مفتی محمد سلیمان صاحب

ہادی اعظم نمبر...... مخدوم زادہ احمد خیر الدین انصاری

رسول اکرمؐ کی ازدواجی زندگی...... ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

معمولات نبویؐ...... مولانا عبدالرحمن جامی

لمحات نبویؐ...... مولانا محمد الیاس ندوی

شمائل کبریٰ...... مولانا ارشاد احمد قاسمی

سنت نبویؐ اور جدید سائنس...... حکیم طارق محمود چغتائی

مقام محمدؐ قرآن کریم کے آئینے میں...... ڈاکٹر ابو الخیر کشفی

رسول اکرمؐ کا انداز تربیت...... مفتی شاہ حافظ محمود صاحب

ہمارے حضورؐ...... اہلیہ ڈاکٹر سہراب انور

نبی اکرمؐ بطور ماہر نفسیات...... سیدہ سعدیہ غزنوی

حیات محمد مصطفیٰ...... مرتب شوکت قدیر

پیارے نبیؐ کے پیارے اخلاق...... محمد الیاس عادل صاحب

رسول اکرمؐ کی صورت اور سیرت...... مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب

معارف ترمذی...... قاری سعید الرحمن صاحب

خطبہ حجۃ الوداع ..... ڈاکٹر نثار احمد

تاریخ حرم نبویؐ ..... محی الدین قادری الرزاقی

معجزاتِ محمدؐ ..... محترم خالد سراج صاحب

جب حضورؐ نے ..... محمد متین خالد

معارف اسم محمدؐ ..... محترمہ ماشاءاللہ سعد صاحب

آخری نبیؐ اور توراۃ موسوی ..... محترم بشیر احمد حسنی

رحمت دو عالمؐ اور اسلامی اخلاق ..... مفتی محمد صادق/ مفتی محمد فاروق صاحب

اخلاق رسولؐ ..... محمد ندیم باری

اخلاق پیغمبریؐ ..... طالب ہاشمی صاحب

مثالی بچپن ..... محمد اسحاق ملتانی صاحب

تاریخ حرمین شریفین ..... علامہ الحاج عباس کرارہ مصری

طب نبویؐ ..... حافظ اکرام الدین صاحب

عہد نبوی کا نظام تعلیم ..... مولانا عبدالمعبود صاحب

محمد عربیؐ انسائیکلو پیڈیا ..... ڈاکٹر ذوالفقار صاحب

فضائل مدینہ منورہ ..... امام محمد بن یوسف

سیرت کبریٰ ..... مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری

قصص الحدیث ..... مولانا محمد زکریا اقبال

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ..... جناب محمد یاسین قریشی سہارنپوری

تذکرۃ الانبیاء ..... امیر علی خان

تذکرۃ معجزات انبیاء ..... امیر علی خان

معلومات سیرۃ النبیؐ ..... امیر علی خان

تعمیر اخلاق ..... مولانا قاضی اسامہ صاحب

خطبات سیرت...................................مولانا شاہ اللہ سعد شجاع آبادی

آئینہ محمدیؐ...................................مولانا سرفراز خان صفدر صاحب

مقالہ ختم نبوت...................................مولانا سرفراز صفدر خان صفدر صاحب

معالجات نبویؐ اور جدید سائنس...................................حکیم طارق محمود چغتائی

تعلیمات نبویؐ اور جدید سائنس...................................حکیم طارق محمود چغتائی

خصائص النبیؐ...................................حضرت سید نفیس الحسینی صاحب

حضورؐ کی اطاعت...................................پروفیسر مولانا محمد رفیق چودھری

تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ...................................ڈاکٹر احمد شلبی

نبی اکرمؐ کی معاشی زندگی...................................ڈاکٹر نور محمد غفاری

اسماء الرسولؐ...................................مکتبہ المیزان

حیات محمدؐ...................................محمد حسن ہیکل

فتوح العرب...................................حضرت مولانا بشیر احمد انصاری

پیارے نبیؐ کی پیاری سنتیں...................................مولانا شاہ حکیم اختر صاحب

بچوں کے لئے سیرت النبیؐ...................................ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب

درود شریف سے آپ کی پریشانیوں کا حل...................................مولانا قاسم ضیاء صاحب

معراج مصطفیٰؐ...................................مولانا احمد علی جانباز

محسن انسانیت کی سنتوں پر عمل اور اس کے فوائد...................................ڈاکٹر نور احمد صاحب

عہد نبویؐ میں نظام تعلیم...................................مولانا عبد المعبود صاحب

حضرت محمدؐ...................................مولانا مظہر علی خان صاحب

یوم میلاد النبیؐ کے تقاضے...................................قاری محمد قاسم صاحب

آئینہ قادیانیت...................................مولانا اللہ وسایا صاحب

ختم نبوت قرآن و سنت کی روشنی میں...................................مولانا سرفراز خان صفدر

ہادیٔ کونینؐ...حکیم محمد اسماعیل ظفر آبادی

آئینۂ تاریخ...جناب نثار احمد

اخلاق النبیؐ...محترم عالم فقری صاحب

معجزاتِ نبویؐ...محترم عالم فقری صاحب

حلیۂ مصطفیٰؐ...حکیم علی محمد صمصام

نبیوں کے قصے...مولانا محمود احمد غضنفر

اسوۂ حسنہؐ...پروفیسر حمید احمد خان

مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات...محترم امتیاز احمد صاحب

تاریخ خانہ کعبہ...محمد طاہر الکردی صاحب

تعلیم القرآن...مولانا محمد ادریس ندوی

مطالعات قرآن...ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی

قرآن کریم کے عظیم فضائل...شیخ ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد

قرآن کریم کا اعجاز بیان...ڈاکٹر عائشہ عبد الرحمٰن بنت الشاطی

اسلامی طرزِ فکر...محترم کلیم چغتائی

نظارہ حرمین...فاروق ارگلی صاحب

آدمؑ سے محمدؐ تک...مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب

اخلاق العلماء...امام ابوبکر محمد حسین آجری صاحب

اخلاق حسنہ...علامہ عالم فقری

پیغمبرِ صحراؐ...کے ایل گابا

فضائل نعلینؐ...امام احمد المقری التلمسانی

معمولاتِ مصطفیٰؐ...صوفی محمد اکرم مدنی

صحابہ کرامؓ اور عشقِ حبیب کے تقاضے...علی اصغر چودھری

شانِ محمدؐ .... سید ابوالاسد وارثی صاحب

شاہنامہ اسلام .... حفیظ جالندھری صاحب

درِ یتیمؐ .... مولانا ماہر القادری

رسول اکرمؐ کا نظامِ جاسوسی .... پروفیسر محمد صدیق قریشی

سیرت الامینؐ .... محمد رفیق ڈوگر

سیرت رسول اکرمؐ .... مائل خیر آبادی

سیرت نبویہ قرآن مجید کے آئینہ میں .... مولانا محمد ماجد قاسمی ندوی

تاجدارِ مدینہؐ .... جاوید انجم صاحب

میلادِ مصطفیٰؐ .... مولانا ابوالکلام احسن صاحب

ذکرِ جمیلؐ .... مولانا شفیع اوکاڑوی

معراج النبیؐ .... علامہ سید محمود احمد رضوی

طب نبویؐ .... حافظ اکرام الدین صاحب

قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن .... ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری صاحب

رحماء بینھم .... حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ

رسول اکرمؐ کی مسکراہٹیں .... مولانا عبدالغنی طارق صاحب

رسول اکرمؐ کے آنسو .... مولانا عبدالغنی طارق صاحب

انعامات ربانی .... حضرت مولانا حکیم اختر صاحب

احقاق حق و ابطال باطل .... مولانا شفیق عبدالرحمٰن القریشی صاحب

جمالِ حرمین .... حافظ لدھیانوی صاحب

اسلامی عقائد .... مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب

حدیث کا درایتی معیار .... مولانا تقی امینی صاحب

حیاتِ صحابہ کے درخشاں پہلو .... جناب محمود احمد غضنفر صاحب

حیاتِ تابعین کے درخشاں پہلو......جناب محمود احمد غضنفر صاحب

رحمتِ دارین کے سو شیدائی......محترم طالب ہاشمی صاحب

منہجِ انقلابِ نبویؐ......ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

امنِ عالم اور اسلام......عالمی تناظر میں اسلام کا مکمل تعارف

شمائلِ کبریٰ......مولانا مفتی ارشاد القاسمی صاحب

پیارے رسول کا پیار......کرنل (ر) محمد عمر خان صاحب

اصلاحی خطبات......حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب

خطباتِ فقیر......حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی صاحب

ندائے منبر و محراب......حضرت مولانا اسلم شیخوپوری صاحب

صدائے منبر......حضرت مفتی محمد امین صاحب

اخلاق النبی......ڈاکٹر محمد احمد قمر مختیار صاحب

محسنِ انسانیت اور انسانی حقوق......ڈاکٹر حافظ محمد ثانی صاحب

قرآن کیا کہتا ہے......جناب خالد خان خلجی

قرآن کا پیغام......مولانا شہاب الدین ندوی

دینی دستر خوان......حضرت مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی

خلق خیر الخلائق......جناب طالب ہاشمی

اسلام اور جدید دور کے مسائل......مولانا محمد تقی امین

حسن گفتار......جناب طالب ہاشمی صاحب

اسلاف کی یادیں......حضرت مولانا مفتی اسد اللہ عمر نعمانی

حسنتِ جمیع خصالہ......جناب طالب ہاشمی صاحب

خلاصۃ القرآن......مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب

جواہراتِ علمیہ......ابو احمد حافظ محمد سلیمان صاحب

اللہ سے شرم کیجئے .... مفتی محمد سلمان منصور پوری

منتخب احادیث .... مولانا عبیداللہ انور

آداب زندگی .... جناب محمد یوسف اصلاحی صاحب

حقوق العباد .... جناب اوصاف علی صاحب

تبلیغ بالیقین کار نبوت ہے .... مولانا قاری محمد احمد صاحب

* * * * *

مؤلف کی چند دیگر کتب

(1)...... مثالی نوجوان...................................صفحات 528

(2)......مثالی عورت...................................صفحات 600

(3)......ازدواجی زندگی کے رہنما اصول...................................صفحات 456

(4)......ازدواجی زندگی کی مشکلات اور ان کا حل...................................صفحات 440

(5)...... مردوں کی مثالی زندگی کے درخشاں پہلو...................................صفحات 600

(6)...... خواتین کی مثالی زندگی کے درخشاں پہلو...................................صفحات 592

(7)......کامیاب زندگی کے راز...................................صفحات 422

(8) جنت اور جنت میں لے جانے والے اعمال...................................صفحات 700

(9)......جہنم اور جہنم میں لے جانے والے اعمال...................................صفحات 700

(10)......اصلاح معاشرہ کے رہنما اصول...................................صفحات 664

(11)......تعمیر معاشرہ اور ہماری ذمہ داریاں...................................صفحات 600

ناشر:۔ دارالاشاعت کراچی

میرپور خاص میں ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ یوسفیہ دوکان نمبر 303 مدینہ شاپنگ سینٹر میرپور خاص